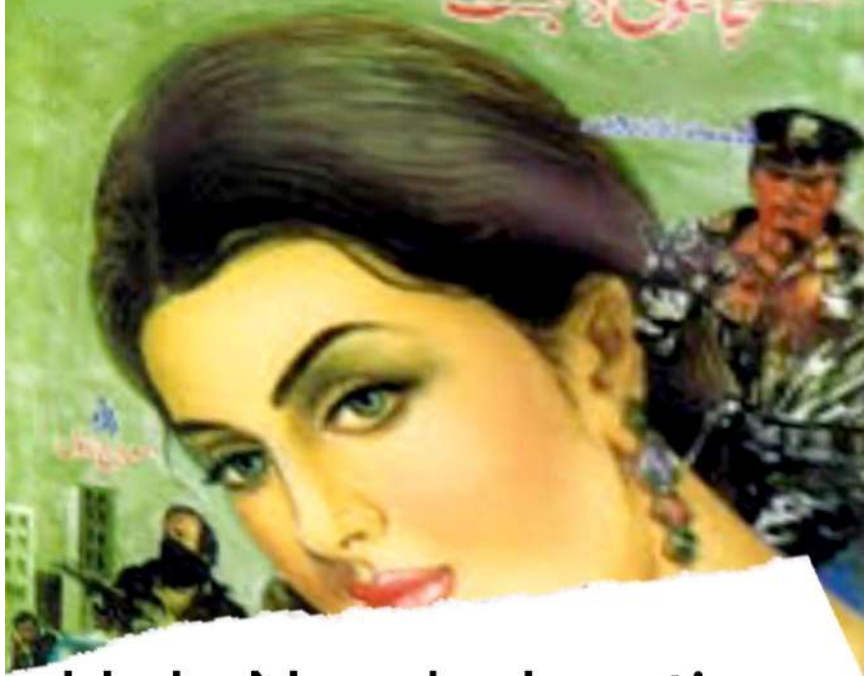


جنوری 2025

نیا سنی ڈائجسٹ



Urdu Novels Junction



12

لحمہ بلور سے ہر کنارہ بننے والی ایک  
بابت بلور کی ذہانت و سرگرمی کا ترجمان

اصغر رحمتی



06



تاریک کی کمر فرمایاں اور کج اداریاں  
نامہ و پیام، مختصراً عنایتیں اور شکایتیں

محبی اعظمی

انعام کے منٹے پھل سے زہر کشید  
کرنے والے دشمنوں کا زہر ملا اثبات

عظیم سلیم ناسیم

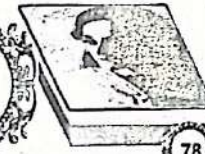
65



فاطمہ حسام

51

سال نو پر مغرب سے درآمد کرد  
ایک حوصلہ است ذرا کسائی



78

انسانی معاشرے میں جنگل کے قانون کے  
خلاف جہاد کرنے والا نوجوان کی داستان

الحداد ہادیہ



69



عقب حراج و عادات کی مالک لڑکی  
کا عجیب و غریب نظریہ زندگی

ظاہر خان بیگم

ایک انوکھی کہانی کے مختلف  
کرداروں سے یادگار ملاقات

مناقہ نور

113



عبدالرحمن نعیمی

105

کسان سے نکلنے کے مانت  
اعدا و اعدائے دلوں کا اختراع سفر



جلد 55، شمارہ 01، جنوری 2025، زو سالانہ 3000 روپے • قیمت فی پرچہ پاکستان 200 روپے •  
خط و کتابت کا پتا: پوسٹ بکس نمبر 229 کراچی 74200، فون 35895313 (021) E-mail: jdpgroup@hotmail.com

		126		119	
<p>چند لوگوں میں زمین کی بول دینے والے عیار زبوں کی ہوش رُبا حسیل سازیاں</p>	<p>حسام مینٹ</p>	<p>کمال حیات</p>	<p>چروں کے ساتھ ذہن پر مبنی والی شخصیت شاک کا کڑا امتحان</p>		
<p>دست انون وانٹ جیسے اداروں کی فلٹ سسٹم اپنا کی سکاچ شمشاد</p>	<p>عزیز اعجاز</p>	<p>منجید دیشانی</p>	<p>جس زدہ رات میں ہونے والی خراسر اور رات</p>		
		151		147	
		174		169	
<p>دماغی دستور میں ہست از ہن کی مجرمانہ کارروائی کا عجیب ماجرا</p>	<p>علین عباس</p>	<p>عکس فاطمہ</p>	<p>قل کی سنگین واردات کا معرکہ جس کے گواہ مقتول ہو چکے تھے</p>		
<p>انتساب کی نگہ میں سلاش کی ترقی سیکاپ کی ترقی میں سلاش کی ترقی</p>	<p>الذوق و قاری</p>	<p>اسما قادری</p>	<p>فریب، دھوکا دہی اور گھماؤنی دنیا کے وبال جواب باعث زوال تھے</p>		
		**		197	

پبلشرز پروپرائٹر: عبدالرسول، مقام اشاعت: C-63 فیروز ایکسٹینشن ڈیفنس کمونٹی ایریا میں کورنگی روڈ، کراچی 75500  
پرنٹر: جمیل حسن، مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی





عزیزان من۔۔۔ السلام علیکم!

جنوری 2025ء کا پچاسواں سال ہے۔ یہ سال خاص طور پر پاکستان کے لیے اہم ہے۔ اس سال کے آغاز سے ہی ملک میں سیاسی، اقتصادی اور سماجی تبدیلیاں رونق پانے لگی ہیں۔ حکومت نے نئی پالیسیاں نافذ کیں ہیں جن سے ملک کی معیشت تیز رفتاری سے گھومتی ہوئی ہے۔

ہم جہاں ہیں وہاں ان دنوں مشق کا سلسلہ ختم ہے۔ کاروبار جنوں عام تو ہے مگر آج ذرا مختلف ہے۔  
 فیصلہ ہے امیدوار کی کثرت و مسائل۔ کھانے کا سلسلہ ہے تو فیصلہ کئے گا کسی ہنر مند ہے۔ معاشرہ جن حالات و حوادث کی زد میں ہے۔  
 مناجات کے دربار میں تھیں۔ گریہ زاری کرتے ہیں کہ ہمیں اس زور و احوال سے اہم نکالے۔

اس بار برس جائے کہیں ایمان کی بارش..... لوگوں کے خمیروں پہ دھول بہت ہے

[illegible]



یہ بھی اپنی قضاور کمانی کے بعد سے غائب ہیں اور ایک جنگ دکمانے کے بعد پھر درمیں ہو گئے۔ مہاراجہ بمبئی کی جنگ اور اودھ کی شریف قتل کے دل  
جیت لیے۔ یعقوب بمبئی کی حراہی کمانی سلسلہ ہائے عسکری میں بھی اچھی رہی۔ مئی کا ٹھہرہ دین میں جنگ کا حال تھا۔ اس قادی کے طلسم کشا کے نام سے ایک  
بادشاہ کمانی ابتدائی صفات پر غور کی۔ کمان کا چکر اور اودھ اقلات کو پیش کرنے کا نامزد اس قادی دل جیت لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس صلاحیت کا  
استعمال انہوں نے اب جاسوسی کے لیے بہت کم کر دیا ہے اس کی وجہ سے قاصر ہوں۔ اس مال کی جنگ کمانیاں بھی اچھی رہیں۔ دونوں میں غلامی کی  
فصلیں بہت برکری کے بعد بھی آخری کی وجہ سے پھنس گئیں۔ یعقوب بمبئی نے تاریک راہیں لکھ کر یہ بتایا کہ دل جیت کر اپنی اودھ انہیں لے کر جانے تو اس کے  
حوکے میں نہیں آتا چاہے جنگ غلام کاردار سے یعقوب بمبئی کی کتا بھی پکڑے آپ کمانی بمبئی جیت پر بہت قدیم سے ہی اس کا سامنا کرنے لگے۔ اسے راجپوت  
کی نفسانی اور ظاہر جادو جیٹل کی فکلی بہت اچھی صلہ کی مختصر کمانیاں ہیں۔ اودھ۔ بشری احمد اور احمد عثمان نے کمان کی جنگ لکھا۔ چون کا ٹھہرہ اور راجہ ساراپ  
کڑو سے لاکھ روپے اور اسب مردوں کی کمانیاں۔ راجہ سلطان کی بیٹے تارے کے خدو سے تھر کاوش کی جنگ کے سامنے مہاراجہ بمبئی کی اس سال  
کی کڑو تین پیشکش مختصر کمانیاں الیہ اچھی رہیں۔ ماحسن کی تقدیر، ماحسن کی راہ زن اور محمد عثمان آخر کی ملازمت منتر جن میں ان سب پر اودھ  
کی کسی مختصر تحریر کشہ عثمان رہی۔ جولائی کا ٹھہرہ کی حوالہ سے لا جواب ہے ایک تو بڑے عرصے بعد پھر جنگ کا دیکھنے کا اودھ اور راجہ ساراپ  
مبئی اچھی اور ان کی۔ لوشان آخر نے جان لینا لکھ کر ایک اچھے سے نظر کے طور پر خود کو حصار کیا۔ دوسری جانب راجہ سلطان کے کڑو کے کدو  
اور ایک بیٹوں کو اس خوب صورتی سے بیان کیا کہ قادی کے اختیار اور دینے پر مجبور ہو جائے۔ چون میں شرار ہونے والی اور صوفیہ کی ابتدائی صفات  
پر ترجمہ جوش کاوش سرگودھا کاں اختتام پذیر ہوئی۔ غزوات کے باوجود اس نے کبھی پر بھی پور نہیں ہوئے راجہ اور دل مانگے مردانہ کیفیت میں جتار کر دیا۔  
بشری احمد کی وارث اور اودھ کی آسان قلمرو مختصر کمانیاں ہیں۔ مختصر مسلم اپنی نے حراہ کے طور پر ملی کا کمانی کی جنگ کے خلاف حراہ کی اچھی تھی۔ ان  
کے دادوں پر انہیں حریہ کی لکھا چاہے۔ آگست کا انجسٹ جنگ کے حوالے سے ماحسن کی قادی۔ مختصر ماحسن کے ہاں کمانیاں اس کے مقابلے میں بہت اچھی  
تھیں۔ راجہ سلطان نے ابتدائی صفات پر ایک شاندار دل پیش کیا جس میں دکن کی مشکلات کا کوئی سے امانت کا گیا۔ لکھنؤ ہو یا آگرہ، بیہولیت  
جو بہت تھی لیکن کینڈا کا شہری ہونے کا احساس بھی قائم رہتا ہے۔ زیٹلان راجہ سلطان۔ ماحسن افساری کی مختصر مشن جدید نام کے برعکس بڑی شجید  
کمانی ثابت ہوئی۔ کمانی ملاقات میں ہونے والی حدیثات کی سب پر مہم کاری کی گئی اور دلچسپ انداز میں کمانی پیش کی گئی۔ یعقوب بمبئی نے اٹکا پڑا  
میں اپنے ہاتھ زانی کمانی کمانی ستانی۔ یہ بھی آئین اور جب الوٹھی کے جذبات سے مہم راہ ایک شاندار کمانی رہی۔ مختصر کمانی میں قادی حراہ کی آزادی  
قابل ذکر رہی الیہ اس کا انجام مکمل پندرہ فیصد آیا۔ خبر کا جنگل اس حساب سے منظر ہوا کہ کبھی سے بھی جاسوسی کا نکل نہیں سکا۔ لکھنؤ ویزو کے لیکن کے دھوپ  
میں کی دہلیوں کو زیر یہ جانا۔ ایچ اقبال اور کما کدہ کے کڑو ابتدائی صفات پر برہان تھے۔ کمانی ان کے حصار کے حساب سے کوئی جالاندہ جنگلی مختصر  
کمانیاں بہت زیادہ ہیں اس لیے بہت سی ان میں پھنس آئیں۔ علی حیدر کی اور کما کدہ، اودھ کی اصول، مختصر اپنی کی آخری جد تھیر تین تمام تھے۔ تھیر اور کما  
فوت اور جلال پست پیٹنڈا کی لیکن ان سب میں سب سے زیادہ یادگار کمانی بشری احمد کی راجہ رہی۔ مختصر ہونے کے باوجود اس نے سب سے زیادہ پندرہ  
آگے کار کھڑا بیٹا۔ راجہ سلطان کے جنگ میں اچھے سے نظروں سے اڑی کی کمانی کا ٹھہرہ اور ان کی سی رہی لیکن انداز پر حراہ کی قادی۔ واقعات کی بت کے کمانی میں  
اپنی دیکھی کوئے نہیں دی۔ اس زود مہاراجہ بمبئی کی اس سال کی سب سے اچھی کمانی تھی۔ آگست کے جنگ میں جنگ سے کوئی قیادت نہیں لیکن جنگ  
استور پر اس بار بھی پڑ گئیں۔ جنگ بمبئی کی تھیر پندرہ والی جنگی روٹنگ ڈراما بھی گئی جبکہ لوشان آخر کی کاروبار نے کی ٹرن اور ٹوٹ کے بعد بھی ایڈجک  
دکمانی۔ دونوں مصنفین اچھا لکھتے ہیں لیکن اس بار حراہ کرنے میں کام رہے۔ ان کے مقابلے میں ظاہر جادو جیٹل کی مختصر کمانی کو اس احتیاج پر حراہ سے  
یادگار رہی۔ مہمان تھیر کی کمانی کے لیے مکی اچھی رہی۔ ٹوہر کے شمارے کا آغاز یعقوب بمبئی کی ابتدائی صفات پر موجو حراہ خون آشام مہم سے کیا۔ ایک بہترین  
کمانی کدو حصوں میں بیان کیا گیا۔ دوسرے تو بھی کمانی لیکن یعقوب بمبئی جس طرح سے قلم پر گرفت رکھتے ہیں وہ اس حراہ میں مستور نظر آتی۔ کبھی کبھی بکتے  
ہوئے قلم رانی بھی ہوئی لیکن مجموعی طور پر ان کی یہ کاوش ان کی سادہ کوششوں سے قوی کی پندرہ کی۔ راجہ سلطان کا پہلا رنگ راجہ سلطان نے اپنی ہی سادہ  
تھر سارانیان کی ایک پیشکش بنا کر لکھا۔ ایک اچھی تحریر جس میں کچھ ان فضا پر لکھ کر مکمل ہوتے ہوئے دکھا گیا۔ مہاراجہ بمبئی کی اپنا فیر حراہ کی رہی۔  
کس قادی کے قصاص شمارے کی بہترین مختصر کمانی تھی۔ بشری احمد کی اٹکا کار اور میر حراہ کی آخری گولی بھی پندرہ آئیں۔ دوسرا کاردار نے ان کی دونوں ہونے  
ہیں اس لیے کچھ بڑے حنائیں۔ ظاہر جادو جیٹل کمال لکھتے ہیں تو امید ہے کہ ابتدائی صفات کی کمانی اس کی کلا زنی کا لا جواب ہوگی۔ مختصر مسلم اپنی اور راجہ  
صفوان نے ان کی جنگ ماحسن کیس ہے اور کمانیوں کے تعارف سے بھی نیکی لگدہ پاک جنگل استور پر مہم ہوں گی۔ اس سال قادی راجہ کمانی میں مکمل صاحب  
کمانی دل قادی سماپ پر اپنی طے دار کا آغاز جادو جیٹل بہت اچھا کیا۔ ایک جنگ جیٹل ہونے والی اسلام کی کمانی جس میں حراہ اس کو حراہ کے  
بعد کینڈا جنگی ہے۔ اب جادو جیٹل کے قلم پر مختصر ہے کہ کدو کمانی کو یہاں سے آگے اسان پر لے جاتے ہیں یا پھر زہن میں کر دیتے ہیں۔ حرام بٹ اپنے  
مختصر اس انداز میں کمانی دیکھ کر دوں دوں رکھے ہوئے ہیں۔ کمانی کا کیوں نہایت دست ہے اور حرام بٹ اس میں خلوئی رنگ برسر ہے۔ جیٹل کینڈا میں  
اس سال کی ممان کے بیٹیل کی کراچی کے قمر اقبال اور ممان کی سی محمد حسین جپ پر ہے۔ ہر شمارے میں ان کے بے لاگ اور خوب صورت تھر سے بڑے  
کا ایک ہی حراہ آقا تھامد ہے یہ سب سال میں اپنی رائے پہنچانے میں بخوبی کام نہیں لیں گے۔ ماحسن بنوا اور احمد اور راجہ زماں اچھا اضافہ ہیں۔  
غرام میں جن راجہ وایت غائب ہیں لیکن اوم راجپوت آتی جاتی رہتی ہیں۔ کڑو کی کبیر اپنی بھی ایک بہترین تھیر لکھ رہے۔ لکھنؤ کی خیال کی اپنی امدادی





راجست اپنے خبرے کے ساتھ موجود ہیں، اسلحا کا بھی دوسرے نمبر پر بیچ دیا ہے۔ وہ دھڑے کے ساتھ موجود ہیں۔ اسلحا میں کوڑا کے لاکھ ہیں۔ اور زرعاتی کی مختلف زبانوں میں مختلف اُردو سے مخلوط ہوئے۔ دانیال حسن چٹانی کا خبر یہ بھی بہت مہنگا رہا ہے۔ چلے گئے کیاہوں کی طرف تو ظاہر ہو چکا کہ نام ہمارا کی دوسری کہانی سے ابتدا ہوگی۔ یہاں تک کہ اہل آباد سے پہلے آجیسی کلاڑی پرچی۔ کہانی کا آغاز اور ان کی دونوں ہی عہدے (بہت خوب۔ چوٹی) ہم کے ساتھ آگے کی مثال ہوئے ہیں۔ ان کی سائنس کی ضروری ہے۔ بہت دور (اوش) ظاہر ہو چکی۔ آجیسی کلاڑی میں ضروری کی تو پرستی چلا گیا۔ کرکٹ کے کھیل سے شروع ہو کر شہر کی رنگین میں ہم آہنی اس کہانی کی سرکڑی کر رہا کہ ان میں چکر میں آئے۔ کمریل مشکلات، بھارپ کے کھانا کے باوجود کرن نے بہت نہیں بدلی۔ اپنے دھڑکی حوصلہ افزائی نے کرن کو اپنے دھڑے کے ساتھ خود راہ کرکٹ کے گزراؤ پہنچا۔ وہاں اس کی پھر ضرورت ملاحظہ نے اس کی ملاحظہ کو چار چاند کر مرزا پر پہنچا رہا۔ ویلنٹن مثل صاحب۔ مثل ٹانگہ کے لئے توڑکی کھیل ہے، لیکن یہاں اصل صورت کا تو یہ ہے۔ اہل بلدیہ بھی ہے۔ اس کہانی میں شہر و دیہات آخر نے اس کھیل کے اسرار بھی دیکھ کر پھر راتوں سے یہ درد بھایا اور پھر کہانی انہوں کی۔ حاکم جگہ چوٹی کی انفرادی کو محض وہ لگی۔ خاکی انسانوں کی حد سے چوٹی بے انتہا ہیں، جو بہت، دوقافا، اپنے ہمارے دلی نے واقعی بہت کر دیا ہے کہ انسان خدا سے ہیں۔ دوسرے کی عمومی قطع میں حرام ہٹ نے جاس کے انہوں بیویوں کا پھر کر دیا۔ براہِ جناح خود کو لپکا ہے کہ پھر بھری ہوئی، جس کی اس کھیرا سے لے لہو اور جاس نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا اور اس سے بھی زیادہ کی۔ جاس مسلسل بیویوں کو کچھ کے لگا رہا ہے۔ ویلنٹن حرام ہٹ۔ اہم چوڑی کی جگہ میں مناسب ہی جلی ہو رہی ہے۔ اپنے نام کھیل کی طرح کہانی کی پیشین چارہ سے ان کی خاص اہمیت پیشین چارہ میں ہو رہی ہے۔ کئی حیدر کی شہان کا چارہ اور ان کی مرضی۔ حمران کریم کی بائیں خانکد کی اس سے نام کھیل کی طرح کہانی کی آخری کمرات ہیں۔ وہ کہانی بہت قریب حیدر کی مناسب حیدر کی۔ منظر میں بھی کئی سکے ترائے نے پوری طرح لپکا ہے۔ حرم میں بکڑے رکھا۔ لاجب کہانی کی آخری کی منظر پسلی کی ہے۔ کہانی میں وہاں دوسرے جو کچھ حراجک تھا۔ وہاں ہی۔ ویلنٹن کی۔ منظر وہاں لپکا رہا۔ منظر ان کی نے۔ جو جتنی لگتا تھا میں نے حاضر نہیں۔ ہائی کی طرح بہت ہی جاس میں اس طرح تم ہوئے کہانی کی علت میں غم کی۔ وقت کے گزرنے کا احساس میں نہیں ہو سکا۔ دونوں مردوں نے مثال سے، مجموعی طور پر دسمبر 2024 کا شمار بہترین کہانیوں کا نمبر رہا۔ دعا کوہن کے لئے سال 2025 میں بھی یہ پسلی کی طرح پھر رونما دہائی جارہی ہے۔ آئیں۔" (آپ کی دعاؤں کے جواب میں دلی دعا کی)

[illegible]





(انجسٹ کی روکش عداوت ہم رہی۔) (آمین)

بہاولپور سے ڈاکٹر حسین کا شہدائی تجربہ "دو ماہ سے سرورغیات میں ایسا جکڑ کر محفل میں شامل نہ ہو سکا۔ بہر حال ایک بار مجھ سے مل کر خدمت ہوئی۔ احباب گرامی پہلے تو سرورق کو نور سے دیکھا۔ صورت حال خاصی ایٹشن کی حالت تھی اس لیے حیدر پر تھی تو دیکھیں گا کہ مجھ کی روئے نہایت سخت کی حالت میں محسوس ہوئی۔ لیکن میں کسی سے سنا تھا کہ بہاولی جڑ سے والے سنگ دل ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے نہ پتا چلے گا کہ حیدر کا بہاولی کی پہلی شریک کر تھی، اتنا اور اس کی سنگ دلی۔ چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔ جو جناب، سنگ تراشے کی یہاں ضرور کہا جائے گا کہ سرورق کی کہانیاں بڑھنے کا زیادہ اضافہ نہیں ہوا۔ ان سے بہت پہلے میری ایک سنگ جایا کرتی ہے۔ سرورق کی تمام تفصیل کی مثال میں پا کر کھینچے گئے خوش ہوئی تھی اور اس بار بھی ہوئی۔ جہاں تک کہانی کا تعلق ہے تو یہ کہانی نہایت لمبے ہوئے تھیں اور کاشا بہار سے اس لیے پہلے پڑھے تھے کہانی کے کثرت میں سلا۔ کہانی کی ٹریٹمنٹ و ڈسپوسب، مگر ایک ایٹشن و سسٹی سے سمجھو اور اس کا حوصلہ کیا۔ شاہ ہمارے ہی سامنے ہے کہ کہانی کی اور ایسے کرداروں سے ڈکھو، جیوں کے علاوہ بھی کئی کہانیاں ہماری بڑی ہیں۔ جس ایک ایسے ہمارے انٹرنیشنل کی ضرورت ہے جو ایک کی طرح ان جرموں کو کھسکے۔ پہلے ہمارے میں اور اس کا سنگ تراشے میں "پائل پریمی" (مصلحت) نے دل خوش کر دیا۔ جاسوسی کی کہانی ہے کہ بہت بہت مگر یہ اس کی قسم کی دل آزاری پر مصلحت بھی۔ پہلی کہانی کی طرف سفر نہایت خوشگوار رہا۔ ایک تو محفل صاحب کی تحریر اور دوسرا کردار (کران انوار) کا انٹرویو رہا اس میں سرورق کی مثالیں لکھی۔ کہ کہانی کے اثر سے نکلے گول ہی نہیں چلا۔ جیسی کہنے کے بعد رسالہ اٹھا اور دوسری کہانی کی طرف گیا۔ مگر صاحب اس وقت شیطان انسانوی ادب ہیں۔ علی حیدر کی شیطان کا پتا سفر فرسائی کی عمر کہانی تھی۔ سفر فرسائی کی بنیاد ہی عموماً پر ہوتی ہے، ہمارے مشاہدہ اور واقعات ان کے حوالے سے مگر کیا ہے تو مشاہدہ ہی بنیادی وصف ہے جو کسی کی کوئی نصیب ہوتا ہے۔ جناب کیونٹ فریڈی کی دسی باوص انسان ہیں کہ جیوں نے اپنے سے ایک آدمی کو مجھے تو بکڑی لیا۔ بشری جھک کی آخری سکرانٹ نے مجھے ایک قسم کا انتہا سمجھا دیا۔ حالانکہ سامنے کی بات تھی جو کہانی میں باور کی کہ اس کا سبب ملاقات پر ہی ملا ہوئی تھی۔ لیکن معصوم نے غلوئی اس سچا اور کوا حرکت کی کہ جو باور کی نے سچ کے حوالے کیا تھا۔ بہت ہی اچھے انٹرویو میں اس بار باور کی خانہ سے حاضری نہیں کر سکے۔ مگر کچھ پہلی دو واقعات مجھے جو کچھ محسوس ہوئی، لیکن اس بار اپنی دل کی طرف واپس ہوئی ہے۔ وہ کہانیاں جناب حیدر کے لیے ایک چیلنج ہیں لیکن کے لیے سہارا دیا، لیکن کیا میرے سر کے اوپر سے گزرنے کی۔ موت کی گھڑی میں محمد شیطان آخر نے ایک شاندار اور ڈرامائی کہانیاں جو کچھ ہمارے ہاتھ پر ہے۔ کہانی کی ٹریٹمنٹ اور کردار نگاری اور اچھی خوب دسی۔ انسان شاہ باور کی ان کے تجربے میں بھی۔"

مواظف سے سہانت فتح کی جینڈی "میں باور کی بہت ہی تھیں جاسوسی مگر بھی پہلی ہی کیا۔ پائل میں ملائی تھی تھا اور ایک گروپ پر ہرگز۔ پائل کرل دیکھی تھی کسی ایک ہی تھی۔ اتنا چاہتا تھا۔ سب سے پہلے تو میں شریک تھا کہ باور کی جینڈی کی انہوں نے مجھے یاد رکھا۔ تو کئی کہتے ہیں کہ میں بھی تجربے سے لکھا کروں لیکن یہ تو کئی اور میرا کہ اس کے بعد مگر کے کالوں میں جس بڑھنے کی خدمت تھی ہے۔ لیکن اس بار کہانیاں اسے حوالے کر کے تھیں کہیں نے سوچا انٹرنیشنل گروپ میں موت کرنے کے بجائے آپ کو انٹرنیشنل جیسے جاسوسی۔ تجربے سے مارے اچھے تھے لیکن ہمارے انٹرویو کے کے بہاول شہت کی بڑی اچھی طرح سے نقل کی۔ جینڈی نے جو سمیت پناہ میں کسی کس زمانے کے تجربہ کاروں کو یاد کیا اور تجربہ بھی بہت ہو گیا۔ انٹرویو میں نے کیا انٹرنیشنل انٹرویو میں سے تجربہ لکھا تھا کہ اس میں وہ بات تھی جو کہانیاں میں ہوئی تھی نہیں تھی۔ سب سے پہلے اپنے موت لکھتے ہوئے کہانی آجی کلاڑی پر تھی۔ بہت ہی ڈرامائی اور چمکدار تھی۔ کران ہر کرل کی طرح قاسم اور سڑو تھیں وہاں کی لیکن چچا میں مثل صاحب جب جن نے آتے تھے تو مجھے ڈر لگتا تھا۔ چڑھی کسی میں نے رات کے وقت۔ خوف تو محسوس ہوا لیکن حیدر بہت بہت بہت اچھی کہانی تھی۔ جینڈی نے کہا تھا کہ جنگ بہت دور ہو گئی ہے لیکن مجھے تو شک ہی لگی۔ ٹریک سے بہت گئی ہے لیکن اس کی کہانی اچھی تھیں کہ اسی ہے۔ حاسم بہت کی دہر میں ایٹشن تو بڑھ گیا ہے لیکن کہانی بہت سطر ہو گئی ہے۔ اتنی سطروں سے حاسم آدھو سے امداد پڑی ہوتا رہا ہے اور اب ایڈ میں سے ہوش بھی ہو گیا۔ شیطان کا پتا بھی کہانی کی۔ آخری سکرانٹ پینٹ میں آئی محمد شیطان آخر نے موت کی گھڑی بہت اچھی لکھی تھی۔ یہ اس کا میں خود سٹیل میں پائل قاسم دیکھنے کے لیے تھی کہ میں ہوں۔ پائل اسٹوریز اس سبب بدست تھیں۔ مظہر سلیم اچھی کی سنگ تراشے بہت قاسم تھی۔ سانس لینے کا موقع بھی نہیں ملا (اگرے مارے ایسا حیدر ذکر کریں۔ آپ میں مزید ہیں) اور اتنا بہت سارا کہہ ہو گیا۔ کردار بہت سارے تھے لیکن میں وہ آئے تھے اور ہر جڑ جاتے تھے۔ بہت اچھی کہانی تھی۔ دوسری پائل اسٹوری سٹیل ملا تھا میں میری لکھتے ڈرامائی پناہوں نے لکھی۔ کرکٹ کے ساتھ ساتھ ہر موقع پر ان کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔ ہمارے ملک کے دھوکے ہونے پر ایک بہت اچھی کہانی لکھی جو خورشید بہت اچھی لکھی تھی۔ ایک ملک کے ہونے کے بعد بنگلہ دیشی ایسے فطرت کے کرنے کے اس سوال کا جواب اب تک نہیں ملا۔ جو انہوں کی طرح شاید خزاں میں بھی چلے جاتی ہے۔" (یہ سوچا آپ کا کام ہے۔ ایک نئے تجربے کی قیادت کریں)

عظیم بڑا انٹرویو ہے کہ ہمارے قارئین ہر ماہ داخلہ لکھتے رہے۔ مگر ڈاک خانے والوں کی غفلت اور سستی کے باعث میں بدست میں ڈل سکے۔ لاہور سے انجم تھانوی سہلی صاحب کے گزشتہ تین ماہ کے دوران لکھے گئے خطوط موصول ہوئے ہیں۔ جنہیں شائع کرنے کے لیے مدد محسوس ہے۔ شہ صلیبا تھانوی سے محمد عادی کو کھر کے کسی کی خطوط موصول ہوئے ہیں اور سب سے بڑی تاخیر جس کا کہانی تھی ہے کہ یہ کیا کام ترسے ہے۔ مگر اسلام آباد سے انور ہسٹن ڈی صاحب 13-09-2023 لکھا گیا خط 16 دسمبر 2024 کو ملا ہے۔ انور صاحب آپ کی غیر حاضری نے ہمیں پریشان کر دیا کہ کہ خدائے رحمت سے ہمارا ڈر نہیں آپ کا اختصار یہ میں ہر ماہ ہر ہاتھ اور انتہا کر رہی۔ اللہ آپ سے راضی ہو۔ آپ کا خط دامن شہر کے۔

انجسٹ کی روکش عداوت ہم رہی۔ (آمین)



حباسوی کے اولین صفحات پرنس گرین کے  
شاعر پرنس ایڈوئس پر سے بھر پور ناول کی تلخیص

## وادی اجل

عبدالرحمن

بلاشبہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت موت ہے... اور انسانی تعلقات کی سب سے بڑی حقیقت ان کی نازکی... کمزوری... اور ناہانداری ہے... انسانی رشتے لوہے سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں اور شیشے سے زیادہ نازک بھی... یعنی نہایت آسانی سے لمحوں میں ٹوٹ جانے والے دوستی... اور تعلق مضبوط ہو تو فولاد سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے... بنا کسی خونریزی کے ایک دوسرے سے جڑنے والے ایسے ہی تعلق داروں کی داستان... اجنبی لوگ... اجنبی ریاست... اجنبی موسم، ہر فانی طوفانی ہوائوں سے لڑتے ہوئے وہ راستہ بھٹک چکے تھے... ایک اپنی وادی میں جا پہنچے تھے جو وادی اجل تھی... برف سے ڈھکے راستوں پر قدم قدم پر موت کھڑی تھی... خوف و ہراس نے انہیں بڑی طرح چکڑ لیا تھا... پنچہ اجل سے نکلنے کی ہر کوشش ناکام ہو رہی تھی... آخری سیمٹر تک موت وزیست کا ہل ہل بدلنا ایک خونریزی معما... جس نے ان مصیبت زدوں سے دور محبت کرنے والوں کی جان سولی پر لٹکا دی تھی۔

محسبہ لمحہ موت سے ہٹ کر ہونے والی ایک  
باہمت دلیہ عورت کی ذہانت و زندگی کا کڑا امتحان

پلیٹین آف اینجلز (Angels)

وہ منتخب کی جا چکی تھی۔ حسن انتخاب تھی۔ اس نے کئی ماہ سے لڑکی پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ اس وقت سے جب وہ نیپلی کے ساتھ وہاں آئی تھی۔ اس کا باپ ایک عام سا کاروبار کرتا تھا۔ ماں باپ دونوں بے روزگار تھے۔ وہ آئی ڈا ہوا فالز کے چرچ میں وارد ہوئے تو آسرا اور سہارا ملنے لگے۔ لگے ہوئے چہرے اور بھیجی بھیجی آنکھیں۔ لڑکی کے باپ کا نام جارج شیلٹن تھا۔ نیپلی اس کے لیے بچی ہوئی فصل کے مانند تھی۔ خوبی ایک ہی تھی، ان کی کم سن حسین بیٹی۔ جس کی عمر محض تیرہ سال تھی اور نام نیپلی۔ بچپن اور جوانی بنگلہ ہوئے کی تیاری کر رہے تھے۔ وہ ایک حسین ترین گڑیا کے مانند تھی۔ ایک مہلک ہوا تر و تازہ پول، رنگ برنگ۔

جری کڑکی میں سے نیپلی کو نکال رہا تھا۔ وہ لوگ کیلوری کسٹر کے کابج "C" میں مقیم تھے۔ کابج حال ہی میں تعمیر کیے گئے تھے۔ یہاں 64 فیلیو "گیدریگ" کا حصہ تھیں۔ گیدریگ ایک گنام مسلک، فرقہ پاسو سائی تھی۔ "گیدریگ" کا سربراہ گویا کوئی آسمانی مخلوق تھی۔ مقدس ترین اور طاقتور۔ اس کی کسی بھی بات یا حکم سے اعراف نامکون تھا۔ گیدریگ کے لیے وہ ایک

جاسوسی ڈائجسٹ (جنوری 2025ء)

Scanned with

CS CamScanner



سر ملایا تھا۔ طلبا کے بنائے ہوئے نقشے اور تصاویر دیواروں پر لگی گئیں۔ رقیقیت جری کی توجہ کبھی پر تھی۔ کینی کی نظریں نیچے کی طرف تھیں۔

”میری موجودگی کو مداخلت نہ جانو۔“ وہ بولا۔ ”اپنا کام جاری رکھو۔ سمجھو یہاں نہیں ہوں۔“

منجھ نے ہلکا شروع کیا۔ ”سب حساب کی کتاب کا دوسرا اور تیسرا صفحہ کھول کر دیکھو۔ تیرہ دھک چھٹیں مکمل کرو۔“

پنسل اور کاغذ حرکت میں آئے۔ طلبا پہلے ہی جری کی طرف دیکھنے سے خوف زدہ تھے۔ وہ سر جھکا کر کام کرنے لگے۔ جری لڑکے کے قریب رکاوٹیں جو کینی سے فاصلہ بول رہا تھا۔

دھک بک پر نظر ڈالی، انیم لیکن لکھا تھا۔ ”تو یہ ہے مسئلہ۔“ جری کے دماغ نے سرگوشی کی۔ ”مسئلے سے نمٹنا زیادہ مشکل نہیں۔“ یہاں اس کی بارشاہت تھی۔ حکمت تھی۔

خدا کی تھی۔ وہ آگے جا کے پلانا، واپس آیا تو کینی کے قریب رکاوٹیں سے بغور اسے دیکھا۔ ”پاں نیچے ہے۔ اس کی بیج جگہ میرا بس رہا ہے۔“ دیوتا کے غنیم ذہن میں شیطانی کینچھا

کلیایا۔

☆☆☆

نئی تعمیر شدہ عبادت گاہ، عین دین اور پھولوں سے سجی تھی۔ روشنیوں بھی مختلف رنگ کی تھیں۔ پھول اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ باغ بہشت کا منظر پیش کر رہے تھے۔ صبح کا وقت تھا۔ دو سو آوازیں چرچسرت فغہ الاپ رہی تھیں۔ جن میں تعریفی کلمات کی کثرت تھی۔ ان سب کی حیثیت کچھ پتلیوں، پہاڑیوں کے مانند تھی۔ دیوتا کے غلام جو اس کے اشارے پر اپنی جان بھی لے سکتے تھے۔

نقشے کے ساتھ موسیقی بھی دم توڑتی چلی گئی۔ اجتماعی محفل کی مرکز نگاہ کینی شیڈن تھی۔ جو ایک دروازے میں بیٹھ کر کیفیت میں ایسا وہ تھی۔ آجمن کی کیفیت میں پلکیں جھپک رہی تھیں۔ کینی نے عروسی لباس زیب تن کیا تھا۔ لباس اس کی ماں نے سیاتھا۔ سر پر سفید پھولوں کا تاج تھا۔ وہ ایک تھی

مقصود بری کے مانند تھی۔

وہ کینی کا باپ تھا، جس نے قدم بڑھا کے مضبوطی سے جینی کا بازو پکڑ کر اسے حرکت پر مجبور کیا۔ ”مجھے شرمندہ نہ کرو۔“ وہ بولا۔ کینی نے مردہ ولی سے قدم اٹھائے۔ وہ قربان

گاہ کی طرف جارہی تھی۔ جہاں اس کا ہونے والا شوہر جری نامی دیوتا کھڑا تھا۔ کینی نے مخصوص نشستوں پر اساتذہ، دوستوں اور پڑوسیوں کو دیکھا۔ سسر ڈیانا اور رینڈ پر نظر ڈالی۔ کینی کی ماں کے چہرے پر فخریہ تاثرات تھے۔ اس کے

نہایت مقدس ہستی تھا۔ کون تھا۔ وہ جری تھا جو کھڑکی میں سے اسکول کے احاطے میں موجود کینی کو گھور رہا تھا۔ لڑکے لڑکیاں گھن تھیں۔ دوا کیوں کے ساتھ کھڑکی تھی۔

دھکا جری کے ارتکاز میں غلط پڑ گیا۔ اس نے ایک لڑکے کو تینوں لڑکیوں کی طرف بڑھتے دیکھا۔ لڑکے کی عمر چودہ سال ہو گی یا پندرہ۔ قریب کافی کردہ ٹھکانا چھوڑ کر کینی کی

دراستی کی جانب تھا۔ جری کا چہرہ کھڑکی کے ساتھ چاکا۔ کینی نے سر اٹھایا اور مسکرائی۔ دلکش، مصوم مسکراہٹ۔ یقیناً وہ کینی کا کلاس فیلو تھا۔ اس کے دماغ میں کیا ہو گا۔ جری نے سوچا۔

گناہ اور گندگی۔ اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔ وہ کینی سے بات کر رہا تھا۔ دوسری لڑکیاں وہاں سے ہٹ گئیں۔ یہ کس بنی کی لڑکا ہو سکتا ہے۔ جری کے تاثرات بدلنے لگے۔ کھڑکی کے فریم پر اس کی گرفت بڑھتی چلی گئی۔ گویا وہ لڑکے کا گھٹا

کھونٹ رہا ہو۔ وہ کھڑکی سے ہٹا اور بیڑیاں ملے کر کے نیچے جانے لگا۔ جڑے بیجے ہوئے تھے۔ پیٹ میں تیزاب سا

گھل گیا تھا۔ قابو پانے کے لیے نام نہاد آسانی مقدس ہستی خود سے برسر پیکار تھی۔ وہ نیچے پہنچا تو اسکول کی کھنکی کا اشارہ آیا۔

وقت ختم ہو گیا تھا۔ طلبا کو کلاس میں جانا تھا۔ جری ختم کیا۔ گہری سانس لے کر خود کو چرسکون کیا۔

بھانڈاں دھسی چال سے بڑھنا شروع کیا اور گیسٹ کھول کر اسکول پارڈ میں چلا گیا۔ ابتدائی کلاسوں کو نظر انداز کرتا ہوا وہ

ڈبل کرینے کی کلاس میں داخل ہوا۔ منجھ اسے دیکھ کر جیسے ایک سے اچھل کر کھڑکی ہوئی۔ چہرے پر حیرت اور عقیدت کے

لے ملے ہڈ بات تھے۔

”پرافٹ (porphet) گوڈو، اعزاز کا شکر یہ۔“

مجھے نہیں معلوم تھا کہ آج آپ یہاں وزٹ کریں گے۔“ وہ مسکرایا اور منجھ نے اس کی شکر سے سرخم کیا۔

”گزرتے ہوئے میں نے سوچا کہ جیلو کھوں اور دیکھوں کہ بچے اسکول میں سنے سال کو انجمائے کر رہے

ہیں۔“ منجھ کا چہرہ گل افشا۔ وہ طلبا کی طرف متوجہ ہوئی۔ کینی بڑی بات ہے کہ پرافٹ گوڈو بذات خود یہاں آئے ہیں۔

دیکھ کر ذہن۔ سب نے یک زبان کوس کی شکل میں کھڑے ہو کر خوش آمدید کہا اور بیٹھ گئے۔

”سب اچھا ہو رہا ہے؟“ جری نے سوال کیا۔

پھر یک زبان کوس میں مثبت جواب آیا۔ جری نے نظر دوڑائی۔ کینی شیڈن کی تیسری نظار میں موجود تھی۔ اور وہ لڑکا

جو کینی کی کلاس میں کینی کے عقب میں نظر آ رہا تھا۔ بھٹنے کے اعزاز میں اس نے چٹان شروع کیا۔ ساتھ ہی وہ مسکراتے ہوئے

حاضر ہوا، ڈائجسٹ۔ [جنوری 2025ء]

Scanned with

CS CamScanner

واحدی اجل

نے سوچا کہ اگر وہ شوہر ہوتا تو دونوں گڈا بنے بس کرتے۔  
لیکن اس وقت تو گے لٹا بیٹھی خطر کا تھا۔ تاہم وہ یہ کہے بغیر  
نہ رہ سکی۔

”میرا کانفرنس میں جانا ضروری نہیں ہے۔ ہم ایک  
ہفتہ کہیں گزار سکتے ہیں۔“ دونوں کا رہے باہر ساتھ کھڑے  
تھے۔

ڈیٹل نے آہ بھری۔ ”مورا، میں ایک ہفتے میں غائب  
نہیں ہو جاؤں گا۔“

”کب غائب ہو گے؟“ وہ مسکرائی۔

”میں پچھلی لڑائی لڑوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔“

”ہاں بات کریں گے۔“ وہ ہنس دی۔ اور جانے کے  
لیے سوٹ کیس اٹھایا۔ ڈیٹل نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ”مورا  
پلیز، اجنبیوں کی طرح جاری ہو۔ تم آگاہ ہو کہ میں تم سے  
محبت کرتا ہوں۔ مجھے کچھ وقت درکار ہے۔“

مورانے اس کے چہرے پر اذیت دیکھی۔ اس نے  
سوچا کہ کم از کم سکرا ہی دے لیکن نا کام رہی۔ ”وقت کم ہے۔  
چلتی ہوں۔“ آگے جا کے وہ گلاس ڈور سے گزری تو تانف  
محسوس کیا کہ اسے اس طرح کا سڑک ٹکڑ نہیں دینا چاہیے تھا۔

☆☆☆

شرکا ہوں کے نیم تاریک کانفرنس روم میں بیٹھے تھے۔  
اسکرین پر جیسے باہر سردی چل رہی تھی۔ ٹولی پھولی، بھٹکی اور  
گولیوں سے بھٹی لاشیں..... دھماکوں سے مرنے والوں کی  
لاشیں۔ مردہ اعضاء، مردہ خانے..... اناؤنسر بتا رہا تھا کہ کون  
سادا تھا۔ حادثہ کہاں اور کیوں ہوا۔ کتنے جان سے گئے، کتنے  
زخمی ہوئے..... وغیرہ۔ کانفرنس روم میں تمام شرکا  
ہیٹالوجسٹس (Pathologists) تھے۔ باوجود اس کے  
ان کی طبیعت مکدر ہو گئی۔ شوخ ہوا، کمر روشن ہو گیا۔ شرکا اپنی  
اپنی قابل اٹھا کے نکلنے لگے۔ موراپنی سیٹ پر بیٹھی۔ وہ پہلے  
پر کھسے گئے اپنے ٹوش کو گھور رہی تھی۔ ہم ایک دوسرے کو  
بلاک کرنے میں بہت باہر اور عالم ہیں لیکن محبت میں اکثر قلیل  
ہو جاتے ہیں۔

”حاف کیجیے؟“ ایک مردانہ آواز نے چوٹا دیا۔ ”کیا  
تم موراپہ آؤ گے؟“

مورانے سر اٹھایا۔ وہ سامنے والی قطار سے اٹھ رہا تھا۔  
اور موراکا ہم عمر تھا۔ دروازہ قامت، ایٹلیٹ ٹاپ اور بھورے  
بال، چہرہ شاسا تھا لیکن موراکو حیرت ہوئی کہ وہ کیوں بچکان  
نہیں پار ہی ہے۔ وہ بھولے والا چہرہ نہیں تھا۔  
”میں جانتا ہوں تم مورابو۔“ وہ ہنسا۔

”جسٹس“ (2025) ©: جاسٹس، ڈی ایچ جیٹ

سر پر بھی تاج تھا۔ کینی نے سر کوئی کی۔ ”موسی..... ہام.....“  
”موسی“ کسی نے دھماکا نہیں دیا اور نیا گیت شروع ہو گیا۔  
”کی اے گڈرل۔“ باپ نے آہستہ سے کہا اور کینی کا

ہاتھ چھوڑ دیا۔ کینی ماں باپ کی طرف بٹٹی، جڑی راہ میں جاں  
ہوا اور کینی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ گویا وہ کسی دیوار کی گرفت میں تھی۔  
اب شادی کی دھن بچنا شروع ہوئی۔ کینی نے مشکل ایک بار  
پھر پڑا، فریادی نظروں سے والدین کو دیکھا کہ شاید وہ  
اسے واپس کھلے جائیں۔ مایوس ہو کے اس نے دوسروں پر  
نظر ماری کہ شاید کوئی اٹھے اور اسے خوفناک خواب سے بیدار  
کر دے۔ لیکن سب مسکراتے ہوئے سر دلوں کو ہمارے تھے  
اور گانا گارے تھے۔ چہرے روشن تھے۔ والدین کے بھی۔  
اسکول کے ساتھیوں میں سے چند چہرے مختلف تاثرات کے  
حامل تھے۔

دیوتا جڑی نے کینی کو قریب کر لیا۔ پھر اس نے مختل کی  
طرف ہاتھ لہرایا۔ اور کینی کو لے کر کمرے میں چلا گیا۔ وہاں  
تیرہ سالہ پری ناز کی خاموش چیخیں سننے والا کوئی نہ تھا۔

☆☆☆

سولہ برس بعد.....

دونوں کا انٹرنیٹ پر قریب ہو چکا تھا لیکن دونوں حقیقت  
تسلیم کرنے سے انکاری تھے۔ کب تک؟ موراپہ آؤ گے اور ڈیٹل  
برولی ڈائریکٹ کے دوران جو گفتگو تھے۔ سڑکوں پر بارش کا  
پانی تھا۔ صبح کے اس وقت ٹریفک بہت خراب تھی اس بات کا  
قوی امکان تھا کہ لوگوں ان پورٹ پر فلائٹ بھی تاخیر سے  
آئے گی۔ باتوں کے دوران دونوں اداکاری کر رہے تھے۔  
شاید..... ان کے مابین سب کچھ پہلے جیسا ہے جبکہ پہلے جیسا  
نہیں تھا۔

مورانے خاموش ہو کے دیکھ اسکرین پر گھومتے واپس زکو  
دیکھا پھر کھڑکی سے باہر جھانکا۔

”معتدل موسم والی جگہ ہوئی چاہیے تھی۔“ ڈیٹل نے  
سکوت کا پردہ چاک کیا۔ ”میڈیکل کانفرنس کے لیے  
”وایومنگ“ (Womling) ہی کیوں، وہ بھی نومبر میں؟“  
”ورائل“، ”یکس ہول“ خوب صورت مقام ہے۔“

مورانے جواب دیا۔

پھر خاموشی، سفر جاری تھا..... خاموشی سے.....  
ڈیٹل نے گاڑی واپس چڑھنے کی بجائے باہر روکی۔ چہرہ  
لے دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ دونوں نظریں چمک رہے تھے۔  
”میں تمہارا سامان لگا رہا ہوں۔“ وہ کار سے اتر کر موراپہ

کی اجازت سورا دی تھی۔ وہ جہاں وہی وہاں اس کا کنٹرول ہوتا۔ جائز کنٹرول۔

ڈکس واپس ٹریک پر آگیا اور اپنی کہانی کا پھر سے آغاز کیا۔ وہ اب مشکل ہیرو تھا۔ اس کی جینی کریس تیرہ سال کی تھی۔

”اب واپسی کا پروگرام ہے؟“ اچانک سورانے سوال کیا۔

”نہیں کم از کم ایک دو دن رکوں گا۔ یہاں آیا ہوں تو کچھ محوم پھر لیں۔“ کانفرس نے تو داغ الٹ دیا ہے۔ حام آدی وہ سب کچھ دیکھتا توئی دن ہوتا پاتا۔

”یہاں سردخانے میں کہاں کھوٹے جاؤ گے؟“

”جیکسن ہول۔ سنا ہے بہت شاندار ہے۔“ ڈکس نے جواب دیا۔

”تجھا؟“ سورانے سوال کیا۔

”چند دوست ہیں۔ میری جینی کریس ہے۔ ہمارا پان ہے کہ بیٹے کو کراس کنٹری اسکائی لانج ڈرائیو کریں گے۔ ایک رات گزار کر اتوار کی صبح واپسی ہوگی۔ سب اربن (بیمگل) میں جہاں سے لے چکی جگہ ہے۔ اگر چاہو تو۔۔۔“

سورانے جینی میں سر ہلایا۔

”میں کوئی میرج پروپوز نہیں کر رہا ہوں۔ کم آن۔ میرے آئیڈیل پاز کا انجام تقریباً بیچہ اچھا رہتا ہے۔“ وہ آگے جبکہ سورا کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ نظروں میں کوئی اور بات تھی جو سورانے بے آسانی بڑھائی۔ سورانے نیچے پلیٹ کی طرف دیکھا۔ چیز کیک وہ ختم کر چکی تھی۔

”مجھے سوچنے کا موقع دو۔“ سورانے کہا۔

”ہاں، کیوں نہیں؟“ وہ ہنسا۔ ”نہ سوچنے والی تو سورا۔“ آنکھ نہیں ہو سکتی۔

☆☆☆☆

رات آئے ہوئے روم سے سورانے ڈینکل کو کال کی۔ وہ شائستگی سے بات کر رہا تھا۔ مختصر بات ہوئی۔ بارش کا سلسلہ وہاں جاری تھا۔ چھوڑی دیر بعد سورانے کہا۔

”میں اتوار کی رات کو آ رہی ہوں۔ کیا تم ایئر پورٹ سے مجھے لے سکتے ہو؟“

”ہاں، میں آ جاؤں گا۔“

”بعد ازاں ہم کھانا کھا لیں گے۔۔۔ میرے گھر پر۔“

”کیا میں بیٹے کو کال کر لوں؟“

”ہاں، لیکن شاید میرا ایل فون ریج سے باہر ہوگا۔“

”اوکے، میں ٹرائی کروں گا۔“

”میں محطرت خواہ ہوں۔“ وہ بولی۔

”محطرت کی ضرورت نہیں ہے، کافی عرصہ گزر گیا۔“

اب میرا بی بی ٹی بھی نہیں ہے۔ میں برس گزر گئے۔“

سورا کے دماغ میں جھماکا ہوا۔ ”ہم دونوں لیب میں ساتھ تھے، مجھے یاد آیا۔ تم بوسے سان فرانسسکو میڈیکل اسکول سے فارغ التحصیل ہوئے؟“ ڈکس کوئی؟

”نہیں، لیکن اب میں یوسٹن میں رہاؤٹ پیئر ہوں۔“

اور تم؟“

”سلی فورنیا۔“ وہ کاغذات میٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں ساتھ نکل کر پڑا ہوا ہوئی لیب میں آ گئے۔ ایلی ویٹر کے قریب دونوں باتیں کر رہے تھے۔

”شوہر کے ساتھ ہو؟“ وہ بولا۔

”میں نے شادی نہیں کی۔“ سورا نے سوالیہ نظروں سے اُٹے دیکھا۔

”اور میں طلاق یافتہ ہوں، چار سال پہلے۔“

”کاک ٹیل پارٹی میں ملیں گے۔“ سورانے کہا۔

”میں ڈنٹر پائیکل ہوں۔ اگر تم چاہو تو ساتھ ڈنٹر کریں۔“

میں نے اچھا ریٹورنٹ دیکھا ہے۔ کال کر لیتا۔“ اس نے کارڈ پکڑ لیا۔

سورانے جواب دینا چاہا لیکن وہ پہلے ہی پلٹ کر ہال کے کی جانب چل پڑا تھا۔ وہ عقب سے ڈکس کو تنک رہی تھی۔

مذاہن میں ڈینکل پروٹی کانکس ابھرنے لگا۔

☆☆☆☆

دو دنوں ملٹن ریج کے ڈوریزن ریزورٹ میں موجود تھے۔ آٹھ گھنٹے مار پیٹ، بوئینگ، گولیاں، خون خراٹے کے لیچر سن کر سورا کا دماغ کک گیا تھا۔ اب وہ قدرے پرسکون تھی۔

ڈنٹر پر دونوں باہمی کی باتیں کر رہے تھے۔ ڈکس نے آہستہ آہستہ موضوع بدلتا شروع کیا اور سورانے ایک گفت نوک دیا۔

”تم ہمیشہ بہت فوکس (Focus) رہتی ہو۔ خوف زدہ کر دیتی ہو۔“ ڈکس نے شکوہ کیا۔

”میں اپنی اس خوبی سے لالچ ہوں۔“ وہ بولی۔

”نظر ثانی کرنا اپنی بات پر۔“

سورانے غور کیا۔ وہ جب کراس سن پر جاتی تو پولیس اسے دیکھ کر خاموش ہو جاتی تھی۔ اسے ایک کراس پائیڈ آئی۔ پلنگ نے بھی ڈاکٹر سورا آنکھ لٹے میں، بے پروا یا دور سے بولے نہیں سنا تھا۔ پلنگ وہی دیکھتی تھی جس کو دیکھنے جا سکتی تھی۔

جنوری 2025ء

CS CamScanner

Scanned with  
CS CamScanner



## اجلاس

کیا۔ سب ارہن جنوب کی طرف بڑھ رہی تھی۔ برف باری جاری تھی اور اونچے زحرکت میں۔ موراکھڑکی سے ہرگز رنے مناظر کو بکھری تھی۔ دوسری رچی کی کڑھڑاہوئی گائیڈونچر؟ کیونکہ وہ "دائیمنگ" میں تھے اور برف باری بڑھتی جاری تھی۔ اگرچہ وہ کسی عام گاڑی میں پوجھ سفر نہیں تھے۔ مورانے غیر ضروری خدشات کو ذہن سے دھکیلا۔

"برف باری تیز ہے۔" آرو نے نم مٹنے پر ہاتھ پھیرا۔

"ہمارے پاس موسم کے لیے خاص گاڑی ہے۔" ڈکس نے جواب دیا۔ "ہرنڈ (کار رینٹل) کے ٹکرک نے اٹمینان ظاہر کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے لیکن کیا تم نے موسم کے بارے میں پڑھا اس لیا تھا؟"

"ہاں برف باری کا ذکر تھا۔ اٹوکی بات نہیں ہے۔"

"کیلا لاج تک بہت پرتجے جائیں گے؟"

ڈکس نے ہرنڈ کی GPS کی طرف اشارہ کیا جو ایش بورڈ پر رکھا ہوا تھا۔ "اں پرتجے جائیں گے۔"

"یار، برف....." آرو کا تھرو درمیان میں ہو گیا۔

"شاندار" ڈکس نے کہا۔ "دوست یہ وٹروڈر لینڈ ہے۔" جیکسن سے لٹکے کے بعد انہوں نے پہلا سائن بورڈ دیکھا۔

"لیول کے لیے آخری موقع۔"

ڈکس نے گاڑی گزرنے کیس اسٹیشن اینڈ جنرل اسٹور پر روک دی۔ وہ سب گاڑی سے اترے۔ آرو، بیف اسٹیکس کے کڑے پر کھڑا تھا۔ وہ بڑا۔ "کون کھائے گا؟"

"تم صرف کھانے پینے کے بارے میں سوچتے رہو۔"

ایٹن نے کہا۔ بہر حال دونوں اسٹیکس کے انتخاب میں گمن تھے۔ مورانے ایک اخبار اٹھایا اور کیش رجسٹری طرف چلی گئی۔

"یہ گزشتہ ہفتے کا اخبار ہے۔ یہاں ہر شے ایکسائز ہے۔ پیٹرول بھی۔" گریس نے کہا۔

"ٹھیک ہے، لیکن مجھے پڑھنے کے لیے کچھ نہ کچھ دوکار ہے۔"

"عجب سے لوگ تھے اندر، جیسے ڈوبی۔" باہر آکر آرو نے تبصرہ کیا۔

"ہاں۔" ڈکس نے انجن اسٹارٹ کیا۔

"کاؤنٹر والا امید ظاہر کر رہا تھا کہ ہم "ٹھیک ڈیم کم" نہیں جائیں گے۔" آرو نے بتایا۔

جائے تھے، ڈال جیٹ

بات ختم ہونے پر مورانے ہوٹل کے فون سے آپریٹر کو بلا دیا۔

"کیا میں ڈکس کو ٹیلی سے بات کر سکتی ہوں؟" مورانے۔

کمرے کا فہریم بتایا۔ کچھ دیر بعد ڈکس کی آواز آئی۔

"ہیلو؟"

"میں ہوں۔" وہ بولی۔ "کیا تمہاری دعوت اپنی جگہ پر ہے؟"

☆☆☆

ایڈونچر کا آغاز ٹھیک ہوا۔ جدی رات تھی۔ ڈکس کے ساتھیوں میں آرو، لیٹیکسی قدرے بھاری بھرکم تھا۔ سر پر بال بھی کم تھے۔ ایٹن سیکر عورت تھی۔ وہ موراک کی ہم عمر تھی۔ غیر ضروری طور پر سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ موراک بھنے سے قاصر رہی کہ آرو اور ایٹن میں کون کی بات مشترکہ ہے۔ ڈکس کی بیٹی گریس بھی ایک ممحاشی۔ ڈکس نے اپنی ساہنہ بیوی کے خشن کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ اب کسی تینکری وائف تھی۔ انکس وائف کا خشن گریس کے حصے میں بھی آیا تھا۔ لیکن تیرہ سالہ بچی جیسا رویتہ مفقود تھا۔ گریس نے کسی بھی گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ وہ آئی پوڈ سنہائے بیٹھی تھی۔

"ڈیڈی کیا میں اپنے کمرے میں واپس جاؤں؟" وہ

اچانک بولی گی۔

"کم آن سوئی، ساتھ رہو۔" ڈکس نے بیٹی کو کایا۔

"میں تھک گئی ہوں۔"

ڈکس نے کچھ کہنا چاہا پھر ارادہ بدل دیا۔ "اوکے، جاؤ۔ لیکن سات بجے بیدار ہو جانا۔ ہم تیار ہو کے اٹھ جائے کھ جائیں گے۔"

☆☆☆

دوران شب برف باری شروع ہو گئی تھی۔ صبح جب وہ لوگ سامان "سب ارہن" کے قطعی حصے میں رکھ رہے تھے۔ اس وقت پارکنگ لاٹ کی گاڑیوں پر تین انچ برف پڑھ گئی تھی۔ کیلی فورنیا اور یوسٹن کے برخلاف وہ ایک بدلے ہوئے ماحول میں تھے۔

"دوستوں! ایک حیرت افزا تجربہ ہمارا منتظر ہے۔"

ڈکس نے کہا اور کراس سٹری ایکسپریسز ارہن کی چھت پر رکھ دیں۔ (اس وقت اس کے گمان میں نہ تھا کہ حیرت افزا، خوش کن تجربہ سب کی ہی توقعات کے برخلاف ثابت ہوگا)

بڑی گاڑی کی اگلی نشست پر ڈکس، گریس اور قطعی نشست پر آرو، ایٹن کے ساتھ براہمان تھا۔ آخری تیسری نشست پر موراک تھی۔ ڈکس نے ریجیشن دلچ کی مس

”اس کا کیا مطلب ہوا؟“

”چاہئیں۔“

”شاید وہ چاہتا تھا کہ ہم متاثر ہیں۔“ ایٹن نے اظہارِ

رائے کیا۔

”کیسی احتیاط؟ کیا ہم جنیم میں جا رہے ہیں؟“

مورا نے گاڑی سے باہر دیکھا۔ دبیز بادل کافی پیچھے

تھے۔ برف باری پھر شروع ہوئی تھی۔

☆☆☆

”مجھے کچھ غرض ہو رہا ہے ہم غلط رخ پر ہیں؟“ آرولو کا

انداز سوالیہ تھا۔ گرتی برف کی موتابی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

وہ ایک کھٹے سے متاثر اوپر کی جانب پہاڑ پر جا رہے تھے۔

رقائقہ ظاہر ہے، دوسری جگہ۔

”کیا ہم ٹھیک جا رہے ہیں؟“ آرولو نے پھر سوال کیا۔

”GPS کے مطابق۔“ ڈکس نے مختصر جواب دیا۔

تاہم وہ مطمئن نظر نہیں آ رہا تھا۔

ایٹن کی آواز آئی۔ ”جب سے ہم نے یہ رخ لیا ہے،

اس روڈ پر کوئی اور گاڑی نظر نہیں آئی۔“ سڑک کا لفظ تو وہ

استعمال کر چکی۔ برف نے سڑک کا نام و نشان مٹا دیا تھا۔ ”کوئی

اور کیوں نظر نہیں آیا اب تک؟“

”نقشہ نہیں ہے؟“ مورا نے استفسار کیا۔

”گوگلمپارٹنٹ میں ہوتا جا ہے۔ GPS اور نقشہ

ریٹیل کارڈاں لے کر ہم کر رہے ہیں۔“ ڈکس نے اشارہ کیا۔

”اور GPS درست گاڑ کر رہا ہے۔“

”نقشہ میں ایسی کوئی علامت نظر نہیں آتی کہ ہم درست

سمت میں سفر کر رہے ہیں۔“ مورا کی نظریں نقشے پر تھیں۔

”یہ پرائیویٹ روڈ ہو سکتی ہے۔“ ڈکس نے امکان

ظاہر کیا۔

”جب ہم نے اس جانب موڑنا تھا اس وقت

پرائیویٹ روڈ کا کوئی نشان نظر نہیں آیا تھا۔“ مورا نے

اعتراض کیا۔ ”درست سمت ہم نے پیچھے دورا ہے پر چھوڑ دی

ہے۔“

”ہمیں واپس مڑنا چاہیے۔“ آرولو سنجیدہ ہو گیا۔

”ڈیڑی۔“ گریس کی آواز آئی۔ ”کیا ہو رہا ہے؟“

”کچھ نہیں ہئی۔ ہم بات کر رہے ہیں کہ کون سا راستہ

اختیار کرنا چاہیے؟“

”کیا مطلب، آپ لا علم ہیں؟“

ڈکس نے فزغریٹن کے عالم میں سانس لی۔ ”میں

جاننا ہوں۔ ہم ٹھیک ہیں۔ سب اطمینان رکھیں۔ سب

حساب۔ ڈانچہ۔ جی۔ ایچ۔ ۲۰۲۵

ٹھیک ہو گا۔“

ڈاک (ڈکس) اب گاڑی موڑو۔“ آرولو نے اصرار اُدھر

دیکھا۔ ”یہ راستہ مجھے ڈرا رہا ہے۔ ہم پہاڑ پر جا رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ ڈکس نے کہا۔ ”سب کی رائے نے

لینے ہیں۔“

”آرولو کا ووٹ مٹا تھا۔“

”میں ڈرائیور کے فیصلے کے ساتھ ہوں۔“ ایٹن نے

ڈکس کو دیکھا۔

”شکر یہ ایٹن۔“ ڈکس نے اظہارِ تشکر کیا۔ ”اور تم؟“

اس نے مورا کی طرف دیکھا۔ آکھوں میں شخص سوال نہیں تھا۔

مورا نے اس کی نظر پر آسانی پڑھ لی۔ جو کہہ رہی تھی کہ ”میرا

ساتھ دو، مجھ پر بھروسہ کرو۔“

مورا کو یوں برس پیلے کا لالہ ابی طالب علم یاد آیا۔ اس

کی آنکھیں ووٹ کی شکل میں مورا سے سپورٹ کی طلب گار

تھیں۔ لیکن مورا اپنی حیات کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔

”میرا خیال ہے کہ ہمیں واپس جانا چاہیے۔“ وہ بولی۔

اور صاف محسوس کر لیا کہ اس کے جواب نے ڈکس کو ڈیڑی کر دیا

ہے۔ جیسے مورا نے اس کی بے عزتی کی ہو۔

”ٹھیک ہے۔“ اس نے گہری سانس لی۔ ”میں

موڑوں جگہ دیکھتا ہوں، جہاں سے پلانا چاہئے پھر سے تیس

میں۔“ گاڑی حرکت میں آئی۔ دائیں پھر بایں۔

”رک جاؤ۔“ مورا جیسے چیخ اُٹھی۔ وہ کہنے والی تھی کہ اس

طرف خندق ہے لیکن ڈکس پہلے ہی اسٹیرنگ کاٹ چکا تھا۔ وہ

ایک چوڑا ایٹرن تھا۔ اچانک سب اردن کے نیچے برف نے

جگہ چھوڑ دی۔ گاڑی کا بایاں پھینچے گیا۔ گاڑی ایک طرف

جھکی۔ مورا اور دانے سے بے گمرانی۔ آرولو چلا یا۔

”لعنت ہے۔“ ڈکس نے اسٹیکر بٹرو پایا۔ ٹائز برف

میں گھوم رہے تھے۔ اس نے گاڑی کو یوں میں ڈال کر گریس

دی۔ چنداچ کا فرق پڑا اور بس۔ ٹائز اسی طرح گھوم رہے

تھے۔

”گاڑی آگے پیچھے کرو۔“ آرولو نے مشورہ دیا۔

”میں کوشش کر رہا ہوں۔“ ڈکس نے جواب دیا لیکن

نا کام رہا۔ گاڑی تریجی حالت میں ایک جی جگہ پر پھنسی ہوئی

تھی۔ ”ڈیڑی؟“ گریس کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

”ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ باپ نے بیٹی کو تسلی

دی۔

”کیسے ٹھیک ہو گا؟ ہم کیا کریں گے؟“ گریس چیخ

اُٹھی۔

”لڈی، لڈی میری سیٹ پلیٹ“  
 ”ہی، میں آ رہا ہوں۔“ ڈکس نے آگے جا کر گریس کو  
 باہر نکالا..... اُن کے چہرے لگے ہوئے تھے۔ وہ کنارے  
 سے گزرتے میں دیکھ رہے تھے گاڑی تقریباً آدھی برف میں  
 چھپ گئی تھی۔

آرلو نے ہسٹریائی انداز میں تنہد کیا۔ ”کتنے  
 اینڈوچر ختم ہوا۔ یہیں برف میں جم کے مر گئے۔“  
 ”لانا کتنی دور گئی؟“ مورانے سوال کیا۔

”GPS کے مطابق اس فینول اسٹور سے پچیس  
 میل۔“

”جبکہ ہم تیس میل سر کر چکے ہیں۔ واپس تیس میل  
 ڈاؤن مل جانا ہوگا۔ GPS نے فلاڈراتے پر ڈالا تھا۔“ مورانے  
 کہا۔

”برفانی طوفان میں تیس میل پیدل جا میں گئے؟“  
 آرلو نے مورانے کو گھورتے ہوئے کہا۔

”تم لوگ گاڑی کے اندر رہو۔ میں کس کنٹری ایکسٹر  
 استعمال کروں گا۔ مدد لے کر آؤں گا۔“ ڈکس نے کہا۔

”نہیں، تاخیر ہوگئی ہے۔“ مورانے نفاذی کی۔ ”دن  
 کی روشنی چند گھنٹے بعد ختم ہو جائے گی۔ تاریکی میں ہمیں رکنا  
 پڑے گا۔ کسی مقام پر پہاڑی سے گرنے کا امکان روشن ہو  
 جائے گا۔“

”دو دست کھد رہی ہے۔“ ایلین نے حمایت کی۔ ”تم  
 جو کرنا چاہو رہے ہو اس کے لیے پورا دن روکار ہوگا۔ برف بھی  
 زیادہ ہے جو رفتاً کم کر دے گی۔“

”تم میری وجہ سے پیستے ہو اور مجھے ہی نکالنا ہوگا۔“ وہ  
 بولا۔

”امتحانہ نامیں نہ کرو۔ ہمارے ساتھ نہیں رکو۔“  
 ایلین نے بھی مخالفت کی۔ رہی سہی کسر گریس نے پوری  
 کر دی۔

”لڈی کیس نہ جاؤ، پلیز۔“  
 ڈکس کھٹکھٹ میں دکھائی دیا۔

”کوئی نہ کوئی گزرتے گا۔“ ایلین نے کہا۔  
 ”میں یہ یہ سیڑ روک رہے۔ اسی لیے نقشے سے غائب  
 ہے۔ GPS نے شارٹ کٹ دکھا کر پہاڑی پر پھنسا دیا۔“

آرلو نے پرتھین انداز میں کہا۔  
 اچانک مورانے کی یادداشت بیدار ہوئی۔ ”چند برس پہلے  
 کی کہانی یاد ہے۔ اور یگان کی ایک برف میں جم ہو گئی تھی۔  
 دوست احباب خیال کرتے رہے کہ وہ مرکزی سڑک پر ہوں

”ہم مدد بلا گئے ہیں اور“ ”لوک“ ہمیں لے جائے  
 گا۔“ ڈکس نے سفل فون نکالا..... اُنہیں سے فون پر نظر ڈالی۔  
 ”کسی کے فون پر سفل آ رہے ہیں؟“ اس نے استفسار  
 کیا۔

”مطلب تمہارے فون پر سفل نہیں ہیں؟“ ایلین نے کہا۔  
 جواب میں ڈکس نے کہا۔ ”اپنے اپنے فون چیک کرو۔“  
 ایک منٹ کے اندر سب نے سفلز کے بارے میں  
 پریشان کن خبر سنا دی۔

گریس نے سر ہکا ڈالا۔ ”ہم پھنس گئے ہیں۔“  
 ”سکون سے رہو، کچھ کرتے ہیں۔“ ڈکس نے خود کو

سنایا۔ گاڑی کو نیٹرل میں ڈال کر اس نے سب کو باہر نکلنے کا  
 اشارہ کیا۔ تمام تر ماحول سفید تھا۔ برف ہی برف۔ مورانے  
 سائڈ کا ڈور جام ہو گیا تھا۔ وہ گینٹر شفٹ پر رہے رینگ کر

ڈرائیونگ سیٹ پر آئی اور دوسری جانب سے باہر نکل گئی۔ نرم  
 برف میں اس کے پیر پنڈلیوں تک اندر چلے گئے تھے۔ باہر

آ کر اسے خود شصت سال کا اور راک ہوا۔ گاڑی گہرے  
 گڑھے میں ترچھی پھنسی ہوئی تھی۔ ایک طرف کے ویلو

برف میں چسپوسمک ڈوبے ہوئے تھے۔ دوسری جانب کے  
 ویل ملحق حالت میں تھے۔ سب اربن عام گاڑی نہیں تھی۔

اسے باہر نکالنا ممکن نہیں تھا۔  
 ”ہم کر سکتے ہیں۔“ ڈکس نے آواز میں جوش و خروش

پیدا کیا۔  
 ”کیا اور؟“ آرلو کا منہ بند ہو گیا۔

”بل کر دو لوگ ہمیں گئے۔“  
 سب نے خاموشی سے ڈکس کو دیکھا۔ ”گریس تم

ڈرائیونگ سیٹ سنبھالو۔“  
 باپ کے کہنے پر وہ واپس گاڑی میں آگئی۔ اگرچہ وہ

پڑا سید نہیں تھی۔ بقیہ تینوں افراد گاڑی کے عقبی جانب گڑھے  
 میں اتر گئے۔

”ایک ساتھ مل کر پش کرنا ہے۔“ ڈکس نے کہا۔  
 ”ایک دو تین۔“ تینوں نے پوزیشن لے کر دوڑ لگایا۔ مورانے

آکھیں بند کر کے سانس روکی اور ساری توانائی جھونک دی۔  
 تین ٹن کے جیسے ہوئے وزن کو بلانا تھا تاں لگ رہا تھا۔ اچانک

سب اربن نے حرکت کی۔ لیکن حرکت جتنی سمت میں انہی کی  
 طرف تھی۔ ”خیر دار، ہٹ جاؤ۔“ آرلو چلا آیا۔ مورانے بروقت

جست لگائی تھی۔ گاڑی واپس آ کر گڑھے میں کھوکھٹ کے بل  
 گرئی۔

”وہ گاڑی ہم بچ گئے۔“ آرلو ہانپ رہا تھا۔



سکتی۔ لیکن امید کا دامن چھوڑنے کا مطلب موت ہے۔ ایک اور کوشش کروں گی۔“ مورانے چرخزم آگماز میں کہا۔ دوبارہ کمر کھی اور دوسرے درج پر چل پڑی۔

”مورا.....“ ڈگلس نے آواز دی۔ مورانے اٹھ بلیا اور چلتی رہی۔ ایک بار پھر ڈگلس نے اسے لنگس لیا۔

☆☆☆

مورانے سفید رومند میں سبز جھلک دیکھی۔ رولڈ ریکب میں اضافہ ہو گیا۔ کیا ہو سکتا ہے؟ وہ بڑھتی چلی گئی۔ سوچ رہی تھی کہ اس کے دوٹ کی وجہ سے ڈگلس کو پلٹنا پڑا تھا۔ کیا اس کی چھٹی جس نے غلط اشارہ دیا تھا..... سبز رنگ نمایاں ہوتا گیا۔ وہ ٹھہر گئی۔ سبز رنگ کے سامنے بورڈ پر کچھ لکھا تھا۔ برف سبز رنگ کو پوری طرح چھپانے میں ناکام رہی تھی۔ مختصر تحریر تھی۔

مورانے پڑھا۔

”تجلی ملکیت

صرف رہائی آسکتے ہیں۔

نگھرائی کی جا رہی ہے۔“

مورانے بغور سامنے، پھر دائیں بائیں دیکھا۔ ایک تنگ راستہ آگے جا کے درختوں میں اوجھل ہو گیا تھا۔ راہ میں ایک زنجیر کھل گئی۔ ”یہاں راستہ ہے۔ آجاؤ۔“ وہ پلٹنا آواز میں پکارنے لگی۔ چند منٹ میں سب بورڈ کے ساتھ کھڑے تھے۔

”علاقہ صرف رہائشیوں کے لیے ہے۔ مطلب آگے مکانات بھی ہوں گے۔“ مورانے اشارہ کیا۔ انہوں نے انہیں میں مشورے کے بعد آگے روٹا دیا۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ تھی دور جانا پڑے گا۔ لہذا ڈگلس کے مشورے کے مطابق کم سے کم اور ضروری سامان گاڑی سے نکالا جانا چاہیے۔ کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ امید کا دیا ٹھکانے لگا تھا۔ وہ سامان کے لیے گاڑی کی طرف چلے۔

☆☆☆

انہوں نے ابھی چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ مورانے روک لیا۔ ”ہمیں ایک رتھ گاڑی میں چھوڑ دینا چاہیے۔ کوئی آگیا تو اسے علم ہو جائے گا کہ ہمیں مدد کی ضرورت ہے۔“ مورانے کاغذ قلم نکال کر چند سطروں لکھیں اور گاڑی میں رکھ کر رتھ ڈرائیو بورڈ پر رکھا۔ ڈور بند کیا اور باہر آگئی۔ ”چلتے ہیں۔“

”یہ فیصلہ تو میرا بہت خوب تھا کہ ہمیں ساتھ لے آیا۔“ ڈگلس نے تعریف کی۔ مبین اس وقت مورانے کی نظر اٹلن پر گئی۔ وہ ان دونوں کو ہی تک رہی تھی۔ وہ دوستانہ نظر نہیں تھی۔ مورانے توجہ محسوس کر کے وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ ”چلو بھئی۔“

مے۔ لہذا ہر ایک پر لگ رہا۔ بالآخر ایک ہفتے بعد تلاش شروع ہوئی۔ جب تک وہ برف اور ٹھنڈے کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔“

”خاموش رہو۔“ اچانک ڈگلس بھونک اٹھا۔ ”تم گریس کو خوف زدہ کر رہی ہو۔“

”سب ڈرے ہوئے ہیں۔“ مورانے کہا۔

”مغربیوں کا سہارا لینے کے بجائے ہمیں خود جود جہد کرنی پڑے گی۔“

”وہ کسے؟“ اٹلن نے سوال کیا۔

”آرٹو کی تم گاڑی میں سے توشہ لے سکتے ہو؟“ مورانے کہا۔

”ہاں، کیوں نہیں۔“ وہ گاڑی میں اتر گیا۔ کچھ دیر بعد مورانے بغور نقشے کا مطالعہ کر رہی تھی۔ سرد ہواؤں میں برف کے ذرات بھی شامل تھے۔ نقشہ یہ کہ مورانے جیب میں رکھ لیا۔ ”تم لوگ، کوہ پانچ دس منٹ میں آتی ہوں۔“ وہ بولی۔

”مرنے کا ارادہ ہے۔“ ڈگلس نے کہا۔

”مرنے کے لیے پانچ دس منٹ ناکافی ہیں۔“ اس نے جواب دیا۔ پھر ٹریل کا انحصار کیے بغیر ایک طرف چل پڑی۔ برفانی رومند میں غائب ہونے میں بہت کم وقت لگا تھا۔ وہ غور سے اوجھل ہو گئی۔

”وہ کیا چاہتی ہے؟“ آرٹو نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

”کیوں نہ ہو کہ گھر رہی ہے؟“ اٹلن نے سوال کیا۔

”اس موت کے چند سے سے نکل گئے تو آئندہ کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ایک اور کام بھی کروں گا۔“ آرٹو نے کہا۔

”وہ کیا؟“

”آئندہ کبھی اور یہاں نہیں آؤں گا۔“

☆☆☆

دس منٹ بعد رومند میں مورانے کا ہیوا نظر آیا۔ وہ کسی سفید رنگ کے بھوت کے مانند دکھائی دے رہی تھی۔ قریب آکر وہ کھٹکوں پر ہاتھ رکھ کے جھکی اور ہانپنے لگی۔ سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”پبلک روڈ ہے یا سیریل۔“ وہ سیدھی ہو گئی۔ ”دونوں صورتوں میں آس پاس آبادی یا انسانی نشان ہونا چاہیے۔ اگر ایسا ہے تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ کوئی ان کو محفوظ رہے۔“

”نقشے میں کیا لکھا تھا؟“ ڈگلس نے استفسار کیا۔

”کچھ نہیں۔“

”پھر کہاں کی تھیں، کیا دیکھا؟“

”کچھ نہیں۔“ فکر کی رسائی بھی کم ہے۔ زیادہ دور نہیں جا

جاسوسی ڈائجسٹ جنوری 2025ء

☆☆☆

مکانات کی دو قطاریں تھیں۔ سب ایک جیسے تھے۔ پورچ، گیراج اور کمڑکیوں کی تعداد تک یکساں تھی۔  
"ہیلو" "ڈکس نے آواز لگائی۔" "یہاں کوئی ہے؟"  
انتظار کر کے اس نے پھر آواز لگائی۔ "ہم پریشان ہیں اور مدد چاہتے ہیں۔" چھوٹا انتظار کر کے ڈکس نے فیصلہ کن انداز میں محدود فرنیچر پورچ کو گھس کیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ چکر سینڈ بچہ پھر کوشش کی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ پھر ہول سنا۔

"نیا میر جیسی ہے تو ڈرو۔" "ایٹن نے فرما ہو گئی۔  
ڈکس نے ہاتھ بڑھا کرے ٹاب کھائی۔ حیرت انگیز طور پر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے پلٹ کر ساتھیوں کو دیکھا۔  
"امید ہے کہ اندر ہمارا شات کن سے استعمال نہیں ہو گا۔" رات نے تقریباً اپنی سیاہ چادر ڈال دی تھی۔ آگے پیچھے یکے بعد دیگرے وہ اندر چلے گئے۔  
"کسی کے پاس گولڈن لائٹ ہے؟"

کوئی مثبت جواب نہیں ملا۔ آرو نے دیواروں پر رخاوا تھوڑا ہاتھ پھیرا۔ وہاں بجلی ہوئی تو سوچ بھر دھڑکے۔ کسی قسم کی کوئی آواز نہ تھی۔ گویا وہ ایک بڑی سی قبر میں کھڑے تھے اور تاریکی سے نظر کو مانوس کرنے کی کوشش میں تھے۔ قلمرو ایک ہی ہوا تھا کہ وہ اب مکمل فضا میں نہیں تھے۔ گریس کے علاوہ چاروں احتیاط سے اطراف میں سرسے گئے۔  
"ارے اِدھر آؤ، یہاں سنگی آتش دان ہے۔" آرو کی آواز آئی۔

"ماچس بھی ہوگی۔" مورا اور ڈکس نے آواز کی سمت میں حرکت کی۔ "ہاں ماچس ہے۔"

آرو نے دیواروں کی جلائی شعلہ خورائی جھجھکیا۔ تاہم آرو نے اتنی دیر میں گولڈیاں دیکھ لی تھیں۔

"کوڈورا۔" مورا نے کہا اور گیس اسٹیشن سے خرید گیا اخبار نکال کر اس کو رو لگایا۔ "یہ اخبار جلانے کی کوشش کرو۔" ذرا دیر میں آرو اخبار جلانے میں کامیاب ہو گیا۔ اندر سے ملنے اخبار کی روٹی بھی بہت معلوم ہوئی تھی۔ آرو نے دو گولڈیاں اٹھا کر آتش دان میں ڈالیں اور جلتا اخبار مورا سے لے کر گولڈیوں پر رکھ دیا۔ اخبار مارا کہ ہوتا جا رہا تھا۔ تاہم گولڈیوں نے آتش ساسی لینا شروع کر دی۔

آگ کی سرخ تاریکی روٹی کا احراج گرمی تو کیا پہنچاتا لیکن ان کے لیے تو گویا کھٹن سا کھل گیا۔ اس دقت دنیا کا

جنوری 2025ء

ڈکس نے مورا کا ہاتھ چھو ڈیا۔ ایک توان کے قدم برف میں دھنس رہے تھے۔ دوسرے درجہ حرارت کچھ گرا تھا۔ اس کے باوجود پچھتا آ رہا تھا۔ مورا اپنے اسکاٹی پارکا کے اندر کی محسوس کر رہی تھی۔ دبیز برف میں ہر قدم اندر جا رہا تھا۔ رخ ابھی تک اونچائی کی طرف تھا۔ جس کے باعث شفقت میں اضافہ ہو گیا تھا تاہم شیشوں کی امید نے نئی توان کی ہنسی تھی۔

ڈکس چند قدم آگے تھا۔ وہ اپنا چاک رک گیا۔ وہ دھنس رہا تھا۔ "سب شیک ہو گیا۔" وہ بولا۔ مورا اس کے قریب تھی۔ دونوں کی نظر وادی پر تھی۔ نیچے ایک درجن مکانات کی چھتیں نظر آ رہی تھیں۔ کبھی چھتوں سے دھواں نکلتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ "زعمی کے آج نہیں ہیں وہاں پر۔" مورا نے خیال ظاہر کیا۔ دوسرے افراد بھی قریب آ گئے تھے۔

☆☆☆

وہ تاریکی پھیلنے سے پہلے مکانات تک پہنچ گئے۔ نیچے جانے کے لیے دو میل کا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔  
"دیکھو یہاں بھی کچھ لکھا ہے۔" آرو نے نشان پر سے برف ہٹائی۔

"یہ کیا لکھا ہے؟" "ایٹن نے سوال کیا۔  
"چنانچہ کون سی زبان ہے؟" وہ دہرکتا رہا۔ "اب میں سمجھا کر کس اسٹیشن پر بڑے میاں کی جھیک کا کیا مطلب تھا۔"  
"کیا کھانا چاہتے ہو؟"  
"بڑے میاں نے گاؤں سے دور رہنے کا کہا تھا۔ نیہ وہی گاؤں ہے۔" آرو ایک طرف ہٹ گیا۔ مورا نے پڑھا۔  
وہ دو الفاظ تھے۔

مکلام کوم

"یہاں کوئی بار لائن نظر نہیں آ رہی۔ بجلی کے بغیر یہاں کون رہ سکتا ہے۔" ڈکس نے کہا۔ وہ نام کو نظر انداز کر کے خاموشی سے مکانات کی طرف بڑھنے لگے۔ مورا سوچ رہی تھی کہ GPS کو نظر انداز کر کے تھتھے کے سہارے چلے تو یہ بے لوث نہ آتی۔ اسے ڈکس کی دعوت کو قبول نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ آرام سے ہوئی میں ہوئی یا اپنی کرائے کی کار میں محکم رہی ہوئی۔ مورا نے اپنا میل فون چیک کیا۔ بیڑی مردہ تھی۔ کیا بیٹھل نے کال کی ہوگی؟ اگر مورا نے اس کی داکس میل کا جواب نہیں دیا تو کیا وہ پریشان ہوگا؟ یاد وہ سوچ رہا ہوگا کہ مورا قصداً اسے نظر انداز کر رہی ہے۔ اور کیا وہ مطمئن ہوگا کہ میں خود ہی خاموشی کو ختم کروں؟ مورا کے ذہن میں اندیشے نے سراپا لیا۔ اگر بیٹھل نے طویل انتظار کیا تو اس وقت تک مجھ سمیت یہ گروپ بھی مارا جائے گا۔ اس کی ایشیائی حس پر مشور

ہے؟“ وہ بڑبڑایا۔ ”بھوت بھلا ہے کیا؟ یا پوری بستی بھوت خانہ ہے؟“

”یہاں ایشائے عظام موجود ہیں۔“ آرو کا نعرہ بلند ہوا۔ اس نے ایک کینٹ کھولا تھا۔ خالوں میں آج، خشک لوبیا، ہنر وغیرہ کے علاوہ کئی، اجار، جام وغیرہ رکھے تھے۔ ”دو آنے تک کا کئی دن کر رہا ہوں۔“

”ہاں، لی اٹال بھوک اور سردی سے نہیں مر رہی کے۔“

ایشن بولی۔

”میں بالائی منزل دیکھتا ہوں، کوئی اور کھڑکی تو کھلی نہیں ہے۔“ ڈکس نے ارادہ ظاہر کیا۔ اس مرتبہ بھی کوئی جھپٹے نہیں رہا۔ وہ اوپر جانے کے لیے بیڑیوں کی طرف بڑے۔ روشنی نا کافی تھی۔ عجیب تجربہ اس پر ماحول تھا۔ مورا سب سے جھپٹے گی۔ جہاں روشنی سب سے کم تھی۔ ہار قلوں میں بھی سب سے جھپٹے والے کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تیر آ کے کمر میں لگتا ہے یا کلباڑے کا وار کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔

”یہ ایڈیڈر ہے یا وہ لوگ ہار سووی کا کردار بننے والے ہیں۔“ مورا کے داغ میں خیالی سانپ نے پھن اٹھایا۔

اوپر پہلا کمر بیڑیوں کا تھا۔ وہاں ایک بڑا بیڑی صاف ستھری حالت میں بڑا تھا۔ یہ ایک چوٹی پر باکس رکھا تھا اندر کیا تھا۔۔۔۔۔ لیکن اوپر نیلی بیڑیوں کی تھی۔ جینز کے اوپر پرانی چرمی بیٹ موجود تھی۔ فرش پر برف کے ذرات مٹی کی طرح سے آئے تھے۔ ڈکس نے کھڑکی بند کر دی۔ مورا نے ڈریک پر سے ایک فریم اٹھایا اور فوٹو دیکھنے لگی۔ فوٹو میں چار چہرے تھے۔ ایک مرد، ایک عورت اور دو نو عمر لڑکیاں۔ لڑکیوں کی عمریں نوے دس سال تک ہوں گی۔ بال سنہری مائل بھورے تھے۔ عورت کا چہرہ پیکا پیکا سا تھا جبکہ مرد کی آنکھوں سے بے پناہ خود بخود جاری عیاں تھی۔ ایسا انتشار جسے کوئی پہنچ نہیں کر سکتا ہو۔ مورا سوچ بیمار میں غلطی تھی۔ اگر یہ پہلی تھی تو اچانک کھانا چھوڑ کے برف میں کہاں غائب ہو گئی۔

چوں جاں کی آواز میں سن کر وہ گھبراہٹ کو چھپاتے ہوئے دوسرے کمرے میں گئے۔ کھڑکی مل رہی تھی۔ کھڑکی بند کر دی گئی۔ ایشن نے سکون کا سانس لیا اور نوٹس بیڑی پر بیٹھ گئی۔ مورا کھڑکی سے باہر تاریکی میں دیکھ رہی تھی۔ نہ کوئی روشنی، آواز اور نہ کوئی نشان۔ یوں معلوم ہوا ہاتھ سے دنیا میں ان کے سوا اور کچھ بھی نہ ہو۔ وہ مڑ کر ڈیک پر آگئی جہاں اسکول کی درس کس رہی تھیں۔ ”ایڈیڈر بیڈنڈی ہوم اسٹڈی پروگرام“۔۔۔۔۔ لیول 4 ورک بک کے ایک صفحے پر اس نے

سب سے خوب صورت رنگ آگ کا رنگ تھا۔ لکڑیوں نے دھیرے دھیرے آگ پکڑ لی شروع کی۔ دیکھ کر ہی گرمی کا، سکون کا احساس ہوا۔ وہاں روشنی بھی ہو گئی۔ پورا دن گزرنے کے بعد سکون کا پہلا سانس آیا تھا۔ ان کے چہرے روشن ہو گئے۔ کمرے کا جواڑا لیا۔ عام چوٹی پر خشک تھی۔ چوٹی فرش کے اوپر بڑا تالین تھا۔ پورا دن پر ایک فریم شدہ پوسٹر کے سوا کچھ نہ تھا۔ پوسٹر میں نظر آنے والے آدمی کی آنکھیں کوئلے کے مانند سیاہ تھیں۔ بال بھی کمرے سیاہ۔ تاثرات جیسے غیر انسانی تھے۔

”آئل لیپ بھی ہے۔“ ڈکس کی آواز آئی۔ اس نے لیپ روشن کیا۔ کمرے کی تاریکی مزید کم ہو گئی۔ ”روشنی اور لکڑیاں بھی مناسب تعداد میں ہیں۔“

”آگ جلائے رکھیں گے تو کرا کسی حد تک گرم ہو جائے گا۔“ ایشن نے کہا۔ آئل وان میں اب شعلے نظر آرہے تھے۔

”چینی کیوں کھلی ہوئی ہے؟“ مورا نے اوپر کی طرف دیکھا۔ ”عجیب بات ہے۔“

”کیوں؟“

”کوئی موسم سرما کے لیے گھر خالی کرے گا تو دروازے لاک ہونے چاہئیں اور چینی کو بند رکھنا چاہیے۔“

مورا نے وضاحت کی۔

سب چپ تھے۔ ان کے سامنے دیواروں پر لڑ رہے تھے۔ سب کے دماغ میں ایک ہی خیال تھا۔ ”کیا یہ ہاتھی واقعی گھر خالی کر گئے تھے یا۔۔۔۔۔“

ڈکس لیپ لے کر اٹھا۔ ”میں بقیہ مکان چیک کرتا ہوں۔“

”ڈیڈی میں بھی آؤں گی۔“ مریس نے کہا۔

”میں بھی۔“ ایشن نے کہا۔ کوئی جھپٹے نہیں رہتا چاہتا تھا۔ سب چل پڑے۔ ہال دے سے گزر کر وہ کھن میں آئے

اور ٹھہر گئے۔ وہاں کینٹ اور لکڑی سے بننے والا چلھا تھا۔

تک کے قریب کنوئیں سے پانی کھینچنے کے لیے کھینچا تھا۔

تاہم ان کی توجہ ڈانٹک ٹھیل سے منجھلی۔ ٹھیل پر چار بیٹیں،

چار کانٹے اور چار گلاس موجود تھے۔ گلاسوں میں دودھ جم چکا تھا۔ بیٹوں میں کھانا تک فریڈ ہو گیا تھا۔

”انہوں نے گلاسوں میں دودھ اور بیٹوں میں کھانا

رکھا اور پھر۔۔۔۔۔“ ایشن جلد ٹھیل کے بغیر ڈکس کو گھر لے گئی۔

نیم اندھیرے میں لیپ کا شعلہ پھل پھلایا۔ ڈکس نے مڑ کر کھڑکی کو دیکھا اور بڑھ کر اسے بند کر دیا۔ ”یہ کیوں کھلی

جاسوسی ڈائجسٹ: جنوری 2025ء





شاگرد کا نام دیکھا۔ اسی کل اسٹریم میں  
"فی الحال یہ مکان ہمارا ہے۔ ڈھکس نے کہا۔" یہاں  
آرام کرو، انتظار کرو۔ مدد آئے گی۔"  
"مدد آئی کب؟" ایلین نے بے انتہاری کا اظہار کیا۔  
"مہینے لاج پر جنگ کرانی تھی۔ جب وہاں نہیں ظاہر  
ہوں گے تو جلدی یا بدیر کوئی نہ کوئی حرکت میں آئے گا۔"  
ڈھکس نے سمرا کی طرف دیکھا۔ "اور تمہیں کل کھڑی کر جانا  
ہے۔ نہیں بچو۔ کی تو وہاں بھی بچتی پھیلے گی۔"  
"ہاں۔" سمرا نے کہا۔ "لیکن وہ نہیں جانتے کہ میں  
تمہارے ساتھ ہوں۔ وہ بے خبر ہیں کہ تلاش کا آغاز کیا جائے  
تو کہاں پر کیا جائے۔" سمرا نے جواب دیا۔  
"مومن تمہارے مڑکس بندر ہیں کی۔ اس کا مطلب اگر  
کوئی اس مقام بلکہ خفیہ مقام تک پہنچا بھی تو مینے لگ جائیں  
گے۔" آملو نے خدشہ ظاہر کیا اور اسٹین کے قریب بیٹھ کے سر  
دونوں ہاتھوں میں چھپایا۔ "مہم جی طرح پھنس گئے ہیں۔"  
سب خاموش رہے۔ کیا ہوئے۔

☆☆☆

ڈیکلیو جین ریڈولی کرائم سین پر پہنچی تو لوگوں کا ایک  
چھوٹا گروپ باہر موجود تھا۔ یوسٹن پولیس کی کرڈرز کی  
ردشیاں کرڈز میں تھیں۔ جین اپنی کار پارک کر کے اتری اور  
ٹھنڈے خلاف کوٹ بند کر لیا۔ بارش ختم ہوئی تھی۔ واردات  
پراسٹور مور میں ہوئی تھی۔ جین ریڈولی آہنی ڈبچہ پھلانگ کے  
گیت سے اندر چلی گئی۔ بیرونی جانب تین گاڑو چوکس  
کھڑے تھے۔

"ہائے ڈیکلیو، وہ کہاں ہے؟" ایک نے جین کو  
مقابلہ کیا۔

"وہ پہنچ چکا ہے۔ اندر ہے۔" جین نے جواب دیا۔  
دوسرے گاڑو نے ونڈل پر ہاتھ رکھ کے دروازہ کھولا۔ جین  
آگے مزید اندر چلی گئی اور پائرنیٹری فراسٹ کو دیکھ لیا جو ایک  
ادویہ جری عورت کے ساتھ کھڑا تھا۔

قریب آئے پرفراسٹ نے تعارف کیا۔  
"یہ ڈوٹی ڈوکن، پراسٹور مور کی نیچر ہے اور یہ میری  
پائرنز ڈیکلیو جین ریڈولی (Rizzoli) ہے۔"

"تم نے کال کی؟" جین نے ڈوٹی سے سوال کیا۔  
"میں نہیں۔ میں ڈیکلیو فراسٹ کو بتا رہی تھی کہ میں  
نے یہاں کیا دیکھا۔ میں ابھی تک شک میں ہوں۔"

ٹھنڈی وجہ سے تینوں کے ہاتھ جیبوں میں تھے۔ جین  
نے دیکھا کہ وہاں بہت زیادہ فریج تھا۔

"وہ ہمیشہ وقت پر کرایہ ادا کرتی تھی۔" ڈوٹی ڈوکن  
نے کہا۔ "مجھے پورے سال کے لیے چیک ہر اکتوبر میں مل  
جاتا تھا۔ وہ پونٹ بھی چند بڑے پولیس میں تھا۔ دس x  
تھیں۔"

"کرائے دار کا نام؟"  
جواب فراسٹ نے دیا۔ "ہیٹی این بوسٹر۔ ہیٹی این  
نے مذکورہ پونٹ کیا وہ سال کے لیے لیا تھا۔ پتا دور چیسٹر کا  
تھا۔"

"تھا؟" جین کی آنکھوں میں سوال تھا۔  
"شی ایڈ ڈیٹ۔" ڈوٹی نے کہا۔ "میں نے سنا تھا کہ  
ہارٹ ایک تھا۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ جب خلاف معمول مجھے  
کرایہ نہیں ملا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ میں نے  
اس کے رشتے داروں کو تلاش کیا لیکن ایک بوڑھا اکل ہی مل  
سکا۔ وہ جنوبی کیرو لینا میں رہتا تھا اور ہیٹی این بھی وہاں سے آئی  
تھی۔"

"تم نے کیا دیکھا؟ اور جین کال کر پڑی؟"  
"آؤ میرے ساتھ۔" ڈوٹی نے اشارہ کیا۔ وہ ان کو  
دیواری دوسری جانب ایک اور پونٹ میں لے گئی۔ وہاں وہ  
ایک بڑے فریزر کے پاس رک گئی۔ "تم لوگ برانڈ مائوٹ میں  
جاسوسی ڈائجسٹ





ڈیڑی کی خواب گاہ کی لہاری میں سولہ چڑے کی مجلس دیکھی  
ہیں۔ لہاری میں برسی بھی ہو گئی۔ آخر کیوں؟  
آرلو نے ہنسنے کی کوشش کی لیکن روزوں نظر آیا۔

”وہ مجرا آدمی تھا۔“ کرئیں نے کہا۔ ”اسی لیے یہی،  
بچے بھاگ گئے یا اس نے ان کو مار دیا ہوگا۔“

”یہ وقت ڈراؤنی کہاں کہاں سننے سنانے کا نہیں ہے۔“  
ایٹن نے کہا۔ کرئیں خاموش ہو گئی۔ وہ دوبارہ نہیں بولی۔  
خاموشی کا طویل وقفہ آیا۔

”تم بہت خاموش ہو۔“ ڈیکس نے موراکو کا غلبہ کیا۔  
”تمہاری کیا رائے ہے؟“

موراکو نے سر اٹھایا۔ ”دوباروں پر کوئی فریم نہیں ہے۔  
ایک چمچ سرار آدمی کا پسر ہے۔ وہ تصویر میں پہچان نہیں  
مظاہرہ کر رہا ہے۔ پردے نہیں ہیں۔ اور کشیں..... انہی  
ریچر، پلٹنگ، دو ڈورک وغیرہ۔ یہ عورت کی دنیا نہیں ہے۔  
یہاں اس کی حکومت ہے۔ شراب کھانے کو..... یا اگر شراب  
پینٹری کے خفیہ خانے سے لی گئی۔ شراب عورت چھپ کر  
استعمال کرتی تھی کیوں؟ عورت کا جو صرف شراب کی بوتل  
میں تھا..... وہ عورت یہاں شریعہ تھی۔“

موراکو خاموش ہو گئی۔ اچانک ڈیکس کا خیال آ گیا تھا۔  
اس کی آنکھیں پھر اٹکی۔ وہ خود بھی فریب ہو گئی تھی۔ محبت  
میں اور نکل نہیں پاری تھی اور دوسرا فریب یہاں تھا۔ جہاں  
جان کے لالے بڑے والے تھے۔ اس کا نام بھی کب رہا تھا؟  
واپسی میں کاش گاڑی کڑے میں سے نہ پھنسی۔ اس نے آنکھیں  
چمکا کر نگاہ صاف کی۔ وہ سب اسے تک رہے تھے۔

”تو سائیکو یا سائیس کر دیا تم نے۔“ آرلو نے کہا۔  
”تھک گئی ہوں۔ میں سونا چاہتی ہوں۔“ وہ بولی۔  
”سب کو نیند کی ضرورت ہے۔“ ڈیکس نے کہا۔ ”میں  
کچھ دیر جاؤں گا۔ آگ نہیں بجھنی چاہیے۔“ شفٹیں لگائی  
ضروری ہیں۔“

”دوسری شفٹ کے لیے میں اٹھ جاؤں گی۔“ ایٹن  
نے پٹیکش کی۔ ”مجھے چکا دینا۔“ وہ کبل میں پٹی گئی۔ وہ اوپر  
سے پٹیکش لے آئے تھے۔ آگ گرمی سے زیادہ روشنی کا کام  
دے رہی تھی۔

خواب میں موراکو نے پسر والے آدمی کو دیکھا۔ اس کی  
آنکھوں میں دھمکی تھی۔ اس نے ہلنے کی ناکام کوشش کی۔ دفعتاً  
اس کی آنکھ مل گئی۔ بدن مطلوب تھا۔ جیلی ہوئی آنکھوں میں  
خوف تھا۔ دل طلق میں دھڑک رہا تھا۔ وہ اس کے قریب کھڑا  
تھا۔ لیکن وہ خواب ہی تھا۔ بیل تھوڑا سا کھٹکا ہوا تھا۔ کمرے

”ہاں جانتا ہوں۔ میں کبھی تمہیں پریشان نہ کرتا اگر  
میں خود پریشان نہ ہوں۔ میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ وہ  
ٹھیک ہے۔ کیا تم مدد کر سکتی ہو؟“  
”کیسے؟“ وہ بولی۔

”اُسے کال کرو۔ شاید وہ میری کال وصول نہیں کر رہی  
ہے۔ تم کرو گی تو ہاتھ مل جائے گا۔“ اس نے تجویز دی۔  
”ٹھیک ہے، میں اُسے کال کرتی ہوں۔“

☆☆☆

جین نے موراکو کا نمبر ملا یا۔ چار مرتبہ رنگ کے بعد  
ریکارڈ ڈیٹام آیا۔

”میں ڈائلنگ آؤٹ ہوں۔ میں اس وقت موجود نہیں  
ہوں۔ آپ پیغام چھوڑ سکتے ہو۔ کوشش کروں گی کہ جلد از جلد  
کال ریٹرن کر سکوں۔“

”موراکو کہاں ہو؟ پریشان مت کرو۔ مجھے کال کرو۔  
ٹھیک ہے۔“ جین نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ خاموشی سے  
اپنے سیل فون کو گھوم رہی تھی۔ موراکو نے جواب کیوں نہیں دیا۔  
کیا رینج سے باہر ہے یا ڈیڈ بیٹری یا ڈیٹیل سے دور وہ سہانا  
وقت گزر رہی ہے۔

”سب ٹھیک ہے؟“ فراسٹ کی آواز اسے خیالات کی  
دنیائے سے باہر لے آئی۔ جین نے فون جیب میں رکھ کر اسے  
دیکھا۔ ”میں آبل از فائن۔“

☆☆☆

”یہاں کیا ہوا تھا؟ جلی کی کہاں گئی؟“ ایٹن نے کہا۔  
وہ آتش دان کے قریب کبلوں میں لپٹے ہوئے تھے۔  
کبل انہیں بالائی منزل کے بیڑوم سے لے تھے ڈنر کے  
لیے پورک، پیسز، بیکرونی، چیز، مگریکر ڈاؤن ٹیٹ بٹر کے علاوہ  
پینٹری سے دھمکی بھی لگتی تھی۔ تھوڑی سی تنگ دودھ کے بعد  
انہوں نے حالات کے لحاظ سے بہترین ڈنر تیار کر کے تناول کیا  
تھا۔ سب اپنے اپنے خیالات کے گھوڑے دوڑا رہے تھے کہ  
یہ کون سی جگہ ہے اور وہاں کیا اچانک کہاں غائب ہو گئے آرلو  
نے دوران گفتگو ایک نیا سوال اٹھایا۔ ”یہ طے ہے کہ جیلی کو  
گئے کافی دن بیت گئے ہیں لیکن وہ اب تک واپس کیوں نہیں  
آئے؟“

”شاید موسم کی غیر متوقع خرابی۔“ موراکو نے خیال  
ظاہر کیا۔ اسی قسم کے سوال جواب چل رہے تھے۔ قیاس  
آرائیاں تھیں۔ کوئی واضح نتیجہ ظاہر نہیں ہوا۔ اچانک کرئیں  
جلی بار بولی۔ ”یہ بہت خراب جگہ ہے۔“  
سب خاموش ہو گئے۔ وہ پھر بولی۔ ”میں نے نام اینڈ

اُدھر پھر نیچے دیکھا۔ قدموں کا کوئی نشان نہیں تھا۔ سچ بتا ہوا  
نے اس کا استقبال کیا۔ ہلکا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ وہ پورے  
باہر آئی۔ مکانات کی دو قطاروں پر نظر ڈالی۔ پھر دو شیلے کی  
طرف بڑھنے لگی۔ پاؤں نرم برف میں دھنس رہے تھے۔ جتنی  
گلیاں اٹھا سکتی، لے کر وہ چلی۔ برف کے اندر پاؤں کسی  
شے سے ٹکرایا۔ معادہ زمین بوس ہوئی۔ خود کو بچانے کے لیے  
گلیاں چھوڑ دیں۔ برف کی وجہ سے کوئی خاص چوٹ نہیں  
آئی تھی۔

جب جس نے مجبور کیا اور موراد گود میں جیسے ہاتھوں کے  
ساتھ برف کھودنے لگی۔ کس چیز سے اس نے شوکر کھائی گئی؟  
نرم برف کھودنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا لیکن جو  
شے اس نے دریافت کی، وہ قطعی غیر متوقع تھی۔ چند لمبے وہ  
پلک جھپکائے بغیر اسے سمجھتی رہی۔ دفعتاً ہلکا کر اٹھی اور  
واپس مکان کی طرف بھاگی۔ برف بھاگنے بھی نہیں دے رہی  
تھی۔

☆☆☆

”وہ باہر رہ گیا ہوگا اور سردی سے جم کے مر گیا۔“ ایٹن  
نے تبصرہ کیا۔

وہ سب مردہ مٹتے کے گرد قائم زدہ افراد کی طرح  
کھڑے تھے۔ ڈگس نے شیلے میں سے ہلکے لیا اور مناسب جگہ  
کھود کر گتے کی لاش باہر نکالی۔ ”بزمین شیخرو“ وہ بڑبڑایا۔  
برف نے لاش کو خراب نہیں ہونے دیا تھا۔ مردہ جسم پتھر کی  
طرح ہو گیا تھا۔ دورانے زنی میں مصروف تھا۔ مورانے پیٹہ کر  
گتے کے کار کا ٹیک دیکھا۔ ہاتھ پھیر کر حرف کو نمایاں کیا۔  
”لکی۔“ (Lucky)

”یہ آوارہ نہیں بلکہ کسی کا پالتو گستا تھا۔“ وہ بولی۔ وہ پھر  
مختلف آراء پیش کرنے لگے۔ کتے کے جسم پر دم بھی کوئی نہیں  
تھا۔ گرہیں خاموش اور خوف زدہ تھی۔

”جتنی تم اندر جاؤ ہم اسے ڈن کر کے آتے ہیں۔“  
ڈگس نے بیٹی کو اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے چلی گئی۔  
”ڈن تو نہیں کر سکتے۔“ آرنو نے کہا۔ ”یہ مخصوص زمین  
ہے۔“ وہاں برف میں چھپاؤ۔

موراد سوچ رہی تھی کہ برف کے اندر اور کیا کیا دفن  
ہے۔ اس مرجاس کی چھٹی حس پہلے سے زیادہ شور مچا رہی تھی۔  
ڈگس دیگر مکانات کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ”کیا ہمیں دوسرے  
مکانات کو نہیں دیکھنا چاہیے؟“

☆☆☆

وہ چاروں قطار کی شکل میں اگلے مکان کی طرف

میں ہنڈرک تھی۔ زیادہ غلطی۔ مورانے آتش دان کی طرف  
دیکھا۔ وہاں اس کی نہیں تھی۔ چتر کوٹے سنگ رہے تھے۔ شاید  
آرلو کی شفٹ تھی اور وہ آتش دان کے قریب دیوار سے ٹک  
رکے خواب غفلت میں تھا۔ اس لیے آگ بجھ نہ گئی۔ مورانے  
اٹھ کر جلدی سے دو گلیاں ان گھروں پر ڈال دیں۔ شعلے پھر  
دیگر سے دیر سے بلند ہونے لگے۔ مورانے بد مزگی سے آرلو کو  
دیکھا۔ اس کی تیندھ کی لڑکی نہیں پر تھا۔

لوگ اسرار کے قائل نہیں ہیں۔ اس نے ساتھ آکر  
بڑی قطعی کی تھی۔ ڈگس کی غیر ضروری خوش فہمی بھی موراد کو مکمل  
رہی تھی۔ اس نے گلی کی دھیمی۔ سچ کے چار بج رہے تھے۔  
تقریباً یہ اس کی شفٹ تھی۔ اس نے کھڑے ہو کر اگڑائی لی۔  
معاذ چمک اٹھی۔ اُدھر اُدھر دیکھا۔ نظر فرش کی طرف گئی تو اس  
نے برف کے ذرات کے ساتھ پانی کے دھبے دیکھے۔ آتش  
دان کے قریب برف کے ذرات پانی میں بدل رہے تھے۔  
کسی نے دروازہ کھولا تھا۔ وہ دروازے کے قریب تھی۔ وہاں  
برف زیادہ تھی۔ برف کی تہ پر انسانی بوٹ کا نشان تھا۔ وہ  
تیزی سے مڑی اور سونے ہوئے افراد کو گنا کوئی باہر نہیں گیا  
تھا۔ ڈور پہلے ہی لاک نہیں تھا۔ دھات میں انہوں نے بھی لاک  
نہیں کیا تھا۔ ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔ مورانے دروازے کا  
اندسے بوٹ گرا دیا۔ پھر کھڑکی کے قریب جا کے اسے کھولا  
اور باہر کا جائزہ لیا۔ کوئی نہیں تھا۔ کوئی تاحی تو نظر نہیں آ رہا  
تھا۔ البتہ وہ موراد کو دیکھ سکتا تھا۔ موراد کھڑکی بند کر کے واپس  
آگئی۔ کچھ دیر بعد دروازے کے قریب قدم کا نشان بھی پائی  
ہو گیا۔ شاید کسی وقت دروازہ کھل گیا تھا۔ کوئی بند کرنے گیا تو  
وہاں بوٹ کا نشان رہ گیا پھر کوئی باہر گیا تھا۔ موسم کا جائزہ  
لینے یا پیشاب کرنے۔ لیکن اس کے لیے تو بالائی منزل پر  
داخل روم استعمال کیا جاسکتا تھا۔ موراد پوری طرح بیدار تھی اور  
مختلف اشکانات پر غور کر رہی تھی۔ تاریکی شب ڈھل کر سرخیں  
ہونے لگی تھی۔

وہ آتش دان کی آگ بڑھانے کے لیے اٹھی اور دیکھا  
کہ گلیوں کا اسٹاک قریب اچھٹ تھا۔ ہر کوئی بے سادہ بڑا تھا۔  
مورانے بھی ہوئی گلیاں آتش دان میں جم چکی تھیں۔ باہر  
شیلے میں گلیاں موجود تھیں۔ بقیہ تمام آلودہوں کی۔ کسی کو باہر  
جائے گلیاں لائی تھیں۔ آتش دان کے قریب رکھنے سے  
گلیوں کی کمی دور ہو سکتی تھی۔ اس نے بدلی سے غافل  
ساتھیں پر نظر ڈالی۔ مجھے حق مانا پڑے گا۔ مورانے بوٹ  
اور گڈ بڑھا کے چہرے پر اسٹاک لپٹا۔ وہ ابھی، دروازہ  
کھول کے باہر گئی۔ مقب میں دروازہ بند کیا۔ رک کر اُدھر

جاسوسی ڈائجسٹ 2025 جنوری



تھے۔

”کوئی خرگوش پکانے والا تھا۔“ وہ بولی۔  
 ”کہاں کہا خرگوش پکانے والا؟“ ایلن نے سوال کیا۔  
 ”کوئی مستعمل اور ملوثی وجہ ہوئی چاہیے؟“  
 ”شاید پکانے والا مر گیا ہے۔“ ایک باریک آواز  
 آئی۔ ”شاید سب مر گئے۔ آل ڈیڈ۔“  
 وہ چاروں مڑے۔ دروازے میں گرہیں کھڑی تھی۔  
 انہیں پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کب آئی۔  
 ”ممکن ہے، کتنے کی طرح وہ بھی برف کے نیچے ہوں۔  
 اسی لیے ہم انہیں دیکھ نہیں پاتے۔“ وہ پھر بولی۔  
 ”گرہیں تھی، یہاں گیوں آئی ہو؟“ وہاں جاؤ۔“  
 ”ڈیڈی میں ایسا کیسے نہیں دیکھ سکتی۔“  
 ”ایلن تم ساتھ لے جاؤ۔“ ڈگلس نے کہا۔ ان دونوں  
 کے جانے کے بعد وہ بولا۔

”محلہ پُراسرار ہوتا جا رہا ہے۔“ بالآخر اس نے  
 اعتراف کیا۔  
 ”اگر گرہیں کا خیال درست نکلا؟“ آرلو بڑبڑایا۔  
 ”آرلو اپنا منہ بند رکھو۔“ ڈگلس ہنرک اٹھا۔ وہ گیراج  
 کی طرف گیا۔ ”دوسرے مکانات دیکھتے ہیں۔“  
 وہ دونوں بھی ڈگلس کے پیچھے حرکت میں آئے۔

”شاید کوئی کام کی چیز مل جائے، ریڈیو یا جریٹر۔“  
 ڈگلس نے امید ظاہر کی۔ گیراج میں قدم رکھتے ہی وہ ٹھہر گیا۔  
 اندر چر دی جب کھڑی تھی۔ اس نے لپک کر ڈرائیونگ سائیڈ  
 کا ڈور کھولا اور اٹھن پر اچھڑا۔  
 ”چاہاں بھی ہیں۔“ اس نے نعرہ لگایا۔  
 ”وہ دیکھو۔“ مورانے ایک شیفٹ کی طرف اشارہ کیا۔  
 وہاں وحالتی لٹکس رکھے تھے۔  
 ”واہ، وہ ناز پر لپٹنے کے لیے جمن ہے۔“ ڈگلس نے  
 سکون کی سانس لی۔ ”جیپ کے ذریعے ہم یہاں سے نکل سکتے  
 ہیں۔“

وہ کیوں نہیں نکل گئے؟“ آرلو نے اعتراض کیا۔  
 ”کہا نا بھی پڑا ہے، رہا ہی غائب ہیں اور جب چھوڑ گئے؟“

”ممکن ہے ان کے پاس دوسری گاڑی ہو۔“  
 ”سایک گاڑی والا گیراج ہے جناب۔“  
 ”لیکن پہلے مکان میں کوئی گاڑی نہیں تھی۔ وہاں سے  
 گاڑی لے گئے ہوں گے۔“ ڈگلس نے کہا۔

”وہاں کے افراد اپنی گاڑی لے گئے تو یہاں کے  
 کہاں گئے اور باقی مکانات بھی سنسان معلوم ہوتے ہیں۔“  
 ”جاسوسی ڈائجسٹ“

جنوری 2025ء

بڑے۔ ڈگلس ہمیشہ کی طرح آگے آگے تھا۔ تمام مکانات  
 جڑواں اولاد کے مانند یکساں شکل کے تھے۔ اس کا ڈور بھی  
 لاک نہیں تھا۔ ڈگلس نے یہ آسانی قبول لیا۔ مکانات کی گویا  
 کلوننگ کی گئی ہو۔ کیا یہاں کے رہائشی بھی کلون شدہ تھے؟  
 داخل ہوتے ہی سامنا ایک اوندرگی کرسی سے ہوا۔ وہ خشک  
 سے گئے پھر ڈگلس نے آگے بڑھ کر کرسی سیدھی کر دی۔  
 ”عجیب بات ہے۔“ وہ بھی تجب کیے بغیر نہ روکا۔

”وہ دیکھو۔“ آرلو نے ایک دیوار کی طرف اشارہ کیا۔  
 وہ فریم شدہ تصویر تھی۔ وہی آدمی، جس کی تصویر پہلے  
 مکان میں تھی۔ جہاں انہوں نے پناہ لی تھی۔ مورانے اس  
 مرتبہ بہت غور سے تصویر کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ تاثرات  
 اور اعزاز جی رہے تھے۔ ”میں یہاں کا بادشاہ ہوں۔“  
 ”ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں ہر گھر میں یہ تصویر لگی  
 ہے۔“ آرلو نے ترغیبن اعزاز میں کہا۔

مورانے آگے گئی۔ بچوں کے بل کھڑے ہو کر ہاتھ اونچے  
 کیے اور فریم اتار لیا۔ پھر اس کو پلیٹ کے دیکھا۔ چری پشت پر  
 منہری نہیں بلکہ سونے کی پتر کاری تھی۔ لکھا تھا۔

ہمارا دیوتا  
 ”دی گیدرنگ کا بادشاہ۔“ (The Gathering)

”میرے خیال میں یہ کوئی مذہبی فرقہ ہے۔“ مورانے  
 کہا۔

”اور ان کا طرز زندگی سادہ ہے۔ کوئی جدید سہولت  
 نہیں ہے۔“ ڈگلس نے مورانے کے تبصرے میں اضافہ کیا۔

”گویا آمش (Amish) دائیونگ میں موجود  
 ہیں۔“ آرلو نے نیا تبصرہ کیا۔ (آمش ایک فرقہ کا نام ہے)

”ہاں مکان کو دیکھتے ہیں۔“ ڈگلس مڑا۔ ہال وے  
 سے گزر کے وہ کچن میں آگئے۔ یہاں بھی صورت حال پہلے

والے مکان جیسی تھی۔ کھڑکی بھی کھلی تھی۔ کھڑکی سے ملنے والا  
 چٹھا چرئی ٹھنکس اور وینڈ چپ۔ ایلن نے کھڑکی بند کی اور

اچانک شہر کوئل کے کھڑکی ہوئی۔  
 ”کیا ہوا؟“

”وہ۔“ ایلن نے سبک کی طرف اشارہ کیا اور پیچھے  
 ہٹ گئی۔

مورانے قریب جاکے دیکھا۔ سبک میں ایک چھری  
 پڑی تھی۔ جس پر خرگوش نے خشک ہو کر رگت تبدیل کر لی تھی۔

اس کے علاوہ ایک خرگوش کتا ہوا تھا۔ سبک کے قریب ایک  
 بڑے پالے میں چلے ہوئے ٹھانر تھے۔ وہ بھی جم چکے

ڈکس کا منہ بند کیا۔ "اور مظلوم رہتے ہوئے مدد کا انتظار کریں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔"

"آج رات مجھے یوشن کے لیے فٹائی کر جانا تھا۔ جب میں وہاں ظاہر نہیں ہوں گی تو میری تلاش شروع ہو جائے گی۔"

"جیسا کہ مطلب ہے کسی کو نہیں معلوم کہ تم ہمارے ساتھ ہو؟" ڈکس نے سوال کیا۔

"ہاں نہیں معلوم۔" مورائے کہا۔ "لیکن اصل یہ ہے کہ ہمیں پناہ گاہ میسر ہے۔ ہم خاصا وقت گزار سکتے ہیں۔ خطرہ کیوں ختم لیا جائے۔ وقت کم ہے پہلے ہی دوپہر گزر رہی ہے۔"

ڈکس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "مورائے، اس وہاں میں پھنسانے کی ڈتے داری مجھ پر ہے اور میں ہی اس مصیبت سے نکالوں گا۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہی ہوں کہ تم پر بھروسہ نہیں۔ سوچو ذرا کہ ایسے موسم میں ہمیں کانی پناہ ملے گی؟ اگر کہیں بھرے راستے میں ایک گھر تو کہاں پناہ ملیں گے؟"

"تبادلہ کیا ہے؟" وہ بولا۔ "کتنا عرصہ یہاں بیٹھیں گے؟"

"کم از کم محفوظ تو ہیں۔" "محفوظ ہیں؟" "آرلو بھڑکا۔" جب ہمیں لاپرواہی لینے کا احساس ہوا میں تب سے بریٹان ہوں۔ اور طرفہ کشا یہ پراسرار جگہ۔ یہ پناہ گاہ نہیں ہے۔ ایک بھیاں ایک خواب ہے۔ یہاں کچھ بہت بڑا ہوا ہے۔ میرا اوٹ سکیا ہے کہ پہلی فرصت میں بھاگ لیا جائے۔ جیپ کیوں اسٹارٹ ہوئی؟ مطلب کوئی ہے اس پاس کوئی بلا یا جن بھوت۔"

"ڈیڈی، اناکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" گریس نے حصہ ڈالا۔

"ایٹن؟" ڈکس نے سوالیہ نظری ڈالی۔ "جو تم کہو۔" ایٹن نے بھی ڈکس کے موقف کا ساتھ دیا۔

مورائے پس تھی۔ اندر سے وہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ وہ لوگ ایک شیطانی مقام پر ہیں یا پھر بھوتوں کے سکھ پر۔ ڈکس نے آرلو کے ساتھ مل کر پچھلے پھیلوں پر زنجیر لپیٹ کر ٹھیک جڑو دیے۔

"میں ایٹن تک پہنچ گئے تو آگے خبریت ہے۔" ڈکس نے کہا۔ "تمہارا ضروری اشیاء تک نہیں۔"

☆☆☆

آرلو پریشان تھا۔ "ان باتوں کو چھوڑو۔ ہمارے لئے کاتو آسرا ہو گیا ہے۔" ڈکس کو بھانپتا کہ بولا۔

"کیا یہ اشارت ہو جائے گی؟ چاہیں کب سے کھڑی ہے؟" آرلو نے جائیگن معقول اعتراض جڑو دیا۔

"یہ عام گاڑی نہیں ہے۔" دیسے بھی حالت بتا رہی ہے کہ یہ زیرِ دستال ہے۔ "ڈکس کے منہ سے بے ساختہ جملہ پھیل گیا۔ فوراً احساس ہوا کہ وہ کیا بول گیا۔ تینوں ایک دوسرے کا منہ کھینے لگے۔

"سہا کہا؟" آرلو نے سکوت کا پردہ چاک کیا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ڈکس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"یاد رسالوں کے جواب بند میں وضو نہیں گے۔ ترجیح تو یہ ہے کہ ہم یہاں سے فیل جائیں۔ شروع ہو جاؤ۔ دوسرے گیراج دیکھتے ہیں۔ ہمیں بیچوں اور پلٹ کڑی کی ضرورت پڑے گی۔"

آرلو نے کچھ کہا جاپا پھر خاموش رہتے ہوئے حرکت پزیر ہوا۔ وہ تینوں باہر نکلے۔ آرلو مخالف سمت میں مکان کی جانب گیا۔ مورائے ڈکس پر دوس کے مکان پر گئے۔ گیراج کا دروازہ آواز کے ساتھ کھلا اور وہ دونوں نمود ہو گئے۔ اندر نور وشل داخل کینیں ایک آپ کھڑی تھی۔ مورائے ڈکس کو دیکھا۔ پھر دونوں نے مرکز آرلو کی سمت میں دیکھا۔ جو گیراج کھول چکا تھا۔ وہ بچے چلا گیا۔

"یہاں ہی ایک گاڑی موجود ہے۔" ڈکس برف میں ڈکھاتا ہوا آرلو کے پاس گیا۔ تیس منٹ میں وہ جان گئے کہ ہر مکان میں ایک گاڑی کھڑی تھی۔

☆☆☆

"میرے پاس کوئی وضاحت نہیں ہے۔ میں اعتراض کرتا ہوں۔" ڈکس نے جیپ کے مقب میں گیراج کے باہر بیچے سے برف ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میری توجہ ایک کتے پر مرکوز ہے کہ یہاں سے نکلے۔"

تینوں جیپ کے لیے ابتدائی راستہ صاف کر رہے تھے۔ ایٹن بھی گریس کے ساتھ وہاں آگئی تھی۔ مورائے رک کر اندازہ لگایا۔ جہاں ایٹن نے سب اربن چھوڑی تھی۔ وادی سے نکل کر بشاور برف آلود راستے پر تیس میل واپس جانا پڑتا۔ اس دوران وہ کبھی کسی دوبارہ نہیں دیکھ سکے تھے۔ "میری ماتے میں ہمیں نہیں رکنا چاہیے۔" پلاخروہ سوچ کر بولی۔

جاسوسی ڈائجسٹ: جنوری 2025ء



واحد اسی اجل

سے گرد کے آئے تھے۔ تاہم اتنا آسان نہ تھا۔ آنے والے قدموں کے نشان بقیہ ناکل ہی برف میں رد پوس ہو گئے تھے۔ وہ اندازہ نہیں لگا پاسے تھے کہ سڑک کے دائیں بائیں کنارے کہاں ہیں۔ سہرماں چپ اوپر کی طرف دواں گی۔ اچانک آدلو نے گانا شروع کیا۔ ”گو۔۔۔ گو۔۔۔ گو۔۔۔“

”گو۔۔۔ گو۔۔۔ گو۔۔۔“ دکان فوٹا قبضے بھی شامل ہو رہے تھے۔ واڈی سے نکلے کا نصف راستہ وہ نے کر چکے تھے۔ راستہ مزید تر چھا ہوا گیا۔ ہیئر پین (hair pin) لڑو بھی آنے لگے۔

دفعتاً چپ نے جھٹکا لیا اور رک گئی۔ مورانے ڈکس پر نظر ڈالی۔ ”آرام سے رہو۔“ رپورس میں ڈال کے اس نے ایکسپریٹر دیا۔ انجن نے شور مچایا۔ لیکن چپ نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ ڈکس نے بھرگروپ کو پھر سڑک رہنے کی تلقین کی۔ وہ سب چپ سے اتارے۔ مورانے دیکھا کہ صورت حال توقع کے برخلاف زیادہ خراب تھی۔ چپ برقائی سڑک سے تقریباً اتر گئی تھی۔ مٹی پیوں کا رابطہ ٹھوس روڈ مکرز سے کٹ گیا تھا۔ سامنے کا بھر برف میں تھا۔ بل ٹیل کرفرنٹ بھر کے سامنے سے برف ہٹائی گئی۔ ڈکس پھر ڈرائیونگ سیٹ پر آیا اور کوشش کی لیکن پیچھے کھوئے رہے۔ چپ نے ٹلی کر نہ دیا۔ وہ ایک بار پھر چپ سے باز آیا۔ لگے ہوئے چہرے کے ساتھ مٹی پیوں پر نظر ڈالی۔ ”مورا تم اسٹریٹک سنبھالو۔ میں اور آدلو دھکا لگاتے ہیں۔“

مورا خاموشی سے پستی ہوئی چپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر گئی۔ عقب میں آدلو نے چپ کے دائیں جانب پوزیشن لی۔ ڈکس بائیں بھر کے ساتھ تھا۔ دونوں نے زور لگایا۔ ”مورا تھوڑی اسپینڈ دو۔“ ڈکس نے آواز لگائی اور مورانے ایکسپریٹر تھوڑا سا دبا دیا۔ ان دونوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ مورانے دھیلے مکمل چین کی آواز سنی جو جیسو سے نکلائے تھے۔ چپ چھانچ آگے گئی۔

”ہاں ریس دو۔۔۔“

چپ نے آگے جھپکے حرکت کی۔ ”مورا اور۔۔۔“ وہ چٹا۔

انجن کی خرابی بلند ہوئی۔ زنجیروں کی آواز کے ساتھ چپ نے جھٹکا لیا۔ مہاکاٹ ٹانوس کی آواز آئی۔ یہ تصادم کی آواز تھی۔ لیکن مورانہ کچھ نہ لگا۔ دوسرے سیکنڈ ہی خوف زدہ اور ڈراہنے والی بلند ہوئی۔

”انجن بند کرو، اوہ مائی گاؤ۔“ ایلین نے زور پر اتار

جنوری 2025ء جاسوسی ڈائجسٹ

جیس پڑھ کر پتلی بھر کی کاہنہ گھوم رہی تھی۔ ”نہیں، نہیں۔۔۔ نہیں سڑوں کی۔ نہیں، نہیں۔۔۔“

چین اور گبریل انتوں کی طرح بھی ایک دوسرے کو اور بھی اپنی اپنی ریکیٹنا کو دیکھتے۔ ”کب تک جائے گی؟“ چین نے استفسار کیا۔

”ہم سے زیادہ دیر تک بیدار رہ سکتی ہے۔“ شوہر نے جواب دیا۔

”کسی کو یہاں کا کنٹرول سنبھالنا ہوگا۔“ چین بولی۔

”اتفاق کرتا ہوں۔“ گبریل نے کہا۔ ”یہ کام بہتر کر سکتی ہو۔“

”کیا؟“

”ہاں ایک بیڈ کاپ (cop) (پولیس دو میں)“

گبریل نے قہقہہ لگایا۔

”میں کیوں؟“ چین نے اعتراض کیا۔

”کیونکہ تم ایسے کاموں میں بہت جری ہو۔ گزشتہ تینوں مرتبہ میں نے اس کو بستر پر پھینچا اور ہر مرتبہ اس نے میری نہیں کی۔“ گبریل نے کہا اور مڑی دیکھی۔

”کیا میں اپنی پرکھن تان لوں؟“

”چنانچہ۔۔۔ تم یا چھری یا کچھ اور۔“

چین نے گہری سانس لی اور مٹوٹے سے اٹھی۔

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔“ ریکیٹنا نے شور مچایا۔ چین نے قدم اٹھایا اور فون بولنے لگا۔

”کیا مصیبت ہے آدمی رات کو؟ میں نے ایک پولیس والی سے شادی کر کے لفظ کی۔“ گبریل اٹھ کرفون کی طرف گیا۔ چین بھی ٹھہر گئی۔ گبریل تھکے ہوئے انداز میں فون پر دوسری طرف کی آواز سن رہا تھا۔

”جنا آپ کے لیے ہے۔“ اس نے چین کو اشارہ کیا۔

”پڑوسیوں کا کھوکھو؟“ وہ بولی۔

”وینچل بروئی۔“

”اس وقت؟“ چین کا دل زور سے دھڑکا۔ خیال فوراً ڈاکٹر مورانہ کی طرف گیا تھا۔

☆☆☆☆

چپ گھر دن کو جیسے چھوڑ کر برف میں واڈی سے نکل رہی تھی۔ ”میرا خیال ہے کہ کام بن گیا۔“ ڈکس نے آہستہ سے کہا۔ مورانے غمخس کیا کہ اس کی آواز اعتماد سے خالی ہے۔ چپ واڈی میں اوپر کی سمت قدرے ترچھی چڑھائی پر تھی۔ وہ کوشش کر رہے تھے اسی راستے پر زہیں مکمل وہ جس

ایڈیٹر ہو گیا تھا۔

”میں واپس آتی ہوں۔ تیرے لوگ آلوں کے پاس رہیں۔“  
”کہاں جا رہی ہو؟“ ڈگلس نے بے بسی چہانے کی  
کوشش کی۔

”میں نے ایک گیراج میں سلیڈ (sled) دیکھی  
تھی۔“ مورائے کہا۔ ”ہم سلیڈ پر آلوں کے پاسکتے ہیں۔“  
جواب سے بغیر وہ مڑی اور بھاگتا شروع کیا۔ اگرچہ دشواری  
تھی۔ تاہم یہ سہولت تھی کہ واپسی میں وہ نیچے کی طرف جا رہی  
تھی۔

☆☆☆

سلیڈ اس نے کہاں دیکھی تھی؟ تیسرے گیراج میں  
اسے اپنی مطلوبہ شے مل گئی۔ ٹولز بھی تھے۔ سلیڈ منور کی کلڑی  
کی اور ہاتھ سے بنی ہوئی معلوم ہوئی تھی۔ موسیٰ حالات کو  
پوچھ رہا تھا۔ ”یقیناً کوئی ڈکا تھا۔“ مورائے گیراج کا جائزہ  
لیتے ہوئے اسکی پزلز (ski poles)، رسی، پاکٹ ٹانف  
اور ڈکٹ ٹیپ دکھایا۔

واپسی کے سفر میں اور جاننا مزید پریشانی کا باعث تھا۔  
تاہم وہ کیسے ہو کر جدوجہد میں لگی رہی۔ ٹولز اس کی گرفت  
مضبوط تھی۔ وادی کی کشش شکل اور برف دونوں مزاحمت  
کر رہے تھے۔ منزل پر پہنچنے سے قبل ہی کرینا کچھ اس کی  
سماعت سے نکرائی۔ آواز زندہ تھا اور ہوش میں آ گیا تھا۔ وہ  
کول موڈ پر گھوم رہی اور ان تک پہنچ کر کشش پر گر گئی۔ ڈگلس نے  
سکون کی گہری سانس لی۔

”ہمیں آلوں کو سلیڈ پر باندھنا ہوگا؟“ ڈگلس کی آنکھوں  
میں سوال تھا۔

”میں رسی اور ڈکٹ ٹیپ لائی ہوں۔“ وہ بولی۔ ”پلے  
ٹانگ سیدھی کر کے باغی میں ہونگی۔ اسی لیے میں اسکی پزلز لائی  
ہوں۔“

”موراء، ٹانگ میں بچا کیا ہے باندھنے کے لیے۔“  
ڈگلس نے نرمی سے کہا۔

”مکان بہت خراب نہیں ہے۔ ٹانگ کو لگتی، بٹی حالت  
میں کیونکر چھوڑا جاسکتا ہے۔“ مورائے کہا۔

ڈگلس نے خستہ حال مجروح ٹانگ کو دیکھا۔ وہ سہل  
کھڑا تھا۔ وہ ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ مورائے کشش کا فشار  
تھی۔ دونوں ہی فوجی تھے (ہیٹا لو جسٹ) لاشوں کو  
کھولنے، چیرنے، پھاڑنے کے عادی تھے لیکن یہاں معاملہ  
ایک زندہ انسان کا تھا۔

مورائے صرف انگلی لگی تو آوازوں نے شور مچا دیا۔

مارا۔ مورائے فوراً اٹھ بیدار ہو گیا۔ چیخنے والی گریس تھی۔ ہوا تیز  
تھیں۔ تاثر غیر انسانی تھا۔ مورائے منکر سے دیکھا۔ چیخوں کا  
پس منظر دیکھنے میں مورائے کام رہی تھی۔ گریس ایک طرف کھڑی  
تھی۔ دونوں ہاتھ چہرے پر اور آنکھیں سختی کے ساتھ بند کی  
ہوئی تھیں۔ مورائے تیزی سے دوڑ کھول کر باہر کودی۔ سفید برف  
پر سرخ لہو کے چھینٹے دشت زدہ کردینے کے لیے کافی تھے۔  
”اس کو مضبوطی سے پکڑ کے رکھو۔ جتنے مت دو۔“  
ڈگلس، اٹھن پر چڑھا۔ مورائے عقب میں بھاگا۔ وہاں مزید خون  
نظر آیا۔ خون کا مٹیج اسے نظر نہیں آیا۔ مورائے ڈگلس کے  
شانے پر سے جنگ کے دیکھا۔ آلوں پر نظر پڑی جو پشت  
کے بل پر ڈا تھا۔ فراڈز جنگ خون میں شرابور تھے۔ اٹھن نے  
آلوں کے شانے پر مارے تھے۔ ڈگلس نے سینے سے فراڈز  
میں اس کی ران پکڑ لی ہوئی تھی۔ مورائے آلوں کی ہانک تک  
دیکھی اور دل کر رہ گئی۔ اسے ٹانگ کھنا شروع تھا۔ میل کی ٹوٹی  
ہوئی جمن کے ٹکے نے فراڈز کو پکڑا اور ٹانگ کو کھینچ کر  
ایکسل پر لپٹ دیا تھا۔ اٹھن بیدار کرنے میں یکجہتی کی ویر  
ہوئی تو ٹانگ کی تکی کی بلغم خوراس کا بھی پچھا تھا۔ ڈگلس کے  
خون آلوں ہاتھ نیچورل آرٹری پر تھے۔ (femoral  
artery) (ران کی مخصوص شریان)۔

مورائے پھرتی سے اپنی ٹیٹ کھولی اور کششوں کے بل  
بیٹھ گئی۔ ڈگلس کی کششوں کے باوجود خون اس کی برف کو لگن  
کر رہا تھا۔ مورائے تیزی اور سختی کے ساتھ ٹیٹ ران پر کس  
دی۔ آلوں کا پورا بدن کا پ رہا تھا۔ وہ ٹانگ میں ڈوب رہا  
تھا خون ابھی تک قطرہ قطرہ نکل رہا تھا۔ ڈگلس نے اپنے ہاتھ  
ہٹا لیے۔ اٹھنے سے پہلے کشش پر نظر ڈالی۔ چہرے پر  
دھماں تھا۔ ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ تیسرا ایک طرف تھا اور ٹھٹھے کے  
قریب سے ہڈی کشش پھاڑ کر جھلکست میں نکل گئی تھی۔  
”آلوں؟“ اٹھن نے آواز دی۔ ”آلوں؟“ اس نے  
شانہ ہٹا دیا لیکن وہ بے سندھ تھا۔

”نہیں اور سانس چل رہی ہے۔ وہ بے ہوش ہے۔“  
ڈگلس نے کہا۔ اس کے چہرے پر دشت کا ران تھا۔ جیب  
ڈالنے کا مسئلہ ہی ختم ہو گیا تھا۔  
”ہمیں اسے مکان میں لے جانا پڑے گا۔“ مورائے  
کہا۔

”مکان؟“

”ہاں، یہاں برف میں آلوں سے جائے گا۔“ وہ کھڑی ہو  
گئی۔ اٹھن کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ گریس پشت پھیر کر کھڑی  
تھی۔ ڈگلس شٹاپا ہوا تھا۔ مورائے ہی کچھ کرنا تھا۔ ایڈیٹر کا

جاسوسی ڈائجسٹ 30 جنوری 2025ء



”دوست ہم کچھ کرتے ہیں۔“ ڈاکس نے تسلی دی۔  
 ”پلیز۔“ آرو نے سرگوشی کی۔ ”مجھے ہلاک کر دو۔“  
 اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ آنکھوں میں فریاد تھی۔

”پہلے چین کلر زخاں کرتے ہیں۔ یہاں نہیں تو کسی اور مکان میں ہوں گی۔“ دھکس اٹھا، میں چپ میں سے لانا ہوں تہم رکانات دیکھو۔“

”میں باہر جاتی ہوں۔“ مورا کھڑی ہو گئی۔ گریس نے چانک مورا کا ہاتھ پکڑا۔

”ہیں بھئی۔“ وہ بولی۔

☆☆☆  
 "میں مدد کر سکتی ہوں۔" گریس نے کہا۔  
 "ہاں کیوں نہیں۔" مورانے اس کے سر پر ہاتھ بھیرا۔  
 "دقت کم ہے۔" جولیا اس کو کچے ٹٹاں میں ڈالتے جاگیاں

جنوری 2025ء: جاسوسی ڈائجسٹ

"تک جاؤ۔ پلیز۔ مت کرو۔۔۔۔۔ نہ ہاتھ لگاؤ۔"

طوعاً و کرہاً انہیں نے آرو کو گت ہو کیا۔ مورانے ہڈیوں اور  
سینے پر کشت کو بیکار کر کے میں چل پیٹ دیا۔ آرو بُری  
طرح شور مچا رہا تھا۔ بعد ازاں مورانے ٹانگ کے اطراف  
میں اس کی پلڑے رکھے اور شپ پیٹ دیا۔ آرو کی چیخیں، سسکی  
اور آہوں میں بدل گئی تھیں۔ بیسنے میں ترجمہ زور زد کیا تھا۔  
تنبیوں نے دل کر اعتیاد سے آرو کو سلایا پرو رکھا۔ انہیں نے ٹو  
روب خانی اور وہ ایک بار پھر وادی میں اتارنے لگے۔ وہاں

نکلدم گرم!

☆☆☆  
 ہاتھ کاٹتے دو مکان میں پہنچے تو آلو پھر سے اوش و  
 ہوا سے بیگانہ ہو چکا تھا۔ پاکٹ ٹائف اور چٹکی کی مدد سے  
 دونوں نے آلو کے زیرِ چھتھرے الگ کر دیے۔ اس کے  
 پرائیویٹ اعضا بھی سامنے آ گئے۔ گریس کے لیے یہ صورت  
 حال ٹھیک نہیں تھی۔

”کرئیں ہمیں آگ کے لیے مزید لکڑیوں کی ضرورت پڑے گی۔ ڈھکس نے جی کوڑھیا۔ ”جاؤ باہر شہر سے جتنی لاکھٹی ہو، لے آؤ۔“ کرئیں نے عوامی انداز میں سر ہلایا۔ حرکت میں آئی..... اور باہر کھلے دروازہ بند کر دیا۔ ڈھکس نے سر کوئی اوجھڑا کہاں سے شروع کر دیا۔

شروع؟ مورانے سوچا۔ ٹپے بیٹ گئے تھے۔ ٹنوز  
 دھڑے بڑے تھے۔ لٹا 180 ڈگری کے زاویے پر پڑ چکا  
 تھا۔ اگرچہ ٹانگ کا پینڈر سلامت تھا لیکن اس میں جان نہیں تھی۔  
 تھوڑی بہت خون کی گردش ٹانگ بائیسے اور ران پر بیٹ  
 کئے تھے تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ مورانے ٹانگ کو ہاتھ میں لگنا  
 چاہا تھا۔ ہولناک حقیقت یہ تھی کہ وہ کسی جدید اسپتال کے  
 آئی سی یو میں بیٹے تھے۔ کھنے کے قریب ہڈی ٹوٹ کر  
 اڑھل رہی تھی۔

”دو ٹانگ سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔“ ڈگلس نے مورا کے خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔ ”ہمیں ٹانگ پر سے یہ سب پھوٹو ہٹانا ہوگا۔ اور پھر۔۔۔“

”ڈگلس! پٹھنیا کے بغیر ان حالات میں ایسی پرت کلکیشن اور پتھر آر پیشن فیئر کے ممکن نہیں ہے۔“ مورانے ضروری نکات بتانے کے ٹانگ بچانے کی مخالفت کی۔

”مطلب ہمارا ان کو اوور ٹانگ کاٹ دینا؟“

”کم از کم جان بچانے کے امکانات تو ہوں گے۔“

کے۔ لیبل پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ دونوں ایک خالی مکان میں کھڑے تھے۔ مورانے ایک بچے کا غلاف اٹا اور واٹس روم میں چلی گئی۔ دوسرا غلاف اس نے گریس کو دے دیا تھا۔ گریس کمرے میں ڈریس اور نائٹ اسٹینڈز دکھائی دیں۔

واٹس روم میں مورانے مین کینٹ کی ہر شے نکال کر بچے کے غلاف میں ڈال رہی تھی۔ دونوں وہاں سے نکل کر اگلے مکان میں چلے گئے۔ مورانے ایک رک گئی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں موجود بچے کا غلاف گریس کو پکڑا دیا۔ "پلیز تم جاؤ، میں ابھی آتی ہوں۔"

"لیکن۔۔۔"

"پلیز گریس، جاؤ۔" اس کے جانے کے بعد مورانے کمرے میں آگے گئی۔ وہ پرندے کا بچہ تھا۔ جو گریس نے نہیں دیکھا تھا۔ بچہ اس میں ایک خوشنما پرندہ مرا پڑا تھا۔ اس نے اطراف میں فرش کا جائزہ لیا اور سارے گھر گئی۔ خاکی دھبوں کو پیچھا ناس کے لیے کوئی نشان نہ تھا۔ وہ پرانے خون کے دھبے تھے۔ غوثی نشانات کے تعاقب میں وہ ہال دے میں گئی اور بیڑیوں کے قریب رک گئی۔ جہاں خشک خاکی خون کافی تعداد میں اپنی موجودگی کی علامت چھوڑ گیا تھا۔ ایک نشان غوثی لٹ کا بھی تھا۔ وہ کمرے اور ہال میں صرف ایک نشان تھا۔ مورانے بیڑیوں سے اوپر دیکھا۔ اس کی تصویراً حس منظر دکھائی دی۔ کوئی اوپر سے گرا تھا اور وہاں ختم ہوا جہاں وہ کھڑی تھی اور بہت سا خون تھا۔ گرا تھا یا اسے اوپر سے دھکا دیا گیا تھا۔ لاش کو بچہ سے یک گھسیٹا گیا تھا۔ کھینچنے والے کا ایک قدم نظر آیا تھا جو شاید لٹلی سے خون میں پڑ گیا تھا لیکن بچہ سے کے آگے نشانات کیوں کہاں غائب ہو گئے؟

☆☆☆

موراد اب اس آلی تو دیکھ نہیں پہنچا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بھی آگیا۔ اس کے پاس آرولو کا بیک بیک تھا جو اس نے کافی ٹیبل پر الٹ دیا۔ مورانے دیکھا کہ کافی تھا لیکن آرولو کو زندہ رکھنے کے لیے وہ اشیاء کا کافی تھا۔ اپنی جیب سے دیکھنے کے لیے ایک پول نکالی۔

"دیکھ اس کی ضروری بات بتاتی ہے۔" مورانے آہستہ سے کہا۔ ایٹن اور گریس کو آگیا کہ وہ خاموش ہو گئی۔ "کیا بات ہے؟" دیکھ موراد کا انداز دیکھ کر چلا۔

"میں بعد میں بتاتی ہوں۔"

"اوکے۔" اس نے گریس کو دیکھا۔ تمام ادویات میز

جاسوسی ڈائجسٹ ۲۰۲۵ جنوری ۲۰۲۵ء

پر سجادی تھیں۔

"میرا پرس کہاں ہے؟" ایٹن نے سوال کیا۔

"مجھے صرف موراد کا پرس ملا تھا۔"

"لیکن میرا بھی تھا۔ اس میں کوڈین (codeine)

بھی ہے۔" وہ بولی۔

"مجھے ختم کر دو۔ میں یہ اذیت برداشت نہیں کر سکتا۔"

آرولو نے سسکی لی۔

دیکھنے نے غری سے اس کا سر اٹھا کے وہ دیکھ اور دو

پر کوٹیں اس کے منہ میں رکھیں۔ اوپر سے غوثی سی دیکھیں

پلائی۔

"جیسے سکون ملے گا۔" اس نے آرولو کو تسلی دی۔

"ایٹن تم پانی پوائے کر دو۔" دیکھنے نے موراد کو دھکے کمرے

میں پہنچنے کا اشارہ کیا۔

☆☆☆

"ہاں، کیا مسئلہ ہے؟"

مورانے مذکورہ مکان میں جہاں وہ گریس کے ساتھ تھی۔ وہ احوال کوٹ کر اڑا اور اپنا تجزیہ پیش کیا۔

"پہلے سکن، پھر خرگوش اور اب پرندے کے ساتھ

لاش۔" دیکھنے کی پیشانی کھن آلود ہو گئی۔ "میں دیکھتا ہوں،

شاہد نہیں دیکھتا ہوا ہے۔"

"ہمارا جس شے سے تعلق ہے، ہم دونوں ہی دھوکہ نہیں

کھا سکتے۔" مورانے کہا۔ "جانے کی ضرورت نہیں۔ آرولو کے

لیے ایک ایک کھوٹتی ہے۔"

"تم نے لاش نہیں دیکھی؟"

"نہیں، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" مورانے

کہا۔

"ڈیڑی کہا بات ہے؟" اپنا بیک گریس وہاں آگئی۔

"ہی، کچھ نہیں ہے۔ پلو آؤ۔" وہ کمرے سے نکل

گئے۔

☆☆☆

تمام میسر شدہ اشیاء انہوں نے میز پر سجادی تھیں۔ ایٹن

نے پانی گرم کر لیا تھا۔ دیکھنے آپریشن کی تیاری کر رہا تھا۔ موراد

عمل جراحی کے ختم میں نہیں تھی۔ تاہم وہ بے حس تھی اور اسے

دیکھنے کا ساتھ دیتا تھا۔

"مجھے مت چھو۔ ہاتھ مت لگاؤ۔" آرولو بچتا۔ موراد

نے دیکھا، شام وصل رہی تھی۔ آرولو ایک ٹانگ اور دونوں

ہاتھ بائیں دھکے۔ دیکھنے سلی دے رہا تھا کہ زیادہ تکلیف

نہیں ہوگی۔ لیکن آرولو بچے نہیں تھا۔ وہ پہلے ہی آگ کے دریا





گبریل باپ کے بھائے بیورو کا آدمی نظر آ رہا تھا۔ اس نے سوال کیا۔

”کیا آخری ملاقات خوش گزاری تھی؟“

”نہیں۔“ ڈیٹیل نے اعتراف کیا۔

”کیا وہ غصے یا جذباتیت میں خود کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ زیادہ نقصان؟“

”نہیں۔“ ڈیٹیل نے غصے میں سر ہلایا۔

”نفسانی دباؤ یا ڈپریشن میں انسان کچھ بھی کر سکتا ہے۔“ گبریل نے کہا۔

”نہیں۔“ گبریل نے کہا۔ ”نہیں۔“ ڈیٹیل نے اعتراف کیا۔

”نہیں۔“ ڈیٹیل نے غصے میں سر ہلایا۔

”ہاں تاہم وہ کام قابلِ تعریف تھے۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔

”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔ ”جنگ۔“ ڈیٹیل نے کہا۔





”سرجری کی ضرورت ہے۔“ ڈکس نے بے چارگی سے کہا۔  
 ”میں اتفاق کرتی ہوں۔ ہم جو کچھ کر چکے ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے۔“  
 ڈکس بے قراری کے ساتھ ٹبل رہا تھا۔ پھر وہ کمزوری کے قریب چلا گیا۔ ہارڈیکھا اور بولا۔  
 ”دن کے آٹھ گھنٹے میں میرے پاس۔ اگر میں فوری طور پر نکل جاؤں تو اندام میرا پھینکے۔ نکل وادی سے نکل کر پہاڑی اتر جاؤں گا۔“  
 ”ہسٹنٹ؟“

کوئین جن نے ٹوبو پکے پاس کھڑے دو افراد کی جانب اشارہ کیا۔ ”آڈی کا نام فچ ہے۔ لاج کے لیے وہ بیگ برقی کارڈ کے فرائض انجام دیتا ہے اور وہ عورت ہرگز ریشل کار ایجنسی میں ملازم ہے۔“  
 ”یہ ٹوبو تھا یہاں پر جمعہ کی رات سے کھڑی ہے۔“ فچ نے بتایا۔ ”گاڑی کو استعمال نہیں کیا گیا۔“  
 ”کیا سر پٹلس ڈیو پور قصد بین کی گئی ہے؟“ جین نے استفسار کیا۔  
 ”نہیں، سیم، کمرے اس صے کو کورجس کرتے۔“  
 ”یہ موراکا کا ہے؟“

کار ایجنسی کی ملازمہ نے جواب دیا۔ ”یہ کرائے پر ڈاکٹر موراکا نے بک کی تھی۔ آن لائن بنگ۔ ادا کیلے ایم ایکس کارڈ کے ذریعے کی گئی تھی۔ معاہدے کے مطابق کا دل صبح ہمارے پاس واپس آ جانی چاہیے گی۔“  
 ”کیا ڈاکٹر موراکا نے کرائے کی مدت بڑھائی تھی؟“ کبریل نے سوال کیا۔

”نوسر۔“ عورت نے جب سے اسپر کی نکال کر کوئین جن کو دی۔ کوئین جن نے لیکس گلوڈ چو کا کر آگے والی پمپر سیٹ کا دروازہ کھولا۔

بعد ازاں ہاتھ بڑھا کے گلوڈ کپارمنٹ میں سے کرائے کا معاہدہ نکالا۔ ”ڈاکٹر موراکا نے اس نے قصد بین کی۔ اس نے سپر دیکھا۔ کاغذات پر نظر ڈالی اور بولا۔  
 ”بڑے نام چلائی گئی ہے۔ تیس سیل۔“  
 جین نے گاڑی کو چھوئے بغیر شیشے سے اندر جھانکا۔ پمپر سیٹ پر اخبار پوائس اسے ٹوڑے پڑا تھا۔

”تاریخ کون سی ہے اس پر؟“ اس نے سوال کیا۔  
 کوئین جن نے اخبار کھولا۔ ”گزشتہ منگل کی تاریخ ہے۔“

”وہی تاریخ جب موراکا کی فلائٹ یہاں آئی تھی۔“ ڈیکس نے کہا۔ ”انٹرویو سے موراکا نے اخبار لیا ہوگا۔“  
 ”ٹریک دیکھتے ہیں۔“ کوئین جن نے کہا۔ وہ عقب میں گیا اور ریوٹ سے ٹریک کھولا۔ سب وہیں جمع ہو گئے۔

جین نے محسوس کیا کہ کوئین جن ٹریک کا ڈھکن اوپر کرنے میں ہچکچاہٹ کا شکار تھا۔ جین کے خیال میں سب کے دماغ میں ایک جیسے خیال تھا۔ ”لاوارث کار اور کشیدہ ڈاکٹر۔“ اندر کیا ہے؟ بالآخر کوئین جن نے ٹریک کھول دیا۔ جین کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ وہ عام عورت نہیں تھی۔ دل موراکا کی وجہ سے تڑپا تھا۔ اس نے اندر دیکھا۔

”ہاں، اور کوئی تیار نہیں ہے۔“  
 ”میں کچھ فوڈ بیک کر دیتی ہوں۔ اس پر سیٹ بیک بھی ممکن ہے راستے میں رات ہو جائے۔“ موراکا نے کہا۔  
 ”تم آر لو کا خیال رکھنا۔“ ڈکس آرزو نظر آیا۔

☆☆☆  
 گریس اوٹنی تھی۔ ڈکس نے پھل اسے سمجھایا کہ اس کا جانا کتنا ضروری ہے۔ اگلے کی زندگی کا سوال ہے۔ اس نے سمجھایا کہ وہ جلدی آجائے گا۔ اس کی غیر حاضری میں اٹلن اور موراکا اس کا خیال رکھیں گی۔ گریس کو رضامند کرنے میں تیس منٹ صرف ہو گئے۔

☆☆☆  
 ڈیکلو کوئین جن، ہائوٹن لاج کی پارکنگ لائٹ میں ٹوبو پکے ساتھ کھڑا تھا۔ ٹوبو پکے کی پست پر برف کی تھی۔ وہ جین اور اس کے دونوں ساتھیوں کو دیکھ کر الارٹ ہو گیا۔ اس کے دیکھنے میں صرف مشاہدے کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ مشاہدے کے علاوہ وہ ہر طرح سے ایک عام دردی پوش دکھائی دے رہا تھا۔ نیم گھٹا اور سوناٹو چھوٹوں میں سفید بال تھے۔

”تم ڈیکلو کوئین جن ہو؟“ کبریل نے سوال کیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”اور تم ایجنٹ ڈین۔“  
 ”ہاں۔“ جین نے کہا پھر اپنا اور ڈیکس کا تعارف کرایا۔

”ایڈیشن PD؟“ کوئین جن بولا۔  
 ”ہوئی سائبر نیٹ۔“ جین نے کہا۔  
 ”ہوئی سائبر؟ یہاں تو کوئی جرم نہیں ہوا۔“  
 ”ڈاکٹر موراکا آنکڑ ہماری دوست ہے۔ وہ ایک قابل اہماد پروڈکشن ہے۔ اس کے غیاب کو ہم ہوا میں نہیں اڑا سکتے۔ اس کی قبریت سے متعلق ہمیں خاصا تر ڈو ہے۔“  
 ”مزید کیا خبریں ہیں؟“ کبریل نے سنجیدگی سے کہا۔

جاسوسی ڈائجسٹ: جنوری 2025ء



و احسان اجل

مٹل کے تاثرات بکثرت بدل گئے۔ "میں پہچان گئی۔ اس تصویر میں وہ بالکل مختلف نظر آ رہی ہے۔ مجھے یاد آ گیا۔ کیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھی؟"

"وہ شادی شدہ نہیں ہے۔" جین نے جواب دیا۔

"اور شادی میں غلا سوج رہی ہوں۔" مٹل نے کہا۔

"تمہیں جو یاد آیا ہے وہ بتاؤ۔"

"وہ ایک آدمی کے ساتھ تھی، وضہم آدمی تھا۔ بال

بھورے تھے اس آدمی کے۔"

جین گڑبڑا گئی۔ وہ مٹل کے تاثرات نہیں دیکھنا

چاہتی تھی۔

"اور کچھ؟"

"گلاب تھا کہ وہ ایک ساتھ دفن کے لیے کہیں جا رہے

تھے۔ میں بھی کوئی شادی شدہ جوڑا ہے۔" مٹل نے کہا۔

"تم نے ایسا کیوں سوچا؟"

"ان کا انداز ایسا تھا۔" اس بول رہے۔

"کون سا دن تھا؟"

"جمعرات کی رات۔" جو کو میری پوچھتی تھی۔

"اور پختے کو وہ چپک آؤٹ کر گئے؟" اس وقت صبح

میں تم ڈیوٹی پر تھیں؟" جین تازہ توڑ سوالات کر رہی تھی۔

"ہاں، لیکن بہت سارے سہمان جا رہے تھے۔ ہم

معروف تھے۔ میں دیکھ نہیں سکی۔"

"کسی اور نے ڈبک سے دیکھا ہو؟"

"نہیں۔" "ایک شجر بولا۔ اس کے ہاتھ میں کپیٹر

پرنٹ آؤٹ تھا۔" تمہاری خواہش کے مطابق یہ کرنے کا ذیل

ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کمرے سے نکلی تھی لیکن ڈبک پر

نہیں گئی۔"

کوئینن نے کاغذات لے کر دیکھے۔ کوئی غیر معمولی

بات نظر نہیں آئی۔

"یہ کمرے سے نکلنے کا ثبوت ہے۔" جین نے کہا۔

"یہ کیسے معلوم ہو کر وہ خود نکلی تھی؟"

کوئینن کا ذہن کیا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ کوئی اور

اس کے کمرے میں کھسا تھا اور سامان بیک کر کے اس کے

بجائے وہ نکل گیا؟"

"میرا کہنا یہ ہے کہ کیا ثبوت ہے پختے کی وجہ یہاں

تھی۔ جبکہ فرض کیا جا رہا ہے کہ پختے کو وہ چلی گئی تھی۔" جین

نے وضاحت کی۔

"کیا ثبوت درکار ہے؟"

جین، غیر کی طرف مڑی۔ "استنباط ایک پر سکومٹی

چاسوسی ڈائجسٹ

خالی، کچھ بھی نہیں تھا۔ کوئینن نے اعلان کیا تو اس کی

آواز میں سکون تھا۔

"اس میں سامان بھی نہیں ہے۔" اس نے گہریل کو

دیکھا۔

وہ جہاں بھی گئی ہے۔ مرضی سے اور سامان لے کر گئی

ہے۔

"کہاں ہے؟ اور اسٹیل فون کیوں خاموش ہے؟" جین

بولی۔

"میں تمہاری دوست کو نہیں جانتا۔ شاید اس سوال کا

بہتر جواب تمہارے پاس ہو۔" کوئینن کی جان چھوٹ گئی

تھی۔

"ہماری گاڑی کب واپس ملے گی؟" ہرز کی ملازم

عورت نے استفسار کیا۔

"فورا تو نہیں۔ لیکن جلد مل جائے گی۔" کوئینن نے

کہا۔

"کب تک؟"

"ہمیں یقین حاصل کرنا ہے کہ کوئی واردات تو نہیں

ہوئی۔" اس نے جواب دیا۔

☆☆☆

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ میں اس سہمان کو پہچانتی

ہوں۔" ناوشین لاج کی ڈبک ٹرک مٹل نے کہا۔ "مگر شہ

پختے میں یہاں دو سو ڈالرز اور ان کی فیملی مقیم تھیں۔ جین اور

اس کے سہمی شجر کے کمرے میں تھے۔ شجر کی موجودگی کے

باعث ڈبک ٹرک خروس تھی۔ وہ کن انھیوں سے بار بار اپنے

باس کو دیکھتی۔

کوئینن کے کہنے پر مٹل نے فوٹو دوبارہ دیکھا۔

"مٹل، تمہیں کچھ یاد ہے؟" اس مرتبہ شجر نے سوال

کیا۔

"مٹل نے بے بسی سے کاندر سے اچکائے۔" میں یقین

سے نہیں کہہ سکتی۔ کیا اور تصویر یہ نہیں ہیں؟"

"میرے پاس ایک ہے۔" مٹل نے جیکٹ کی

اندرونی جیب میں پانچ ڈالرز ایک تصویر نکالی۔ اس تصویر

میں سوزا مین مکمل پرگھی۔ سامنے سرخ دان کا گلاس رکھا تھا۔

پہلی تصویر میں وہ کام پر تھی۔ اس کا شجر بھی آٹو پس کا تھا۔

ظاہر ہے وہ ایک سنجیدہ فوٹو تھا۔ چن میں وہ ایک مختلف عورت

کے روپ میں تھی۔ پستی ہوئی اور لکڑی کی سرخی چہرے پر۔

خوشگوار، غیر سنجیدہ موڈ۔

کوئینن نے وہ تصویر مٹل کو دکھائی۔

CTD

جنوری 2025ء

”تم کو کئے نہیں؟“  
 ”میں نے اس کی تصویر ہر اخبار اور ٹی وی اسٹیشن کو  
 روانہ کی تھی۔ جواب ہر کال چیک کی گئی۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہ مختلف  
 جگہوں پر رہ رہی گئی ہے۔“  
 ”مثلاً؟“

اس کی باتوں سے حسین کو تکلیف ہوئی۔ کیونکہ وہ پہلے بھی قریب تھا۔ ”وہ ایسی نہیں ہے۔“ عین نے تردید کی۔  
”مسئلہ یہ ہے کہ کوئی واردات نہیں ہوئی ہے۔ کوئی شہادت موصول نہیں ہوئی۔ خون خرابا نہ اسے زبردستی لے جایا گیا ہے۔“ عین نے کہا۔  
وہ خشک ہی کہہ رہا تھا۔ ”وہ آدمی کون ہے جس کا ہوٹل کلرک نے ذکر کیا تھا۔“ عین سوچ کر بولی۔

فصل کے بیان کے مطابق وہ دونوں ریاستیں پر ریٹورنٹ کی سمت معلوم کرنے آئے تھے۔ دو لوگ پھرے نیا مارکٹ ذہن میں رکھ کر ریکارڈنگ کمپنی کے مندرجہ تھے۔ تاہم اسٹیپ بڑھ کر چھپچھپ، چھپچھپ، چھپچھپ کی آواز اس وقت بھورے بالوں والا آدمی ڈیک پر ظاہر ہوا۔

”ہاں۔“ جین آہستہ سے بولی۔ مورا مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆  
سر پولیس وڈو پر کسی کو تلاش کرنا ایک تھکا دینے والا عمل ہے۔ تیس منٹ بعد ہی جین کی گردن اور شانوں میں اکڑن شروع ہو گئی۔ وہ جھکی ہوئی اور بغور مونیٹر پر نظر کرتے افراد کو دیکھ رہی تھی۔ کوئین فن کے مطابق یہ حماقت تھی۔ وہ ایڈی جینز پر شرم و راز جاننا لے رہا تھا۔ جین نے دوسرا راؤنڈ شروع کیا تو پھر کے لیے خیال آیا، کیا واقعی یہ وقت کا نیا ہے۔ افراد زیادہ تھے۔ کسی ایک مقام پر لگا، کوہم کوڑ کرنا دشوار تھا۔

گھبریل نے ایک ایک کر کے فریم واپس کرنے شروع کئے۔ ”وہ رہی۔“ اس مرتبہ بھی ڈیوئل نے نفاذ کی۔ جین پہلی مرتبہ مورا کو کہنے میں ناکام رہی تھی۔  
”بکس وار نہیں ہے۔“ کوئین نے کہا۔

”مزید دیکھتے ہیں۔“ گبریل نے ایک نئے بعد دوسرا فرہم آگے بڑھا نا شروع کیا۔ وہ پھر نظر آئی۔ قدرے واضح آج تھا۔ گبریل نے فریم بند کر دیا۔

جاسوسی ڈائجسٹ 38 جنوری 2025ء



و اداس اجل

میں ڈھچکے پر جا رہے تھے اس نے پہلے کسی ایسی جگہ پہنچا ہٹ  
محسوس نہیں کی گئی۔ وہ اور گبریل مل کر گئے کی کار میں ”سرکل بی  
گسٹ رینج“ پر تھے۔ حکم تھا کہ وہ ڈیوٹ کو کھانے کرنے میں  
کاغذ اب رہے تھے کہ وہ ہوئی میں ہی غصہ رہے۔ جین نے  
اطراف اور سرکل بی کا جائزہ لیا۔

”میں نہیں نہیں کر پار ہی کر مورا ایسی فضول جگہ پر آئی  
ہوگی۔“ جین نے گبریل سے کہا۔ ان دونوں نے پہلے ہی ٹوک  
کر اس کی۔ پولیس کی گاڑیاں ظاہر ہے پہلے ہی وہاں پہنچ گئی  
تھیں۔ دونوں شرف کے ڈیوٹی کی طرف گئے۔ جی جی جان  
عورت کے ساتھ بکھر رہا تھا۔

”مجھے فوٹی سے بات کرنی ہے۔“ عورت اصرار کر رہی  
تھی۔ ”ہمیں مزید معلومات درکار ہیں۔ ادھوری معلومات  
کے ساتھ ہم کیا کام کریں گے؟“  
”کیسی، وہ شرف کی وقت معروف ہے۔“ تو اس  
کا نام کہتی ہے۔ جین نے سر کوئی کی۔

”ہم ان کی بیہوش کے ذمے دار ہیں۔ کم از کم ان کا نام  
بتاؤ اور ان کا اگلا رشتہ دار کون ہے؟“ کیسی اڑی ہوئی گی۔  
”جب ہمیں آگاہی ملے گی تو تم بھی جان جاؤ گی۔“  
”وہ جوڑا“ جین آف انجیلز“ کا ہے۔ کیا میں غلط کہہ  
رہی ہوں؟ جین آف انجیلز مطلب آئی ڈاؤ۔“

ڈیوٹی کی پیشانی پر بل بڑھے۔ ”تم نے کہاں سنا؟“  
”میری ڈیوٹی ہے کہ میں غافل نہ رہوں۔ گاؤں میں  
کون کہاں سے آیا ہے، اس کی خبر رکھنا میرے لیے ضروری  
ہے۔“ وہ بولی۔

”تمہیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ اب آگے  
ہمارا کام شروع ہوگا۔“

وہ جیسے ناگن کی طرح پھنکاری۔ ”نہا نہیں تم کیا کام  
کرتے ہو، بولی۔ میری شکایات پر کم از کم ادائیگی ہی کر لیا  
کرو۔“

”بہت ہو گیا، اب جاؤ۔“ بولی نے جیڑا لی ہے۔ کہا۔  
”فوتی کو بتا دینا کہ میں کال کروں گی۔“ وہ چلی اور  
ٹھیک کے رک گئی۔ کیسی حیرت سے جین اور گبریل کو بکھ رہی  
تھی۔

”امید ہے یہ لوگ تمہارے ساتھ اچھے رہیں گے۔ وہ  
بڑا بڑا ہوتی ہوئی ڈیوٹی کے لیے طرف چلی گئی۔

”پھر رنجی؟“ گبریل نے اندازا لگایا۔

”نہیں، کاؤتھی کی سوسل ورکر۔ اچھی خاصی معیت

ہے۔“ بولی نے کہا۔ ”میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟“ اس نے

جنوری 2025 © جاسوسی ڈائجسٹ

”وہ خوش ہے۔ ہوشاں بٹاں ہے۔“ کوئین فن  
بولی۔ جین ان دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے سوچ رہی تھی۔  
دفعتاً ڈیوٹیل کمرے سے نکل گیا۔

کوئین فن پر سوچ انداز میں ڈیوٹیل کو جاتے دیکھ رہا  
تھا۔

”کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟“ اس نے سوال  
کیا۔

”اسے تکلیف پہنچی ہے۔“ جین نے سرسری جواب  
دیا۔

”بہر حال آپ لوگوں کو جواب مل گیا۔“ کوئین فن نے  
ذوقی انداز میں کہا۔ ”دوست سنی میں ہیں۔ مجھے امید ہے  
کہ جلد وہ خود ہی منظر عام پر آجائے گی۔“

”ظاہر وہ آدمی ہوگا جس میں مہمان معلوم ہوتا ہے۔“  
گبریل نے کہا۔ ”ہمیں اس کا نام درکار ہے۔“

”گزشتہ پچھتے یہاں بہت دل تھا۔“ شجر نے کہا۔ ”میں  
دوسو چالیس کروڑ کی بات کر رہا ہوں۔“

”ہم خوش تین کو بٹا کر ان مردوں پر فوکس کریں گے۔  
جنہوں نے مشکل بیک کی تھی۔“

”اے کیسے مرد کی کافی تعداد میں تھے۔“  
”پھر تو ہمیں فی الفور شروع ہو جانا چاہیے۔ ہمیں ان  
کے نام، بڑے اور فون نمبرز کی ضرورت ہے۔“ گبریل نے کہا۔

”اگر اسے اخرا کیا گیا ہے تو ہمارے لیے ہر منٹ قیمتی  
ہے۔“ جین نے غمت کا اظہار کیا۔

کوئی بات مزید ہونے سے قبل ہی کوئین فن کے سیل  
فون نے سب کو خاموش کر دیا۔

”کیا؟ کہاں پر؟“ اس کے چہرے پر پریشان کن  
سجیدگی تھی۔ اس نے جلد ہی رابطہ منقطع کر دیا۔

”کیا بات ہے؟“ جین نے سوال تو کر دیا۔ تاہم وہ  
جواب سننے سے خوف زدہ تھی۔ کوئین فن کے تاثرات نے بنا

دیا تھا کہ خبر پڑی ہے۔  
”تم لوگوں کو سب لیٹ کاؤتھی جانا پڑے گا۔ وہاں  
”سرکل بی گسٹ رینج“ میں۔ وہ میرا دائرہ کار نہیں ہے۔ تم  
لوگوں کو شرف فوٹی سے بات کرنا ہوگی۔“

”کیوں؟“  
”وہاں دوسرے افراد ہیں۔“ کوئین فن نے بتایا۔  
”ایک مرد اور ایک عورت۔“

☆☆☆  
جین ریزولی ہوئی ساڑو وٹھلے تھی۔ اپنے تمام کیرئیر

ممکن نہیں۔ انہوں نے اتوار کی رات یا جمعہ کی صبح ”ڈونٹ ڈسٹرب“ کا نشان بنایا۔ یا پھر وہ نشان لگی اور نہ ہنایا۔ مارکی نے کہا۔

”اوکے۔“ شیرف نے جیکٹ کی ڈب چڑھائی۔ جلد ہی ڈیکلیج چیف اسپرلرٹم سے بات کریں گے۔

☆☆☆

شیرف فوٹی کا جسم فرباد اور عمر پچاس برس سے اوپر تھی۔ اس کی تیز نگاہ جتنا سے گردے گہریل پر رک گئی۔  
”تم دونوں کشتہ عورت کے لیے لگے ہو؟“  
”ہم پر امید ہیں کہ وہ یہاں نہیں ہے۔“ گہریل نے کہا۔

”ہفتے کا دن تھا جب وہ غائب ہوئی، رائنٹ؟“  
”ہاں، بلینس وینجے۔“

”دن وہی ہے۔ یہاں وہ دونوں بھی ہفتے والے دن آئے تھے۔ میرے ساتھ آؤ۔“ شیرف فوٹی نے اشارہ کیا۔ کئین نمبر آٹھ پر رک گیا۔ اس نے ٹینکس گڈوز اور ہیم ٹورڈز ان کے حوالے کیے۔ کرائم سین پر جانے کے لیے دونوں اشیاء لازم تھیں۔

”اندر قدم رکھنے سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ خورد کو ایک ناخوشگوار تجربے کا سامنا کرنے کے لیے تیار رکھنا۔“  
شیرف نے گویا پیچیدگی۔  
”کرائم سین ناخوشگوار ہی ہوتا ہے۔“

”میرا مطلب کچھ اور ہے۔ آؤ۔“ وہ بولا۔

”کیا لاشوں کے ٹکڑے کیے گئے ہیں؟“ گہریل نے پرسکون انداز میں کہا۔ شیرف اس کے گھر سے اور انداز پر چڑکا تھا۔ لیکن خاموش رہا۔ تینوں اندر داخل ہوئے۔ قدم رکھتے ہی جینن نے خون دیکھا۔ جیسٹے دیواروں پر بھی تھے۔ وہ بستر کے قریب گئے تو آگہی ملی کہ خون کہاں سے آیا تھا۔

باڈی بستر پر نہیں بلکہ بیڈ کے ساتھ پڑی تھی۔ چہرہ چھت کی طرف تھا۔ سر پر بال کم تھے۔ جسامت کے اعتبار سے وزن کم از کم پچاس پونڈ سے زیادہ تھا۔ چلوں سیاہ اور تھیں سفید تھیں۔ قاتل اوپر یا قاتل نیچے اس کا چہرہ۔ جینن ایک پولیس ڈویژن تھی۔ وہ بھی بیسیک منسٹر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ قاتل نے چہرہ قاتل دیوار قاتل شناخت بنا دیا تھا۔

”قاتل نے خونخوار اور غیر انسانی قسب کا مظاہرہ کیا ہے۔“ سفید بالوں والا شخص ہاتھ روم سے برآمد ہوا۔ وہ سونل ڈرنس میں تھا۔ ہولناک نظاروں نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ پھر بولا۔

”قاتل نے ایسا کیوں کیا؟ چہرے پر حیوانی انداز

گہریل کواد پر سے نیچے دیکھا۔  
”شیرف فوٹی ہمارا مختصر ہے۔ ڈیکلیج کو کمین فن نے اسے بتایا تھا کہ ہم آ رہے ہیں۔“  
”اور، سمجھا۔۔۔ آپ لوگ بوٹن سے آئے ہو؟“  
”ہاں، میں ایجنٹ ڈین اور ڈیکلیج ریڈولی۔“  
”یہی بولی لگ بھگ پچیس برس کا جوان تھا۔ گہریل کے اعزاز نے اسے متاثر کیا۔

”سر ایڈم، میرے ساتھ آئیے۔“  
دونوں بولی کے پیچھے سرکل بی کے چیک این کا بیچ میں گئے۔ دوسرے کمرے سے دو افراد کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مردانہ اور زنانہ۔ نیم واڈورازے میں سے ان کو دیکھا جاسکتا تھا۔

”میں نے یہی کوئیس دیکھا تھا۔“ وہ بولی۔ ”مرد نے بھگ کرائی تھی۔“

”تم نے مرد سے آئی ڈی کیوں نہیں مانگی؟“  
”اس نے کیش دیا تھا اور دستخط کر دیے تھے۔ یہ ریشا نہیں ہے۔ یہاں لوگ آزادانہ آتے جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ دیکھنے میں ایک معقول آدمی نظر آ رہا تھا۔“  
”اور بتاؤ۔“

”وہ شائستہ اور قابل احرام آدمی تھا۔ ہفتے کے روز برقانی طوفان میں ان کو ٹھہرنے کے لیے کچھ وقت روکا تھا۔ روز ڈیڑھ گھنٹے پر انہیں چلے جانا تھا۔“  
”شیرف؟“ بولی نے آواز لگائی۔ ”بوٹن والے بیچ گئے ہیں۔“

فوٹی نے محرک ہاتھ ہلایا۔ ”آتا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ پھر عورت سے ہاتھ کرنے لگا۔ بولی نے گہریل کو بتایا کہ وہ عورت شجر ہے۔ اور نام مارکی ہے۔  
”وہ دو دن پہلے آئے تھے۔ آخری بار تم نے کب صفائی کرائی تھی؟“

”موتی ہی نہیں ملا۔“ مارکی نے کہا۔ ”تاب پر انہوں نے مستقل ”ڈونٹ ڈسٹرب“ کا نشان لگایا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ انہیں پرانی بیسی کی ضرورت ہے۔ آج صبح میں نے دیکھا کہ وہ نشان قائب تھا۔ میں نے وہ چہرہ میں دستک دی۔۔۔ جواب ملنے پر میں اندر کی تب خونخوارک انکشاف ہوا۔“

”مطلب مرد کو تم نے ایک مرتبہ دیکھا، جب وہ چیک این ہوا تھا؟“

”وہ شروع سے آخر تک مردہ حالت میں نہیں تھے۔ یہ

جاسوسی ڈائجسٹ 40 جنوری 2025ء



واحد اجل

فولی نے اٹھتے میں سر ہلایا۔ "آٹھ نووا کی پٹی۔  
سوشل ورکر کے مطابق۔ یہی ان کی معمول میں ہے۔"  
جین کو باہر بولی سے بحث کرتی جیسی یاد آئی۔ یہاں  
اس کی موجودگی کا سبب بھی سمجھ میں آ گیا۔ "یعنی پٹی دعوہ  
ہے؟"

"ہاں، قاتل نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔"  
"پٹی لازماً پہنچی ہوگی۔ روٹی ہوگی۔ کسی نے نہیں  
ساتا؟" گبریل نے اس پر زور کیا۔

"اس وقت مہمان کم تھے اور یہ کہین ہٹ کر ہے۔  
اسٹریٹ ہے اور کڑیاں بند نہ زیادہ امکان ہے کہ کسی نے نہیں  
ساتھا۔"

جین آدی کی طرف مئی لگتی ہی نہیں تھا کہ گردن سے  
اوپر کوئی انسانی چہرہ دکھائے گا۔ "اس نے مزاحمت نہیں کی؟"  
"معلوم ہوتا ہے کہ سر پر اڑا تھا۔"

"موت شاور میں تھی۔ لہذا اس نے نہیں سنا ہوگا لیکن  
آدی۔ کیا ایک توڑا گیا تھا؟" جین نے سوال کیا۔  
"کھڑکی سے تو کوئی نہیں آیا۔" فولی نے کہا۔ "یا تو  
حتول نے ڈور لاک نہیں کیا تھا یا پھر قاتل ان کا سنا تھا؟"

"اگر آئے دیا تھا تو کیا قاتل ان کا سنا تھا؟"  
"یہ سوال میرے ذہن میں بھی ہے۔" فولی نے کہا۔  
دسک ہوئی اور پٹی اندر آیا۔ "کارکی رجسٹریشن کا پتا  
چل گیا ہے اور حتمی کی آئی ڈی بھی۔ اس کا نام جان پانی  
روئے ہے۔ پلین آف اینٹیز۔"

"اور مالی گاڈ، دو لوگ۔" ڈاکٹر ڈورپر نے کہا۔  
"کون لوگ؟" جین نے سوال نظر ڈالی۔  
"انہوں نے خود کو 'دی گیلریٹ' کا نام دیا ہے۔ کوئی  
مذہبی فرقہ ہے، آئی ڈی وہاں۔ لیکن کچھ عمر میں۔" گیلریٹ  
نے دائیں دنگ میں بھی کیڈی بنائی تھی۔ یہ دونوں شاید سب  
لیٹ کاؤنٹی جانا چاہتے تھے۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ وہ وہاں جانے کا ارادہ رکھتے  
تھے۔" بولی نے کہا۔  
"تجربہ یہ نہیں کیوں ہے؟" ڈاکٹر ڈورپر نے سوال  
کیا۔

"کیونکہ پچھلے پتے میں وہاں تھا۔ وادی سٹائن ہے۔  
وہ جارحانہ موسم کی وجہ سے بستی خالی کر گئے ہیں۔" لیٹی بولی  
نے وضاحت کی۔

"تو یہ دونوں یہاں کیوں آئے؟" فولی بولا۔  
"میں یہ بتا سکتا ہوں کہ حتمی 'گلڈم کرم' نہیں  
ہے۔"

جین نے اس پر زور کیا۔ "گبریل نے اعدادہ لگایا۔  
"ڈاکٹر ڈورپر۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن میں  
ایک اسٹریٹس ہوں۔ جس ایک کاؤنٹی کورڈر۔ دائیں دنگ میں  
ME نہیں ہے۔ ٹارگٹ پتہ جلاوٹ کورڈر سے آئے  
گا۔"

"یہ دونوں عورت کی شناخت کے لیے آئے ہیں۔"  
شیرف نے ڈورپر کو بتایا۔  
"وہ باقاعدہ میں ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔  
جین نے ہاتھ روم کے شیم وائزر سے کو دیکھا۔ وہ  
محسوس کر رہی تھی کہ پہلا قدم اٹھانے سے وہ قاصر ہے۔  
گبریل قدم بڑھا کے ہاتھ روم میں چلا گیا۔ وہ ساکت کھڑا تھا  
اور ہر پہلو ہاتھ جین کے پیٹ میں گرہیں سی پڑنے لگی تھیں۔  
سر جینک کے وہ آگے لگے۔ گبریل نے توجہ سے دیکھا کہ اس کے  
لیے جگہ بنائی۔

مردہ عورت لب کے اندر عریاں حالت میں تھی۔ اس کا  
سر لٹک کر پیٹے پر ٹک گیا تھا۔ چہرہ بالوں میں چھپا ہوا تھا۔  
کالے بال بال خون اور پیچھے کے ٹھوڑوں سے آلودہ تھے۔  
بالوں کی طوالت مورا کے بالوں کے برعکس تھی۔ بائیں ہاتھ  
میں شادی کا بندھن نظر آرہا تھا۔ کبھی سے پیچھے بڑا سیاہوش  
موجود تھا۔ جین نے جینک کے چہرہ دیکھنا چاہا۔ بالوں، شادی کا  
بندھن اور دل نشا اندر ہی کر چکے تھے کہ وہ مورا نہیں تھی۔  
عورت کے نقوش مرد کے مانند ناقابل شناخت نہیں  
تھے۔ اگرچہ ضرب شدید تھی لیکن کھوپڑی کی سائز پر پڑی  
تھی۔ جین نے سیدھا ہوا کہ گراساں لیا۔ بدن ڈھیلے بڑ گیا اور  
اسے احساس ہوا کہ وہ شہید اعصابی تناؤ کا شکار ہو گئی تھی۔ "یہ  
مورا نہیں ہے۔"

"She is still missing" گبریل نے  
کہا۔  
"مرنے سے گھبرا رہا بہتر ہے۔" جین نے سوچا اور  
پولیس کی نظر سے ہر شے کا جائزہ لیتا شروع کیا۔ ٹاک سیکڑ کر  
سگریٹ کی خفیف بو محسوس کی۔ پھلکی ہوئی برف کے دھبے،  
بوٹ پرنس۔ ایک اور چیز جو اسے وہاں آتے ہی دیکھ لینی  
چاہیے تھی وہ بچے کا چھوٹا سا پانا تھا۔  
"یہاں کوئی بچہ بھی تھا؟" جین نے شیرف فولی کو  
دیکھا۔

جین نے اٹھتے میں سر ہلایا۔ "آٹھ نووا کی پٹی۔  
سوشل ورکر کے مطابق۔ یہی ان کی معمول میں ہے۔"  
جین کو باہر بولی سے بحث کرتی جیسی یاد آئی۔ یہاں  
اس کی موجودگی کا سبب بھی سمجھ میں آ گیا۔ "یعنی پٹی دعوہ  
ہے؟"

"ہاں، قاتل نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔"  
"پٹی لازماً پہنچی ہوگی۔ روٹی ہوگی۔ کسی نے نہیں  
ساتا؟" گبریل نے اس پر زور کیا۔

"اس وقت مہمان کم تھے اور یہ کہین ہٹ کر ہے۔  
اسٹریٹ ہے اور کڑیاں بند نہ زیادہ امکان ہے کہ کسی نے نہیں  
ساتھا۔"

جین آدی کی طرف مئی لگتی ہی نہیں تھا کہ گردن سے  
اوپر کوئی انسانی چہرہ دکھائے گا۔ "اس نے مزاحمت نہیں کی؟"  
"معلوم ہوتا ہے کہ سر پر اڑا تھا۔"

"موت شاور میں تھی۔ لہذا اس نے نہیں سنا ہوگا لیکن  
آدی۔ کیا ایک توڑا گیا تھا؟" جین نے سوال کیا۔  
"کھڑکی سے تو کوئی نہیں آیا۔" فولی نے کہا۔ "یا تو  
حتول نے ڈور لاک نہیں کیا تھا یا پھر قاتل ان کا سنا تھا؟"

"اگر آئے دیا تھا تو کیا قاتل ان کا سنا تھا؟"  
"یہ سوال میرے ذہن میں بھی ہے۔" فولی نے کہا۔  
دسک ہوئی اور پٹی اندر آیا۔ "کارکی رجسٹریشن کا پتا  
چل گیا ہے اور حتمی کی آئی ڈی بھی۔ اس کا نام جان پانی  
روئے ہے۔ پلین آف اینٹیز۔"

"اور مالی گاڈ، دو لوگ۔" ڈاکٹر ڈورپر نے کہا۔  
"کون لوگ؟" جین نے سوال نظر ڈالی۔  
"انہوں نے خود کو 'دی گیلریٹ' کا نام دیا ہے۔ کوئی  
مذہبی فرقہ ہے، آئی ڈی وہاں۔ لیکن کچھ عمر میں۔" گیلریٹ  
نے دائیں دنگ میں بھی کیڈی بنائی تھی۔ یہ دونوں شاید سب  
لیٹ کاؤنٹی جانا چاہتے تھے۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ وہ وہاں جانے کا ارادہ رکھتے  
تھے۔" بولی نے کہا۔  
"تجربہ یہ نہیں کیوں ہے؟" ڈاکٹر ڈورپر نے سوال  
کیا۔

"کیونکہ پچھلے پتے میں وہاں تھا۔ وادی سٹائن ہے۔  
وہ جارحانہ موسم کی وجہ سے بستی خالی کر گئے ہیں۔" لیٹی بولی  
نے وضاحت کی۔

"تو یہ دونوں یہاں کیوں آئے؟" فولی بولا۔  
"میں یہ بتا سکتا ہوں کہ حتمی 'گلڈم کرم' نہیں  
ہے۔"

جین نے اس پر زور کیا۔ "گبریل نے اعدادہ لگایا۔  
"ڈاکٹر ڈورپر۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن میں  
ایک اسٹریٹس ہوں۔ جس ایک کاؤنٹی کورڈر۔ دائیں دنگ میں  
ME نہیں ہے۔ ٹارگٹ پتہ جلاوٹ کورڈر سے آئے  
گا۔"

"یہ دونوں عورت کی شناخت کے لیے آئے ہیں۔"  
شیرف نے ڈورپر کو بتایا۔  
"وہ باقاعدہ میں ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔  
جین نے ہاتھ روم کے شیم وائزر سے کو دیکھا۔ وہ  
محسوس کر رہی تھی کہ پہلا قدم اٹھانے سے وہ قاصر ہے۔  
گبریل قدم بڑھا کے ہاتھ روم میں چلا گیا۔ وہ ساکت کھڑا تھا  
اور ہر پہلو ہاتھ جین کے پیٹ میں گرہیں سی پڑنے لگی تھیں۔  
سر جینک کے وہ آگے لگے۔ گبریل نے توجہ سے دیکھا کہ اس کے  
لیے جگہ بنائی۔

مردہ عورت لب کے اندر عریاں حالت میں تھی۔ اس کا  
سر لٹک کر پیٹے پر ٹک گیا تھا۔ چہرہ بالوں میں چھپا ہوا تھا۔  
کالے بال بال خون اور پیچھے کے ٹھوڑوں سے آلودہ تھے۔  
بالوں کی طوالت مورا کے بالوں کے برعکس تھی۔ بائیں ہاتھ  
میں شادی کا بندھن نظر آرہا تھا۔ کبھی سے پیچھے بڑا سیاہوش  
موجود تھا۔ جین نے جینک کے چہرہ دیکھنا چاہا۔ بالوں، شادی کا  
بندھن اور دل نشا اندر ہی کر چکے تھے کہ وہ مورا نہیں تھی۔  
عورت کے نقوش مرد کے مانند ناقابل شناخت نہیں  
تھے۔ اگرچہ ضرب شدید تھی لیکن کھوپڑی کی سائز پر پڑی  
تھی۔ جین نے سیدھا ہوا کہ گراساں لیا۔ بدن ڈھیلے بڑ گیا اور  
اسے احساس ہوا کہ وہ شہید اعصابی تناؤ کا شکار ہو گئی تھی۔ "یہ  
مورا نہیں ہے۔"

"She is still missing" گبریل نے  
کہا۔  
"مرنے سے گھبرا رہا بہتر ہے۔" جین نے سوچا اور  
پولیس کی نظر سے ہر شے کا جائزہ لیتا شروع کیا۔ ٹاک سیکڑ کر  
سگریٹ کی خفیف بو محسوس کی۔ پھلکی ہوئی برف کے دھبے،  
بوٹ پرنس۔ ایک اور چیز جو اسے وہاں آتے ہی دیکھ لینی  
چاہیے تھی وہ بچے کا چھوٹا سا پانا تھا۔  
"یہاں کوئی بچہ بھی تھا؟" جین نے شیرف فولی کو  
دیکھا۔

نے گریس کا بازو پکڑا۔ ”اگر کوئی بھیڑیا مکان تک آیا تو میں حفاظت کروں گی، چلو آؤ۔“  
وہ دونوں تھوڑی دیر میں جیس کہ معاہدہ کر کے نکل پڑا۔ وہ برف میں نئے نشانات کو کھود رہی تھی۔

☆☆☆  
 ”اگر کوئی اور بھی وادی میں ہے تو ہمیں اب تک نظر  
 کیوں نہیں آیا؟“ ایلن نے سوال کیا۔  
 ”وہ رات میں، دوشیار اور چوکس رہتے ہیں۔“  
 گریس نے خیر صوفے پر سر دھکی۔ ایلن اور مور  
 سرکشیوں میں ہاتھیں کر رہے تھے۔ دروازے میں بولٹ،  
 چٹنی اور کرسی بھی ہمسایہ بن گئی تھی۔ بچوں کے نشانات دیکھنے  
 کے بعد گریس کا ذہن بیٹریوں کی طرف تھا۔ لیکن آج رات  
 چار ٹانگوں والے شکاریوں سے زیادہ اُن دیکھے دو ٹانگوں  
 والے پادالوں کا خوف تھا۔  
 ”ہمیں اور نشانات کیوں نظر نہیں آئے؟“ ایلن  
 بڑبڑائی۔

”اگر ایسا ہے تو وہ یہاں آکر اپنا خوف کیوں نہیں کراتے؟ کیوں درختوں میں روپوش ہیں..... مورا شاید ہم پاگل ہو گئے ہیں۔ آزلو کو بھوت نظر آتے ہیں۔ میرا پر اس فانس ہے اور چہارہ اُنکھیں بھی دھوکا کھا رہی ہیں۔ وہ درختانی جوتوں کے نشان نہیں ہو سکتے۔ وہاں درختوں میں کوئی نہیں ہے۔“

جار ہے تھے۔ سڑکیں بننے کے روز سے ہلاک ہیں اور سڑکیں موسم بہار تک نہیں کھلیں گی۔" بولنی نے بتایا۔ تمام گفتگو کے دوران عین بنور لٹی بولنی کا جائزہ لیتی رہی۔ بولنی کی شخصیت میں کوئی انہونی بات بھی جو چین کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

حزید سوال جواب سے پہلے ہی گریس بیرونی  
دروازے سے اندر آئی۔ "تمہیں ساتھ رہنا چاہیے، تم کہاں گئی  
تھیں۔" مورانے نرمی سے کہا۔  
"میں بارہ مکانات اور مل گیا۔ وہ بولی۔  
"ہاں لیکن تمہارے ڈیڑی سے، ہم نے وعدہ کیا تھا کہ  
تمہارا خیال رکھیں گے تمہارے ساتھ رہو۔"  
"شک ہے، لیکن باہر میں نے کچھ دیکھا ہے۔"  
گریس نے آکشاف کیا۔  
"مورا کھڑی ہو گئی۔" کیا ملا ہے جیسے؟"  
"جیسے بچہ جیسی؟" لڑکی نے سوال کیا۔  
"ہاں۔" مورانے اثبات میں سر ہلایا۔  
گریس خاموش تھی۔ سوچ رہی تھی۔ "وہاں باہر۔"  
گریس بولی۔ "درختوں کے قریب۔"

خود اور آگے نہ گئی۔" یہ جانوروں کے قدم ہیں۔" وہ  
بولی۔ "شاید میٹھروں کے قدموں کے نشانات۔" مورنا نے  
اندازہ لگا کر نشانات مکانات کی طرف گئے تھے۔  
"اگر یہ جانوروں کے نشانات ہیں تو کیا وہ ہمیں چھوڑ  
دیے گئے؟" مگر کس قدم سے ہر اسان تھی۔  
"ہاں ہمیں رات میں اندر ہی قیام کرنا چاہیے۔" مورنا



موجود ہیں۔ وہ دیکھ نہیں سکتی تھی۔ تاہم تصور میں خون خرابا تھا۔۔۔۔۔ دھشت تھی۔ بستی ٹپڑا رہا مگر ہتھے سے کیوں غرار ہوئی؟ کس نے مجبور کیا؟ یا وہ لوگ مارے گئے۔ جو تھے دارقہادہ اب بھی وہاں موجود تھا کیا محض ڈراؤ نے ضرورت تھے جو خوف اور غمناکی کی پیداوار تھے۔ علاوہ ازیں چند ناقابل وضاحت معاملات۔ ”مکیدرنگ“ کیا ہے؟ کون لوگ ہیں۔۔۔۔۔ کہاں ہیں۔۔۔۔۔

کچھ بعد دیگر انہوں نے واقعات پیش آئے۔ آغاز غلط موڑ کا نئے سے ہوا، وہ جھک گئے۔ برقی طوفان، بھر سب ارین کا پھس جانا۔ کیا یہ اتفاقات تھے یا کوئی انہونی ان کو نکلنے کوم کے شکل میں لانا چاہتی تھی۔ وہ ٹرپ ہو گئے تھے۔ دسٹن آن دیکھا تھا، نامعلوم تھا۔ یہاں سے فرار کی کوشش بھی ناکام ہوئی تھی۔ کیا یہ صرف بد قسمتی تھی۔ آلو کے ایکٹنٹ نے حالات مزید بدتر کر دیے تھے۔ دسٹن کہاں ہے اب تک پول کیا وہ دے آئے؟

”جیہیں۔۔۔۔۔“ مورائے ڈنٹن نے کہا۔ ”وہ نکلنے کوم سے نہیں نکل سکا۔ نکلنے کوم کسی کو نہیں نکلنے دے گا۔“ وہ بھر بھری کے کرکڑی سے ہٹ گئی۔ خود پر غصہ آ رہا تھا کہ ماورائی پہلو کی طرف دھیان کیوں کیا شاید وہی تناؤ کی وجہ سے۔ ایک باہر پھر برف میں اسنو شو کا نشان ابھرا۔ کچھ سوچ کر وہ اپنا بک ڈور کی طرف مٹی۔ کر سٹا کے دروازہ کھولا۔

”کیا کر رہی ہو؟“ ایلین کی آواز آئی۔  
”میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ کیا میں واقعی التباس نظر کا شکار ہوں۔“ مورائے جواب دیا۔ ”تم نے ہی کہا تھا کہ میں ذہنی انتشار کا شکار ہوں۔ آلو نے کھڑکی میں کسی کو دیکھا تھا۔ وہاں فٹ پرنٹ ہونے چاہئیں۔“  
”پلیز، باہر مت جاؤ۔ مجھے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔“ ایلین نے احتجاجی انداز میں کہا۔

”میں خود کو قاتل کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ دروازہ کھول کے باہر چلی گئی۔ ہوا تیز بھی تھی۔ درخت میں بھی تقریباً ساکت تھے۔ بلند آواز خود اس کے دل کی تھی۔ جو سننے میں سرخ رہا تھا۔ دفعتاً ڈور دوبارہ کھلا اور ایلین باہر نکل۔ ”میں بھی آ رہی ہوں۔“

دووں کو کم کر مکان کی کھڑکی پر آئیں۔ کیروٹین لیب کی روٹی میں مورائے برف کی سطح کا مساج کیا۔ جڑوں کا کوئی نشان دکھائی نہ دیا۔ مورا کچھ اور آگے گئی اور ٹیگٹ جم کے رہ گئی۔ بلاشبہ وہ جڑوں کے نہیں بلکہ اغلباً میڑیوں کے پنچوں

ہیں وہ ہماری غمناکی کر رہا ہے۔“ مورائے یقین سے کہا۔

”تم نے وہ نشان آج ہی دیکھے ہیں؟“

”بچہ اور بچی۔۔۔۔۔ میں نے انہیں اس لیے نہیں بتایا تھا کہ میں کچھ اور ہی سمجھتی تھی۔“ مورائے بتانا شروع کیا اور دیکھا کہ ایلین کے تاثرات بدل گئے تھے لیکن وہ خاموش رہی۔  
”میں پہلے دن رات میں اٹھی تھی تو یہاں پہلی ہوئی برف کے نشانات نظر آئے۔“ مورائے گریس پر نظر رکھتے ہوئے سر کوئی کی۔ آؤ کی رات کا وقت تھا۔ جوئے کا نشان بھی موجود تھا۔ ظاہر ہے کسی نے دروازہ کھولا اور برقی طوفان ہوا اندر آئی تھی۔ لیکن تم سب گہری نیند میں تھے۔ میں بھی دروازہ ہوا کے جھکڑ سے کھلا اور کسی نے اٹھ کے بند کر دیا۔ میرا یہ خیال غلط تھا۔ کوئی باہر سے آیا تھا۔ کون تھا؟ کون یہاں آیا تھا؟“  
”تم نے پہلے نہیں بتایا؟“

”میں نے کہا، میں بھی ہم میں سے کوئی تھا۔ صبح میں کوئی نشان نہیں تھا۔ مجھے یہ بھی شک ہوا کہ یہ ادم تھا۔ یہاں کے سردار نے ہمیں توہمات کا شکار کر دیا ہے۔ میں اب سب کچھ کوئی گزار کر رہی ہوں۔ اس لیے کہ میں نے خطرہ محسوس کر لیا ہے۔ واضح طور پر، اب ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔“

”میرا بار بار نافذ ہے۔“ ایلین پوئی۔ ”ہوشیار رہ کر کیا کر لیں گے۔ یہ دو عجیب ہیں۔ ہتھیار بھی کوئی نہیں۔ مطلب آتشیں ہتھیار۔ ایک اور بات ہم سے کسی نے اس کو دیکھا کیوں نہیں؟“

”میں نے دیکھا ہے۔“ اچانک آلو کی نرم آواز آئی۔  
”وہ دونوں جیسے اچھل پڑیں۔۔۔۔۔ دونوں نیم جان آلو کے قریب ہو گئیں۔“  
”کیا دیکھا تم نے؟“

”میں نے کل بتایا تھا۔“ وہ بولا۔  
”وہ پھر بھوتوں کی بات کر رہا ہے۔“ ایلین نے کہا۔  
”بخار کی وجہ سے ڈراؤ نے خواب آرہے ہیں۔“ مورا نے سر کوئی کی۔ ”تم پانی پیو۔“

”وہ وہاں تھا، میں نے دیکھا تھا۔“ آلو نے تصدیق کی۔  
”اؤکے ہٹاؤ کیا دیکھا تھا؟“  
”چہرے، وہ کمرے میں تھے۔۔۔۔۔ ایک کھڑکی میں۔۔۔۔۔“

مورائے بے اختیار کھڑکی کی طرف گردن گھمائی۔  
”ہاں کوئی بھوت تھا نہ شیطان اور نہ کوئی بلا۔۔۔۔۔“

ایلین کے ہنسنے کی آواز آئی۔ ”تم دونوں ہی ذہنی انتشار کا شکار ہو۔“ مورا کھڑکی کے قریب جا کے باہر اعمیرے میں گھومنے لگی۔ تصور کام کر رہا تھا۔ خلیہ عناصر وادی میں

کی طرف اکیسز کے ذریعے پہلے آسان ہوگا۔ پانچ کے درختوں نے عقب میں وادی کو چھایا۔ ہر قدم پر بیک بیک کا وزن بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

بالآخر اس کی جدوجہد رک لائی۔ وہ پھنسی ہوئی سب اربن تک پہنچ گئی تھی۔ کراس کنٹری اکیسز کی ایک جڑی گاڑی کی اچھت پر نہیں تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ ڈاکس کم از کم یہاں تک تو پہنچا تھا۔ مورانے اکیسز کی جڑی اور اس کی خود حاصل کیے۔

دفنہ اس کی سماعت سے گزرتا اٹھ کی آواز نکلتی جو دور سے آ رہی تھی۔ بے حس و حرکت ہو کر اس نے کان لگائے۔ دفنہ بے حسی سے بڑھتی تھی۔ کیا اس کا دم ہے۔ دم نہیں تھا۔ انجن کی آواز بھی آگئی تھی۔ اس کو پہلو پہاڑ پر آ رہی تھی۔ ڈاکس نے کام کر دکھایا تھا۔ بسا کہ خواب قریب آسم تھا۔ مورانے ملنے سے نہ سرت چھٹ گئی۔

اسنو پل نظر نہیں آ رہی تھی لیکن آواز اپنی جگہ پر تھی۔ وہ بیک وقت ہنس رہی تھی، رورور تھی۔ مہذب دنیا میں واپسی، گرم شار، بجلی اور ٹیلی فونز۔ سب سے بڑھ کر واپس اسپتال میں۔ آواز زور سے بگڑا۔

دو روڈ پر آ کے آنے والوں کا انتظار کرنے لگی۔ امداد پہنچنے والی تھی۔ پہلی مرتبہ ڈاکس کے لیے اس کی سوچ نے مثبت امداد اختیار کیا۔ بسا کہ خواب کا اختتام بہت قریب تھا۔ ہماری مشینری کی آواز مزید قریب ہو گئی تھی۔ لیکن مورانہ ابھی تک اسنو پل کو دیکھنے سے قاصر تھی۔

دفنہ برقی کچھ کچھ کی تھم آواز سنائی دی۔ آواز مورانے کے سین عقب میں تھی۔ وہ عالم حیرت میں بیٹھنے والی تھی کہ عقب کا سایہ اس نے سامنے دیکھا۔ وہ بھونچکا رہ گئی۔ پلٹنے کا موقع بھی نہ ملا۔

درختوں سے چھائی کرنے والا مورانے سر پر تھا۔

☆☆☆

ڈیٹل ہوئی کے خالی کاک ٹیل لالوچ کے پتھ میں بڑھا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ گھبراہٹ ہو گئی۔ یہ واضح اشارہ تھا کہ وہ تھما رہا پتا تھا۔ باوجود اس کے بین وہاں بیٹھ گئی۔

”تج پرتم نہیں تھے؟“

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ وہ بولا۔

”میں خنجر ہوں کہ کون کھن کھن کوئی خنجر دے گا۔“ بین نے کہا۔ ڈیٹل نے سر ہلایا لیکن بین کو نہیں دیکھا۔ خاموش

کے نشان تھے۔ دور سے بھڑکے کی مخصوص طویل آواز بلند ہوئی۔ وہ یہاں تک آگئے تھے۔ دونوں غور میں کپکپا اٹھیں۔ معاودہ آواز میں یک دم بند ہو گئیں۔ پھر وہی گہرا سکوت۔ ”فورا اندر چلو۔“ مورانے کہا۔ اندر پہنچنے ہی بھڑکوں کی آواز میں بھڑکے ہو گئے۔

☆☆☆

اگلے روز سورج کی کرنیں پھیلنا شروع ہو گئیں۔ مورانہ جان کی قسم کی کہ آواز قریب المرگ ہے۔ اس کی حالت نہایت خستہ تھی۔ مورانہ ملتی تجربہ مناسب اودیات اور سر ڈیکل آلات کے بغیر بے معنی تھا۔

”کیا تک کاٹ دی جائے؟“ ایلن نے کہا۔ ”پہنچنے کے بہت کم امکانات ہیں۔“ مورانے جواب دیا۔ ”دیر ہو چکی ہے۔“ ”وہ بیسے میرا جائے گا۔ ڈاکس کا انتظار کریں؟“ ”ڈاکس کا انتظار تک۔۔۔۔۔ مجھے اکیسز لینا پڑے گا۔“

”کیا مطلب؟“

”اب تم اچھا رہو۔ لیٹ کر مریلو۔ مجھے جانا پڑے گا۔“ مورانے کہا۔ ”تم آواز کو ڈی ہائیڈریشن سے بچانا۔ میٹھا پانی پانی رہنا۔ اگر وہ کھانے کے قابل ہو تو کچھ کھلا بھی دینا۔“

”تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“ ایلن پریشان تھی۔ ”کراس کنٹری اکیسز ابھی تک سب اربن میں ہیں۔ وہاں سے میں مزید چھٹاٹوں کی۔ ابھی دن شروع ہوا ہے۔ کالی وقت ہے۔“

”اگر۔۔۔“

”اگر کر کاٹ نہیں ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر یہاں سے لٹنا ہوگا۔“

☆☆☆

ایک مکان کے گیران سے مورانے ضروری اشیا بیک بیک میں گھل گئے۔ احتیاطاً سلیپنگ بیک بھی رکھ لیا۔ اگرچہ اسے امید تھی کہ رات سے پہلے وہ وادی سے نکل کر پہاڑ اتر جائے گی۔ وادی سے نکلنے کے لیے اسے اوپر جانا تھا۔ جیپ تک پہنچنے میں اسے دشواری نہیں ہوئی۔ کچھ وقت ضرور لگا۔ جیپ کو پیچھے چھوڑتے ہوئے اس نے سفر جاری رکھا۔ تاہم تربیتی چڑھائی تو اتنی ہی تھی۔ اس نے جیکٹ کھول دی۔ گوند ہٹا کے بیٹھ گیا۔ اتار دیا۔ وادی سے پیدل لٹنا کو یا جان جو کموں کا کام تھا۔ ایک بار دور مرکزی مرکز پر پہنچ گئی تو پھر نیچے جاسو سے ڈائجسٹ (جنوری 2025ء)



واحد اہل

”گاڑی آج صبح رو پات ہوئی ہے۔ وہ ایک پہاڑی  
تالا تھا۔ آفتزدگی کے ہرے کو بڑی طرح متاثر کیا۔ اس کے  
بعد جانور.....“ ڈاکٹر نے وقت لیا۔ ”میرا مطلب ہے..... تم  
بجھ رہی ہو.....؟“

جین کو بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے ادراک تھا کہ  
کیسے جانی ہوئی ہو۔ آفتزدگی کے بعد باقی کس طرح  
جانوروں نے پوری کر دی ہوگی۔ ”جین میں نہیں دیکھنا  
چاہتی۔ کیسے دیکھوں گی؟ وہ ایک حسین صورت تھی..... بچا ہی  
کیا ہوگا۔“ جین کا سر گھوم رہا تھا۔

”کیسی بڑی حالت میں تم کیسے بیٹھائی؟“ گبریل نے  
کہا۔ وہ ابھی تک حواس میں تھا۔ اس کا ذہن کام کر رہا تھا۔ وہ  
سوالات کرنے کے لیے تیار تھا۔  
”کریٹس سائٹ پر آئی ڈی کے شاہد ہوں گے؟“  
گبریل نے سوال کیا۔  
”شاہد؟“

”ہاں، گاڑی نالے میں گری ہوگی تو سجدہ اٹھایا، اچھل  
کر باہر گری ہوئی گی۔ شلاسوٹ کیس، ڈائی ایشاور چھوڑیں  
جو آگ سے بچ گئی ہوں اور جانوروں کے کسی کام کی نہ  
ہوں۔“ گبریل نے کہا۔

ڈاکٹر نے اٹھ کر ایک بڑا کارڈ پورڈ باکس اٹھایا، جو اس  
نے پہلے سے وہاں لاکے رکھ دیا تھا۔ باکس کھول کے اس نے  
ڈیک پر رکھ دیا۔ پلاسٹک میں لپٹی ہوئی اشیاء نے احتیاط  
سے باہر نکلتا شروع کیا، ان پر ٹیک لگے ہوئے تھے۔ جین  
کی نگاہ اس ٹیک پر جمی جس پر لکھا تھا۔  
مورا آنکڑ، ایم ڈی۔

ٹیک پر پتا بھی درست لکھا تھا۔ ڈاکٹر نے جین کی طرف  
دیکھا۔ جین نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ مشکل  
سائٹس لے پاری تھی۔ اس میں سکت نہیں تھی کہ وہ ڈیٹیل کی  
طرف دیکھتی۔

”اس ٹیک کا سوٹ کیس سب لیٹ کا ڈنٹی کے شریف  
ڈیپارٹمنٹ کی تحویل میں ہے اور دیگر بڑے آٹوموبیل جین  
نے ڈیک پر رکھے دو عدد ڈنٹی کی طرف دیکھا۔ ایک ٹیک  
سے عاری تھا۔ دوسرے پر لکھا تھا۔  
”ڈکس کوئی، ایم ڈی۔“

ایک دوائی کی بوتل لوٹس شیٹ  
(Lovastatin) کی تھی۔ اس پر جو ٹیک تھا وہ آٹو  
ڈیٹیل کیس کا نام کا تھا۔ ”سب ارین“ ڈکس کوئی نے کرائے  
پر حاصل کی تھی۔ ”ڈاکٹر ڈیپیر نے بتایا۔“ حاشا غالباً برف  
جاسوسی ڈائجسٹ

اشارہ تھا کہ ”جاؤ، بات نہیں کرنا چاہتا۔ وہ عمر سے زیادہ  
بڑھا ہوا تھا لگدہا تھا۔

”ڈیٹیل..... میں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔“ جین بھی ہار  
نہیں تسلیم کرتی جا رہی تھی۔

”ہم باج کا ڈیٹیل میں سفر کر چکے ہیں۔ چہ ریڈیو  
ایشیور پر بات کی ہے۔ ڈیٹیل کا ہر منٹ دیکھا ہے۔“ ڈیٹیل  
نے بالآخر منہ کھولا۔

”ہم کچھ کس (miss) کر گئے ہیں۔ دوبارہ دیکھیں  
گے۔“

”ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ بورے بالوں والے کے  
ساتھ خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔

”اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دونوں کہیں مشق لڑا  
رہے ہیں۔ چند سیکنڈ کی جھلکوں کو سیکس کے ساتھ مت جوڑو۔  
مسکرائے، بات کرنے کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے..... عام  
بات ہے۔ اتنے سارے لوگ کانفرنس میں شریک تھے.....  
ممکن ہے کہ وہ کوئی پرانا شٹا سا ہو۔“

جین نے وقت لیا اور بولی۔ ”یہ کافی نہیں ہے کہ وہ زندہ  
ہے۔ جیہ جتن بھی سامنے آ جائیں گے۔“

”بات یہ ہے کہ میں اسے وہ نہیں دے سکا جس کی  
اسے ضرورت تھی۔ شاید میرے پیار میں کی رہ گئی۔“

جین کے جواب دینے سے پہلے ہی آگئی۔ جین  
نے غبرو دیکھا۔ وہ کوئین تھا۔ ”اس کی آواز سننے ہی وہ سمجھ گئی  
کہ یہ وہ کال نہیں تھی جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ نہ ہی وہ اطلاع تھی جو  
وہ منتا چاہتی تھی۔

”میں محظوظ خواہ ہوں۔“ کوئین نے کہا۔

”کس بات پر؟“  
”جین جین میں جیٹ جان میٹیکل سینٹر آتا ہوگا۔

ڈاکٹر ڈیپیر ہنسن ہے۔“  
”مطلب سب لیٹ کا ڈنٹی کو روز؟“ جین نے تصدیق

پاچی۔

”ہاں، معاملہ وہی کا ہے۔“ کوئین نے ایک طویل  
تکلیف دہ وقت لیا۔ ”مجھے خدشہ ہے کہ انہیں تمہاری دوست مل  
گئی ہے۔“

☆☆☆

وہ تینوں کانفرنس ٹیبل پر ڈاکٹر ڈیپیر کے ساتھ تھے۔  
”یہ بہتر ہوگا اگر تم اسے نہ دیکھو۔“ ڈاکٹر نے سنجیدگی  
سے کہا۔ جین کی گردن پر بال کھڑے ہو گئے۔ وہ خاموش  
رہی۔ دانتوں پر دانت جتے ہوئے تھے۔

ہاری کے باعث پیش آیا تھا۔“  
 ”تمہارے مفروضے کے مطابق یہ حادثہ تھا؟“  
 گبریل نے سوال کیا۔  
 ”کیا مطلب؟“ ڈاکٹر کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔  
 ”کیا دوسرے امکانات کو بالکل نظر انداز کر دینا چاہیے؟“

”ایجنٹ این جی اے جی ہے جو تمہیں دیکھا امانات کی طرف لے جا رہا ہے۔ لیکن شرف فوٹی نے اسے حادثہ قرار دیا ہے۔ ایکسٹنٹ۔ میں پہلے ہی ایکس ریز کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ ہڈیاں چور چور ہیں۔ گولی یا کسی اور تھپار کا نشان نہیں ہے۔ گاڑی سڑک سے ہٹ کر چپاس فٹ نیچے کھائی میں گری گئی پھر آگ بھڑک اٹھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ گاڑی کی سوار یاں آگ بھڑکنے سے پہلے جو تصادم ہوا، اس وقت ہی جاں بحق ہو گئی تھیں۔“

گبریل نے چند اور سوال کیے۔ وہ جانتا جا رہا تھا کہ جانے کا ٹھیک ٹھیک وقت کیا ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر نے کچھ حادثہ ہوا تو وہ لوگ بقیہ دن کہاں تھے۔ تاہم کوئی قطعی بحث نتیجہ نہیں نکل سکا۔ ڈاکٹر کھڑا ہوا تو گبریل نے کہا۔

”کیا مہر دغانے میں جا کے دیکھ سکتے ہیں؟“  
 ایک بار پھر ڈاکٹر کی پیشانی پر تھل پڑ گئے۔ ”میں شوروہ دوں گا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔“  
 ”لیکن یہ معمول کی کارروائی ہے۔“ گبریل نے ہوا رہے میں کہا۔

جین کے دل میں تھا کہ ڈاکٹر انکار کر دے۔ وہ بے یار و برگ ہو گیا۔ لیکن اس نے جی جی جی۔ بار بار مورا کاؤ گیش چہرہ جین کے تصور میں آ رہا تھا۔ وہ شوہر کے سکون پر جھرا رہی تھی۔ وہ بے خبر نہیں تھی کیونکہ گبریل بھی زخمی ہے۔

”میں تمہیں ایکس ریز دکھاتا ہوں۔ شاید تم مطمئن ہو جاؤ۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”تم نہیں روکو۔“ اس نے ڈیٹیل سے کہا۔

ڈیٹیل کا رنگ زرد تھا۔ وہ جان بھی نہیں جانتا تھا۔ گبریل اور جین، ڈاکٹر کے پیچھے اپنی ویش کی طرف بڑھے۔ جین نے محسوس کیا کہ اس کے پیٹ میں تیزاب سا گلنے لگا ہے۔ ”میں نہیں دیکھوں گی، میں نہیں دیکھنا چاہتی۔“ جین کے دماغ میں چل چلی ہوئی تھی۔ انہوں نے آؤ پسی دم میں قدم رکھا۔ جین نے بے دیکھ کر سکون کی سانس لی کہ مخصوص ٹیبل خالی پڑی تھی۔ ڈاکٹر نے متعدد ایکس ریز نکال کر ”دو باکس“ کے ساتھ کھپ کیے اور سوچ آن کر دیا۔ باکس کی روشنی میں ایکس ریز کا کھس لیا یاں ہو گیا۔ وہ غصیل ایکس ریز کی جاسوسی ڈائجسٹ

وضاحت کر رہا تھا۔ ”میں نے یہ کولوراڈو میں فارلک پتھالو جسٹ کو ای میل کر دیے ہیں۔“  
 ”یہ عورت ہے۔ قد پانچ پاچ پانچ پاچ پاچ پاچ۔ سر ہمیں سے پینتالیس تک۔ کوئی بچہ نہیں۔ مطلب وہ بھی حاملہ نہیں ہوئی۔“ خاموش ہو کر اس نے جین کو دیکھا۔  
 ”کیا یہ عورت تمہاری دوست کے قریب قریب ہے؟“  
 جین کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ ”ہاں۔“ اس نے سر کو گھٹی کی۔  
 ”وہ دائیں کا بہت خیال رکھتی تھی۔ کئی دائیں میں فلنگ ہے اور ایک داڑھی میں سر کاؤن، نیچے کی جانب دائیں طرف۔“

جین لائن باکس کو گھور رہی تھی۔ ”میں کیسے جان سکتی ہوں۔ میں نے مورا کے من کی اسٹیڈ نہیں کی تھی۔ بے شک وہ میری دوست اور کوئی تھی۔“ اس نے دل ہی دل میں کہا۔  
 ”آئی ایم سوری۔“ ڈاکٹر ڈر پیر نہ کیا۔ ”بہت زیادہ ہو گیا۔ یقیناً دائیں سے متعلق لاکم ہو۔ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ تم مطمئن ہو جاؤ۔“

”تو پھر آؤ پسی بھی نہیں ہو گی؟“ جین نے کہا۔  
 ”آؤ پسی کے لیے کوئی منطقی وجہ یا ضرورت نہیں ہے۔ ہائی اسپڈ خطرناک حادثہ جبکہ سوار نے سیٹ بیلٹ بھی نہیں باندھی تھی۔ زخمی رہی۔ اوپر سے آتشزدگی۔“  
 ڈاکٹر کی بات سننے میں جین نے چند سیکنڈ لیے تھے۔  
 ”آؤ پسی کے لیے وہ دیکھیں چپکار رہی تھی۔“  
 ”کیا کہا سیٹ بیلٹ نہیں باندھی تھی؟“  
 ”ہاں کی نہیں۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔“ جین بولی۔ ”مورا ایسی نہیں تھی۔ وہ سیٹ بیلٹ باندھنا بھی نہیں بھولی تھی۔“ جین نے اعتراض کیا۔

”لیکن اس مرتبہ ایسا ہوا تھا۔ ویسے جیسا شاک ہے حادثہ تھا۔ سیٹ بیلٹ اسے نہیں بچا سکتی تھی۔“

”پوائنٹ نہیں ہے۔“ جین نے پہلو بدلا۔ ”کچھ کمزور کا ہے۔ اس کی بعض حادثہ نہایت پختہ تھی۔“  
 ڈاکٹر نے لمبی سانس خارج کی۔ ”ڈیٹیل میں کچھ ہو گیا کہ یہ قتل کرنا بہت مشکل ہے تمہارے لیے۔ کہ تمہاری دوست اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ بیلٹ کا کچھ حقائق تبدیل نہیں کر سکتا۔“

”کیوں؟“  
 ”کوئی فرق پڑتا ہے؟“  
 ”ہاں، میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ سمجھنا چاہتی ہوں۔“





چلے سے دور ہو۔ تمہارے بال آگ پڑ لیں گے

دوبارہ آنکھیں کھولیں۔ برف پر کوئی ٹیلی چیز پھڑپھڑائی۔  
جین نے جھک کر اسے اٹھایا۔ وہ ایک انٹر لائننگ کا پٹا ہوا  
لفافہ تھا۔ کنارے مٹل گئے تھے۔ بورڈنگ پاس محفوظ تھا۔  
تاہم نام کے پانچ حروف ہی پڑے جا سکتے تھے۔ inger۔  
جین نے گبریل کو دیکھا۔

”انہوں نے چاروں ہلاک شدگان کی شناخت کر لی  
تھی۔“ گبریل نے کہا۔ ”ڈگلس، اس کی بیٹی، موریا آرنو  
زیٹسکی۔“

”ہاں، ٹھیک ہے۔ لیکن یہ ٹکٹ کس کا ہے؟“  
”شاید ان سے پہلے جنہوں نے کمرے پر گاڑی لی  
تھی۔ ان میں سے کسی کا ہو۔“ گبریل نے کہا۔

”یہ ٹکٹ ڈگلس کے علاوہ دوسری چیز ہے جو سٹوڈنٹس  
میں فٹ نہیں ہو رہی ہے۔“ جین کا اعجاز پُر سوچ تھا۔

”تم خرابو خرابو پریشان ہو رہی ہو۔“  
”کیا تم نہیں ہونے لگے؟ جین میں آ رہا کہ تم نے معاملہ  
جوں کا توں قبول کر لیا ہے۔ مجھے تمہارے سہارے کی  
ضرورت ہے۔“

”ڈارلنگ، میں کوشش کر رہا ہوں۔“  
”نہیں، تم میری باتوں کا بہت نہیں دے رہے۔“  
گبریل نے جین کی کمر میں اچھو ڈال کے اسے قریب  
کر لیا۔ ”ڈیزیزم نے اپنی پوری کوشش کی ہے۔“

”اپنا ٹکٹ ایک جتنی ہوئی آوار آئی۔“ تم لوگ وہاں کیا

[جنوری 2025ء] جاسوسی ڈائجسٹ

گبریل نے خدی سے جین کا بازو پکڑا۔ ”میں قبول کر لیں  
چاہے۔ ہوٹل چلتے ہیں۔“  
”میں ابھی نہیں۔“ جین نے بازو چھڑایا۔ ”مجھے کچھ  
دیکھنا ہے۔“

”اگر تم ضد کرو گی تو میں دیکھا دوں گا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔  
”گوشت اور ہڈیوں کا ٹکڑیا ہے۔ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ تمہاری  
طبیعت خراب ہو جائے گی۔ میری بات پر بھروسہ کرو۔“ پھر  
اس نے گبریل کو دیکھا۔ ”گھر لے جاؤ۔“

”وہ درست کہہ رہا ہے۔“ گبریل بولا۔ ”بازی دیکھنا  
بے فتنی ہے۔“  
”بازی نہیں، مجھے کریٹس سائنٹ دیکھنی ہے۔“

☆☆☆

آگلی صبح ہلکی ہلکی برف باری شروع ہو گئی تھی۔ گبریل اور  
جین کار سے نکل کر روڈ کے کنارے پر گئے۔ وہ خاموش  
کھڑے بیٹھ کھائی میں دیکھ رہے تھے۔  
”تم شریب سے دیکھو گی۔“

”وہاں دیکھنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔“ گبریل نے  
کہا۔

”ہلنر۔“ جین نے احتیاط سے نیچے جانا شروع کیا۔  
مڑے ترے جیسے ہوئے دھاتی کھڑے نظر آ رہے تھے۔  
ایک ٹیس شوز بھی نظر آیا۔ ٹپا پکڑے کا کٹورا۔ اسی برف میں  
چھپنا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ جلی ہوئی گاڑی تک پہنچی تو برف کی  
مہینیاں وہاں بھی تھیں۔ آفتزدگی کی گڑبگداحل میں ابھی تک  
موجود کی وہ مڑی، گبریل بھی قریب آ گیا تھا۔

”ایک فیصد درست اور عام سافیل کیا کر دیتا ہے۔“  
جین نے فطرتی سے کہا۔ ”وہ کالٹرس میں آئی نہ ڈگلس سے  
ملاقات ہوئی اور نہ وہ اس گاڑی میں ہوئی۔ وہ ڈگلس کو جان  
چکے تھے۔ وہ سامان لایا کو اسپتال میں چھتالوجسٹ تھا۔  
انہوں نے ڈگلس کا نوٹو سامان لایا کو اسپتال کی اسٹاف فرزیشن  
ویب سائنٹ پر دیکھ لیا تھا۔ موریا کی طرح وہ بھی کالٹرس میں  
شریک تھا۔ عمر پانچیس سال۔ مشکل قادر۔ دونوں کے دماغ  
حلقہ خیالات کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ دونوں تکلیف  
میں تھے۔

وہ کہاں کیوں آئی؟ یہ دیکھنے کے مورانے آخری سائنس  
کہاں لی تھی۔ گبریل نے اسے سہارا دیا۔ ”آؤ اب واپس  
چلیں۔“

ہوا کی رفتار بڑھ گئی تھی۔ باریک ذرات چہرے سے  
کھائے آنکھوں میں جین ہوئی، چمچک آگئی۔ اس نے



اداس اجل

گئے۔ وہ مورا کا آخری سفر تھا۔ جین اپنی لاشت پر سناکت  
جیسی تھی۔ اسے جین نہیں ہوا تھا کہ وہ مورا کو دوبارہ نہیں دیکھ  
سکی۔ یہی نہیں۔

آخری رسومات کے دوران جین نے بیل فون کو  
خاموش کر دیا تھا۔ بیٹ میں بیل فون کے اچانک حشر کر کے  
بتایا کہ وہ ڈیوٹی پر بھی ہے۔ جین نے فون ہاتھ میں لے کر  
دیکھا۔ ایریا کوڈ نوٹنگ تھا۔

"ڈیٹلک ریڈیو" وہ آہستہ سے بولی۔ دوسری طرف  
سے کوئین سن کی آواز آئی۔

"کیا ایٹن بیکٹر کا نام تمہارے لیے اہم ہے؟"

"کیا یہ نام اہم ہونا چاہیے؟" جین نے انا سوال کیا۔

"مطلب تم نے یہ نام پہلے کی نہیں سنا۔" وہ بولا۔

"میں یہاں جرج میں ہوں۔ مورا کی تدفین آخری  
مرحلہ میں ہے۔ میں جہاز پر کال پر توجہ نہیں دے سکتی۔"

جین نے آگے سے ہونے والے معاملہ انعام میں کہا۔

"ایٹن بیکٹر کی صورت کشیدہ ہے۔ ابھی مل رہا ہے۔

اس نے اپنی جاب پر کل واپس آ جانا تھا۔ چھٹیوں کے بعد

سان ڈیاگو کے لیے اس نے اپنی لائسنس پکڑی تھی۔"

سان ڈیاگو، ڈکس کوئی بھی سان ڈیاگو کرنے تھا۔ جین

کے دماغ میں جھماکا ہوا۔

"ثابت ہوا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔"

ڈیٹلک کوئین سن نے اپنی بات جاری رکھی۔ "ایٹن بیکٹر، آرڈر

ڈیٹلک اور ڈکس کوئی تینوں دوست تھے۔ تینوں کو ایک ہی

جہاز پر ایک ہی دن واپس آنا تھا۔"

جین کی دھڑکن کانوں میں وصول ہوا۔ یہی تھی۔ تصور

میں پھٹا ہوا پور ڈنگ پاس ابجرا۔ جواں نے جائے حادثہ پر

دیکھا تھا۔ وہ مسافر کا پورا نام نہیں پڑھ سکی تھی۔ وہاں صرف

چار حرف تھے۔ Salingor

کیا۔ "وہ کیسی تھی؟ کتنی عمر؟ قد و فیر؟" جین نے سوال

"میں نے گزشتہ دو گھنٹے اسی معلومات میں صرف کیے

ہیں۔ ایٹن بیکٹر کی عمر انیس برس کی تھی۔ قد پانچ فٹ چھ انچ۔

وزن تقریباً ایک سو پندرہ پونڈ۔ آنکھیں رنگ کے بال۔"

جین ابھر کر گئے کھلونے کے مانند اچھل کر کھڑی

ہوئی۔ جرج پوری طرح خالی نہیں ہوا تھا۔ باہر کھٹنے کے لیے

جین کو بھانسنے ہوئے راستہ بتانا پڑا۔ وہ باہر لگی تابلت لے

جائے والی گاڑی حرکت میں آجی تھی۔

"رک جاؤ، روکو۔" وہ طلق کے بل پتی۔

جنوری 2025ء

جانسنوسی ڈائجسٹ

"میرا جیٹ انچ روٹ پر جا رہے۔" اتھوٹی نے کہا۔  
"یہ ہی ہلاکی ریلیز ہوتی ہے، ہم گھر کے لیے لائی کر  
جائیں گے۔" ادا کی اس کی آنکھوں سے ہل رہی تھی۔

☆☆☆

جین کا یہ پہلا سفر نہیں تھا جب ایک بار پھر مورا ساتھ

تھی لیکن جین کی سانس چل رہی تھی اور مورا بے جان۔

پرائیویٹ جیٹ کے آرام دہ سفر میں سب بے آرام تھے۔

ڈیٹلک نے تو کھانا تک نہیں کھایا۔ صدمے کے بوجھ سے اس

کے شانے ڈھلکے ہوئے تھے۔ دوران سفر مسافروں کے مابین

بہت کہانیاں ہوئی۔

☆☆☆

ایٹن بیکٹر انجس کو بل جرج کا داخلی دروازہ تھا جس کے

باہر جین کھڑی تھی۔ سوگواران اور توبیت کشندگان کی آمد جاری

تھی۔ وہ ڈاکٹر مورا انکڑ کے لیے آخری دعا یہ کلمات کے

ساتھ آ رہے تھے۔ اگر مورا زخمی ہوئی تو حیرانی کے ساتھ

شرمندگی بھی محسوس کرتی۔ وہ مرکز کا جتنا پسند نہیں کرتی تھی۔

جین کی آنکھیں ڈبڈبائے نکلیں۔

آنے والوں میں بیشتر کو جین پہچانتی تھی۔ کیونکہ ان کا

تعلق بھی ایسی دنیا سے تھا جہاں موت ہم قدم رہتی ہے۔ اور وہ

لوگ مورا کو کوئین آف ڈیٹر کی معرفت سے بھی جانتے تھے۔

مورا کا مکمل کام ہی مردوں کے ساتھ تھا۔ آٹوپسی۔ (لاش کا

طبی معائنہ یا پوسٹ مارٹم) آؤ، کوئین اب خود ایک لاش تھی۔

ایک آدمی کو وہاں ہونا چاہیے تھا اور جین کو اور ایک تھا کہ وہ نہیں

آ سکتا۔ اس کا نام تھا، ڈیٹلک بروٹی۔

سب لوگ بیٹھ گئے تھے۔ جین، شوہر کے ساتھ اگلی

نشستوں پر تھی۔ تابلت کے عین سامنے۔ تابلت کے اطراف

پھولوں کے آن گھٹ گھبران تھے۔ گہائی سے سنے تابلت پر

خاص بات کی گئی تھی۔ چھٹی سطر پر جین اپنا کس دیکھ سکتی تھی۔

یادری برمن نے بولنا شروع کیا۔ جین کا گلا بند ہو گیا۔ وہ

آنسوؤں کے ساتھ لڑ رہی تھی۔ پاروری چالیس منٹ تک مذہبی

خطبہ اور مساجات میں مشغول رہا۔ جین رازت پر رازت جمائے

اسے ساتھ نیراز رہا تھی۔ پاروری کے آخری الفاظ پر اس کی

آنکھیں خشک تھیں۔ لیکن بدن کے عضلات یوں دھڑک رہے

تھے گویا وہ میدان جنگ سے آئی ہو۔

تابلت اٹھانے کے لیے چھ آدمی کھڑے ہوئے۔ جن

میں گہرل اور اتھوٹی بھی تھے۔ تابلت کو لے کر وہ سلوموشن

میں گر جا کر نشستوں سے گزرے۔ باہر خصوصی گاڑی مدفن

لے جانے کے لیے تابلت کی منتظر تھی۔ سوگوار کھڑے ہو



گبریل چونک کر پٹا۔ "جین؟"  
 اتھو لی بھی ہو نکلا۔ "کیا ہوا؟"  
 "ہاؤ کیس نہیں جائے گی۔"  
 "کیوں؟"  
 "ہاؤ میڈیکل ایگزمنز آفس جائے گی۔"

☆☆☆

ڈاکٹر برٹل بزرگ و گھور ہاتھ۔ ڈاکٹر نے لاش پر سے کپڑا ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ برسہا برس گزر گئے تھے۔ لاشوں کے ساتھ۔ پوسٹ مارٹم اس کا پیشہ تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ کیا دیکھنے والا ہے۔ کمرے میں موجود دیگر افراد کا تعلق بھی مردوں کے طبی معائنے سے تھا یا پھر وہ تھے جو کرائم سین پر موت کے مناظر دیکھتے آئے تھے۔ بالآخر ڈاکٹر یوشیما نے حرکت کی اور ہاؤ کی بے نقاب کر دیا۔ وہ ہاؤ کی لاش نہیں تھی۔ جبری طرح مجروح گوشت کا ایسا ٹکڑا تھا جسے بے پناہ حدت نے پوسٹ مارٹم کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔

ایکسپریز یوشیما تک پہنچ گئے تھے۔ ہاؤ دیکھ کر وہ بھی پکرا گیا تھا۔  
 "میں اس کا کچھ نہیں کر سکتا۔" ڈاکٹر برٹل نے سکوت کا پردہ جاک کیا۔ "ہاں ایکسپریز دیکھ سکتا ہوں۔"  
 یوشیما نے تین ایکسپریز روشن یونڈ پر لگائے۔  
 کھوپڑی، کمر کی بڑی اور ناف سے نیچے والی ہڈیوں کے تین ایکسپریز۔

کمرے میں موجود افراد میز کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھے۔ جین کو بھیے دودار کرنٹ لگا۔ ایک طویل اور اعصاب شکن سر طے کا آغاز ہوا۔ جدید ترین ہر طریقہ استعمال کرنا تھا۔ کیونکہ شناخت کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ آگ نے قد سکڑ دیا تھا۔ سر پر بال بھی جڑوں تک ختم ہو گئے تھے۔  
 دائیں منگ میں ڈاکٹر ڈیپر اور شرف نے شناخت ان کاغذات اور اشیاء کی بنیاد پر کی تھی جو چھانے پر گاڑی سے باہر جا کر گرے تھے۔

کافی دیر بعد ڈاکٹر برٹل نے جین کی طرف دیکھا اور آہستہ سے سر کوٹنی میں جھٹکی دی۔ جین پہلے ہی تقریباً نامید تھی۔ تاہم وہ خاموشی کی اور ایک مایوسی بھر اعلان سننے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔ منگنی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ جین چونک کر کپلی اور حیرت سے لوئیس کو دیکھا۔ لوئیس، موراک کی سیکرٹری تھی۔ جو شاہی آلہ کاری میں قدم رکھتی تھی۔

"یہاں آئی ہو تو قریب مت آؤ۔" ڈاکٹر برٹل نے کہا

جاسوسی ڈائجسٹ 60 جنوری 2025ء

لیکن تاخیر ہو گئی تھی۔ لوئیس نے جھک کر دیکھ لی تھی اور سکتے کی کیفیت سے دو چار تھی۔ چہرے کے تاثرات میں دہشت کا گہرا لہجہ نظر آ رہا تھا۔  
 "ڈاکٹر برٹل.....؟" وہ بولی۔

"کیا بات ہے؟"

"آپ نے ڈاکٹر موراک کے ڈسٹنٹ کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ ڈاکٹر موراک نے مجھے جیسے جیسے اصل دندان ساز سے ملاقات کا وقت طے کرنے کے لیے کہا تھا۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"میں نے عجیب بات کی تھی۔ ڈسٹنٹ نے فوراً بلایا تھا اور یہ ایکسرے دیے ہیں۔"

ڈاکٹر برٹل نے چند تیز قدم اٹھائے اور لوئیس کے ہاتھ سے خاک لگافہ لے لیا۔

اب روشن پائس پر دانتوں کے ایکسرے لگا دیے گئے۔ موراک کا نام بھی نظر آ رہا تھا۔ تمام ایکسرے گزشتہ تین برسوں کے دوران لیے گئے تھے۔ گولڈ کراؤن بائیں ٹھٹھے جڑے کی ڈاؤن پر اور دائیں جانب بھی۔ ایک روٹ کینال کے آثار نمایاں تھے۔ ایک ٹنٹ کمرے میں سٹش کی نادیہ لہر دوڑ گئی۔ سب قریب سے ایکسرے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ڈاکٹر برٹل نے جین کو دیکھا۔ جین کو اس کے چہرے پر دوبارہ جوش ابھرنا نظر آیا۔

ٹھٹھے پر موجود ہاؤ کی کھوپڑی کے ایکسپریز میں دانت تاثر ضرور ہونے لگے۔ لیکن ڈاکٹر کو صاف نظر آ گیا تھا کہ ان دانتوں کا کبھی دندان ساز سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔  
 "وہ ہاؤ ڈاکٹر موراک آئلز کی نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے اعلان کیا۔ جبکہ کچھ دیر پہلے وہ مضاد اعلان کرنے والا تھا۔  
 جین کے چہرے پر پیکار رنگ سرخی میں تبدیل ہو گیا۔  
 "اگر یہ ہاؤ ایٹن سٹیکر کی ہے۔" گبریل نے کہا۔  
 "پھر سچا سوال اپنی جگہ پر ہے کہ موراک کہاں ہے؟"

جین نے کچھ کہنے کے بجائے سیل فون نکال کر نمبر ملا یا۔ جواب آیا۔  
 "وہ کون کون ہیں؟"

"موراک از اسل منگ۔" (موراک ابھی تک لاپتا ہے)  
 جین نے کہا۔ "ہم واپس وادی منگ آ رہے ہیں۔"

ہوائی وادی میں پہنسی موراک کے ساتھ آگے کیا ہوئے والا ہے، وہ سلسلی، خیز واقعات اگلے ماہ پڑھیں۔



## انجام کار نہ کام

دیکھتی اور دیانت داری سے کام لیا جائے تو انجام کار اس کا اختتام بھی مثبت صورت میں سامنے آتا ہے... ایک نو عمر لڑکے کی زندگی میں رونما ہونے والا پہلا سنگین واقعہ... جو وہ صرف اس کے لیے بلکہ اس کے خاندان کے لیے بھی پریشانی کا سبب بن چکا تھا... ریاستی قوانین سے خود کو نکالنے کے لیے خود اعتمادی اور عقل مندی سے کام لینے والے لی فہم لہلوں کا کارنامہ...

سال نو پر مغرب سے در آمد کردہ ایک حوصلہ افزا کہانی.....

وہ رچرڈ عرف رہی کو کالج کے زمانے سے جانتا تھا۔ انہوں نے ایک ساتھ ہی گریجویشن کیا تھا پھر پیشہ ورانہ زندگی میں ان کی راہیں جدا ہو گئیں۔ رہی بزنس میں چلا گیا تھا اور فاکس نے پی پی اے اے (پرائیویٹ پبلک اسٹیشنس ایجنسی) کھول لی تھی اس کے پاس کئی اقسام کے معاشرتی مسائل پر مبنی کیمرے لگائے گئے تھے جنہیں وہ مل کرنے کی مقول میں لپا کرتا تھا۔ سوسائٹی میں اس کی اور اس کی سرورسز کی بڑی اچھی ساکھ تھی۔ لوگ فاکس کو ایک

جنوری 2025ء جاسوسی ڈائجسٹ



”یہ کیسا مذاق ہے رہی؟“ فاکس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ”خالف پارٹی یعنی اسٹیٹ کا دیا ہوا کل تمہارے بیٹے کی کیا خاک و کالت کرے گا؟ رہی جوئیر کے لیے تو کوئی قابل ڈینس انارنی (ویل مفاہی) ہونا چاہیے جو اس معیبت سے نجات دلائے۔ مجھے تو یہ معاملہ خاصا گڑبڑ لگ رہا ہے۔“

”مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے فاکس لیکن یہ فی الوقت ہماری مجبوری ہے۔“ رہی نے بیزاری سے کہا۔ ”پوسٹن کاؤتھی میں ڈینس لائزز کا قہدان ہے۔ ہمارے یہاں کی عدالتوں میں وکلا اس طرح نظر آتے ہیں جیسے کسی کیک کو چٹائی ہوئی لاقعدا چیتھیاں مگر وہاں صرف چوڈ ڈینس لائزز ہیں جو پوری کاؤتھی کے معاملات کو ڈیل کرتے ہیں اور بد قسمتی سے، ان میں سے کسی کے پاس بھی اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ میرے بیٹے کا کیس پیڈل کر سکے۔“

”تو خالص شوشنک صورت حال ہے رہی؟“ فاکس نے گھبرائے انداز میں کہا۔ ”تم وہاں گئے تھے تو تم نے اپنے بیٹے کے وکیل کے ساتھ کیا معاملہ لے لیا ہے؟“

”رہی جوئیر کے جرم پر اسے پانچ سو ڈالرز کا جرمانہ کیا گیا ہے۔“ رہی نے بتایا۔ ”علاوہ ازیں اگر اس کی طرف سے نیک نامی کے چند شواہد عدالت میں پیش کر دیے جائیں تو ایک شرط پر اسے اپنی تعلیم جاری رکھنے کا موقع دے دیا جائے گا اور ایک سال تک اس پر کڑی نگرانی رکھی جائے گی۔ اگر وہ پھر ایسی کسی سرگرمی میں ملوث نہیں پایا گیا تو اس کا کیس خارج کر دیا جائے گا۔ یہ صورت دیگر اسے جیل جانا ہوگا۔“ لکائی تو قف کر کے اس نے ایک گہری سانس خارج کی تو فاکس نے پوچھا۔

”تمہیں جو وکیل دیا گیا ہے، وہ اس کیس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟“

”اس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ رہی جوئیر کو بہ آسانی اس جھیلے سے نکال لے گا۔“ رہی نے جواب دیا۔ ”اس نے اس کا کام کھانے کے لیے مجھے پانچ ہزار ڈالرز کا مطالعہ کیا تھا۔ جس میں سے آدھی رقم میں اسے دے آیا تھا، آدھے پیسے باقی ہیں۔“

”ٹھیک ہو گیا۔“ فاکس نے کہا اور پوچھا۔ ”تو بتاؤ، تم نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”اگلے وقت رہی جوئیر کی عدالت میں پیشی ہے اور وہ پورا ہفتہ میرے لیے انتہائی مصروفیت کا ہے۔ میں اپنے کاروباری معاملات میں اس قدر پھنسا ہوا ہوں کہ پوسٹن

قابل، تجربہ کار اور با تدبیر انسان سمجھتے تھے۔ رچوڈ سے فاکس کی ملاقات بہت کم ہوا کرتی تھی۔ بعض اوقات تو انہیں ملے جیتھن گزر جاتے تھے۔ گزشتہ روز جب فاکس کے سلفون پر رہی کا ٹیکس آیا تو اسے بے حد خوشی محسوس ہوئی۔ رہی نے لکھا تھا۔

”فاکس! تم جیج اگر مجھ سے ملو۔ میں ایک پریٹانی میں گھر اہوا ہوں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔“

اور آج صبح فاکس، رہی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ رہی کی صحت ہمیشہ کی طرح گئی گزری اور ٹوشن ناک تھی۔ وہ ایک ملک کے بعد فاکس نے استفسار کیا۔

”ہاں بتاؤ۔ کیا پر اہم ہے؟“

”میں اپنے بچے کے لیے بہت فکر مند ہوں۔“ رہی نے کہا۔ ”وہ ایک مشکل میں پھنس گیا ہے۔“

”جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے۔“ فاکس نے پوچھنا شروع کیا۔ ”تمہارا اکلوتا بیٹا رچوڈ جوئیر اس وقت پوسٹن کے کسی کاؤتھی میں پڑھ رہا ہے اور جوئیر آؤس میں اس کی گہری دلچسپی ہے۔ وہ ایک مکیم پرفارمر بننے کی خواہش رکھتا ہے۔“

”تمہاری یادداشت بہت اچھی ہے فاکس!“ رہی نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا اور بتایا۔ ”رہی جوئیر کی معیبت کا تعلق اسی کاؤتھی سے ہے۔“

”ذرا مکمل کر بتاؤ۔“ فاکس ہر تکی گوش ہو گیا۔

”رہی جوئیر پر ڈرگز استعمال کرنے کا الزام ہے۔“

رہی نے جواب دیا۔ ”میں اس کی سرگرمی نوشی کی عادت سے واقف ہوں لیکن ڈرگز وغیرہ لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کاؤتھی کے سیکروری آفیسر کے مطابق، وہ مریو آنا کا نشہ کرتا ہے۔ اس کے کمرے سے مریو آنا کی کچھ مقدار برآمد بھی کر لی گئی ہے۔“

”اس معاملے کی قانونی حیثیت کیا ہے؟“ فاکس نے ایک اہم سوال کیا۔

”کاؤتھی کے سیکروری نے اپنے اصول و ضوابط کی روشنی میں رہی جوئیر کو پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔“ رچوڈ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ”ریاستی قوانین کی رو سے اس کا جرم خاصا سنگین بتایا جا رہا ہے۔ اس وقت سے فوراً بعد میں وہاں گیا تھا کہ معاملے کو نیٹ کیا جاسکے۔ میں نے ایک ڈینس انارنی کا بندوبست کر لیا ہے جو درحقیقت ایک پبلک پرائیویٹ ہے اور وہ وکیل مجھے اکیلو کوں سے دیا ہے۔“

جاسوسی ڈائجسٹ



انجام کار

آرےے شاسانی کا اہتمام کرتے ہوئے بولا اور ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "شکر ہے ڈیٹی کو میرا اتنا خیال ہے۔"

"رچرڈ تمہارے لیے بہت زیادہ فکر مند ہے۔"

"ہاں، مجھے بھی کچھ لگتا ہے مسٹر فاکس! آرےے نے سرسری انداز میں کہا۔ "لیکن آئیں بالکل اندازہ نہیں ہے کہ یہاں میرے ساتھ ہوا کیا ہے۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں آرےے! فاکس نے معتدل انداز میں کہا۔ "کاچ لائف میں اکثر لوگوں کے ساتھ ایسا ہو جایا کرتا ہے۔"

"اکثر لوگوں کے ساتھ نہیں مسٹر فاکس! آرےے نے صبح کرنے والے انداز میں کہا۔ "یہاں پر تو سبھی کے ساتھ یہ ہو رہا ہے۔"

"تم فکر نہیں کرو، میں سب دیکھ لوں گا۔" فاکس نے تسلی آمیز لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ "کیا میرے ساتھ ڈنر کرنا چاہو گے؟"

"میں ڈنر چکا ہوں۔"

"اوکے۔۔۔ کل جن ملاقات کے بارے میں کیا خیال ہے؟" فاکس نے پوچھا۔ "میں پچاسی سے پہلے تم سے تفصیلی گفتگو کرنا چاہتا ہوں تاکہ تمہارے کيس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جان سکوں۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ تو صبح ملتے ہیں۔" آرےے نے سرسری انداز میں کہا۔

اس کے بعد ان کے سچ سیلور راپلہ موقوف ہو گیا۔

☆☆☆

فاکس ڈنر کے لیے ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں آ بیٹھا۔ اس نے اپنے لیے کھانے کا آرڈر دیا اور ڈانٹک ہال میں داخلہ دھڑکا دودڑا نے لگا۔ جلد ہی ایک شام چرے پر اس کی نظر پڑ گئی۔ وہ فاکس کی ایک پرانی کلاس ٹیوٹی۔

گرئیں بئرٹی!

گرئیں نے بھی فاکس کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سیدھی اسی کی مجلس پر آ گئی۔ فاکس نے کھڑے ہو کر گرئیں کو شکیم دی۔ جب گرئیں اس کے سامنے بیٹھ چکی تو فاکس نے حیرت بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

"گرئیں! تم یہاں بوشن میں کیا کر رہی ہو؟"

"میں یہاں کی ایک بیوروٹی میں پڑھاتی ہوں۔" گرئیں نے بتایا۔

"دیر کی گز۔۔۔" فاکس نے تومین نظر سے اس کی

جنوری 2025ء 53 جاسوسی ڈائجسٹ

جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" رچمی ستر نے جواب دیا پھر دو چپک فاکس کے سامنے رکھے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ میری جگہ تم بوشن جاؤ اور رچمی کے ویلے سے مل کر اس معاملے کو ختم کرو۔ یہ دونوں چپک اسی سلسلے میں ہیں۔ ایک پانچ سو ڈالرز اس کے چرانے کا چیک اور دوسرا ڈھائی ہزار ڈالرز رچمی کے ویلے کی باقی رقم کا چیک۔ میں تمہاری ٹیم اس کے علاوہ ادا کروں گا۔"

رچمی ستر کی پریشانی فاکس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے اپنی فیس وصول کی اور یہ کہہ کر واپس آ گیا۔ "رچمی! تم فکر نہیں کرو۔ میں اس معاملے کو دیکھ لوں گا۔"

رچمی شکرانہ انداز میں اسے شکنے لگا۔

☆☆☆

آئندہ روز فاکس نے ایک سپیڈر لائبریری میں جا کر رچمی جونیئر کے کاچ کی ویب سائٹ کو کنکال ڈالا۔ اسے جس نوعیت کی معلومات چاہیے تھیں، وہ اسے کہیں بھی مل سکیں۔ وہ درحقیقت یہ جاننا چاہتا تھا کہ اسٹیٹ نے ڈرگز کے استعمال کے معاملے سے جو تائیدیں بنا رکھے ہیں، کاچ کی انتظامیہ انہیں اپنے پیس پر کس طرح لاگو کرتی ہے اور یہ کرائی صورت حال میں ملزم طالب علم کے کیا حقوق ہیں۔ دو گھنٹے کی گفتواری کے باوجود رچمی فاکس اپنے مطلب کی کوئی چیز ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

رچمی جونیئر کی عدالت میں پچاسی سے دو روز قبل فاکس جار کھنے کی ڈرائیو کر کے اپنی اسٹیٹ نیو یارک سے بوشن پہنچ گیا۔ وہ موسم سرما کے دن تھے۔ بوشن کی ہر عمارت اور بیڑ پودے برف سے ڈکے ہوئے تھے۔ فاکس نے رچمی کے کاچ کے نزدیکی ہی ایک ہوٹل میں اپنے لیے کراکب کیا اور فریش ہونے کے بعد اس نے رچمی کو فون لگا دیا۔

آرےے (رچمی جونیئر) نے کال ریسپونڈ تو نہیں منظر میں تیز موسیقی کی آواز ابھر رہی تھی۔ آرےے نے اس میوزک کو آف کرنے کے بعد کہا۔

"ہیلو۔۔۔ آئی ایم سوزی۔۔۔ میں اپنے ڈرامے کی ریسرل کر رہا تھا۔"

"ابھی بات ہے۔" فاکس نے معتدل انداز میں کہا پھر اپنا تعارف کراتے ہوئے مزید بتایا۔ "میرا نام فاکس ہے۔ تمہارے باپ نے مجھے یہاں بھیجا ہے، تمہارے کيس کے سلسلے میں۔ وہ خود بہت مصروف ہے اس لیے نہیں آ سکا۔"

"میں نے آپ کو پہچان لیا ہے اچھل فاکس!"

طرف دیکھا۔ ”تم نے اپنے لیے ایک محترم اور مقدس پیشے کا انتخاب کیا ہے گریس۔“

”تو تم آج کل کیا کر رہے ہو فاکس؟“ گریس نے

پوچھا۔ ”میں ایک اسٹیلس کی ایک پرائیویٹ ایجنسی چلاتا ہوں۔“ فاکس نے بتایا۔ ”اسی سلسلے میں یہاں وہاں آتا جا رہا ہے۔“

اسٹینس (عد) کے لیے آیا ہوں۔“

اس دوران میں گریس بھی ڈرنمیں، فاکس کے ساتھ شامل ہو چکی تھی اور ان کے درمیان بات چیت کا باقاعدہ ایک سلسلہ چل نکلتا تھا۔

”تمہارے اس کاہنٹ کے مسئلے کی کویت کیا ہے؟“  
 کرپس نے پوچھا۔ ”اور تم اس کی کیا یاد دکر نے والے ہو؟“  
 ”دو ایک اسٹوڈنٹ ہے۔ بوشن کے ایک کاہنٹ سے  
 پرفارمنس آرکس کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔“ فاکس نے  
 بتایا۔ ”اس کا نام آر ہے یعنی رہتی جوئیٹر ہے۔ دو میرے  
 دوست رہتی کاہنٹا ہے!“

”اوہ..... تو رومی سینٹر کے بنے، رومی جو نیر کو یہاں کس قسم کی مشکلات درپیش ہیں؟“ گریس نے پوچھا۔  
”اس پر الزام ہے کہ وہ اپنے ہاسٹل کے کمرے میں ڈرگز استعمال کرتا ہے۔“ فاکس نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔  
”اس کے پاس سے مرچو آنا بھی براہ ہوئی ہے۔“

”مریو آنا۔۔۔“ گریس نے زیر لب دہرایا۔ ”یہ تو بہت ہی خطرناک نشہ ہے۔ جہاز کا کلائٹ اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ کیا مریو آنا (Marijuana) کا عادی ہے؟“

پلائے ہوئے جواب دیا۔ ”مجھ کے مطابق، آرہے صرف سکریٹ فون کرتے رہے اور ابھی تھوڑی دیر پہلے فون پر آرہے سے میری بات بھی ہوئی ہے۔ وہ کہتا ہے، اس کالج میں اسٹوڈنٹس پر اس قسم کے الزامات ایک عام کی بات ہے۔“

”آرہے کس کالج میں تعلیم حاصل کر رہا ہے؟“

گریس نے اس معاملے میں اپنا دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

جاسوسی ڈائجسٹ 54 جنوری 2025ء

”کریس! میں کچھ سمجھاؤں۔“ فاکس نے ابھرنے لگا۔  
 ”آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟“  
 ”میں کچھ عرصے کے لیے اس کالج میں پارٹ ٹائم  
 پڑھاتی رہی ہوں، خاص طور پر نئے آنے والے اسٹوڈنٹس  
 کو۔“ کریس وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ”اس دوران  
 میں، میں نے بھی اس قسم کی کہانیاں سنی تھیں۔ کالج کے ہٹل  
 میں رہنے والے طالب علموں کو اس پر اہم کار زیادہ سامنا تھا۔  
 نئے اسٹوڈنٹس کو اکثر منشیات استعمال کرنے یا بھرپور  
 کرنے کے الزام میں دھرا لیا جاتا تھا۔ میں نے اس معاملے پر  
 دماغ کا توجہ مرکوز کیا تھا۔“ کریس نے اسے سامنے آئے تھے۔  
 ”کیسے تھا؟“ فاکس نے پوچھا۔  
 ”میں پوچھا۔“

”مریانا، ویٹ اور دیگر ڈاکٹر استعمال کرنے کے الزام میں اس سب ڈس کو پاپس کے حوالے کیا جاتا تھا، وہ سب کے سب اس کا ٹیٹو بنے ہوئے تھے اور ان کا قتل کسی دوسری اسٹیشن پر ہوتا تھا لی لیے وہ کالج کے ہاسٹل میں رہنا پس رکھتے تھے۔“ کریسن نے بتایا۔

”جیسا کہ آج ہے.....؟“ فاکس نے سوالیہ نظریں سے اس کی طرف دیکھا۔

گر میں نے اپنی گردن کو اٹھائی تو جینس دی اور کہا۔  
 ”میں نے اپنی حقیقت کی رپورٹ کالج انتظامیہ کو دی  
 ہے۔ انہوں نے میرا ٹکڑے ادا کیا اور مجھے تھین دلا یا کرو  
 اس معاملے کو بند کر کے دیکھ لیں گے۔“  
 ”تو کالج انتظامیہ نے اس مسئلے کا کوئی حل نہیں  
 نکالا جو اب تک یہ سب چل رہا ہے؟“ فاکس نے سرسراہٹ  
 ہوئی آواز میں استفسار کیا۔

”میں نہیں جانتی.....“ وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔  
 ”کیونکہ اس کے ایک ماہ بعد ہی میں نے اس کا کالج میں  
 پڑھانا چھوڑ دیا تھا۔“  
 ”اس کی کوئی خاص وجہ؟“ فاکس نے کریدنے والے  
 انداز میں پوچھا۔

چند لمحات تک حذبِ بَد رہنے کے بعد مگر میں نے جواب دیا۔ ”مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے کوئی میرا قاتب کر رہا ہو۔“ جلد ہی میں نے پتا چلا، وہ کون کا کیسیں کی سکیورٹی کے لوگ تھے۔ تم ریمیں (نیویارک) میں ملے پڑے ہو..... جنہیں معلوم ہے، ٹھیکوٹ کہ اسم کے افراد، ویران اور تاریک گلیوں میں حکم کی طرح لوگوں کا قاتل کرتے ہیں۔“

انجام کار

نے واقعی داخل مندی کا فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت تم بچیں سال کی ہو اور میرے خیال میں جہیں خرید بچیں سال بیٹے کا تو حق ہے۔

”اور..... تو تم نے میری عمر کا بھی حساب رکھا ہوا ہے؟“

”اس کے لیے مجھے کسی بیکو لیکو کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کریں۔“ فاکس نے زیر لب مسکراتے ہوئے سنی خیر اعزاز میں کہا۔ ”اس وقت میں ستائیس کا ہوں اور تم مجھ سے دو سال چھوٹی ہو۔ میں نے ابھی تک شادی نہیں کی لیکن میں تمہاری شادی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“

بات کے اختتام پر فاکس نے سوالیہ نظر سے گریں کی طرف دیکھا تو اس نے جواب دیا۔ ”میں بھی ابھی تک شغل ہی ہوں۔“

”ہم اپنی ذاتی زندگی پر بعد میں بات کریں گے۔“ فاکس نے معتدل اعزاز میں کہا۔ ”فی الحال مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں، آ رہے کے معاملے میں تم میری مدد کر سکتی ہو۔“

”وہ کس طرح؟“ گریں نے جیسے ہیٹھ باندھ رکھی۔

”مجھے ان دو سیکورٹی آفیسرز کے نام، فون نمبر اور ایڈریس وغیرہ چاہئیں جو تمہارا تعاقب کیا کرتے تھے۔“ فاکس نے کہا۔

”تم کہیں مجھے عدالت میں سمجھنے کا پروگرام بناتے تو نہیں بیٹھے ہو؟“ گریں نے تھوٹیش بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

”فی الحال تو میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے گریں!“

فاکس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ”میں ان دونوں سیکورٹی آفیسرز سے اپنا کام نکال لوں گا اور مجھے یقین ہے اگر کسی مجبوری کے تحت مجھے تمہاری گواہی کی ضرورت پیش بھی آئی تو تم انکار نہیں کرو گی۔“

گریں نے اپنے مکمل تعاون کا یقین دلانے کے بعد فاکس کو اس کی مطلوبہ معلومات فراہم کر دیں۔

☆☆☆

اگلے روز فاکس آ رہے کے وکیل سے ملنے اس کے آفس پہنچ گیا۔ اس نے آ رہے (رہی جوئیر) کو بھی وہیں بلا لیا تھا۔ فاکس کی ہدایت کے مطابق، آ رہے نے شاعر سوت زیب تن کر رکھا تھا اور باقاعدہ ٹائی بھی لگا بیٹھی تھی۔ گزشتہ رات فاکس نے آ رہے کو تائید کی تھی کہ اسے

”ہاں، میں اس معاملے کو بھیج سکتا ہوں۔“ فاکس نے تائیدی اعزاز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پوچھا۔ ”کیا ان سیکورٹی والوں نے بھی تمہیں ڈرنا دھمکانے کی کوشش بھی کی تھی؟“

”ناقاعدہ تو نہیں.....! وہ ٹیلی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔“ لیکن ان کا اعزاز مجھے خوف زدہ کرنے والا ہی ہوتا تھا۔ میں نہیں جانتی وہ مجھ سے کیا چاہتے تھے۔ انہوں نے کبھی براوہ راست مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بہر کیف.....! وہ سانس ہموار کرنے کی غرض سے تھی پھر ان الفاظ میں اپنی بات مکمل کر دی۔ ”پھر میں نے وہ کانچ چھوڑ دیا۔“

”کیا تمہیں کچھ یاد ہے کہ تعاقب کرنے والا ہمیشہ کوئی ایک ہی شخص ہوتا تھا یا ہر بار کوئی نیا.....؟“ فاکس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ ”اور میں یہ بھی جانتا چاہوں گا کہ وہ زیادہ کس جگہ تمہارا تعاقب کیا کرتا تھا.....؟“

”جگہ کا تعین کرنا مشکل ہے۔“ گریں نے کہا۔ ”وہ دو سیکورٹی آفیسر تھے۔ میں جہاں بھی جاتی، ان میں سے کسی نہ کسی کو اپنے تعاقب میں پاتی۔ خاص طور پر کانچ کے کیمپس کے اندر اور میری رہائش والی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے آس پاس۔“

”کیا تم نے ان دو سیکورٹی آفیسر کے بارے میں کانچ انتظامیہ کو نہیں بتایا تھا؟“

”میں نے ان کی شکایت کی تھی۔“ گریں نے بتایا۔ ”لیکن اس کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ سو، میں نے وہ کانچ ہی چھوڑ دیا۔“

”اس کا مطلب ہے، تم ان لوگوں کی وجہ سے واقعی ڈر گئی تھیں۔“ فاکس نے اس کے چہرے پر نگاہ بٹھا کر کہا۔ ”اسی لیے تم نے کانچ چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا؟“

”فاکس! بات ڈرنے یا خوف زدہ ہونے کی نہیں ہے۔“ وہ بڑے اصرار سے بولی۔ ”میں سمجھتی ہوں، میں نے مکمل مندی کا فیصلہ کیا تھا۔ میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اسٹوڈنٹس کے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا ہے، اس میں کانچ انتظامیہ اور سیکورٹی آفیسرز کا بھی مکمل دخل ہے۔ اگر میں غلط نہیں ہوں تو وہ لوگ بھی چاہتے تھے کہ میں اس تعاقب سے گھبرا کر کانچ چھوڑ دوں۔“

”تم بالکل درست سمت میں سوچ رہی ہو گریں!“ فاکس نے تائیدی اعزاز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”تم

16/07/2019 16:00:00



اپنے وکیل کے آفس اور عدالت میں صاف ستر اور مہذب و موزن نظر آتا چاہیے۔

آرے کا وکیل ولیم ہینڈل اس وقت اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھا فون پر کسی سے بات کر رہا تھا قلمدادہ دونوں لالی میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ اتفاق سے اس وقت ریپبلشنگ بھی اپنی سیٹ پر موجود نہیں تھی۔ فاکس نے ریپبلشنگ کے اوپر پڑے ہوئے پمفلٹس میں سے ایک اٹھا لیا اور آرے کے پہلو میں بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔

وہ گھالی پمفلٹ دراصل کاؤنٹی پراسیکیوٹر کی احتیالی ہم کے بارے میں تھا۔ چند ماہ کے بعد کاؤنٹی پراسیکیوٹر کے انتخاب کے سلسلے میں دو ٹک ہونے والی تھی۔ فاکس کے ہاتھ میں موجود وہ گھالی پمفلٹ موجودہ کاؤنٹی پراسیکیوٹر "این سٹن" کی احتیالی ہم کا ایک حصہ تھا۔ مذکورہ پمفلٹ پر اس کی تصویر بھی چھپی ہوئی تھی جس کے نیچے چلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔ "این سٹن کو اپنا ووٹ دے کر دوبارہ کاؤنٹی پراسیکیوٹر منتخب کر گیا۔"

اور اسے اتفاق کہیں یا بد قسمتی کہیں این سٹن، آرے کے کہیں میں اسٹیٹ کی جانب سے پبلک پراسیکیوٹر یعنی وکیل استاذ کا کردار ادا کر رہی تھی۔

ہینڈل نے جیسے ہی فون کی جان چھوڑی، وہ دونوں اس کے کمرے میں محسوس ہوئے۔ آرے پر نگاہ پڑتے ہی ہینڈل نے جلدی سے کہا۔

"اجمعا ہوا تم آگئے۔ کل صبح عدالت میں تمہاری جیوش ہے۔ مجھے فکر ہو رہی تھی کہ کہیں تم ستر سے غائب نہ ہو جاؤ اور میری ساری محنت اکارت چلی جائے۔" پھر وہ فاکس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے مستغرق ہوا۔

"آپ کی تعریف؟"

"سیرانام فاکس ہے اور میں نیویارک سے یہاں آیا ہوں۔" فاکس نے وسائیت بھرے لہجے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "میں آرے کا فیملی فرینڈ ہوں۔ اس کے باپ رچرڈ نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔"

"میں تو آج رچرڈ کی آمد کی توقع کر رہا تھا۔" ہینڈل ہراسانہ بناتے ہوئے بولا۔

"وہ معروف ہے اسی لیے اس نے مجھے یہاں آنے کو کہا ہے۔" فاکس نے دونوں پبلک ہینڈل کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ رہا آپ کی بے مٹ۔"

ہینڈل نے مذکورہ پبلک اٹھا کر بغور دیکھا اور واپس میبل پر رکھنے کے بعد بولا۔

"یہ تو آرے کے جرمانے کی رقم کا ایک چیک ہے جو کل صبح عدالت میں جمع ہو جائے گا جبکہ دوسرا ڈھائی ہزار ڈالر زوالا چیک اس فیملی کی ہتا یا رقم ہے جو میرے اور رچرڈ کے درمیان ملے ہوئی تھی۔ اس میں میری فیس کہاں ہے؟" "کیا پانچ ہزار ڈالر زوالا اس فیملی میں آپ کی فیس شامل نہیں کی؟" فاکس نے ابھرنے والے لہجے میں استفسار کیا۔ "بالکل نہیں!" وہ پوری تعلیم سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "وہ رقم تو اس معاملے کو آرے کے حق میں پیش کرنے کے ذیل میں تھی۔ پبلک پراسیکیوٹر این سٹن نے اس لڑکے پر بہت خلعت تاکہ کیس بنا کر لکھا ہے جس کے مطابق آرے نہ صرف باقاعدگی سے مرے آنا استعمال کرتا ہے بلکہ ڈرگز بیڈلرز سے اس کے گھر سے روابط بھی ہیں۔ یہ کارڈ کے کمپس میں اسٹوڈنٹس کو ڈرگز چلائی کرتا ہے۔ اب آپ خود ہی سوچ لیں مسٹر فاکس۔" وہ سانس بھارا کرنے کی غرض سے متوقف ہوا پھر ان الفاظ میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"اس وقت ہوا آرے کی مخالفت میں چل رہی ہے اور اس وبال سے اسے نکالنے کے لیے مجھے کئی جگہ مندرنا پڑے گا اور ایسے کاموں میں قدم قدم پر پیسے خرچ کرنا پڑتے ہیں۔ مخالفت وکیل این سٹن کو بھی میں نے اپنی سٹی میں کر لیا تھا۔ وہ آرے پر ہاتھ دولا رکھنے کا مجھ سے وعدہ کر چکی ہے اور اس کے بدلے میں مجھے بھی این کا خاص خیال رکھنا پڑے گا۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں تا مسٹر فاکس؟"

"ہاں بالکل!" فاکس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "آپ نے واقعتاً سزائیں کا بہت زیادہ خیال رکھا ہوا ہے۔ اس کی احتیالی ہم میں آپ کا آفس جان توڑ کوشش کر رہا ہے۔ خیر، میں آپ کی ڈیمانڈ کے سلسلے میں آرے کے باپ سے بات کروں گا۔ آپ مجھے اپنی فیس کی رقم بتا دیں؟"

"ٹین کے۔" ہینڈل نے کمرہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"ٹین کے۔۔۔۔۔ مطلب دس ہزار ڈالر؟" فاکس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹینک ہے، میں دو ہیرنگ آپ کو اس بارے میں بتا دوں گا۔"

"دو ہیرے۔۔۔۔۔ ہیرنگ، بس!" ہینڈل نے تسخیر کرنے والے انداز میں کہا۔ "اس سے زیادہ دیر نہیں ہونا چاہیے۔ اگر این نے اپنا ارادہ بدل دیا تو آرے کو بچانا



سے نکلا تو اس کے رگ دپے میں سکون اور اطمینان موجزن تھا۔

آر جے کے وکیل کا آفس کورٹ ہاؤس (عدالت) کے نزدیک ہی واقع تھا۔ فاکس اور آر جے آگے پیچھے ہی ولیم ہیڈلر کے آفس پہنچے تھے۔ عدالتی کارروائی شروع ہونے میں ابھی پندرہ سے تیس منٹ باقی تھے۔ جب ہیڈلر کی ان پر لگا ہڑی تو اس نے شکایتی بیچے میں کہا۔

”ابھی تک رچڑنے میری فیس ادا نہیں کی۔ میں نے کل تم لوگوں پر دایر کر دیا تھا کہ اگر مجھے فیس نہ ملی تو میں اس لاٹے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔“ لگائی توقف کے بعد اس نے براہ راست فاکس سے مخاطب ہوئے

ہوئے استفسار کیا۔  
”مسٹر فاکس! تم میری فیس ادا کر رہے ہو یا۔۔۔؟“  
ہیڈلر کے متنی خیر ادھر سے جملے پر فاکس نے دل جلانے والا رد عمل ظاہر کیا اور ہیڈلر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”مسٹر ہیڈلر! تمہیں دینے کے لیے میرے پاس ایک سینٹ بھی نہیں ہے۔“

”اور تم۔۔۔۔!“ فاکس کے جواب نے ہیڈلر کو براخود کر دیا۔ اس نے آر جے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا تم میری فیس ادا کر رہے ہو؟“  
آر جے نے فنی فنی گردن ہلاتے ہوئے بڑی ادا سے کہا۔ ”لوپ!“

ہیڈلر کی حالت دیدنی تھی۔ ان دونوں کے بیٹے انکار نے گویا اسے گرم توہ پر بٹھا دیا تھا۔ اس نے جھنجھلاہٹ بھرے اعزاز میں اپنے بریف کیس میں سے ایک فاکس نکالی اور اسے اپنے آفس کے ڈسٹ بن میں پھینکنے کے بعد غصے لہجے میں کہا۔

”کیس اور۔۔۔۔۔ تم دونوں جاؤ بھانڈا میں۔۔۔۔!“  
فاکس اور آر جے زبان سے ایک لفظ ادا کیے بغیر بڑے سکون کے ساتھ چلے ہوئے ہیڈلر کے آفس سے باہر نکل آئے۔ ہیڈلر نے آفس بند کیا اور بڑی سرعت سے ان کے پیچھے ہو گیا۔ دونوں ”پارٹیز“ کا رخ ایک ہی جانب تھا۔ کورٹ ہاؤس کی سمت!

☆☆☆

آج کورٹ میں صرف ایک ہی کیس کی سماعت تھی اس لیے رش نام کی کوئی شے وہاں دیکھنے کو نہیں مل رہی تھی۔ جج، دونوں طرف کے وکلاء، کورٹ کلرک، اینٹیونار،

”ڈی“ کہتا ہے۔ مطلب، آپ نے چند سوالات اور ان کے جوابات لکھ دیے ہیں جنہیں اچھی طرح رٹ کر مجھے عدالت میں ان کے مطابق ادا کاری کرنا ہے۔“

”ہاں۔“ فاکس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”تم بالکل ٹھیک کیجیے ہو۔“

”اور اگر انہوں نے اس اسکرپٹ سے ہٹ کر کچھ پوچھا تو میں اس سوال کا کیا جواب دوں گا؟“ آر جے کے استفسار سے اطمینان مایا تھی۔

”ایسا کچھ نہیں ہوگا آر جے۔۔۔۔۔!“ فاکس نے سوچ میں ڈوبے ہوئے کئی منٹ لہجے میں جواب دیا۔ ”میں نے کل والی عدالتی کارروائی کو ذہن میں رکھ کر ہی، پوری عرق ریزی سے تمہارے لیے یہ اسکرپٹ تیار کیا ہے۔“ وہ لمبے بھر کو رک پھر آر جے کے چہرے پر لگا ہوا جگان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔

”یہ سمجھ لو کہ میں نے ”پرچہ“ امتحان“ کا ”سلیبس“ تمہارے سامنے رکھ دیا ہے اور اس بات کی گارنٹی بھی دے رہا ہوں کہ کل والے ٹیسٹ میں اس سلیبس سے باہر کوئی سوال نہیں آئے گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔“  
”انکل آپ اتنے پریقین کیسے ہیں؟“ آر جے پوچھتا ہوا نہرہا۔

”اس لیے کہ میں یہ عدالتی سن اپنے جھیل کی نگاہ سے بڑا یاد رکھ چکا ہوں۔“ فاکس نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”اور ہر مرتبہ ایک ہی نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ ہماری جیت!“

فاکس کے الفاظ میں اس قدر اعتماد اور توانائی بھری ہوئی تھی کہ آر جے حیرت کی جھٹ پامال کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ فاکس کی وضاحت نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔

☆☆☆

گزشتہ رات آر جے نے خوب جم کر اور دل لگا کر ”پلے“ کی ریسرل کی تھی جس کا اسکرپٹ فاکس نے اسے تمہایا تھا اور یہ پلے آج عدالت میں لایو چلنے والا تھا۔ فاکس کی یہ بات آر جے کے دماغ سے چپک کر نہ مٹی تھی کہ اگر اس نے صبح اس اسکرپٹ کے مطابق برقرار نہ کر کے دکھا دیا تو یہ اس کی پیشہ ورانہ ذمہ داری کے لیے ایک سنگ میل کی حیثیت اختیار کر جائے گا، پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے ترقی کے عروج تک پہنچنے سے نہیں روک سکے گی۔ سو، آر جے نے اس ریسرل میں اپنا خون پسینا ایک کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی جب آج وہ عدالت جانے کے لیے اپنے ہاسل کے کمرے



انجام کار

”ہاگل..... یہ میری فیس ہی ہے پورا آڑا“ ہیڈلر نے زور دے کر کہا۔ ”پہلے والے پانچ ہزار ڈالر کس فاکس کرنے کے تھے۔ اگر مجھے میری فیس کی توثیق ملے تو میں ملزم کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکوں کا جواب عالی“

”آپ اپنی بات کو بدل رہے ہیں مکمل صاحب ا“ آرجے نے کمال حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہیڈلر سے کہا پھر روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔

”پورا آڑا کل صبح وکیل صاحب نے ہمیں بتایا تھا کہ پانچ ہزار ڈالر تو درحقیقت چھ ہزار تھے تاکہ وہ ڈینس سے تعاون کرے اور میں اس الزام سے اعزت بری ہو جاؤں جبکہ وہ پانچ ہزار ڈالر تو ڈیڑی نے وکیل صاحب کی فیس کی مدد میں دیے تھے۔ اب مزید دس ہزار ڈالر کا مطالبہ ناجائز نہیں تو اور کیا ہے۔“

”یہ میں کیا سن رہا ہوں۔“ جج نے غلگی بھری سوالیہ نظر سے پہلے ہیڈلر اور پھر اینٹن کی طرف دیکھا۔

”میں جانتی ہوں، یہ لڑکا ایک فرضی کہانی بنا رہا ہے پورا آڑا“ اینٹن نے کڑے ہو کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ”اگر میں لٹل نہیں تو کسی نے اسے میرے خلاف پلاٹ کیا ہے۔ ایٹن بہت قریب ہیں۔ مجھے بدنام کرنے کی ایک سازش بھی ہو سکتی ہے۔ میں اس وقت اسٹیٹ کی جانب سے اس کس کو دیکھ رہی ہوں۔ میں بھلا ڈینس سے پیسے کما کر اسٹیٹ کے خلاف کیوں جاؤں گی۔ ہیڈلر نے ہاگل درست فیصلہ کیا ہے۔ کبھی بھی ڈینس انٹری کو اس

نشیات فروش لڑکے کے کس میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ یہ ایک کرسل کو بیچنے کی کوشش ہوگی۔ ڈینس آل پورا آڑا“

”مجھے کسی وکیل کی ضرورت نہیں ہے پورا آڑا“ آرجے نے ٹھوس اہواز میں کہا۔ ”میں اپنا کس خود لڑوں گا۔“

ان لمحات میں آرجے، فاکس کے اسکرین کے میں مطابق پر قیام کر رہا تھا اور اپنی لا جواب کارکردگی کو دیکھ کر اس کے اعصاب میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس دوران میں وہ گاہے بگاہے فاکس کو بھی دیکھ لیتا تھا اور فاکس کے چہرے پر اور آنکھوں میں اپنے لیے سائنل کے چٹو چٹے دیکھ کر اس کا انٹری لیول بڑھ رہا تھا۔

آرجے کے انکشاف پر ہیڈلر نے پریشان اور اینٹن نے خیران نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”مسٹر آرجے ا“ جج نے ملزم سے پوچھا۔ ”تم کوئی

جنوری 2025ء 59 جاسوسی ڈائجسٹ

بیلف، ملزم آرجے اور فاکس..... اور اس کس کا ہنسل تھا..... اسٹیٹ یہ مقابلہ چڑھو جیڑا

مقررہ وقت پر عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے ہیڈلر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ”ڈینس، آپ اپنے موکل کے بارے میں کیا بتانا چاہیں گے؟“

”کچھ نہیں پورا آڑا.....“ ہیڈلر نے اپنی سیٹ سے کھڑے ہو کر کہا۔ ”میں نے اپنے موکل کی ہدایت کی تھی کہ وہ اپنی بے کٹائی کو ثابت کرنے کے لیے چھ ایسے شواہد ساما کرے جس سے اس کی نیک نامی ظاہر ہو سکی ہو لیکن اس نے مجھے سخت مایوس کیا ہے۔ میرے پاس ایسی کوئی بھی چیز نہیں ہے جس میں ملزم کے ڈینس میں استعمال کر سکوں۔ آئی ایم سوری پورا آڑا“

جج نے اپنے چشمے کے اوپر سے آرجے کو دیکھا اور ساٹ آواز میں استغبار کیا۔ ”کیا آپ کا وکیل درست کہہ رہا ہے؟“

”نوسر..... وکیل صاحب غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ آرجے نے مجھے اتحاد سے جواب دیا۔ ”اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے ان کا ایک ناجائز مطالبہ پورا نہیں کیا۔“

”اس لیے کہ۔۔۔“ ہیڈلر جج میں بول پڑا۔ ”میرا موکل میری فیس دینے سے انکاری ہے اسی لیے میں نے اس کس سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

”فیس یا مطالبہ؟“ جج نے سوالیہ نظر سے آرجے اور ہیڈلر کو بہ یک وقت دیکھا۔

”پورا آڑا میرے باپ رچ ڈسٹنر کے پیسے ہوئے فیس مسٹر فاکس نے کل ڈینس لائز مسٹر ہیڈلر کو دو چیک دیے تھے۔ ایک میرے جمانے کا ”پانچ سو ڈالر“ والا چیک اور دوسرا ”دو سو ڈالر“ والا وکیل صاحب کی نصف پائی فیس کا چیک۔ میرے ڈیڑی ڈھائی ہزار ڈالر ان وکیل صاحب کو پہلے ادا کر چکے ہیں۔ میرے پاس اس کے تمام ثبوت موجود ہیں۔“

”مسٹر آرجے ا وہ ناجائز مطالبے والی بات کیا ہے؟“ جج نے ملزم سے دریافت کیا۔

”کل صبح جب مسٹر فاکس نے مذکورہ دونوں چیک مسٹر ہیڈلر کے سپرد کیے تو انہوں نے ایک عجیب بات کی تھی جناب عالی ا“ آرجے نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”یہ ہم سے دس ہزار ڈالر مزید مانگ رہے تھے۔ اس رقم کو وکیل صاحب اپنی فیس کا نام دے رہے ہیں۔“

ثابت کرنے کے لیے صفائی کے کسی گواہ کو یہاں بلانا چاہیں گے؟

”میں بالکل ایسا جاہوں گا پورا آخر“ آرہے نے کہا۔ ”مسٹر ایک موٹی کی گواہی یہ ثابت کر دے گی کہ میں دوسرے کئی معدوم اسٹوڈنٹس کی طرح بے قصور ہوں۔ مجھے اس کیس میں چسپا کیا گیا ہے۔“

”کیا آپ کا گواہ ایک موٹی اس وقت کورٹ ہاؤس کے اندر موجود ہے؟“ جج نے طرہ سے پوچھا۔

”نہیں اب پورا آخر.....!“

جج کا اشارہ یا کر بیٹھنے کو کورٹ روم کا دروازہ کھولا اور کوریڈر میں جا کر صفائی کے گواہ کا نام پکارا۔ ایک منٹ کے بعد ایک موٹی ڈنٹس اسٹینڈ پر کھڑا تھا اور آرہے کسی ڈنٹس انٹاری کی طرح اس پر جرح کر رہا تھا۔ یہ سب فاکس نے آرہے کو سکھایا تھا۔

”مسٹر موٹی! کیا یہ سچ ہے کہ آپ شیشے کا سامان بنانے والی ایک گلاس ٹیکٹری چلا رہے ہیں؟“

”جی ہاں!“ موٹی نے مختصر جواب دیا۔

”اس سے پہلے آپ کیا کرتے تھے؟“

”میں ایک کانچ میں بیگرونی آفیر تھا۔“ اس نے بتایا۔

”کیا وہ کانچ چھپا کر گیس ٹیکٹری نامی ایک منیجر پارٹ ٹائم پڑھایا کرتی تھی؟“ آرہے نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ ”اور آپ سے پہلے مس گریس نے وہ کانچ چھوڑ دیا تھا؟“

”جی جیتھ ہے.....!“

”مس گریس نے وہ کانچ کیوں چھوڑا، اس پر بہ وقت ضرورت بات کی جا سکتی ہے۔“ آرہے نے سرسری انداز میں کہا۔ ”فی الحال عدالت یہ جاننے میں دلچسپی رکھتی ہے کہ آپ کے کانچ چھوڑنے کی کیا وجہ تھی؟“

”میں اس کانچ میں، بیلور سیکورٹی آفیسر کام کرتے ہوئے کچھ ایسے ناخوشگوار معاملات میں پھنس گیا تھا کہ میرا ضمیر ہر وقت مجھے طاعت کرتا رہتا تھا۔“ موٹی نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔ ”اب میں بہت پر سکون ہوں۔“

”مسٹر موٹی! ان ناخوشگوار معاملات کی تفصیل کیا ہے جس نے آپ کو وہ جاب چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا؟“ آرہے نے پوچھا۔

”قل اس کے کہ صفائی کا گواہ کوئی جواب دیتا، این سٹن یک لخت اٹھ کر کھڑی ہوئی اور اس نے جج سے مخاطب ہوئے ہوئے تیز آواز میں کہا۔

”کیل نہیں ہوا اور کسی حق قانون کے اسٹوڈنٹ بھی نہیں رہے۔ تمہارے پاس کوئی فائل ہے اور نہ ہی کوئی پیسہ..... تمہاری غواہی خلاف معمول اور غامبی رکھی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم اپنا دفاع کیس طرح کرو گے؟“

”میں جانتا ہوں پورا آخر، یہ نیکی ہے۔“ آرہے نے معتدل انداز میں کہا۔ ”لیکن میں نے یہ رسک اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور یہ میرا حق بھی ہے۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مسٹر جج! جونیئر“ جج نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اسٹینڈ ہر شہری کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ کسی بھی کیس میں اپنی وکالت خود کر سکتا ہے لیکن آپ کو یہ اجازت دینے کے لیے مجھے کوئل سے بات کرنا ہوگی۔“

پھر جج کے اشارے پر ہیڈلر اور سٹن اپنی سیٹوں سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کورٹ سٹیج کی معیت میں وہ جج کے ساتھ سائڈ بار میں چلے گئے۔ چھ منٹ تک ان قانون دانوں میں ملاح مشورہ ہوتا رہا۔ جب وہ لوگ سائڈ بار سے باہر نکلے تو ہیڈلر اور سٹن کے چہروں پر نکلی نظر آرہی تھی اور وہ دونوں اپنی سیٹوں کی طرف جاتے ہوئے عیسیٰ نظروں سے آرہے کو گھور رہے تھے۔ بالآخر جج اپنی مخصوص نشست پر براجمان ہوا اور اطلاع دینے والے انداز میں کہا۔

”طرہ کی خود اپنا دفاع کرنے والی درخواست منظور کر لی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ڈنٹس کو سٹری، اس کیس کو چھوڑنے والی درخواست بھی منظور کر لی گئی ہے مگر اس شرط پر کہ جب تک اس کیس کی سماعت جاری ہے، ڈنٹس کو سٹن کورٹ روم کے اندر موجود رہے گا کہ بدقت ضرورت اس سے بھی سوال وجواب کیا جاسکے۔“

ہیڈلر اور سٹن نے انہماک میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ ”مسٹر سٹن!“ جج نے ہیڈلر کو منظر نظر انداز کرتے ہوئے پبلک پر ایک دو تین اڑین سٹن سے استشار کیا۔ ”ہم اس وقت آپ کی تیار کردہ چارج شیٹ کی روشنی میں اس کیس کو چلا رہے ہیں۔ کیا اس معاملے سے آپ استغاثہ کے کسی گواہ کو ڈنٹس اسٹینڈ پر بلانا چاہیں گے؟“

”اس کی..... میں ضرورت محسوس نہیں کرتی پورا آخر!“ وہ ہنسرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”مجھے اپنی تیاری ہوئی چارج شیٹ اور اس سے شک شک شاہد پر پورا بھروسہ ہے۔“

”ٹھیک ہو گیا۔“ جج نے سرسری انداز میں کہا پھر طرہ سے پوچھا۔ ”مسٹر آرہے! کیا آپ اپنی بے گناہی



انجام کار  
ولیم ہینڈلر یہ دستور کھڑا رہا۔ سچ نے اس سے پوچھا۔  
”مسٹر ہینڈلر! آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟“  
”فوسر.....“ ہینڈلر نے جلدی سے کہا اور اپنی سیٹ پر بٹھ گیا۔

”مسٹر آرجے ایلز پر دیکھ۔“ جج نے رچرڈ جونز سے کہا۔

”مسٹر مونی امیر اسوال اپنی جگہ پر کھڑا ہے کیونکہ آپ نے ابھی تک اس کا جواب نہیں دیا۔“ آرجے نے گوا کے چہرے پر ہنسا کر کہا۔ ”یہ عدالت ان ناخوشگوار معاملات سے آگاہ حاصل کرنا چاہتی ہے جو آپ کی جانب چھوٹنے کا سبب بنے تھے؟“

”یہ ساری خرابی اس وقت شروع ہوئی تھی جب میرے پانچ بھائی دفنی انفسر نے مجھ سے کہا کہ ہمیں ایک نئی فٹے داری سونپی گئی ہے۔“ ایک موٹی بے معطل اعزاز میں کہا۔ ”میں نے جیک فیئر سے پوچھا کہ کسی فٹے داری تو اس نے بتایا ہمیں رات گئے کالج کے ہاسٹل کے کمروں میں جھانکارنا ہوگا۔“

”کیا ہاسٹل کے تمام کمروں میں؟“ آرجے نے پوچھا۔  
 ”جہیں.....“ موئی نے نفی میں گردن ہلائی اور بتایا۔

## ساحل کی تمنا

راجستان..... احمد سلیم سلیمی کے فلم سے

حشیت لہو رنگ

خاصی کا آئینہ، با اختیار اور بے اختیار انسانوں کے سبق آموز

ع۔ آمین و اقبال۔ ادب آداب و احیاء کلمہ و رانی

په یاری

معاش میں جلا ایک محنت کرنے والے انسان کی غلط سمت کا

کشمیر و طرابلس کے محرم مشتمل ہے

نہایت اہمیت کے ساتھ

۱۰۰

جنگ باز

معاشی تاسوروں اور درختوں کی حوالہ دینے والی

اور زخم زخم ہونے والے ایک جنگ باز کی دلدوز داستان

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کے قلم کی جادوگری

طاہر جاوید مغل، ناہید سلطانہ اختر، عتیق بخاری، عائشہ نصیر، عمران قریشی، جاوید بسام، عائش بخاری، شاہ زین رضوان، دیگر کتب خوب صورت تحریریں



دنیا کا سب سے بڑا اہم اور اور خدا ترس انسان ہے۔“

”اور بعد میں آپ کے کیا احساسات تھے؟“

”ایک ماہ کے بعد۔۔۔“ ایک مونی گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ”جیک نے مجھے ایک لفظ دیا جس کے اندر ڈھائی سو ایلرز کے ٹوٹ رکھے ہوئے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا، یہ کیسی رقم ہے؟ اس نے بے پروائی سے کہا، اپنی عمدہ کارکردگی کا انعام سمجھ کر رکھ لو۔ میں نے کہا، عمدہ کارکردگی، یعنی ہم جو اسٹوڈنٹس کو ڈورگز و فیرو کے چکر میں پولیس کے حوالے کرتے ہیں؟ اس نے ہلے والے اعزاز میں کہا، یاد رہے کہ آج ہی تو حوسرے کرو۔ میں جیک کی باتوں میں آکھیا اور واقعتاً حوسرے کرنے لگا لیکن پھر ٹیکہ یہ سلسلہ رک گیا۔“

”مسٹر مونی؟“ آج بے کریدنے والے اعزاز میں پوچھا۔ ”آج تک ایسا کیا ہو گیا تھا کہ آپ کی اوپر کی آدھنی کو بریک ٹگ گئے؟“

”جیک نے مجھے بتایا تھا کہ کالج کی ایک پروفیسر نے ہماری ان غیر نمائی سرگرمیوں پر گہری نگاہ رکھی ہوئی ہے۔“ مونی نے جواب دیا۔ ”اس نے گرفتار ہونے والے اسٹوڈنٹس سے سوالات کرنے کے بعد کالج انتظامیہ کو رپورٹ دی ہے کہ یہاں کے دو سیکرٹری آفیسر پولیس کے ساتھ مل کر کالج میں آنے والے سٹے اسٹوڈنٹس خصوصاً اسٹٹ سے باہر۔۔۔ آنے والے لوگوں کو ڈورگز کے چھوٹے مقدمات میں ملوث کر کے خوب پیسے کماتے ہیں۔ اس پروفیسر نے اپنے اس ملک کا بھی اعتبار کیا تھا کہ پولیس کے ساتھ چھپک چھپک فریبھی لے ہوئے ہیں۔ یہ سنی لانی کی طرح کام کر رہے ہیں۔ لوگوں اور ان کے والدین کو ڈورا دھکا کر بڑی بڑی رقم اکٹھی جارہی ہیں۔“

”کیا اس پروفیسر کا نام کرسٹین تھی؟“

”ہاں۔۔۔ بالکل! وہ تائیڈی اعزاز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ”جیک نے مجھ سے کہا کہ اس پروفیسر کو خوف زدہ کر کے کالج چھوڑنے پر مجبور کرنا ہے۔ اس کے بعد ہی ہمارے متابع بخش کارڈ باریکل سیکے گا۔ میں نے جیک کی بات مان لی۔“ لمانی توقف کر کے اس کے ایک پوئلک سانس خارج کی پھر اپنی بات کما سے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میں اور جیک کالج کے اعزاز اور باہر اس پروفیسر کا تعاقب کرنے لگے لیکن دو تین روز بعد ہی مجھے یہ کام بہت گھٹیا محسوس ہوا۔ مجھے اپنے آپ سے کھن آنے لگی اور میں نے جیک سے مصدقہ کر لی۔“

”صرف ان اسٹوڈنٹس کے کردوں میں جو کالج میں تھے اور ان کا تعلق کسی دوسری اسٹٹ سے تھا۔“

آج بے اپنے سینے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تعذیبی اعزاز میں کہا۔ ”جیسا کہ میں۔۔۔؟“

گواہ نے سرکواشتات جنش دینے پر اکتفا کیا۔

”آپ لوگ اسٹوڈنٹس کے کردوں میں کیا تلاش کرنے کے لیے جانا یا کرتے تھے؟“ آج بے نے سوال کیا۔

”ڈورگز۔۔۔ خاص طور پر۔۔۔؟“

”آپ لوگوں کا ریڈ کرنے کا طریقہ کار کیا ہوتا تھا؟“ آج بے نے پوچھا۔

”ہم سیدھا جا کر اسٹوڈنٹس کے کردوں کے دروازوں پر دستک دیا کرتے تھے۔“ مونی نے بتایا۔ ”اور ہم نے ہمیشہ انہیں سرخ آٹا کا استعمال کرتے پایا تھا۔“

”ہیش یا اکثر؟“ آج بے نے سپاٹ آواز میں استفسار کیا۔

”آں۔۔۔!۔۔“ مونی نے حذبذب اعزاز میں جواب دیا۔ ”اکثر۔۔۔!“

”اوکے!“ آج بے نے کہا۔ ”اس کے بعد آپ کیا کرتے تھے؟“

”ہم اس کی اطلاع لوکل پولیس کو دے دیا کرتے تھے۔“

”لوکل پولیس ہی کیوں۔۔۔؟“

”کیونکہ یہی قاعدہ تھا۔“

”یہ قاعدہ کس نے بنایا ہوا تھا؟“

”مجھے معلوم نہیں۔“ وہ بے کسی سے گردن جھکتے ہوئے بولا۔ ”جیک نے کہا تھا، سنی رول ہے۔ میں نے اس سے بھی جرح نہیں کی تھی۔“

”پولیس کی آمد کے بعد کیا ہوتا تھا؟“ آج بے، مونی کی جان چھوڑنے کے سوا میں نظر نہیں آتا تھا۔

”پولیس آکر رشہ باز لوگوں کو گرفتار کر لیا کرتی تھی اور مٹی شاہدین کے طور پر میرا اور جیک فیرس کا نام درج کر لیا جاتا تھا۔“ مونی نے رسائیت بھر سے کبھے میں جواب دیا۔

”اس کے بعد جیک پولیس والوں کی مت خوشامد کر کے گرفتار ہونے والے اسٹوڈنٹس کے لیے کلاس اینڈل کرنے کی اجازت لے لیتا تھا۔ اس طرح وہ لوگ جیل جانے سے تو بچ جاتے تھے لیکن عدالت میں ان پر مقدمہ چلتا تھا۔“

”مسٹر مونی ایسے سب آپ کو کیا لگتا تھا؟“

”شروع میں تو میں بھی سمجھتا تھا کہ جیک فیرس اس



سال کی مسابقت سے خوب صورت تحریروں سے ماحولی 2025 کا اعلان

گھر کے ہر فرد کے لئے

کریکٹ

پاکیزہ

ماہنامہ

وقفیت سراج دبشواں مسوور کے قسط دار ناول اپنی منزل کی طرف تیزی سے رواں

اسما اشرف منہاسن کادل کو چھو جانے والا دکھ منی ناول ساحل

سیمابنت عاصم کے قلم سے خوب صورت منظر نگاری اور مضبوط کردار کشی  
سے سب حسین سلے دار ناول میویری تکمیل قلم سے ہے

سنیہہ صروا کے قلم کا جادو پڑ سکتا ہے اسی اک جنت کی صورت

شانستہ زویس کی دل پر پڑ بھگتی ایک ماہر نفسیات کی گفتگو سے

اختیار شجاعت کی دقتیں

تحقیق کا نچوڑ متالہ و روع... تقریب الہی

پڑھے شمع ہدایت کے صفحات پر

پاکیزہ

ہم سال کی مسابقت سے سبق آموز اور مسوور کن تحریریں... ان قلم کاروں کے قلم سے جس میں  
ہاجوہ و یحان، صبا اظہر، نوبت جیس، ضیا، فوج طاہر و دیگر ماہر شامل ہیں

رواں قلم سے جس میں اکیلا سجاد کی شاعری، غریبہ سجاد کے گھر، ہانوی کے

حسن و محبت کی کارا، باتیں دان گفت و پیاں صرف آپ قلمے باقی قارئین کے لئے

آج ہی ماہنامہ پاکیزہ کے سالانہ خریدار بن جائیں اور رسالہ بروقت آپ کے گھر پر.....

”آپ کے عدم تعاون پر جیک کا کیا ردعمل تھا؟“  
آرے نے ٹوٹے والے انداز میں سوال کیا۔

”جیک نے مجھے بزدل، نالائق، بکا اور لوزر جیسے خطابات سے نوازا تھا۔“ ایرک موٹی نے ہنسا مٹاتے ہوئے جواب دیا۔ ”اور یہ بھی کہا تھا کہ میں اپنی قسمت کا دشمن ہوں جو خود چل کر آنے والی دولت کو ٹھکرا رہا ہوں۔ بہر کیف، جیک کے طعنوں سے تنگ آ کر میں نے کالج کی وہ جاہل چھوڑ دی تھی اور اب۔۔۔ اب میں خوش اور مطمئن ہوں۔“

”مسٹر موٹی! آپ سے پہلے اس پروفیسر لیرنی نے بھی وہ کالج چھوڑ دیا تھا اور آپ کی طرح وہ بھی بہت خوش اور مطمئن ہے۔ آپ نے اپنے حقوق کو اپنا کر گلاس ٹیکٹری کھول لی ہے اور گرہیں اپنے حقوق کو اپنا کر بوشن کی نامور سنگر اور میوزیشن بن گئی ہے اور۔۔۔“

آرے کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی جیج کا جہلی ہتھوڑا حرکت میں آ گیا۔ ”میں کونسل کو اپنے چیئرمین دیکھنا چاہتا ہوں۔“ اس نے تنگی بھرے جھکمانے انداز میں کہا۔ ”ابھی اور اسی وقت۔۔۔!“

جیج اٹھ کر کھڑا ہوا تو ہیڈ لارڈ سن نے اس کی تھلکی اور بیچ کے عقبی حصے میں واقع جیج کے چیمبر کی جانب بڑھ گئے۔ آرے جاکر ڈش ٹیبل پر بیٹھ گیا جبکہ ایرک موٹی یہ دستور ڈش اسٹیل پر کھڑا رہا اور فاکس ٹیکٹری کے اندر، چہرے پر قاتلانہ مسکراہٹ سجائے ستائی نظر سے آرے کو تنگ رہا تھا۔ اس نوجوان نے اپنے کردار میں ڈوب کر ادارہ کاری کا حق ادا کر دیا تھا۔

پندرہ منٹ کے بعد جیج اپنے چیمبر سے اس طرح نمودار ہوا کہ اس نے اپنا اور آلہ (اور پری لپکا پیٹاوا) اتار دیا تھا، اس کی ٹائی کی گرہ ڈھلی ہوئی تھی اور اس نے اپنی آستینوں پر چڑھالی میں۔ اس نے کرسی سنبھالنے کے بعد اینیوگرافر کو اشارہ کیا پھر موٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مسٹر ایرک موٹی! یہ عدالت آپ کی ٹھکر گزار ہے کہ آپ نے حقائق پر سے پردہ اٹھا کر ایک نوجوان کو بے گناہ ثابت کرنے میں قانون کی غلطی ہے۔“ پھر وہ آرے سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

”مسٹر جیج ڈیوڈ! آپ نے مجھے ہونے والی دیکھ لی کی طرح پر قادم کر کے عدالت کو ستا کر کیا ہے۔ پر فارنگ آرٹس کی دہائیں آپ لاٹھیاں پلندی کو چھوڑے۔ یہ عدالت آپ کو بے گناہ تسلیم کرتے ہوئے اس کیس سے باعزت بری کرتی ہے۔ مجھ کیس آپ کی زد کی میں ایسا کوئی واقعہ رونما ہوا ہی

نہیں تھا۔۔۔ دی کورٹ ازاؤ جارجز!“

☆☆☆

آئندہ ایک ماہ کے اندر پولیس نے جیک فیرس کو گرفتار کر کے تفتیش کی توساری کہانی مکمل کر سامنے آگئی۔ اس کالج میں دوسری اسٹینس سے آنے والے نئے اسٹوڈنٹس کو ڈرگز کے چکر میں پھنسا کر ان کے والدین سے ہزاروں ڈالرز بھروسے چاہے تھے۔ اس مذموم کام میں بوشن کے کئی ڈینس اٹارنی، پراسیکیوٹر اور بعض پولیس والوں کا بھی مکمل دخل تھا اور ان سب کی پاس جھیں، کاؤنٹی پراسیکیوٹر این شین!

اس حکم کھلا بد عنوانی کے منظر عام پر آ جانے کے بعد سب سے زیادہ نقصان بھی ان بد معاشرلوں کی سرخشا این شین ہی کو پہنچا تھا۔ وہ آئندہ کاؤنٹی کی اٹارنی نہیں بن سکی تھی۔ وورڈز نے اسے ٹری طرح مسٹر کردیا تھا۔

اس واقعے کا آٹھ ماہ بعد، رچرڈ جونیئر کے پہلے نے بوشن کی ایج ڈراما انڈسٹری میں گویا آگ لگا دی تھی۔ مذکورہ ڈرامے کا اسکریپٹ رائٹر تھا مسٹر فاکس اور یہ آرے کی زندگی کی کہانی پر مبنی تھا۔ اس کہانی کی سچائی اور آرے کی یہ طور دیکھ اداکاری نے ہر طرف دھوم مچا دی تھی۔ چند روز کے بعد گرہیں نے فاکس کو فون کیا۔

”فاکس!“ اس نے سرسراہٹ ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم نے تو اس لڑکے کو ایک ہی رات میں اسٹار بنا دیا ہے۔“  
”اس میں آرے کی اپنی محنت اور لگن کا زیادہ ہاتھ ہے گرہیں!“ فاکس نے کسر نہ کی سے کام لیتے ہوئے متوازن لہجے میں کہا۔ ”انجام کار یہ تو ہونا ہی تھا۔۔۔“

”تم خشک کبد ہوے تو فاکس۔“ گرہیں نے کہا۔  
”مگر تم خشک نہیں گرہیں ہو کر میں!“ وہ شاکی لہجے میں بولا۔

”کیوں۔۔۔ میں نے ایسا کیا کر دیا ہے؟“ وہ ابھمن زدہ لہجے میں مستغرق ہوئی۔

”تم بڑی تیزی کی وقت کو بر باد کر رہی ہو گرہیں!“ وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ ”تمہیں نہایت۔۔۔ تنبیہ کی سے ہم دونوں کے مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہیے!“

”اوہ! اچھا۔۔۔ تو یہ بات ہے۔“ گرہیں نے چپک کر کہا۔ ”خیر۔۔۔ انجام کار یہی ہونا ہی ہے۔“  
فاکس کا تین دن ایک ان جانے سرت انگریز احساس سے سرشار ہو گیا۔ اس کا دورہ بوشن رنگ لے آیا تھا۔

❖❖❖



”ڈیریز کسے ہو؟“

بچہ کھلکا اور بد ذات ہو۔

ہاں ہاں ریشٹن نہیں ہی کھرا ہا ہوں۔۔۔

کالے دل والے انسان۔۔۔ گدہ نہیں ہا انسان کھنا

زبط سے ذمہ کی بھی جانا ہے اور زہر بھی۔۔۔ اور تم نے

انسانیت کی تو لٹا ہے۔

کالے مردود۔۔۔ میری پھلیوں کے ٹاپا میں ختم

میری زندگی بالکل ہی زہر کر کے رکھ دی ہے۔

نے زہر ڈالا ہے، اس کے اثر سے دوسرا بھی لگا۔

اسی وجہ سے میں نے آج سے تمہارا نام زہر ڈالا رکھ دیا

لغت ہو تم۔۔۔ لغت ہو تمہاری زندگی ہو۔

ہے۔

اتنا بڑا سلوک اور وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ میں نے

تمہارے وجود میں نفرت کا زہر اس قدر بھر چکا ہے کہ تم

سب کو ستر بھر رہے ہو۔

تمہارے ان پودوں کو کاٹ دیا تھا جو تمہارے انسان کی حدود پر

تم کیا سمجھتے تھے کہ میری گولڈن فیش کو زہر دے دو گے اور

کرتے ہوئے میرے مکان کی حد میں داخل ہو رہے تھے ختم

مجھے پتا ہی نہیں چلے گا۔ تم جیسا زہر ڈالا شخص اور کبھی کیا سکتا

جیسا بے وقوف کوئی نہیں ہوگا۔

ہے؟ پوری کالونی میں اور کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو تمہاری طرح

ارے میں نے تو تم پر احسان کیا کہ ان جنگلی پہاڑوں کی

اقتسام کے بیٹھے پھل سے زہر کشید کرنے والے دشمنوں کا زہر ڈالا ہا ہا۔

اقتسام کے بیٹھے پھل سے زہر کشید کرنے والے دشمنوں کا زہر ڈالا ہا ہا۔

چیزیں زہریلی نہیں ہوتیں۔۔۔ انسان نما مخلوق بھی انتہائی

زہریلی ہوتی ہے۔۔۔ عادت و فطرت میں کھلا زہر پلان کسی وقت

جان نہیں چھوڑتا۔۔۔ اس سے نجات پانا ناممکن ہے۔۔۔ ایسے ہی

کچھ پروڈ ہنر سبھیوں کا زہر ناک قصبہ۔۔۔ دونوں ایک دوسرے کے

جانی دشمن تھے۔۔۔

زہریلی

منظہر سلیم ہاشمی



ترش خراش کر دی اور تم اپنا انتقام لینے پر آمادہ آئے۔ میرے مکان کی حد میں آنے والی چیز کے ساتھ میں جو سلوک کروں، اس سے تمہارا کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔

ہمارے ماضی میں بھی اختلافات رہے ہیں اور تم نے اکثر کبھلی کا مظاہرہ کیا لیکن میں نے ہمیشہ اکثر کیا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔

تم نے ہمارے مکان کی حدود کا تعین کرتے ہوئے بھی مجھے ذبح کر رکھا تھا۔ میرے کتے رئیس کے بھونکنے پر تم نے رئیس میں شکایت کر دی تھی۔ اور یہ بات تو میں بھول ہی نہیں سکتا کہ جب میری بیوی بیلا لان میں من ہاتھ لے رہی تھی تو تم نے اس کی تصویر بن لے کر سٹریٹ پر وائرل کر دی تھی۔

ٹھیک ہے اس کا وزن تو ڈرا زیادہ ہے لیکن تمہیں بالکل بھی شرم نہیں آئی اور ہر جگہ لاؤ سفید ہاتھی کے نام سے مشہور کر دیا۔ کالونی کی اکثر عورتیں اب بھی پیٹھ پیچھے میری بیوی کو ایسا دہیات نام سے پکارتی ہیں۔

تم کالے بندوں جیسے انڈینز نے آکر ہمارے پیارے ملک کینڈا کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ میرے بہت سے اچھے انڈین دوست ہیں لیکن تم تو بہت کہنے لگے ہو۔

میری محسوس کو لٹائش کو ڈھیر دیتے ہوئے تمہیں ذرا بھی حیا نہیں آتی۔

میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے ورنہ فوراً پولیس کو شکایت کروں گا اور تم اس وقت جیل میں سزا رہے ہو۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تمہارے سوا کوئی ایسا خفاہ نہیں دکھا سکتا۔ تم بھی اس ای سیل تک پہنچو بلکہ ثبوت بھی استعمال نہیں کر سکو گے کیونکہ ایسی ٹیک آئی ڈی تو تم خود بھی بنا سکتے ہو۔

کچ بکہ ہاں؟

اپنی پچھلیں کی موت کا بدلہ تو میں لے کر ہی رہوں گا۔ پس تم بچ کر رہنا۔

میرا انتقام دیکھ کر تمہاری روح کا پ جانے گی۔

قط۔۔۔۔۔

تمہارا پڑوسی۔۔۔۔۔ جونی۔۔۔۔۔

☆☆☆

”ڈیر Z!“

مجھے بڑا افسوس ہے کہ آگ لگنے سے تمہارا گیارہواں محل کر خاک ہو گیا۔ مات کے پچھلے پہر یہ واقعہ ہوا جب میں گہری نیند میں تھا ورنہ لائیوے تھا شاید ضرور دیکھتا۔ فائر بریگیڈ والوں کی پاؤں پاؤں سے میری آنکھ تو کھلی تھی لیکن کیا کروں مجھے اپنی نیند زیادہ عزیز ہے۔ مگر تمہارے دوسرے پڑوسی جوڑنے مجھے

جاسوسی ڈائجسٹ 66 جنوری 2025ء

ساری تفصیل بتا دی ہے۔

منا ہے چاکلی ہی آگ بھڑک اٹھی۔ اب تم نے بھی تو دہاں کوئی غیر قانونی لیبارری بنائی ہوئی تھی۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ وہاں تم جو خفاہ تیار کرتے تھے، وہ بھی سب کی سب مل کر برباد ہو گئی۔

میں تو بھی کہتا ہوں کہ بڑے کاموں کا بُرا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اب بھی تم اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ تو پخت ہو سکتی ہے ورنہ کوئی بڑا نقصان کر بیٹھو گے۔

سوچو ذرا۔۔۔۔۔ ابھی تو صرف گیارہواں میں آگ لگی ہے۔ کل کلاں کو تمہارے گھر میں آگ لگ گئی تو۔۔۔۔۔؟

اس معاملے پر ابھی طرح غور و خوض کرنا۔

قط۔۔۔۔۔

تمہارا پڑوسی۔۔۔۔۔ جونی۔۔۔۔۔

☆☆☆

”ڈیر Z۔۔۔۔۔“

تم تو بہت بے غیرت لگے۔ میں نے تم حیدر اڈیل فصیح آج تک نہیں دیکھا۔

بے جا پان چیزوں کے معاملات اُن تک ہی رہنے دیجئے تو اچھا تھا لیکن ہمیں ہر بات میں حد سے تجاوز کرنے کا شوق ہے۔۔۔۔۔ تم انسان ہوئے تو انسانی جذبات سمجھتے لیکن تم تو ستوں سے بھی بدتر لگے۔

آخر میرے مصمم کتے نے تمہارا کیا کیا کاڑا تھا جو تم نے اس کا کام تمام کر دیا؟ کیا میری بے بس پچھلیں کو ڈھونڈنا کافی نہیں تھا جو اپنے سینے کی آگ بجھانے کے لیے تم نے رئیس کی بھی جان لے لی؟

تم ایک لختی شخص ہو۔۔۔۔۔ ذہنی مریض ہو۔ تمہیں علاج کی سخت ضرورت ہے۔

اگر ڈاکٹر تمہارا علاج نہیں کر سکتے تو پھر کسی اور کو ہی تمہارے اس پاگل پن کو روکنا ہوگا۔ تم ایک عجیب نفسیاتی مریض ہو جراثیمی ہریات کو برحق سمجھتے ہوئے دوسروں کا نقصان کرتے رہتے ہو۔ تم نے میرے مصمم رئیس کی جان لے لی حالانکہ اب تو وہ رات کے وقت بھونکنا بھی نہیں تھا جس سے تمہاری نیند ڈھس رہی تھی۔

تم شاید نہیں جانتے لیکن تمہارے پاگل پن سے تمہارے آس پاس کے لوگ بالکل بھی محفوظ نہیں ہیں۔

اس سے پہلے کہ تم اپنے ذہنی مرض سے مجبور ہو کر مزید لوگوں کے پالتو جانوروں کو ڈھیر سے کرمانا شروع کر دو۔۔۔۔۔

میرا مشورہ ہے کہ اپنا علاج کروالو۔ ایسا نہ کیا تو میں تمہارا وہ





دل خوش ہو گیا میرا۔ ایسا لگ رہا تھا میں ہواؤں میں ہوں..... اتنی خوشی ملی تھی مجھے۔

تم نہیں جانتے تھے کہ میں نے کالج کے بعد کرمیوں کی چٹنیوں میں ایک آتش گیر مادے اور ڈاٹکامٹ بنانے والی فیکٹری میں بھی کام کیا ہوا ہے؟ ویسے تم جانتے تو شاید محتاط ہو جاتے لیکن تمہاری یہ خود اعتمادی ہی تمہیں لے ڈوبی۔

اور مزے کی بات بتاؤں..... پولیس کا پہلا ملک مجھ پر ہی کیا تھا۔

لیکن تھیں مانو دو کچھ بھی ثابت نہیں کر پاؤں گے۔ جیسے تم نے چالاکی سے میری پٹیلیوں..... میرے کتے..... اور میری بیوی کو زبردستی کر بیٹھ کی نیند ملا دیا اور پولیس تمہارا بال بھی ہانکا نہیں کر سکا ویسے ہی مجھ پر بھی کوئی جرم ثابت کرنے میں ناکام رہیں گے۔

پھر کیسا راز میرا انتقام؟  
پر ڈیکٹ ہے بند..... ریشم زہر لے۔  
یقیناً ہے..... بدلے کی آگ دشمن کے خون سے ہی بجھتی ہے..... میری روح تک کو تیرا آگیا ہے کیونکہ اس انتقام کی دوڑ میں آخری ہی میری ہی ہے.....

میں اپنی کامیابی اور نئے سال کا جشن اپنی سب سے قیمتی شراب پی کر ہی مناؤں گا..... اور میرے ڈیئر زہر لے تم جہنم کی آگ سے اپنی پیٹ پوجا کرو تم جانتے ہو میں نے اپنی اس پسندیدہ اسکاچ کو کبھی سال سے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔  
یقینی طور پر یہ ایسے ہی کسی جشن کے لیے استعمال ہونی تھی۔

آہ..... کیا اجاب ڈانٹتے ہے۔  
جیسے ریشمی سیال میرے حلق سے ہوتا ہوا میرے معدے میں جا رہا ہو۔

آخ..... یہ کیا ہوا.....؟ یہ ریشمی سیال آتشیں سیال کیسے بن گیا؟

یہ تو جن کر رہا ہے..... انف.....  
میرا لگا..... میرا سینہ..... ف..... یہ کیسی آگ ہے؟ یہ

کیسی جلن ہے؟  
نہیں..... نہیں..... یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ کیا ہو گیا؟

زہر..... میری پسندیدہ اسکاچ میں.....  
ریشم..... غیبت.....

لغت ہو تم پر زہری..... لے.....



”ڈیئر زہر لے.....“

پتی لیڈائر.....

ایسا سال مبارک ہو۔

لوگ کہتے ہیں مہر کا پھل میٹھا ہوتا ہے لیکن یقین مانو انتقام کا پھل میٹھا ہونے کے ساتھ ساتھ رسیلا بھی ہوتا ہے۔

اس لمحے میں یہ میٹھا چکر چکر ہوا اور تھیں انوکھا اس سے اچھا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔ میری شدید خواہش ہے کہ میں جو یہ اکی سکل لکھ رہا ہوں کاش کہ تم اسے کسی طرح پڑھ پاتے۔

نیا مہینہ..... نیا سال..... میرے لیے کتنا مبارک ثابت ہوا ہے؟

امید ہے کہ اب میں اس نئے سال میں تمہاری منحوس صورت کے بغیر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محرم ہونے کے بعد میرے قصبہ میں بس خوشیاں ہی خوشیاں لکھی ہوں گی۔

ریشم، یقین جانو تم سب پڑھتے تو مجھے خوشی ہوتی لیکن ذرا دیکھو تو کسی..... اب تم جہنم میں ہو اور مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ وہاں پرائیویٹ کی سہولت موجود بھی ہے یا نہیں۔ ویسے بھی وہاں اسکی آگ مل رہی ہوگی تو یہ پرائیویٹ اور جدید سوشل میڈیا وغیرہ بھی مل کر کسم بوجھا جاتا ہوگا۔

تمہارے لیے تو جہنم کا فرشتہ بھی بوند پر خیر سنا تا ہوگا۔

نہیں جہنم رسید ہونے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کیا ہی خوش کن نظارہ تھا..... دل باغ باغ ہو گیا میرا۔

نئے سال کا آغاز ایسا ہی دھماکے دار ہونا چاہیے تھا۔  
تم جانتے ہو میں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا.....

میں ایک محفوظ فاصلے پر تمہارے گھر کے سامنے والی جھاڑیوں میں چھپ کر مشاہدہ کر رہا تھا۔

میں نے دیکھا..... تم خراں خراں پلٹے ہوئے اپنے نشیات خانے سے نکلے جیسے تم لیبارٹری کا نام دیتے ہو۔

پھر میری نظروں کے سامنے..... تم نے پورچ میں کھڑی اپنی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر سیٹ بیلٹ باندھی۔

پھر میں نے دھن نظارہ دیکھا..... تم نے انٹیشن میں چابی لگا لی۔

اور پھر میں نے تمہارا آخری دیدار کیا..... تم نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کے لیے چابی گھمادی۔

یوم..... کیا ہی زبردست دھماکا ہوا تھا۔ آگ اور شعلے ہر سمت میں پھیل گئے تھے۔

جیسا سوچی ڈائریجسٹ

جنوری 2025ء



## زہریلی فطرت

طاہر جاوید معمل

مناظر فطرت خدا کی صناعی کا شاہکار ہیں... مگر ہر شے کو فطرت کے پلڑے میں ڈال کر ہی اللہ نہیں ہوا جاسکتا... انسان اور حیوان میں کئی عادات و خصلتیں فطری ہیں... اس کے باوجود انسان کو عقل کی دولت سے نوازا ہے... تاکہ وہ حیوان سے مختلف رہے... سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی... فطرت میں ذہنی ایک ذوالی لڑکی کی عادات... اس کا کہنا تھا کہ انسان اور حیوان ایک ہی فطرت رکھتے ہیں....

مختلف مزاج و عادات کی مالک لڑکی کا عجیب و غریب نظریہ زندگی.....

دونوں لوجوان تھے، مضبوط جسم کے تھے اور اپنی آنکھوں میں خون کی مٹھی لیے آئے سائے کھڑے تھے۔ یہ بانگل ویران جگہ تھی..... ویران لیکن خوبصورت۔ ان کے چاروں طرف پتھر پلے پلے اور دیو کا مت درخت تھے۔ پانی کا ایک سفید دھارا چھوٹے آبیشار کی صورت پسند کی سے گزرتا تھا۔ پانی کی آواز کے سوا یہاں اور کوئی آواز نہیں تھی۔  
”میں کہتا ہوں پیچھے ہٹ جاؤ۔“ خوبصورت منکھڑا لے ہالوں والے لوجوان نے دوسرے سے کہا۔

جنوری 2025ء (GB) جاسوسی ڈائجسٹ

Scanned with

CS CamScanner

”یہی بات میں تم سے کہتا ہوں۔“ دوسرے نوجوان نے جواب دیا۔

فنا میں حیرتی کشیدگی کچھ اور بھی بڑھ گئی۔ یہ سارا معاملہ کب شروع ہوا؟ اس کی ابتدا تقریباً دو سال قبل ہوئی اور اس کی خروعات لازینہ کی وجہ سے ہوئی جو کراچی سے گلت رہنے لگی تھی۔

لازینہ، پروفیسر مجید صدیقی کی بیٹی تھی۔ اس کے چہ بہن بھائیوں میں اس کا سب سے بڑا بھائی تھا۔ وہ شروع ہی سے کچھ منفرد اور ہائی ٹیچ کی مالک تھی۔ پروفیسر صدیقی نے اپنے سارے بچوں کو سائنس مضامین کی طرف راغب کیا تھا اور ان میں سے وہ انجینئرنگ بھی کر چکے تھے لیکن لازینہ کا میلان آرٹس کی طرف تھا اور اس نے گھردلوں کی سخت مخالفت کے باوجود انکس لٹریچر میں ایم اے کیا تھا، پھر اسے جنگی حیات اور حیثیات میں دلچسپی پیدا ہوئی اور اس نے ان موضوعات پر ڈیڑھ سو کتابیں پڑھ ڈالیں۔ وہ سائنسی روح تھی، اسے ہر اور شہر کے ہنگامے پسند نہیں تھے۔ کبھی کبھی تو اسے لگتا تھا کہ وہ مزاحیہ طور پر پہاڑوں اور جنگلوں کی پاس ہے اور وہیں پر سکون پاسکتی ہے۔ والدین نے جب اس کی شادی کی بات چھیڑی تو اہلی خانہ سے اس کے اختلافات مزید بڑھ گئے اور پھر ایک دن آیا جب وہ اپنا مختصر ذاتی سامان لے کر کراچی سے کوچ کر گئی اور یہاں گلت کے نوراح میں ایک دلکش پہاڑی مقام پر ان ٹھہری۔ گولگت شہر کا قاصد یہاں سے پانچ چھ کلومیٹر سے زیادہ پھین تھا مگر یہ اتنی پُر سکون جگہ تھی کہ کسی دور دراز، الگ تنگ پہاڑی مقام کا حصہ معلوم ہوتی تھی۔

لازینہ جس چھوٹے سے خوبصورت دلا میں ٹھہری ہوئی تھی اس کی یونیورسٹی کی گہری کھلی کھلی سے تعلق رکھتا تھا۔ کنول کچھ ناز پر وجوہات کی بنا پر اپنی پہلی سیت امریکا شفٹ ہو چکی تھی۔ کھلی کا یہ صاف سترا دلا غیر معینہ مدت کے لیے غالی پڑا تھا۔ رمضان نام کا ایک ملازم صرف رکھوالی کے لیے یہاں مقیم تھا۔ کنول نے اپنے والدین سے لازینہ کو یہاں رہنے کی اجازت دلا دی تھی۔ نہ صرف اجازت دلائی گئی بلکہ اس کی کوشش سے لازینہ کو گولگت شہر سے تعلق رکھنے والی دو میٹرک اسٹوڈنٹس کی ٹیوشن بھی مل گئی تھی۔ لازینہ دلچسپی اور دلچسپی سے پڑھاتی تھی، یہی وجہ تھی کہ ایک دو ماہ میں ہی اس کے اسٹوڈنٹس کی تعداد پانچ ہو گئی۔ اس ٹیوشن سے لازینہ کو اتنی آمدنی قبیحہ طور پر مل گئی کہ وہ آسانی سے یہاں اپنی زندگی بسر کر سکے۔ اس کی گزیر سہ ماہی

مشکل بھی کہاں تھی۔ فطرت کے قریب ترین رہنے کے خواہ نے اس کی زندگی کو جہاں کچھ مشکلات سے دوچار کیا تھا، وہاں کافی سادہ بھی بنا دیا تھا۔ اس کا اضافی خرچ تو بس ایک ہی تھا۔ ایک آسٹریلیئن شیفرڈ اور دو تین بلایا بن کے دو دو وغیرہ کا انتظام کرنا ہوتا تھا۔

ماجد سے لازینہ کی پہلی اہم ملاقات جب ہوئی تھی جب وہ ٹھہری اس تنگ سہ پہر میں اپنے شیفرڈ کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ وہ گھر سے باہر تھا اور بار بار کسی نادیدہ ٹھہری یا چھپکلی وغیرہ کے پیچھے لپک رہا تھا۔ ڈھلوآن کے پتھروں میں لازینہ اس کی زنجیر دو بارہ پکڑنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ آخر اس نے زنجیر کا سر ادا دیج لیا۔ ابلی سردی کے باوجود اس کا سرخ و سپید چہرہ ہنستا ہوا تھا اور وہ بڑی طرح بانپ گئی تھی۔

جب اس نے زنجیر پکڑ لی تو تالی کی آواز آئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ ماجد پینٹ شرٹ میں ملبوس اس سے چند قدم کے فاصلے پر نشیب میں کھڑا تھا۔ وہ وہیں اور مضبوطی کا تھا۔ سیدھے سیاہ بال اس کی پیشانی پر جم چکے تھے۔ ”بھئی آپ تو کمال کی دوڑ دو چپ کر سکتی ہیں۔“ وہ تقریبی انداز میں بولا۔

لازینہ نے اپنی ریشمی لٹوں کو چہرے سے ہٹایا اور بولی۔ ”آپ کب آئے؟“

”دو منٹ سے یہیں کھڑا آپ کی ورزش ملاحظہ کر رہا ہوں۔“

”کوئی ویڈیو وغیرہ تو نہیں بنائی آپ جناب نے؟“

”بنائے تو تو دل چاہ رہا تھا۔“ وہ چڑھی ہوئی سانسوں اور سرخ چہرے والی لازینہ کو دیکھ کر تقریبی انداز میں بولا۔ اس کے اعزاز نے لازینہ کو چونکا دیا۔ ”بچہ آگئے؟“ وہ جلدی سے موضوع بدل کر بولی۔

”جی ہاں۔“ اس نے جیسے جھنڈی سانس لے کر کہا۔

ماجد کی دو بیٹیاں تھیں، آٹھویں اور چھٹی کلاس کی اسٹوڈنٹ تھیں اور لازینہ کے پاس پڑھنے آتی تھیں۔ اکثر ماجد ہی انہیں اپنی نئی موزوں آن لائن چھوڑنے آتا تھا۔

اس دن کی ملاقات کے بعد لازینہ کو واضح طور پر محسوس ہوئے لگا کہ ماجد اس میں گہری دلچسپی لے رہا ہے مگر لازینہ کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ نرم نازک جذبات کے بجائے اپنے فطری میلان کو اہمیت دینے والی لڑکی تو بے جا نہ ہوگا اور اس کا فطری میلان نیچر کی طرف تھا۔ وہ زندگی کے ہر پہلو کو نیچر کے تناظر میں دیکھتی تھی۔





فرقان کو لازیمہ کے قریب کھڑے خوش گھیاں کرتے دیکھ کر ماجد کے سینے میں عجیب سی جلیں پیدا ہوئی۔ ابھی وہ بچوں کو گاڑی سے اتار رہی رہا تھا کہ فرقان نے الوداعی انداز میں لازیمہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا دھولان کے دیو قامت بیڑوں میں ادھل ہو گیا۔ لازیمہ وہیں کھڑی ایک پھول دار پودے کی شاخوں کو سہلائی رہی۔ ماجد تھوڑی سی چڑھا لی چڑھ کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ ماجد کی آہٹ سن کر وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ماجد کا سینہ مسک رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کا تانبہ چہرہ دیکھتا رہا پھر اچانک بولا۔

”کون تھا؟“

”تم نہیں جانتے اسے؟“ وہ عجیب انداز سے

مسکرائی۔

”بالکل نہیں۔“ وہ انجان بن گیا۔

”کچھ اندازہ لگاؤ۔“ وہ بدستور شوخ مسوڑ میں تھی۔

ماجد نے گہری سانس لی۔ ”ایک دن میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا کوئی دوسرا ہے؟ تم نے انکار کیا تھا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ دوسرا ہو۔“

وہ بلند آواز میں بھی اور اپنے لمبے بالوں کو ہاتھوں سے پیچھے کی طرف ہینکا۔ ”تم سب مرد ایک جیسے ہوتے ہو۔ بلکہ تم سب بڑا ایک جیسے ہوتے ہو۔ ذرا سی رقاہت بھی تمہارا سینہ جھلکا دیتی ہے۔“

وہ چونک گیا۔ اس نے سختی بھائی بات کی تھی لیکن پھر اچھل کر بولا۔ ”اگر تم رقاہت کی بات کرتی ہو تو پھر مطلب یہی ہوا کہ تم محبت کو بھی جانتی ہو۔“

”تم اسے محبت کہہ لو لیکن میں تو اسے فطری تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہی کہوں گی جو اس کرۂ ارض کے ہر جاعاد میں موجود ہے۔ تم میں بھی موجود ہے بلکہ کچھ زیادہ شدت سے ہی موجود ہے۔“ وہ پھر شوخی سے مسکرائی۔

”پلوٹم نے کچھ تو تسلیم کیا۔“

”میں نے کچھ تسلیم نہیں کیا ماجد۔ میں صرف فطرت کو تسلیم کرتی ہوں۔۔۔۔۔ اور فطرت میں ایک اتار و تار بھی ہو سکتے ہیں۔“ وہ اپنے قد حمار کی اتار جیسے رخسار سے بالوں کی لٹ پٹا کر مسکرائی۔

ماجد کو شدید دھچکا لگا۔ وہ حیرت سے لازیمہ کو دیکھنے لگا۔ لازیمہ نے بھی کاہل ترنگ بہایا۔ ”پلوٹو بیمار نہیں، وہ بیمار تو ہوسکتے ہیں۔“ وہ بولی۔

”یہ دوسرا بیمار کب سے ہے؟“

جاسوسی ڈائجسٹ (72) جنوری 2025ء

”جب سے تم ہو۔“ اس نے ماجد کے سینے پر اٹکی چھوئی۔ ”شاید دو چار ہفتوں کا فرق ہو۔ بجلی سال جون میں فرقان کے ساتھ اس کی گاڑی میں ہنزہ گئی تھی۔ دو چینی سیاح بھی ساتھ تھے، ہمگی سے یہ بیمار ہوا ہے۔“ لازیمہ کی آنکھوں میں پھر شوخی نچ نکلی۔

”ایک براہ راست سوال پوچھ لوں؟“ وہ اپنے جھپٹے سینے سے اپنی توجہ ہٹا کر بولا۔

”ہاں پوچھو۔“

”بالکل سچ بتانا۔ تم اپنے ان دو بیماروں میں سے کس کو پسند کرتی ہو؟“

”کسی کو بھی نہیں۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ دونوں کو۔“ اس نے مجب جواب دیا۔

”تو پھر فیصلہ کیسے ہو گا لازیمہ؟“

اس نے کھوٹی کھوٹی نظروں سے دور درختوں سے ڈھکی ہوئی لاتناہی ڈھولانوں کو دیکھا جو ایک جنگل کا سا منظر پیش کر رہی تھیں پھر جب دہقانی سے لےجے میں بولی۔ ”جب ہم فطرت کو سراہتے ہیں تو پھر فیصلہ بھی فطرت کے مطابق ہی ہونے چاہئیں۔ جیسے جنگلوں، پہاڑوں اور صحراؤں میں ہوتے ہیں۔“

عجب لڑکی تھی۔ اس کی بات کچھ کچھ ماجد کی سمجھ میں آ رہی تھی اور جوں جوں سمجھ میں آ رہی تھی، اس کی حیرانی بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

اگلے ایک ڈیڑھ ماہ میں وہ سب کچھ ہوا جو ہونا تھا اور جو شاید لازیمہ بھی چاہتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہی ماجد اور فرقان ایک دوسرے کے لیے دوست گیر دیشیوں کی طرح ہو گئے۔ ان میں سے کوئی بھی دگش دول رہا لازیمہ کو کھونا نہیں چاہتا تھا اور ماجد پھر گز نہیں۔ اس کے لیے تو وہ زندگی کا دوسرا نام بنتی جا رہی تھی۔ کسی وقت ماجد کو شدت سے محسوس ہوتا کہ وہ اس کی محبت کی توفیق کر رہی ہے۔ محبت کو جاہلا شاعراذ میں شروٹ کر رہی ہے۔

ایک روز وہ اس کے پاس گیا۔ بہت دیر تک اس سے باتیں کیں۔ ایک سوخ پر اس کے سامنے ہاتھ بھی جوڑ دیے۔ ”ہیلز لازیمہ! محبت میں شریں نہیں ہوتیں۔ تم کیوں مجھے فرقان کے مقابل لاری ہو؟“

”میں کہاں لاری ہوں۔ تم دونوں خود ہی پیچھے ہٹے کو تار نہیں ہوا اور شاید بھیا ہر جاندار کی فطرت ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے بات لپیٹ دی۔

زہیلیں قطبیت

ماجد کو اپنی رہائش گاہ پر بلایا۔ وہ پریشان لگ رہی تھی۔  
دوڑوں کی ملاقات گھر کے ڈرائنگ روم میں ہوئی۔ وہاں  
سکرینٹ کی جو محسوس کر کے ماجد کو اعزاز ہوا کہ کچھ دیر پہلے  
تک فرقان احمد بھی یہاں موجود تھا۔ ان دوڑوں کے ایک  
ساتھ ہونے کا تصور کرتے ہی ماجد کے کاسٹر میں  
چنگار لایا سی جھوٹ جاتی تھیں۔ چند رکی کلمات کے بعد  
لازینہ نے ماجد کو بتایا کہ کل والے داتے کے بعد فرقان  
بہت زیادہ بھڑکا ہوا ہے اور وہ خطرہ محسوس کرتی ہے کہ  
صورت حال بگڑ جائے گی۔

ماجد بھڑکا رہا۔ "لازینہ! اگر صورت حال بگڑے گی تو  
بھر میرے لیے ہی نہیں، اس کے لیے بھی بگڑے گی۔" اس

بھر ایک دن ایک سنگین واقعہ ہو گیا۔ جب سہ پہر کو  
ماجد اپنی آٹو گاڑی میں دوڑوں بیچوں کو لے کر قندرے دیر سے  
لازینہ کی رہائش گاہ پر پہنچا تو اس نے دوری سے دیکھ لیا کہ  
لبا تر فرقان احمد گیت کے قریب کھڑا ہے۔ جب گاڑی  
قریب آئی تو اس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ فرقان کے ہاتھ  
میں ایک گلدستہ ہے جسے اس نے اپنی پشت کی اوٹ میں  
کر رکھا ہے۔ پتا نہیں کیوں ایک دم ماجد کے سر میں  
چنگاریاں سی جھوٹ لگیں۔ ٹش کی ایک بلندہ کے سبب کچھ  
جیسی اس کے بس میں نہیں رہا۔ ایک بار تو اس کا جی چاہا کہ  
گاڑی ہی اس کے اوپر چڑھا دے۔ اس نے گاڑی میں  
فرقان کے سامنے روکی اور بارہا کھل کر اس پر جھپٹ ہی پڑا۔  
اس کا گریبان پکڑ کر دھاڑا۔

"مجھے کہا تھا..... اس گھر کے قریب نظر نہ آنا....."

مجھے کہا تھا.....

وہ اسے دیکھتا ہوا پتھر ٹلی دیوار تک لے گیا۔ فرقان  
نے جوابی دھاڑ بلند کی۔ "اوتھے، چھوڑ میرا گریبان نہیں تو  
سینکس پر لاش بنادوں گا۔"

بچیاں یہ مناظر دیکھ کر گاڑی میں چلتے گئیں۔ چاہا  
رمضان بھی میزبوں والی کارپوں کی طرف سے دوڑتا ہوا  
آیا۔ ماجد نے فرقان کو گالی دی تو اس نے ماجد کے منہ پر  
گھونسا جڑ دیا۔ ماجد نے جوابی گھونسا رسید کیا۔ تب ہی  
پاک ایک صورت حال سنگین تر ہوئی۔ ماجد کے گمان میں ہی  
نہیں تھا کہ فرقان کے پاس ہتھیار ہوگا۔ گھونسا کھانے کے  
بعد فرقان نے ماجد پر گالیوں کی بوچھاڑ کی اور پاک اپنی  
پھولی ہوئی سیاہ جیکٹ کے اندر ہاتھ ڈال کر پتول نکال لیا۔  
"جان سے مار دوں گا تجھے..... کسی درزی کے  
بیچے..... حرا حرا دے!" فرقان جنونی انداز میں گرجا۔

وہ ماجد کی طرف پتول سیدھا کرنے کی کوشش کر رہا  
تھا جب گیت کا چھوٹا دروازہ دھماکے سے کھلا اور لازینہ  
ترب کر ان دوڑوں کے درمیان آگئی۔ اس نے فرقان کا  
پتول والا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسی دوران میں چاہا رمضان بھی  
اپنے بھائی کے ساتھ موقع پر پہنچ گیا اور وہ سب فرقان کو  
گھنٹے جان کر ماجد سے دور لے گئے۔

دوڑوں بدستور ایک دوسرے پر گرج رہے تھے۔  
لازینہ نے ماجد کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

☆☆☆

اس رات لازینہ کے ساتھ ماجد کی انوکھی ملاقات  
ہوئی۔ رات بارہ بجے کے لگ بھگ اس نے فون کر کے

دوڑوں کے کسی بھی گرسے میں اور  
ملک گھر میں کھر بیٹھے حاصل کریں

جاسوسی ڈائجسٹ ہسپنس ڈائجسٹ  
ماہنامہ پابلیشرز ماہنامہ سرگرمی

ایک سال کے لیے 12 روپے  
ماہنامہ کے کسی بھی شماروں کے لیے 3000 روپے

بیرون ملک کے لیے سالانہ 50,000 روپے

بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین  
یا جی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں

برائے

0334-5498977

0301-2454188

0333-2256789

جاسوسی ڈائجسٹ جلی کیشز

C-63 فیر 11 سیکشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی  
مین کو رگی روڈ - کراچی

جنوری 2025ء  
جاسوسی ڈائجسٹ



زمانے میں اچھے باکسر رہے ہو، دوسری طرف وہ بھی ایک نہایت سخت جان کوہ پیما ہے۔۔۔ اور دعویٰ کرتا ہے کہ کیا اسی مار مار کر دو تین ہندوں کا بکسر کمال سکا ہے۔“

وہ ہنگامہ سالارینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک بار تو اس کا دل چاہا کہ سامنے رکھی ہوئی شیشے کی تپائی پر اس زور سے مکا مارے کہ وہ پکڑا چڑھ جاتے پھر فرس کو پاؤں سے کوٹا ہوا یہاں سے نکل جائے۔ اس ساری صورت حال پر ہفت ارسال کر دے۔ مگر بھراسے وہ کل والی بدبانی یاد آئی اور وہ دھمکیاں یاد آئیں جو فرقان احمد نے اسے دی تھیں۔ اس کا سینہ بھر جلتے لگا۔ وہ اٹھ کر بے قراری سے کمرے کے اندر ہی پکرانے لگا۔ باہر رات کی تاریکی میں لازینہ کے پاتو پرندوں کی آوازیں تھیں یا پھر کسی وقت اس کے کتے آسٹریلین شیفرڈ کا شور بلند ہوتا تھا۔ شاید اپنی کسی ہم جنس کی باس ہوا کی لہروں پر تیر کر اس تک پہنچتی تھی۔

☆☆☆

..... ہاں تو وہ دونوں نوجوان تھے، مضبوط جسم کے تھے۔۔۔ اور اپنی آنکھوں میں خون کی سرخی لیے آئے۔ سامنے کھڑے تھے۔ یہ بالکل ویران جگہ تھی، ویران لیکن خوبصورت۔۔۔ پانی کا ایک سفید دھارا چھوٹے سے آبشار کی صورت بنی ہوئی تھی۔

”میں کہتا ہوں بیچے ہٹ جاؤ۔“ ٹھہرے بالوں والے فرقان احمد نے مائدے کہا۔

”جی بات میں تم سے کہتا ہوں۔“ مائدے نے جواب دیا۔ ان دونوں سے قریباً پچاس قدم کے فاصلے پر زمین دیو قامت پہاڑی درختوں کے درمیان لازینہ ایک پتھر پر خاموش بیٹھی تھی۔ وہ ایک گلابی ساڑی میں تھی۔ اس نے اپنے بالوں کو جوڑے کی صورت میں باندھ کر ان کے گرد گلاب اور کیندے کے پھول لپیٹ رکھے تھے۔ ایسے ہی پھول بھروں کی صورت اس کی دودھیا کلائیوں میں بھی نظر آرہے تھے۔ شروع اپریل کی یہ دوپہر جنگلی رنگوں سے بھری ہوئی تھی لیکن دور دور تک یا شاید میلوں تک ایک بندہ بشر موجود نہیں تھا۔ لازینہ نے ان دونوں کے لیے کچھ اصول وضع کر دیے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی آنکھیں یا تیز دھار ہتھیار استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ انہیں خالی ہاتھ لڑنا تھا۔ ان میں سے کسی ایک کے بے بس ہوجانے، ہاربان لینے یا سخت زخمی ہوجانے کی صورت میں لڑائی ختم ہوجاتی تھی۔

گھبراٹلا آسمان اور چمکا سورج بھی جیسے اس لڑائی کے تماشاخیوں میں شامل تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے پھیلا لیے تھے، اپنے قدموں کو آگے پیچھے کرتے ہوئے پیلا

نے اپنی جیکٹ کی جیب سے بھرا ہوا ہتھول نکال کر اسے دکھایا اور دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔

”جی بات نہیں کر رہی ہوں۔“

اسی دوران میں رمضان چاچا گرم چائے کے دو کپ لے آیا۔ ساتھ میں گھر کے بنے ہوئے بسکٹ تھے۔

چائے پیتے پیتے لازینہ کا موڈ کافی بہتر ہو گیا۔ وہ نارمل انداز میں بات کرنے لگی، بولی۔ ”اس طرح کے تنازعے شاید اسی وقت پیدا ہو گئے تھے جب پہلا انسان روئے زمین پر آچھا یا پل کہ لو کہ پہلا جاندار روئے زمین پر آچھا۔۔۔ تم سوئٹزر کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟“ اس نے اچانک پوچھا۔

”سوئٹزر؟ یہ کیا ہوتا ہے؟“

”سوئٹزر ایک پرشک جڑی بوہندوں میں پائی جاتی تھی اور شاید کسی صورت میں اب بھی موجود ہو۔ لڑکی اپنے لیے شوہر کا انتخاب کرتی تھی۔ لڑکی کے دو عیاروں کو آپس میں لڑا ہوتا تھا یا کسی بھی طرح کا مقابلہ ہوتا تھا۔ جو جیتتا تھا وہی لڑکی کا حق دار ہوتا تھا، اس کا دھما جتا تھا۔ اور میں تو جیتی ہوں مائدے۔ اب یہ رسم ہر طرح کے جانداروں میں پائی جاتی ہے۔ تم نے کتابوں میں پڑھا ہوگا، جھگل ورلڈ اور جوگراکھ وغیرہ پر بھی دیکھا ہوگا۔ جانور اسی مقدمے کے لیے آپس میں لڑتے ہیں۔“

اس نے اپنا موبائل اٹھایا۔ اس کی اسکرین پر کچھ ویر اپنی مثال کی لگی کھائی اور اسے چند تصویریں دکھائیں۔ ایک تصویر میں دو بھاری بھرے اپنی مادہ کے لیے لڑ رہے تھے۔ ایک تصویر میں دو بندر ایک کوشش میں لہو لہان تھے اور ان کی مادہ ایک درخت کی اوٹ سے یہ نگاہ دیکھ رہی تھی۔ ایک اور تصویر دو بربر پکار شیروں کی جھج جھج صورت ایک شیرنی سے ہتھیار دار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ایسی بہت سی تصاویر تھیں۔

مائدے نے ایک کھڑی ساسلی۔ ”تو تم کیا چاہتی ہو کہ میں فرقان سے لڑوں، اسے گولی مار دوں یا وہ مجھے گولی مار دے؟“

”جی تو میں نہیں چاہتی۔“ وہ اطمینان سے بولی۔ ”تم دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں ہو۔۔۔ اور یہ بالکل فطری ہے لیکن اس کے لیے ضروری نہیں کہ گولی ہی چلائی جائے۔“

”کیا کہنا چاہتی ہو لازینہ؟“

”تم دونوں ایک دوسرے کے بازو آڑا سکتے ہو۔“ وہ عجیب کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔ ”تم کالج کے

جائیوسی ڈائجسٹ 74 جنوری 2025ء



آج بھی کھانے کا دعوت نامہ نہیں آیا۔۔۔۔۔  
ہم ہر شام تیار ہو کر انتظار کرتے ہیں

”گ۔“

شاید اس کی جنونی کیفیت دیکھتے ہوئے ہی فرقان  
بڑی طرح ٹنگراتا ہوا چہ قدم پیچھے ہٹا ہوا رخ پھیر کر درختوں  
میں اوجھل ہو گیا۔ ماجد نے منہ سے خون ٹھوکا اور ہماری ہتھر  
ایک طرف پھینک دیا۔ اس نے چوہرے سانس لے کر  
قاتحانہ انداز سے لازیم کی جانب دیکھا۔ وہ جماعتی ہوئی آنٹی  
اور ماجد سے لپٹ گئی۔

وہ گلابی ساڑی کے پلوے ماجد کے ہونٹوں کا خون  
پونچھتی ہوئی اسے درختوں کے چھڑھڑھ لے آئی۔ چھڑھڑھ  
آکر وہ پوری طرح ماجد سے لپٹ گئی۔ اس کے چہرے کا  
چہرہ۔ ماجد بانٹا ہوا تھا۔ ابھی تک اس کا دل بہت شدت سے  
دھڑک رہا تھا۔ اس نے لازیم کو بازوؤں میں لے لیا۔۔۔۔۔  
بلکہ جھڑپ لیا۔ وحشت کا جو سلسلہ لڑائی میں شروع ہوا تھا وہ  
ابھی تک ختم نہیں ہوا، بس اس کی نوعیت کچھ بدل گئی تھی۔ اس  
نے لازیم کی غیبت قدی کا جواب دو دنا۔۔۔۔۔ تین کنا جوش و  
خروش سے دیا۔ اپنے چہرے کو اس کے چہرے سے قریب  
تر کر دیا۔ اس کے جسم کو چھو کر دھڑک دیا۔ وہ جراتور ہو گئی، بھر  
سی گئی۔ وہ جو بات کرتے ہوئے بھی جھجکتا تھا، بہت گرم  
جوش سے اس پر ہنسا ہوا تھا۔

☆☆☆

حالات بہت تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ ماجد  
شرط جیت گیا تھا اور غور و لا زیم اس سے شادی پر رضامند  
ہوئی تھی مگر ماجد کے گھر والے راضی نہیں تھے۔ انہیں معلوم  
ہوا تھا کہ لازیم ایک خردسال بانی لڑکی ہے۔ وہ اپنے والد  
جنوری 2025ء

دار کرنے کے لیے موقع ڈھونڈ رہے تھے۔ پھر وہ مختل  
جانوروں کی طرح ایک ایک دوسرے پر چھٹ پڑے۔ ایک  
دوسرے سے قسم کھاتے ہوئے وہ پتھر کی زمین پر  
گر پڑے۔ لہذا نہ فرقان احمد میں ماجد سے ایک دوا  
زیادہ ہی تھا۔ وہ بانی دوائے قتل نے اس کے بازوؤں میں  
اضافی طاقت پیدا کر رکھی تھی۔ اس نے گالیوں کی بوچھاڑ  
کے ساتھ ماجد کے چہرے پر ٹھونک کی بارش کر دی تاہم جلد  
ہی ماجد پلٹ کر اس کے اوپر آ گیا۔ جسمانی طاقت کے  
بارے میں تو کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا البتہ ایک سابق باکسر  
ہونے کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں فرقان کے کئے سے  
زیادہ طاقت اور ”ایکوریسی“ تھی۔ اس کے دوسرے ہی  
ہاتھ نے فرقان احمد کے ناک منہ سے خون چھڑا دیا۔

اگلے تین چار منٹ یہ وحشت لڑائی جاری رہی۔  
دونوں کو نہ صرف کاری خراب تھی بلکہ ان کے چہرے  
بھی بولہبلاں ہوتے رہے۔ ایک موقع پر تو ماجد کو ایسا  
لگا کہ وہ ہاتھ پٹختا ڈرتے فرقان احمد کے سامنے بے بس  
ہو جانے کا تاہم وہی لئے تھے جب اس کی نظر دیو قامت  
درختوں کے درمیان بے چین کھڑی لازیم پر پڑی۔ اسے  
لگا جیسے اس کے دلش بدن سے ایک خوشبو ایڑھ کر اس کے  
نتھوں میں گھسی ہے اور توانائی کی لہر بن کر اس کے رگ و  
پے میں پھیل گئی ہے۔ اس نے اپنے ذہن کو سنبھالا۔  
فرقان احمد کی چھٹاڑ کے جواب میں ایک دھاڑ بلند کی، اپنا  
سر جھکا اور پوری طاقت کے ساتھ فرقان کی کمر میں اپنے  
بازوؤں میں لپیٹ کر دیئے۔ وہ اسے دھکیلا چلا گیا کسی نہ کسی  
نی شوریدی کے ساتھ۔ وہ اپنے حریف کے قدم نہیں جتنے ہی  
نہیں دے رہا تھا۔ حریف کے ران میں ایک ہتھر  
تھا۔ وہ اس ہتھر سے مسلسل ماجد کی پشت اور ریزہ کی ہڈی  
پر ضربیں لگا رہا تھا۔ بالآخر ماجد نے اسے ایک کھائی کے  
کنارے پر پہنچا دیا۔

فرقان نے گہری کھائی کے کنارے پر سنبھلنے کی آخری  
کوشش کی لیکن سنبھل نہ سکا۔ ماجد نے پھر پٹی سے خود کو  
فرقان سے جدا کر کے اس کی چھاتی پر ٹانگ کی طوفانی  
ضرب لگائی۔ اب فرقان کے ہاتھ میں ماجد کی پٹنی ہوئی  
تھیں کے ٹکڑے تھے اور وہ ٹھپ میں لڑھکتا چلا جا رہا تھا۔

وہ ہتھروں سے ٹکراتا قریب جاسی پچاس فٹ نیچے  
جا گرا۔ جیسے کہ بعد ازاں پتا چلا اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ چکی  
تھی۔ وہ لہو لہو جسم کے ساتھ کھڑا ہوا تو تھلی پر کھڑے ماجد نے  
دھیاناً غماز میں ایک بڑا ہتھر اٹھالیا۔ ہتھر لہر کر کے وہ دھاڑا۔  
”ماردوں گا۔۔۔۔۔ جان سے ماردوں گا کھڑے کر دوں



اور بہن بھائیوں سے تعلق توڑ کر یہاں آئی ہوئی ہے۔  
انسانوں سے زیادہ اسے چرندوں، پرندوں اور حیوانات  
سے لگاؤ ہے اور اسی لگاؤ کی نسبت سے وہ یورپ وغیرہ  
جانے کے بجائے انھوں میں بجائے ہوئے ہے۔  
ماجد اور اس کے اہل خانہ میں اختلاف زور پکڑتا چلا  
گیا۔ وہ ضرورت لازماً نہ کرنا چاہتا تھا۔ نوبت یہاں تک  
پہنچی کہ والدین سے لڑ جھگڑ کر ماجد نے گھر چھوڑ دیا اور  
لازینہ کے پاس اس کی فریڈ کے دلائل آگیا۔ باپ نے  
اسے عاق کر دیا تھا۔

دوسری طرف آبادی سے دور ویران درختوں میں  
ماجد اور فرقان احمد کے درمیان جھڑپا، مار کٹائی ہوئی تھی۔  
اس میں فرقان کی ٹانگ دو جگہ سے بُری طرح ٹوٹ گئی تھی۔  
وہ علاج معالجے کے لیے پہلے ایبٹ آباد اور پھر اسلام آباد  
چلا گیا تھا۔ ان کا ایک سرکاری گھر اسلام آباد میں بھی تھا لہذا وہ  
اور اس کے ایک دو ٹیبل گھر مستقل طور پر وہیں چلے گئے  
تھے۔ طے شدہ شرائط کے مطابق فرقان نے اپنے گھر  
والوں اور عزیز واقارب کو اس سنگین جھگڑے اور چوٹ  
کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ بس یہی کہا تھا کہ ایک  
عمومی چٹان پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے گر گیا تھا۔

جن کے ایک خوشگوار دھوپ والے دن میں ماجد اور  
لازینہ کی شادی ایک مختصر قریب میں ہوگئی۔ ان دونوں  
کے اہل خانہ اس شادی میں شریک نہ ہوئے، بس چند  
دوستوں اور دور کے دو چار رشتے داروں نے ہی شرکت  
کی۔ لازینہ کی دوست اور اس کی مددگار کنول اس شادی میں  
شرکت کے لیے خصوصی طور پر بلوریدہ اسے آئی اور شرکت  
کے بعد واپس چلی گئی۔

ماجد اور لازینہ کی ازدواجی زندگی کا آغاز بڑے  
ایسے طریقے سے ہوا۔ لازینہ کے لیے ماجد ایک ٹوٹ کر  
پیار کرنے والا شریک تھا۔ وہ شب و روز اس کی  
قریب کا خواہاں تھا۔ لازینہ کے بدن کی خوشبو اسے مدھوش  
کرتی اور وہ سب کچھ بھول جاتا۔ وہ بھی ان معاملوں میں  
خاصی بے باک تھی۔ مکمل جگہ پر بھی اس سے لپٹ چکے میں  
جبکہ محسوس نہ کرتی تھی۔ کسی وقت بہت مختصر لباس پہننا بھی  
اسے اچھا لگتا تھا۔ ایک دو بار اسے ماجد کے چہرے پر  
ناگوار کی جگہ کی جھکن نظر آئی مگر جلد ہی اس کے حسن کی  
چکاچندیں اور جھلک ہوگئی۔

البتہ کسی وقت لازینہ اسے بہت خاموش اور شکر  
وکھا کرتی۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ ہیر دھاری کی وجہ سے

پریشان ہے۔ لیکن جب کچھ دن بعد اسے اپنے پرانے تعلق کی  
بتا پر کارشائس کی ایک ٹیکسری میں فورمین کی نوکری مل گئی اور  
معتول تنخواہ آنے لگی تو بھی گاہ بگاہ اس پر خاموشی اور  
افسردگی غلبہ پاتی رہی۔

ایک دن جب لازینہ بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر فارغ  
ہوئی اور اس کے پاس کبل میں کس کر بیٹھی تو اس نے اس  
کے کندھے پر ہر روتے ہوئے پوچھا۔ ”ماجد کیا بات ہے؟“  
وہ گہری سانس لے کر بولا۔ ”بس کچھ بچتا دے  
ہیں۔“

”بچتا دے..... مجھے پانے کے؟“  
”نہیں، جنہیں پانے کی تو خوشی ہی ہے، بچتا دے ان  
طریقوں پر ہے جن سے تمہیں پایا۔“  
”جان! اب ان باتوں کو چھوڑ بھی دو۔ کیا تمہیں یہ  
پسند ہوتا کہ ہماری شادی ہو جائی اور وہ ایک رقیب کی طرح  
تمہارے ارد گرد منڈلاتا رہتا۔“

”یہ تو بعد کی باتیں ہیں لازینہ! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں  
تھا کہ وہ میرا رقیب بنتا۔ اتنا برا بندہ نہیں تھا وہ..... وہ  
میرے اور تمہارے درمیان کیوں آیا..... کیوں آیا؟“  
”اس میں تمہارا قصور ہے نہ میرا۔ جو ہوتا ہوتا ہے تا  
ماجد وہ ہو کر رہتا ہے۔“

”اب بھی جو ہوتا ہے، وہ ہو کر ہی رہے گا۔“ ماجد نے  
بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔ آواز افسردہ اور اتنی دھیمی تھی  
کہ لازینہ کُن نہیں سکی۔

”کیا کیا تم نے؟“  
”کچھ نہیں، بس یہ سوچتا ہوں کہ ہماری بھون کیوں  
ہی، کس نے بنائی؟“

لازینہ کے چہرے پر رنگ سا آ کر گزر گیا مگر اسی  
دوران میں ہیر دھلیک سے اس کی دست کنول کی کال  
آگئی اور ان کی گفتگو کبیر ہونے سے پہلے ہی ختم ہوگئی۔  
لازینہ کو کسی وقت صاف پتا چلتا تھا کہ ازدواجی طور پر  
مطمئن ہونے کے باوجود ماجد کے ذہن میں مسلسل کچھ چل  
رہا ہے، چلتا جا رہا ہے۔

لازینہ اُمید سے سوچتی تھی۔ بننے آنے والے کے  
گراں اخراجات کا سوچ کر وہ زیادہ محنت کرنے لگی تھی۔  
اس کی دست کنول کے والدین بھی اب یہ پیاز کی دلا چٹا  
چاہتے تھے۔ ایک بوجھ یہ بھی لازینہ کے ذہن پر تھا کہ انہیں  
شاید کرائے کے گھر میں رہنا پڑے۔ ایک دن اس نے ماجد  
سے بھی کہہ دیا کہ وہ اپنی تنخواہ میں سے کم از کم تیرا حصہ



## زہریلی فطرت

معمول باجد وہاں موجود نہیں تھا۔ ایک مرد لہری اس کی ریزہ کی پٹی میں لپیٹی ہوئی اور بدن میں لپکتی تھی۔ وہ اپنے باپ لپٹ کر ماجد کو پکارتی ہوئی دونوں تینوں مردوں میں سے کسی رمضان چاچا سے پوچھا۔ رمضان چاچا کو بھی کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اپٹ کر کمرے میں آئی اور حباب سے کچھ کے کچھ بچے سے ہمتا ہوا ایک لفظ غلط آجایا۔ یہ ماجد کا خط تھا۔ وہ دھڑ دھڑ سے بھاگ کر آئی اور پڑھنے لگی۔

”لا زید! تم فطرت کی شیدائی ہو۔ تم ہر جذبے کو فطرت کے پیمانے پر ٹوٹو گی۔ ہو جائے جنگل کے تناظر میں کیسکی ہو اور ان میں انسانی جہت کا جذبہ بھی شامل ہے۔ میں تم سے محبت کی کمی، ایک انسان کی طرح دل و جان سے چاہتا تھا لیکن نہیں شاید انسان کی نہیں جانور کی ضرورت تھی۔ تم نے میرے اس جذبے کو اپنے قہقہے کے ترازو پر تولی اور اس ترازو کے دوسرے بازو سے میں فرخان کو رکھ دیا۔ شاید تمہیں معلوم نہیں فرخان میرا کان کا گم اور دوست تھا۔ ہم دونوں میں کسی معمولی بات پر آن بن ہوئی تھی اور ہم نے دل چاہ چھوڑ دی لیکن ایسا ہمیشہ تو نہیں رہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جلد یا بدیر ہماری دوستی اپنی ساری ستری یادوں سمیت بحال ہو جائے گی لیکن اسی دوران میں تم اپنے حسین مہرپا کے ساتھ اپنے اہقوں میں اپنی خند و فردوس کا چھنڈا ٹھانے ہمارے درمیان آ گئیں۔ تم نے ہمیں دو جانوروں کی طرح ایک دوسرے سے لڑنا چاہا اور کامیاب ہو گئی۔ میں اپنے دوست سے دیوانہ وار لڑا۔ دو شیطان والی اس غمور کی طرح جس میں وہ دونوں اپنی مادہ کے لیے لڑ رہے ہیں..... ہاں لازید! تمہارے لیے میں جانور بن گیا۔ تو ٹھیک ہے، میں جانور بن گیا تو مجھے اب جانور ہی رہنے دو۔ جنگلی حیات کے مطابق چلنا ہے تم نے تو بھر پور ہی چلو۔ تم نے زیادہ اور کوں جانتا ہو گا کہ سب حیوانوں میں بچے پالنا زیادہ ترادہ کا کام ہی ہوتا ہے۔ شہر کوئی دیکھ لو۔ زراہتی ادھ کی گود بھر کر چلا جاتا ہے..... کبھی واپس نہ آنے کے لیے، ہر بندھن سے آزاد ہو جاتا ہے۔ میں بھی جا رہا ہوں۔ اب فطرت اور جنگل کے قانون کے عین مطابق ان بچوں کو لانا پورا ستھارہ کا کام ہے۔ ہمیشہ کے لیے خدا حافظ۔“

بچے بے لگارت میں رو دو کر آسمان سر پر اشارے کرتے۔ خط لایند کے اہقوں میں لرز رہا تھا۔ اس کی کھجلی کاہن کھڑکی سے باہر پیازوں اور وادوں کے لاتناہی لیے برجی ہوئی تھیں۔

کرنا شروع کر دے کہ آگے اخراجات بڑھنے والے ہیں۔  
لازمی کے دیگر باتوں کی طرح ماحد نے یہ بات بھی  
نورامان لی حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اگر لازمی اپنے شوق پر  
ہاتھ کچھ بکھار کے یعنی پالتو جانوروں پر کچھ خرچ کرے  
تو کالی بچت ہو سکتی ہے اور تو اس کے وی آئی پی لی گئے اور  
سیاہی بیلوں کا خرچہ ہی کچھ کم نہ تھا۔

ایک دن وہ محلت شہر کی توہیں بچیس ہزار میں ایک بڑی پینٹنگ خرید لائی۔ حسب معمول یہ تصویر بھی جنگلی حیات سے متعلق ہی تھی۔ اس میں کسی کئے جنگل میں دو شیر ایک دوسرے سے پتھر آڑا تھے۔ کچھ دور نیلے پر کھڑی شیرینی انہیں دیکھ رہی تھی۔ تصویر دیوار پر آڑا کر کے وقت وہ ماجد کی طرف دیکھ کر مستحق خیر اعزاز میں مسکرا دی۔ اس کا ساتھ دینے کے لیے ماجد بھی مسکرا لیکن اس کے سینے میں جیسے انگارے سے بھر گئے تھے۔ گہری السردگی کے ایک اور لمبے درانے نے اسے ڈھانپ لیا۔

دوبھر کی بجائے سردی میں لازیئہ سے دو جڑواں بچوں کو گھم دیا۔ دونوں لڑکے تھے۔ وہ خوش تھی۔ خوش تو ماحد کو بھی ہوا چاہے حاکم پر پٹا نہیں کیوں بھی خوشی اس سے روکنے لگتی تھی۔ وہ بہت اچھن میں رہتا تھا۔ کچھ جدا طرز کی عادات تھیں لازیئہ کی۔ چاہا رمضان یا کسی بھی نفل کے سامنے وہ بلاشبہ اپنی اچھی عکس کرکچوں کو دوڑھ لٹاتی، اے باکی سے اپنی نرنگی کی کیفیات بیان کرتی اور بات نہیں تک محدود کہاں کسی۔ حاملہ ہونے سے پہلے وہ پیار محبت کے معاملات میں بھی ایسی ہی ہے باک تھی۔ وہ اس کو فطرت کے قریب ہونے کا نام دیتی تھی لیکن ماحد کو یہ حیثیت سے قریب ہونا لگتا تھا۔ کبھی کبھی اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ کافی زمانہ پورا معاشرہ وہی پتھر پر کج اس رخ پر جاری ہے۔

تین چار ہفتے مہاجد کچھ اکھاڑا کھڑا سارہا۔ محنت شہر میں ٹیکسری کا مقصد سمجھنے کے بعد بھی دیر تک کمرے باہر رہتا لائے کہ کونسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اسے اور نومولود بچوں کو بڑی طرح نظر انداز کر رہا ہے۔ کسی وقت تو اسے مہاجد کو کچھ کر ڈسائے لگتا تھا۔ اسے محسوس ہوتا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ کوئی منفی جذبہ جو اب تک جسامتی لمن کی سرگرمی میں رہا ہوا تھا اب مکمل کمر سامنے آنے والا ہے۔ اور پھر وہ سامنے آسکا۔

ایک صبح جب وہ انگڑائی لے کر اٹھی اور بے بی کارٹ  
میں سوئے بچوں کو چوم کر بستر کی بائیں جانب دیکھا تو خلاف



جنگل میں جہاں طاقت ور کی حکومت ہوتی ہے وہاں کمزور  
بے بس اور مجبور اپنی مرضی سے نہیں جی سکتا۔ جنگل کا  
قانون طاقت ور کو بادشاہی تو سونپ دیتا ہے لیکن وہاں  
تہذیب نہیں ہوتی جس کا ثبوت صدیوں سے آباد جنگل ہیں  
جہاں صرف درندگی کا راج ہے۔ یہی جنگل کا قانون اگر  
انسانی معاشرے میں تو آئے تو پھر تہذیب اپنی موت آپ مر  
جاتی ہے۔ تمدن نوخیز کٹا ہوتا ہے اور انسانی تذلیل کا نظام  
مضبوط ہو جاتا ہے۔ ایک ایسے ہی نوجوان کی داستان جس  
کی ہمت، شجاعت اور حوصلہ انسانی تذلیل کے اس نظام سے  
ٹکرا گیا تھا۔ وہ ان طاقت وروں کے سامنے سینہ سپر ہو گیا جو  
اپنی طاقت منوانا ہی انسانی عزت و وقار کی علامت سمجھتے  
تھے۔ محبت و الفت کے ساز پر مست الست نوجوان جو موت  
سے آنکھیں ملانے کی جرات رکھتا تھا۔

انسانی معاشرے میں ظلم و جبر کے خلاف  
جدوجہد جہاں درندگی کو آہنی ہاتھوں سے روکنا تھا



میں، اس سید پر میری ایک عام مطالب علم تھا۔ گاؤں کا رہنے والا تھا۔ گاؤں کے سالانہ میلے میں کبھی بیچ کے دوران چند شاہ پور والوں نے میرے کزن ڈیٹان کی ٹانگ توڑ دی۔ بات یہیں تو رہی تو شیک تھا، کچھ لوگ مجھے پونہری میں بھی ملنے دینے لگے۔ ان کی کوشش تھی کہ میں ان سے لڑ پڑوں۔ یہاں تک کہ مجھ پر تھلا نہ چلا کر دیا گیا۔ اس اناد میں فریجیر فرنی نے میرا ساتھ دیا جو ایک میرٹھ کی بیٹی تھی۔ میں گاؤں والوں کا کیا تو یہاں بھی نہیں والے میری تدبیر کرنے لگے اور مجھ پر سیاں اٹھانے لگیں کہ جیو ایل آئی آدھے دہائی مجھے سب سے زیادہ دکھائی دے تھی۔ فرنی کی مدد سے میں پھر نکلا تو انہوں نے مجھ پر تھلا نہ چلا کر دیا۔ یہ بھی مجھ پر ہاکڑ ڈیٹان کی فبت ملتی گویا ہلنے کی وجہ سے یہ ہیں ہمارا درن چوہدری کرامت تھا جو پتل ڈال رہا تھا۔ میری اور فرنی کی روٹی ایک مہبت میں بدلنے لگی تھی۔ ہم دونوں نے مستقل کام لایا کہ تھا کہ کچھ سے بعد شادی کر کے ملک سے باہر چلے جائیں گے مگر وہاں ایسا نہیں چاہتے تھے۔ میں نے سمجھا شاید سکون ہو گا لیکن دشمنوں نے مجھ پر تھلا نہ چلا کر دیا۔ میں شدید دھکی ہوا اور عدم چھ گیا۔ لیکن یہ پتا چل گیا کہ میرا ان ادیکھا نہ چوہدری کرامت ہے۔ میں نے اس کے بیٹے کو صرف دھکی کا بلکہ معذور کر دیا۔ چوہدری کرامت علاقے کے بڑے زمیندار تھان، اب نواز کا حلیف تھا۔ فرنی کی وجہ سے صلہ ہوئی۔ انہی دنوں مجھے معلوم ہوا کہ علاقے میں نشاات اٹھا سرگرم ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہیں معلوم ہوا کہ یہی چوہدری کرامت اور اس جیسے لوگوں کی سرپرستی میں ہوتا چل رہا ہے۔ میں نے اس مانا کو ختم کرنے کی ضمان لی تو میرے ہاتھوں سے قتل ہو گیا۔ انہی دنوں شہری میری دھکی میں آ گیا۔ جو اپنے شوہر شہر کو لے کر کے بھاگ گئی۔ اس کا سارا الزام مجھ پر ڈال دیا۔ مجھے گرفتار کر کے تھانے کے کھانے کی جی چڑھیل میں رکھا گیا۔ اور جوتی پنجاب کے ایک جنگل میں شادے کے پاس پناہ لی۔ وہاں ان کی خبر نہ سڑ کر میں مل لوٹ ہو گیا۔ کاشف نامی ایک لڑکے کو بچانے کے چکر میں کئی سال مجھ سے ہو گئے۔ میرے اسامہ نام پر تھا۔ میرا سامنا سیر خانی نامی زمیندار سے ہو گیا تھا۔ ان دنوں گاؤں ایک سالانہ میلے آ گیا۔ میں نے گاؤں کی بیچ میں ڈیٹان کے دشمن کی ریزہ کی ہڈی توڑ کر بدلہ لینے کا سبب چوہدری کرامت مرنے والے گاؤں کا اعلان کر کے مکمل کر سامنے آ گیا۔ یوں علاقے میں ہی ایک نئی طرح کی جنگ چھڑ گئی۔ چوہدری کرامت کی طرف سے تلے بڑھنے لگے اور میں شدید دھکی ہو کر اسپتال جا پڑا۔ ان دنوں میں شہر سے ہو کر واپس گاؤں آ گیا تھا جب شادا جنگل سے اپنے کسی دوست کی شادی میں آیا تو مجھے بھی ملنے آ گیا۔ اس نے کرامت کو لے کر دینے کا مشورہ دیا تو میں نے چوہدری کرامت کو اس کے گھر جا کر مار دیا۔ ہوا تو یہ چاہیے تھا کہ میری دھکی میں قسم ہو جاتی لیکن ان کی طرف سے دشمنوں کے وار ہونے لگے۔ جس پر یہی فیصلہ ہوا کہ مجھے گاؤں سے نکال دیا جائے۔ یہیں سے میری زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ میں شادے کی وساطت سے ایک ایسے گروپ سے وابستہ ہو گیا جس کی نہ مجھے سمجھا آئی اور نہ مجھے سمجھا گیا۔ لیکن وہ دن رات دن دن حاضر کو کچھ نہ میں لگے ہوئے تھے۔ وہاں روکر میں نے بہت کچھ سیکھا۔ پھر مجھے اپنے حوصلے اور طاقت کا اعزاز ہوا۔ میرے ساتھ وہی لوگ آ گیا جسے میں سخت پتا نہ تھا کہ کیا تھا اس نے اپنی وفاداری میں جان تک بھی داؤ پر لگا دی تھی۔ مختلف دشمنوں کی سرکوبی کے بعد ہمیں کئی زب نامی صورت کا چاکر دے دیا گیا۔ جس کے لیے ہم اس کی حویلی چاہتے۔ وہاں قدم قدم پر سازشیں تھیں۔ وہاں ہمارے لیے ایک نئی جنگ تیار تھی۔ آخر کار کس ذوق میں ہمارے خدا کی جڑ لگی۔ وہ معاملہ شتا کر ہم پھر سے جنگل میں چلے گئے۔ جہاں ہمارے کئی دشمن انتظار میں تھے۔ انہی دنوں مجھے خبر ملی کہ میرے تاجی کی کھنکھ کر دیا ہے۔ میں واپس گاؤں پہنچا اور تاجی کے قاتل کو تلاش کرنے لگا جس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ انہی دنوں عدم کے توسط سے ایک جوان بندہ بخت عرف کرئی۔ وہ پرمی گھسی گئی اور علاقے کی پوری خبر رکھتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ تاجا کے قاتلوں کو پکڑنے میں میری مدد کرے گا۔

### اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

”تم نے ایسا کیوں پوچھا ارسلان؟“ تانی اماں نے تنبیہ کی سے کہا۔  
 ”اس لیے اماں..... میں نہیں چاہتا کہ اب ہمارے خاندان پر کوئی آفتاؤ پڑے۔ یہاں ہمارے ارد گرد کوکون دشمن ہے اور کون دوست، ہم کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہمیں اب اپنا خیال خود رکھنا ہوگا۔“ اس نے تنقید میں بھرے لہجے میں کہا تو تاجا نے بہت سے کہا۔  
 ”اوسے پتر..... میں ہوں نا انجی..... دشمن انجانے میں وار کر گیا..... گھٹیا تھا..... اب غلط رہیں گے اور صرف اپنا پتاؤ

اُن رات بڑے عرصے بعد میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بٹھا تھا۔ وہاں صرف تاجی کی کئی گئی جس پر میرا دل بھر آتا تھا لیکن میں نے خود کو مضبوط ثابت کرنے کے لیے اس کا اکتہار نہیں کیا۔ بہت ساری باتیں ہوتی رہیں۔ تب اب چاکر ارسلان بھائی نے پوچھا۔  
 ”اسد، کیا ارادہ ہے تمہارا، یہیں گاؤں میں رہو گے یا چلے جاؤ گے؟“  
 ”میرا خیال ہے اب اسے کہیں نہیں جانا چاہیے۔“ ڈیٹان بھائی نے میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہہ دیا۔



ہوئے کیا، سب نے ان کی طرف دیکھا، میں خاموش رہا تو وہ کہتی چلی گئیں۔ "تیرے تایا نے اپنی بچن زندگی گزار دی ہے، وہ پوری "آٹھ" کے ساتھ گزار دی ہے۔ نہ کسی کا حق چھینا اور نہ کسی کا حق مارا۔۔۔۔۔ کسی ظلم نہیں کیا اور نہ کسی کی کیا بات کی۔۔۔۔۔ اور تیرا باپ بھی اسی طرح اپنی حیاتی گزار رہا ہے۔ ہم کسی کسی کے سامنے نہیں جھکتے۔ میں جانتی ہوں ہماری اولاد بھی اسی طرح جیے۔ کسی ظلم نہیں کرے تو کسی سے ڈب کر بھی نہیں جیتا۔"

"جی تائی اماں۔۔۔ ہم اسی طرح جیتیں گے جیسے آپ جانتی ہیں۔" میں نے ادب سے کہا۔

"تو بس بھر۔۔۔۔۔ جو تیری مرضی ہے وہ کر مچر۔۔۔۔۔ ہمارا سب بہت تیرا ہے۔" تائی اماں نے مان سے کہا تو مجھے ہوں گا جیسے وہ سب مجھے حوصلہ دے رہے ہیں، وہ مجھے کہیں بھی کھڑا نہیں دیکھنا چاہے۔ کیونکہ وہ پہلے بھی تو میری ہی مانتے تھے۔ اس سے مجھے یہ احساس بھی ہوا کہ انہیں اپنی حفاظت کا کس قدر خیال ہو گیا تھا۔ یہ ظاہر یہ عام ہی باتیں تھیں لیکن اس سے میرا دل بہت بڑا ہو گیا۔

علاقے سے تحریر کرنے والوں کا آنا جانا کا ہوا تھا۔ جب بے علاقے میں بے بات پھیل گئی تھی کہ میں نے اپنی جلدی اصل قاتل پکڑ لے تو اس پر نجانے کیا کیا انسانے بننے لگے تھے۔ میرا سارا دھیان ان لوگوں کی طرف تھا جنہوں نے میرے تایا کی کونٹان بنایا تھا۔ یہ تو معلوم تھا کہ خان باب نواز ان لوگوں کے بارے میں جانتا ہے، لیکن وہ یونہی تو جانتے والا نہیں تھا۔ میں نے اپنے ذرا لگ کر ان کے کوشش کی تو پتا چلا کہ خان باب نواز میری طرف سے بہت زیادہ متاثر ہو چکا ہے۔ اسے یہ خوف تھا کہ میں اس پر دار ضرور کروں گا۔ اس کا یہ خوف بے جا تھا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ وہ مجھے کہیں بھی مل سکا ہے اور میں اس پر ہاتھ ڈال سکتا ہوں تو میں بھی خاموش نہ بیٹھتا، میں اس پر دار کرنا چاہتا تھا لیکن میری کوشش۔۔۔ بار آور نہ ہوئی، مجھے پتا چلا کہ وہ چند دن کے لیے کہیں چلا گیا تھا۔

اس دن میں اکیلا ڈیرے کی طرف جا رہا تھا۔ جی سڑک ہونے کے باعث جب کی رفتار آہستہ تھی۔۔۔۔۔ پھر بیٹ پر میرا لوڑا بھل پڑا تھا۔ میں نے خان باب نواز کے ایک ملازم کو اپنے ایک دوست کے ذریعے ہماری لالچ دیا تھا کہ وہ مجھے صرف ان بندوں کے بارے میں بتا دے جنہوں نے تایا جی پر قاتل کیا تھا۔ میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ نجانے وہ کیا جواب دے۔ اگر اس کا جواب مثبت ملا اور وہ ہمیں بتانے پر تیار ہو گیا تو معاملہ ہی سیدھا ہو جاتا۔ لیکن اگر اس نے اپنے مالک سے وفاداری کی تو مجھ کو دوسرا مل سوتا پڑے گا۔

ہی نہیں کرنا۔۔۔۔۔ دشمن کو پتا بھی دیتا ہے کہ ہم ہیں۔ مگر نہ کر۔۔۔۔۔ میں ابھی بیٹھا ہوں۔"

"میں آپ ہی کی فکر کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ اس نے کہا۔

"میری فکر چھوڑ، خود کو مضبوط کر۔۔۔۔۔" بابا نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"سب کی باتیں ہو جائیں تو مجھے بتائیں۔ پھر مجھے بات کرنی ہے۔" اچانک بھالی رضیہ نے کہا۔

"جنہیں کیا بات کرنی ہے؟" تائی نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسد کی شادی کے بارے میں بات کرنی ہے۔" اس نے بڑے جاؤ سے کہا تو میں نے میری طرف دیکھا۔

"مگر کوئی پسند ہے تمہاری تو بتا دو، ہم وہاں۔۔۔۔۔ بھالی نے کہا جاپا تو میں نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں بھابی۔۔۔۔۔ تمہارے سامنے ہی ہے، پوچھو تو میں سے لگا بھی نہیں تھا کہ ان پکڑوں میں پڑ گیا، کیا سوچتی تھی ابھی باتیں۔۔۔۔۔"

"میں انہی پکڑوں سے نکالنے کے لیے ہی تو تھیں، ان رشتی زنجیر میں میں باغ حنا جاتی ہوں۔"

"تو پھر میں دیکھوں کوئی لڑکی؟" بھالی سلمیٰ نے جلدی سے کہا۔

"تم نہیں، میں دیکھوں گی۔ بھالی رضیہ نے کہا۔

"جب وقت آیا تو میں بتا دوں گا۔" میں نے حتیٰ کچھ میں کہا تو چھلے خاموشی چھا گئی، سچی ذیشان بھابی نے کہا۔

"میری ایک تجویز ہے اگر سب مانیں تو؟"

"یوں۔۔۔۔۔" بابا نے کہا۔

"ٹھیک ہے، اس وقت چاچا کا سایہ ہمارے سر پر ہے، ہمیں بان ہے اس پر، یہی ہمارے بزرگ ہیں، ارسلان ہے۔ یہ اپنی کھیتی باڑی کرے، ساری دیکھ بھال کرے، اب میں ٹھیک ہوں۔ میں اس کا ساتھ دوں گا لیکن اسد اب جو مرضی کرے، ہمیں اسے کسی بھی معاملے میں مجبور نہیں کرنا۔ وہ اس وقت دشمنوں میں گھرا ہوا ہے، ہم کسی طرح بھی اس کے پاؤں کی زنجیر نہ بنیں بلکہ اس کی پشت پر کھڑے ہوں۔"

"ہم پہلے کون سا ایسا۔۔۔۔۔" ارسلان نے کہا چاہا لیکن ذیشان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"جو بھی ہے۔۔۔۔۔ ہم کہیں بھی اسد کی مجبوری نہیں بنیں گے۔"

"جیسا تم چاہو۔۔۔۔۔" اس نے گویا اس کی بات مان لی۔

"من پتر۔" تائی اماں نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ہے۔ میں نے زیادہ سوال نہیں کیے اور اٹھ گیا۔  
ہم بھی محکوم پر آگئے تو اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔  
”جس دن تم نے شہزاد کو بچا تھا، اسی وقت میں نے اس  
کے گاؤں میں اپنے جاننے والے سے رابطہ کیا۔ اس نے  
ہندوں کا حلیہ وغیرہ بتایا، تو میں نے اسے سمجھ کر لگا دیا۔ وہیں  
سے مجھ پر ایک بڑا انکشاف ہوا۔“

”وہ کیا؟“ میں نے تیزی سے پوچھا۔  
”یہ بندے کسی دوسرے علاقے سے نہیں ہیں، یہیں  
کہیں کے ہیں۔ وہ سکون سے کہیں جیسے رہتے ہیں، جب کوئی  
مجموعی واردات کرنی ہوتی ہے، وہ کرتے ہیں اور پھر غائب ہو  
جاتے ہیں۔“ تو مجھ سے سب نہیں ہو سکا۔

”اس میں انکشاف والی کون سی بات ہے؟“  
”اوئے سن نا.....“ اس نے سکون سے کہا۔ ”دو برس پہلے  
مجموعی انہیوں نے اسی علاقے میں ایک قتل کیا تھا۔ بالکل بوجھان  
لوکا مارا تھا انہیوں نے۔ اس کی بی بی شادی ہوئی تھی، بچی کوئی  
بنتہ دو بنتے ہوئے تھے شادی کو..... دو لڑکیاں وہیں اپنے ماں  
باپ کے پاس نہیں گئی، یہیں اپنے سرال میں رو رہی ہے۔  
پہیں اس سے ملتا ہے۔“

”اس سے ملنے کا فائدہ؟“  
”وہ ان ہندوں کے بارے میں ”سود“ (اعزاز) دے سکتی  
ہے۔“

”تو اس میں اتنا بھان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ سیدھا  
اس سے جا کر پوچھتے ہیں۔“  
”نہیں سو بنے..... تم نہیں جانتے اس کے بارے میں.....  
وہ اپنی کشتی باڑی خود کرتی ہے..... چھوٹے موٹے بد معاش اس  
نے سارے ”غصب“ دیے ہیں۔ اب وہ بڑی گیم میں ہے اس  
لیے میں محتاط ہو کر ملنے کی بات کر رہا ہوں۔ مجھے اس کا احتیاد  
لینے کے لیے مسلسل تین دن لگے ہیں، جب جا کر وہ ملنے پر راضی  
ہوئی ہے۔“

”لکھی بھی کیا بات ہے اس میں؟“ میں نے سرسراہٹ  
ہوئے پوچھا۔

”خوٹے پر پتا چلے گا، وہ ہمارے کام کی ہے بھی یا نہیں کر  
لئے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ اس نے آخر کار پتا دیا گا کہ  
دیا۔ میں نے اس پر مزید بات نہیں کی اور جب دوڑاتا چلا گیا۔  
وہ ہمارے گاؤں سے جنوب کی طرف کوئی دس بارہ کلومیٹر کے  
فاصلے پر راتنی تھی۔ میں نے اس کے بارے میں سنا ہوا تھا کہ  
اس طرح کی کوئی چیز کے کی صورت نہ تھی ہے، کیا ہے کیوں ہے،  
ایسا میں نے بھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس میں پہلے اسی علاقے

دو تین آہٹیں میرے دماغ میں تھیں۔ اب میرے ارد گرد کے  
چھوٹے چھوٹے دشمن ختم ہو چکے تھے۔ میرے سامنے اس  
علاقے کا کلچر دشمن تھا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ جو  
چاہتا تھا، علاقے میں وہی کچھ ہوتا تھا۔ وہ طاقت کے ساتھ  
ساتھ ایک سازشی دماغ بھی رکھتا تھا۔ جب بچکے لے کھاتے  
ہوئے چارہ جی کی کالیس میں میرا خون نچا کھاتا وہ اپنی ہیر تھا۔  
میرے ہیرو کے جواب میں دوسری جانب سے نہ کم عرف دیے  
کی آواز آئی تو میں دوڑتے ہوئے بولا۔

”اوئے کہاں کر گئے ہو؟“  
”میں صبر کر..... تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں تیرے  
پاس۔“

”تو یہ کہاں اس وقت؟“ میں نے پوچھا۔  
”شہر کے گاؤں کے لیے لٹنے والا ہوں۔“ اس نے بتایا۔  
”میں لینے آ جاؤں تجھے؟“ میں نے پوچھا۔  
”نہیں..... بلکہ تو تیار رہنا..... میں سیدھا تیرے پاس  
آؤں گا وہیں سے میں نہیں جاتا ہے۔“ اس نے بتایا تو میں  
بولا۔

”میں پہنچ پھر..... میں ڈیرے پر حتمی انکشاف کر رہا ہوں۔“  
میں نے ٹون بند کر دیا۔ مجھے اس کی کی شدت سے محسوس  
ہو رہی تھی۔ اگرچہ میں خالد سے بھی رابطے میں تھا لیکن وہ بے  
چارہ کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن نہ کم میرا ہر جگہ ساتھ رہا تھا۔  
میرے اعزاز کے کے مطابق وہ تقریباً آدھے گھنٹے میں  
مجھ تک پہنچ گیا۔ وہ ہانگ پر آیا تھا۔ اس بار جب وہ میرے  
سامنے آیا تو کافی حد تک گھبراہٹا تھا۔ اس نے سوچیں بھی نہیں  
کر لی تھیں اور بال بھی کسی پر سے کیسے بندے کی طرح بھاگے  
تھے۔ وہ میرے سامنے پار پائی پر بیٹھے ہوئے بولا۔

”چل لکل..... تجھے کسی سے ملانا ہے۔“  
”کس سے، یہی کچھ بتاؤ گے؟“ میں نے پوچھا۔  
”وہ مجھے ل جاتے تو سب باتوں کا۔ میں پچھلے تین دن  
سے اس کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔“ اس نے دھیمے سے لہجہ میں  
بتایا۔

”یار اتنا جھٹس کیوں پھیلا رہے ہو؟“ میں نے آکھاہٹ  
سے پوچھا۔

”یار..... میں تجھے راستے میں بتاتا ہوں۔ چل اٹھ۔“  
اس نے کہا اور خطرہ کی اعزاز میں اٹھتے ہوئے اپنی جیب میں  
ساتھ والا ہیکریٹ کا بلیکٹ لٹال کر اس میں سے سگریٹ لیا، پھر  
لاٹری سے ہلا کر گر کٹش لے کر دھواں نکالنے میں آؤں۔ اس  
کی اس طرح کی حالت سے مجھ کو کہہ دینی طور پر کافی مضطرب





وہ بچیاں جن کی میں ڈھال بن گئی۔ میری اپنی تو کوئی اولاد نہیں مگر وہ سب میری اولاد کی طرح ہیں، میں جانتی ہوں ایک خراب کا دیکھ کیا ہوتا ہے۔ اس نے ٹھہرے ہوئے بچے میں کہا تو میں اس کی بات نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

”میں اب تک نہیں سمجھ پایا۔“  
میرے بول کہنے پر اس نے اندیم کی طرف دیکھا اور بھر بڑے جذباتی لہجے میں بولی۔ ”اندیم۔ کیا تم نہیں جانتے؟“  
”تمہاری منگھیر کے ساتھ کیا ہوا تھا؟“ اسد کو نہیں پتا تو بتاؤ اسے۔ میں اب ایسی ہی لڑکیوں کی ڈھال ہوں۔  
”انہیں اپنے بیروں پر کھڑا کر کے انہیں خود بخود رہا رہا ہوں۔ اب تو ایک محبت ہے۔ کل بچانے کتنی ہوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہی نہیں۔ یہ میرا خواب بھی ہے۔“

اندیم سر جھکائے بیٹھا تھا، اس کے چہرے پر دکھ کی گہری پرچائیاں تھیں۔ میں سمجھ گیا تھا وہ اس وقت کرب کی کس انتہا سے گزر رہا تھا۔ اگر واقعی... ایسا تھا تو محبت اس علاقے کی ایک عظیم صورت تھی۔ میں نے انہی لمحات میں فیصلہ کر لیا اس لیے کتنی لہجے میں پوچھا۔  
”کیا جانتی ہو تم؟“

”یہ دینا ہے اسد۔۔۔۔۔ یہاں کسی کو بھی سدا نہیں رہتا۔ لیکن دشمن کو ہٹا ہونا چاہیے کہ اس کے سامنے کوئی کھڑا تھا۔ میں اپنے دشمن کو جان سے مارنے کی قائل نہیں ہوں۔ ہاں مگر اسے ملے ملے مرنا ضرور دیکھنا چاہتی ہوں۔ جان سے مارنا تو وہ ایک ہی بار مر جائے گا۔۔۔۔۔ میں اُسے روز مارنا چاہتی ہوں۔ اگر تم میں بہت ہے تو اُسے روز روز مارو۔۔۔۔۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کاندھ سے کاندھ مارا کھڑی ہو جاؤں گی۔“  
”کیا میرے تاناکے کا تلوں تک پہنچانے کی یہی شرط ہے؟“ میں نے اس کا ٹیکہ کر کے رو بے فہم سے میں پوچھا۔  
”نہیں۔۔۔۔۔ بالکل بھی نہیں۔ یہ شرط نہیں۔“ اس نے قہقہے سے کہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولی۔ ”میں اس وقت تمہاری ذہنی حالت کا اندازہ کر سکتی ہوں۔ یہی جانتی ہوں کہ تم کس کس کرب سے گزر رہے ہو۔ لیکن میں نے جو باتیں کی ہیں، اسے نہ صرف سوچنا بلکہ غور بھی کرنا۔“

”وہ میں... کر لوں گا۔۔۔۔۔ ان کا پتا بتاؤ اگر تمہیں معلوم ہے تو؟“ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا تو اس کا چہرہ تن گیا۔ مجھے لگا جیسے میری بات اسے بُری لگی۔ وہ چند لمحوں پہنچ رہی مگر مجھ سے لہجے میں بولی۔

”وعدہ رہا۔۔۔۔۔ کل کا سورج چڑھنے سے پہلے۔۔۔۔۔ دونوں تمہارے پاس ہوں گے۔“

”میں اسد۔۔۔۔۔ ایسی بات نہیں۔ تم ابھی میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے ہو۔۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔۔ میں نہیں دیتی ہوں اس کا جواب۔“ یہ کہہ کر وہ چہرے خاموش رہی پھر بولی۔  
”میں جب چاہوں، ان دونوں کو خود اپنے ہاتھوں سے مار دوں۔ مگر انہیں مار دینے سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ مکمل وہیں کا وہیں رہے گا۔ اس جیسے کسی مارے ہیں۔ کتنی قسم ہو گئے اور کتنے پیدا ہو جائیں گے۔ اگر مارنا ہے تو ان کی ”ماں“ کو مارو۔۔۔۔۔ جیسے ماں سے پیدا کرتی جلی جا رہی ہے۔“  
”کون ہے ان کی ”ماں؟“ میں نے تعذیب طلب انداز میں پوچھا۔

”یعنی تمہارا بھی دشمن ہے۔ خان رب نواز۔۔۔۔۔ اس نے کہا تو اس کے لہجے میں نفرت دوکرا آئی۔ میں خاموش رہا، میں چاہتا تھا کہ جو اس کے اندر ہے، وہ باہر آ جائے۔ وہ میری طرف دیکھتی رہی کوئی ڈنکل نہ پا کر وہ کافی حد تک مجھے لہجے میں بولی، ”وہ اس علاقے میں چھوٹا خدا بنا ہوا ہے۔ چند متعلق قسم کے جرائم پیشہ لوگ اس نے اپنے غلام بنا رکھے ہیں، جیسے وہ چوہدری کرامت تھا۔ اس کی لڑکیاں اس وقت بھی کہ وہ کسی کی ایف آئی آر بھی درج کروا سکے۔ ساری آشیراؤ اس خان رب نواز کی ہوتی ہے۔“

”کیسے کر لیتا ہے وہ یہ سب کچھ؟“ میں نے کھروے لہجے میں پوچھا۔  
”وہ دیکھتا ہے کہ علاقے میں کون سا گھر، کون سا نوجوان سر اٹھا رہا ہے، وہ اسی پر نگاہ رکھتا ہے، جس سے وہ اپنے لیے خطرہ محسوس کرتا ہے، وہ بڑی خاموشی سے اس کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔“

”تم کیسے بنی ہوئی ہو۔۔۔۔۔ دو اگر اتنا ہی طاقت ور ہے تو؟“  
میں نے پوچھا تو وہ ہلکا سا مسکرا دی پھر بولی۔  
”یہی سوال اگر میں تم سے کروں تو؟“  
”ہاں کر سکتی ہو۔ لیکن پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ تم اسے اب تک مار کیوں نہیں لگی ہو۔“

”ہاں یہ سوال بنا ہے تمہارا۔۔۔۔۔ اس نے لہرا کے کہا جیسے وہ یہی کچھ مجھے سمجھانا چاہتی ہو۔ میں خاموش رہا تو وہ کتنی جلی گئی، ”میں مزاحمت کرتے کرتے جب اپنی طاقت میں آئی کہ اسے کہیں بھی مار سکتی ہوں تو میرے اندر گرد کی بجوریاں میرے پاؤں کی ذنجیر بن گئیں۔“  
”کون کی بجوریاں؟“ میں نے بے ساختہ کہا تو میرا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔

”میری طاقت، میرے ارد گرد کے لوگ ہیں، خاص طور پر جاسوسی ڈائجسٹ: ۱۱۱ جنوری ۲۰۲۵ء

کہا ہار کھ دیا۔

"کیا بات کرتی ہے بھائی؟" میں نے پوچھا اور کمانے کی طرف اچھ بڑھا دیا۔ وہ چند لمبے خاموش رہی پھر بولی۔

"تمہارا بھائی ڈیٹان آج کل بہت پریشان رہتا ہے۔ میں پوچھتی ہوں تو بھی نہیں جانتا۔۔۔۔۔ تم پوچھو تو کسی بات کیا ہے؟"

"میں پوچھ لوں گا۔ ویسے آپ کو تھوڑا بہت بھی اعزاء نہیں؟" میں نے پوچھا تو انکا میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"میں حتی طور پر تو کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن اعزاء ہی لگا سکتی ہوں۔"

"چلیں کوئی اعزاء ہی بتادیں۔" میں نے پوچھا۔  
"میرے خیال میں وہ مگر میں بڑے بڑے خود کو بے کار سمجھنے لگا ہے۔" اس نے کہا تو میں بے ساختہ بولا۔

"یہ تو پھر آپ کی کمزوری ہے۔"  
"میری کمزوری۔۔۔۔۔ مطلب۔۔۔۔۔؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"دیکھیں۔۔۔۔۔ وہ کہتے ہیں نا کہ۔۔۔۔۔ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک ثورت کا ہاتھ ہوتا ہے، آپ بھائی کو وہ حوصلہ ہی نہیں دے پاکیں۔" میں نے انتہائی تنجید کی سے کہا تو وہ سوچے ہوئے بولی۔

"بات یہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں نے بہت کوشش کی ہے۔۔۔۔۔ اس کے سامنے کی پہلو رکھے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہا کہ تم کبھی باڑی کرو۔ صرف تمہاری کرلو۔" بانی میں متضاد لوں کی۔۔۔۔۔ بھائی شہر کے سارے معاملات دیکھ لے گی۔ مگر سنا ہی نہیں۔۔۔۔۔"

"بھائی۔۔۔۔۔ آپ اُسے کچھ دوسری نگاہ سے دیکھ رہی ہیں۔۔۔۔۔ اس کے خواب ٹوٹے ہیں۔۔۔۔۔ جب خواب ٹوٹ جائیں نا تو وہ نہیں بڑرتے۔۔۔۔۔ شیشے سے بھی زیادہ نازک ہوتے ہیں۔" میں نے بے خیالی میں کہا تو خود پر حیرت ہوئی، یہ میں نے کیا کہہ دیا۔ میرے یوں کہنے پر بھائی نے مجھے غور سے دیکھا اور پھر سرسراتے ہوئے لہجہ میں بولی۔

"مطلب۔۔۔۔۔ کیسے خواب؟"

"محبت بھی کرتی ہو اس سے۔۔۔۔۔ اور اس کے خوابوں کے بارے میں بھی نہیں جانتیں۔ آپ اس کی بیوی کم اور مجھ سے زیادہ رہو تو سب کچھ مل جائے گا آپ پر۔" بانی میں بات کر لیتا ہوں بھائی سے۔۔۔۔۔ میں نے دیکھے سے لہجہ میں کہا تو وہ کئی لمبے لمبے دمکتی رہی، پھر بتا کچھ کہ اٹھ گئی۔

رات گہری ہوتی بار بار ہی۔ ہر طرف ہوا کا عالم تھا۔ میری

جنوری 2025ء

"کیا بات ہے؟" میں نے زور دے کر پوچھا۔

"کیا بات۔۔۔۔۔ اس نے کہتے ہوئے سر ہلایا تو میں ایک دم سے اٹھ گیا، پھر اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بانی باتیں ہوتی رہیں گی۔۔۔۔۔ آؤ نہ ج۔۔۔۔۔"

یہ کہہ کر میں اٹھا اور پیچھے مڑ کر۔۔۔۔۔ دیکھے بنا باہر کی جانب چل دیا۔ نہ ج بھی میرے پیچھے آ گیا۔ میں نے جپ میں بیٹھنے ہوئے ایک اپنی ہوئی لگا دکھت پر ڈالی جو دروازے میں آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ میں وہاں سے چلا آیا۔ میرے دماغ میں ایک طوفان اُٹھ آیا تھا۔

☆☆☆

میں صحت پر اپنے کمرے کے باہر کھلے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ نیچے سے آتی ہوئی روشنی سے رات کی سیاہی چھٹ چکی تھی۔ میں مسلسل کھبت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جس طرح اس نے باتیں کی ہیں، اس سے بھی کہتا تھا کہ باتو وہ جنس باتیں ہی ہیں یا پھر وہ بہت گہری عورت ہے۔ وہ کیسی تھی، یہ تو اب اس سے تعلق بڑھنے پر ہی معلوم ہوتا۔۔۔۔۔ تعلق بھی بڑھ سکا تھا اگر وہ اپنے کہنے کے مطابق ان دونوں قاتلوں کو میرے حوالے کر دیتی۔ لیکن میرے ذہن میں ایک ہی سوال تھا کہ اس نے ان دونوں کو حوالے کرنے کا تو کہہ دیا ہے لیکن ان کے بارے میں بتایا نہیں۔

نہ ج گاؤں والیں آتے ہی غائب ہو گیا تھا۔ مجھے اتنا تو احساس تھا کہ وہ نہیں۔۔۔۔۔ کہیں معروف ہوگا، ورنہ وہ میرے پاس ہی ہوتا۔ میں اس کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ میں ان دو قاتلوں کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔ میں اس معاملے میں جن لوگوں سے رابطے میں تھا، ان سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ جیسے ہی سوچا، کھبت کا دھڑکی میرے سامنے آ جاتا۔ درمیان میں صرف یہی ایک رات تھی، آج تک اس کا دم میرے سامنے مل جائے والا تھا۔

میں انہی سوچوں میں اُلجھا ہوا تھا کہ سیزمیں پر کسی کے آنے کا احساس ہوا۔ میں اس جانب متوجہ ہو گیا۔ بھی بھائی ملنے نمودار ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرسے گئی۔ وہ میرے قریب آ کر بولی۔

"یہ کچھ زوردار، میں اندر سے میز اٹھا لاؤں۔"

"او بھائی یہ کیا کیا آپ نے۔۔۔۔۔ مجھے نیچے بلالیا ہوتا، میں نیچے آ کر کھالیتا۔" یہ کہتے ہی میں اٹھ گیا تو وہ بولی۔

"کوئی بات نہیں، میں نے سوچا، یہاں تم سے بات بھی کر لوں گی۔"

میں جلدی سے اندر گیا، وہاں سے میز اٹھا لایا۔ بھائی نے

لگنے سے پہلے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

”جانا کدھر ہے؟“

”ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکا، مجھے فون کا انتظار ہے۔“ میں

نے کہا۔

”بہنیں انتظار کر لیں؟“ اس نے پوچھا۔

”ایسا کر لیں۔“ میں نے دھجھے سے کہا ہی تھا کہ فون بج

اٹھا۔ وہ کال گوی کی تھی، میں نے جلدی سے کال ریسیو کی تو

اس نے پوچھا۔

”کہاں ہو؟“

”تم بتاؤ کہاں ہو، میں گاؤں سے باہر آ گیا ہوں۔“ میں

نے کہا تو اس نے مزک کی سمت بتاتے ہوئے کہا۔

”سیدہ چلے آؤ، لیکن فون بند نہ کرنا۔“

میں نے ڈیٹان بھائی کو جب موٹر چلنے کا اشارہ کیا۔ اُس

نے تیزی سے جیب موڑی اور پھر مناسب رفتار سے چل پڑا۔ گو

دوسری طرف کسی سے کہہ رہی تھی۔

”میں تمہیں جن لوگوں کے ساتھ بھیج رہی ہوں۔ وہ

تمہیں یہاں سے نکال کر شہر تک پہنچا دیں گے۔ یہ نہ تمہیں

جانتے ہیں اور نہ تم انہیں جانتے ہو۔ میرے خاص تعلق

والے لوگ ہیں۔ چپ چاب ان کے ساتھ نکل جانا۔ یہ

میرا تم لوگوں سے وعدہ تھا وہ پورا کر رہی ہوں۔ اب اگر تم چاہو

بتا سکتے ہو، خان کی کوئی تک جانا ہے یا پھر شہر۔“

”خان کے پاس نہیں جاسکتے، شہر پہنچا دیں۔“ کسی نے

کہا۔

”میرے ساتھ جو تم لوگوں نے وعدہ کیا ہے۔ وہ تم دونوں

کو یاد ہے؟ کیا کرتا ہے۔“ گھونٹنے پوچھا۔

”بالکل یاد ہے۔ تمہارا کام کر کے ہی یہاں سے اٹھیں

گے۔“ کسی نے یقین دلا دیا۔

”دیکھو۔ میں پھر یاد دلا رہی ہوں، میں نے تمہیں

یہاں سے نکلنے میں مدد دی۔ اس کا ذکر کہیں نہیں ہونا

چاہیے۔ خان رب نواز کے سامنے بھی نہیں۔ یہ اہل ہے،

جس کا تمہیں پتا ہے۔“

”نہیں نہیں۔ تمہارا نام نہیں آئے گا لیکن تمہارا کام

کرنے کے بعد۔ پھر تمہارا احسان ہم پر نہیں ہوگا۔“

”نہ ہو۔۔۔ مجھے کام چاہیے۔ اس نے کہا تو وہاں خاموشی

چھا گئی۔ اس نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ مجھے کسی طرح کی صورت

حال سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔ میں نے اگلے چند گھنٹوں میں سوچا

لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

وراصل اس وقت میں خود پر قابو نہیں رکھ پا رہا تھا۔ میرے

بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں صحت پر تھا۔ اوپر تاروں بھرا

آسمان تھا۔ گاؤں میں برقی قندیلوں سے موڑی بہت روشنی پھیلی

ہوئی تھی۔ میں بار بار مگڑی دیکھ کر تنگ آ چکا تھا۔ اس خاموشی

میں میرا فون بھا تو میں لگا جیسے شور برپا ہو گیا ہو۔ میں نے

اسکرین پر دیکھا، اندیم کی کال تھی۔ میں نے کال ریسیو کی تو وہ

دبے دبے جوش سے بولا۔

”کل آ جا ہر۔۔۔ گھوڑا رہی ہے۔“

”کہاں پر۔۔۔؟“ میں نے بے ساختہ پوچھا۔

”کہیں تو آئے گی۔۔۔ تو باہر آ۔“ اس نے جھجھلاتے ہوئے

کہا تو ایک دم سے ٹھنک گیا۔ یونہی اک خیال دماغ میں آ گیا

کہ یہ کتنی فریب نہ ہو۔ نہ چاہے کیوں اب مجھے کسی پر اعتبار نہیں

رہا تھا۔ اب یہ یونہی ملتا تھا کہ میں صحت پر پڑا رہوں۔ میں

نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، چادر اڑھی اور سیر حیاں اتر کر

معین میں آ گیا۔ میں نے اپنی جیب پہلے ہی چھانک سے باہر تھی

میں مگڑی کی ہوئی تھی کہ اگر رات کو لٹکا بھی پڑے تو کھر والے

ڈسٹرپ نہ ہوں۔ میں جیسے ہی چھانک کی جانب بڑھا، بھی

ڈیٹان بھائی کی آواز نے میرے قدم روک لیے۔

”کہاں جا رہے ہو اسد۔۔۔؟“

”وہ باہر اندیم نے بلایا ہے۔“ میں نے سکون سے کہا تو وہ

براہِ دم سے کلن کر میرے پاس آ گیا، پھر آگے بڑھ کر بولا۔

”آؤ۔۔۔ دیکھتے ہیں۔“

”آپ رہو کھر۔ میں ابھی آ جاتا ہوں۔“ میں نے اسی

سکون سے کہا تو وہ دبے دبے ٹھٹھے میں بولا۔

”یار یہ ساری ڈسٹے داریاں تیری ہی ہیں، ہم کچھ نہیں کر

سکتے؟“

”ایسی بات نہیں ہے بھائی۔۔۔ آپ جاؤ اپنے کمرے

میں، میں دیکھتا ہوں اسے۔ ابھی آ جاتا ہوں، پھر کرتے ہیں

بات۔“ میں نے بڑے ٹھنڈے انداز میں اسے سمجھاتے

ہوئے کہا تو وہ میری طرف دیکھ رہا، پھر بڑھ کر چھانک کھول

دیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میری بات ماننے والا نہیں۔ میں نے

چپ چاپ قدم بڑھا دیے۔

میں جیب کی ڈراؤنگ سیٹ پر بیٹھا تو وہ میرے ساتھ بیٹھ

گیا۔ اندیم نے مجھے یہ بتایا ہی نہیں تھا کہ وہ مجھے کہاں لے گا۔

میں گلیوں میں سے ہوتا ہوا گاؤں سے باہر جانے والی سڑک پر

آ گیا۔ اکثر وہ مجھے سینگ لگیں مل جاتا تھا۔ وہی وہ سڑک

کنارے کھڑا سگریٹ چھوٹ کر رہا تھا۔ میں اس کے قریب جا کر

رک گیا۔ اس نے جیب میں ڈیٹان بھائی کو دیکھا تو ٹھنک گیا۔

پھر کوئی بات کے بغیر پھلکی سیٹ پر جا بیٹھا۔ بھائی نے گہرے

جاسوسی ڈائجسٹ 66 جنوری 2025ء



آجکے تھے۔ میں نے پہلی نشست کا دروازہ کھول دیا۔ پہلا ڈراما سبک کر اندر جا بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا بھی اندر جا بیٹھا۔ وہ دونوں اطمینان سے اندر بیٹھے تھے تو دوسری طرف سے دیے نے دروازہ کھول دیا۔ اس نے سر اندر کر کے پوچھا۔

”میں آگے بیٹھوں یا تم۔“

”تم بیٹھو۔“ میں نے کہا ہی تھا کہ اس نے اندر داخل ہونے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور پوری قوت سے پہلے کا دستہ اپنی طرف والے کے سر پر دے مارا۔ ڈراما آواز کے ساتھ ہی کراہا بلند ہوئی اس سے پہلے کہ میری طرف والا بکھرتا، میں نے اس کی گردن پر ہاتھ ڈالا اور دوسرے ہاتھ میں بکڑا ہوا پہل اس کے سر پر دے مارا۔ وہ چاہتے ہی تو اتنی جلدی اپنی گن یا پٹری نہیں نکال سکتے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ دیے کی طرف والا کچھ کرنا، دیے نے دھڑا دھڑا کر دیا۔ وہ میٹ پر اکڑوں ہو کر چمک گیا۔ اتنی دیر تک میں دوسرے کے سر پر ہٹ مار چکا تھا۔ کچھ گھنٹوں بعد وہ دونوں بے ہوش ہو چکے تھے۔ میں اور دیہا جس کران کے ساتھ بیٹھ گئے۔ میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔

”ڈیشان بھائی۔ جیپ کیتوں کی طرف لے چلو۔“ میرا کنبھائی تھا کہ اس نے جیپ بھاگادی۔ اگلے پندرہ منٹ بعد ہم اپنے کیتوں میں اسی جگہ پر تھے، جہاں انہوں نے میرے بتائی کوئل کیا تھا۔ بلاشبہ گرنے آتا ہوا دھواں اڑا رہا تھا۔ میں نہیں جانتا اس نے کس طرح سے انہیں گھبراہو کا اندر کھینچ کر تک پہنچایا ہوگا۔ اب یہ ڈتے داری میری کی کہ میں اس کا نام سامنے نہ آنے دیتا۔

مجھ ہونے میں بس تھوڑا سا روت ہی رہ گیا۔ گاؤں کی مسجد میں اذان ہو چکی تھی۔ وہ دونوں جیپ میں بے ہوش پڑے تھے۔ میں نے ایک کوچھ کر باہر نکالا تو وہ زمین پر گرے ہی ہوش میں آگیا۔ شاید اس وقت میرے اندر کی نفرت عود کر آئی تھی۔ میں نے پوری قوت سے ٹھوکر اس کے منہ پر ماری۔ وہ اور کئی آواز کے ساتھ زمین پر جا رہا۔ میں اسے ٹھپتے ہوئے وہاں لے آیا جہاں اس نے بتائی کوئل کیا تھا۔ جیپ کی ہیڈ لائٹ آن تھیں۔ وہ منہ کے بل زمین پر پڑا تھا۔ ڈیشان اور دیے نے دوسرے کو گھسیٹ کر باہر نکالا اور اسی طرح ٹھپتے ہوئے پہلے کے پاس لائے۔ وہ بھی ہوش میں آچکا تھا۔ میں نے دونوں کو سیدھا کیا۔ ان دونوں کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ بالکل بھی حراست نہیں کر رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں موت کا بھیاں خوف تیرا تھا۔

جنوری 2025ء

اندھ بھونکی ہوئی ایک دم سے تیز ہو گئی تھی، لیکن جس طرح گھو آئیں گھر کر لا رہی تھی، ایسے میں ضرور کوئی نہ کوئی معاملہ نہیں مچھ میں ضرور تھا۔ تو میں بھی کچھ ہاتھ کا اس سارے معاملے میں گھو کا نام نہیں آتا چاہے اس لیے میں پوری احتیاط رکھنا چاہتا تھا۔ میں نے فون خود سے مگن مدھک دور کر کے دیے کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے پوچھا۔

”تمہارے پاس کوئی ہتھیار ہے؟“

”پہل ہے۔“ اس نے تیزی سے کہا۔

”چل ٹھیک ہے۔ لیکن دھیان سے۔“ میں نے کہا اور سامنے دو بیٹھے۔ جہاں سوائے یاہڑک کے اور کچھ نہیں تھا۔

کوئی ایک کلومیٹر چلنے کے بعد مجھے ہیڈ لائٹ دکھائی دیں۔ بلاشبہ انہوں نے بھی ہماری جیپ کی ہیڈ لائٹس دیکھ لی ہوں گی، اس لیے گھونے پوچھا۔

”میں سامنے تمہاری ہی گاڑی ہے؟“

”مجھے بھی اسی سوک پر گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دے رہی ہیں۔“

”میں رک رہی ہوں، ہم بھی رک جاؤ۔“ اس نے کہا تو میں نے ڈیشان بھائی کو رکے کا اشارہ کیا۔ وہ بھی ہم سے کوئی اٹھ دس گز دور رک گئے۔ اسی لمحے کوئی آواز ابھری۔

”یہ وہ بندے ہیں۔ آؤ بے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی دو بٹے بندے سامنے کی جیپ سے اترے۔ انہوں نے چادر میں اوڑھی ہوئی تھیں۔ مجھے پورا یقین ہو گیا کہ ان کے پاس اسلحہ ضرور ہوگا۔ جس طرح انہوں نے چادر میں اوڑھی ہوئی تھیں، ان کے نیچے ضرور گن ہوگی۔ وہ مختار قدموں سے ہماری طرف آئے۔ گئے گھونے فون بند کر دیا اور اپنی گاڑی پیچھے لے جانے لگی۔ بالکل انہی لمحات میں ایک سوچ میرے دماغ میں آگئی۔ میں نے ہولے سے کہا۔

”دیے نیچے اتر۔ اور سن۔“

”بول۔“ اس نے مجھے سے کہا۔

”ان کے پاس اسلحہ ضرور ہوگا۔“ میں نے کہا۔

”تو کچھ؟“ اس نے پوچھا۔

”انہیں سمجھ دیا ہو چاہے۔ لیکن سوچ دیکھ کر۔“

”اوکے ہو گیا۔“ میں نے ہونے دوئے نیچے اتر گیا۔ میں بھی تیزی سے اتر کر نیچے سوک پر آ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ دو بٹے ہمارے قریب آجکے تھے۔ ان کی سانس چڑی ہوئی تھی۔ میرے ہاتھ میں نفل تھا جسے میں نے مگن مدھک چھپا ہوا تھا۔ دھما جیپ کی دوسری طرف تھا۔ وہ بالکل قریب

میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ میری طرف دیکھ رہے تھے۔  
 بھی میں نے ان سے پوچھا۔  
 ”یہ کچھ بچپانی ہے تم دونوں نے؟“  
 ”ہمیں صاف کرو۔۔۔ ہمارا کوئی قصور نہیں۔۔۔ ہمیں  
 تو۔۔۔ وہ کہتے ہوئے رک گیا تو میں نے پوچھا۔  
 ”یہ تو۔۔۔ رک کیوں گئے؟“  
 ”وہ ہمارے بچے مار دے گا۔“ دوسرے نے رو ہانا  
 ہوتے ہوئے کہا۔  
 ”یہ کھیل ہی ایسا ہے۔ تم کسی کو مارو۔۔۔ کوئی تمہارے  
 بچے مار دے گا۔ یہ تو موت کا کھیل کھیلنے سے پہلے سوچنا تھا نا  
 یا۔۔۔“

”جل جلدی قسم کر نہیں۔۔۔“ عیدیم نے نفرت سے کہا۔  
 ”نہیں۔۔۔ میں انہیں ایک موقع دیتا ہوں۔۔۔ بچ گئے تو  
 بچ گئے۔“ میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو ان کی  
 آنکھوں میں حیرت اتر آئی لیکن زبان سے ایک لفظ نہ کہہ  
 پائے، بھی میں نے کہا۔ ”دیکھو۔۔۔ اپنے اسی خان رب نواز کو  
 فون کرو۔۔۔ بتاؤ کہ تم کس حال میں ہو۔۔۔ وہ اگر تمہیں بچا سکتا  
 ہے تو بچالے۔۔۔ کرو فون۔۔۔“  
 ”یہ تم کیا۔۔۔“ ایک نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔  
 ”دیکھو۔۔۔ اگر وہ میرے تاجی کا قتل خود قبول کر  
 لے۔۔۔ تو میں تم دونوں کو چھوڑ دوں گا۔۔۔ یاد تم دونوں کو چھڑوا  
 کر لے جائے۔۔۔ یہ بھی کرو کرو فون۔۔۔ اپنی جان  
 چھڑاؤ۔۔۔“ میں نے خود پر قابو نہ رکھتے ہوئے کہا تو وہ دونوں  
 میری طرف حیرت سے دیکھنے لگے۔ میں خاموش رہا تو ایک  
 نے اپنی جیب سے فون نکالنے کی کوشش کی، مجھے اعزاز تھا کہ  
 وہ کوئی اسلحہ بھی نکال سکتا تھا اس لیے میں انتہائی محتاط تھا۔ اس  
 نے اپنا فون نکال لیا اور پھر نمبر پیش کرنے لگا۔ پہلی کوشش ناکام  
 گئی۔ دوسری کوشش پر فون رینگو کر لیا گیا۔ خان رب نواز کی  
 شمار آواز دھیمی سی آواز گونجی تو میں نے فون پکڑ کر اہستہ آہستہ  
 دیا۔

”اوتے بول اب۔۔۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔  
 ”سائیں۔۔۔ ہم پکڑے گئے ہیں۔۔۔“ ایک نے خوف  
 زدہ لہجے میں کہا تو چوڑوں بعد پوچھا گیا  
 ”کہاں۔۔۔ کس نے پکڑا ہے؟“  
 ”اسی لڑکے نے جس کے تاجی کو ہم نے مارا تھا۔“  
 ”اوہ۔۔۔ وہاں کہاں جا بیٹھے؟“ اس نے پوچھا تو  
 مجھے لگا بے گھر کا نام بتا دے گا اس لیے میں نے فوراً فون پکڑتے  
 ہوئے کہا۔

جاسوسی ڈائجسٹ 88 جنوری 2025ء

”خان۔۔۔ یہ میں ہوں۔۔۔ اور میرے بندوں کو کھلیک اسی  
 جگہ لے آیا ہوں جہاں انہوں نے میرے تاجی کا خون کیا تھا۔“  
 ”تو پھر میں کیا کروں؟“ اس نے انتہائی سرد مہری سے  
 پوچھا۔  
 ”یہ کرو کہ نہیں آکر بچاؤ۔۔۔ یا پھر یہ اقرار کر لو کہ قتل تم نے  
 کر دیا ہے تو پھر میرا اور تمہارا حساب سیدھا ہو جائے گا،  
 بولو۔۔۔“ میں نے حقارت سے پوچھا تو اس نے رو کھٹے لہجے  
 میں کہا۔  
 ”نہ میں تمہیں جانتا ہوں اور نہ انہیں بچاؤ ہوں۔۔۔ تم جو  
 چاہو ان کے ساتھ کرو۔۔۔ میرا کوئی واسطہ نہیں ہے کسی  
 سے۔۔۔“

”مطلب ان لوگوں کو تم جانتے بھی نہیں ہو؟“ میں نے  
 جان بوجھ کر پوچھا تو وہ بولا۔  
 ”دماغ مت خراب کرو۔۔۔“  
 ”تو سن لے پھر۔۔۔ تو اقرار کر چکے۔ تم جی اگر ذرا سی  
 بھی غیرت ہے۔۔۔ ذرا سی جتنی ہمت ہے تو بولو اقرار کرو۔۔۔“  
 میں نے شے میں کہا تو دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔  
 میں نے فون اس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ ”سن لیا۔۔۔ ایسے  
 مرتے ہو تم لوگ، جسے کوئی بچاؤ بھی نہیں۔“  
 ”یہ کہتے ہوئے میں نے ہٹل نکالا اور اس کا سیٹھی کچھ ہٹا  
 دیا۔۔۔ کچھ ڈیشان نے تیزی سے کہا۔  
 ”انہیں مجھے مارنے دو۔۔۔“

”لو تم مارو۔۔۔“ میں نے ہٹل اسے دیتے ہوئے کہا تو اس  
 نے لمبے عرصے تک نہیں کیا اور ان دونوں پر بیگزین خالی کر دیا۔  
 فائرنگ کا شور ہر طرف پھیل گیا تھا۔ مجھے اعزاز تھا کہ فائرنگ  
 کی آواز گاؤں تک ضرور گئی ہوگی۔  
 ”دیے۔۔۔ تو نکل سائڈ پر۔۔۔ لوگ تمہیں نہ دیکھیں۔“  
 میں نے کہا تو وہ سمجھ گیا۔ وہ ایک طرف کھیتوں میں چل دیا۔ کچھ  
 ہی دیر بعد وہ لگا ہوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں اور ڈیشان واپس  
 جیب میں بیٹھے اور واپسی کے لیے چل دیے۔ کسی حد تک  
 میرے من میں سکون پھیل گیا تھا۔

میری آنکھ کھلی تو باہر تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ میں صحت  
 والے کمرے سے باہر آیا تو میری نگاہ کھلی میں پڑی۔ وہاں کافی  
 لوگ جمع تھے۔ دو تین پولیس کی گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔ کئی  
 پولیس والے کھلی میں پھیلے ہوئے تھے۔ مجھے حیرت اس بات کی  
 تھی کہ اب تک مجھے چمکا کیوں نہیں کیا تھا۔ میں تیزی سے  
 نچے آؤ تو کچن میں دھری چار پائی پر بیٹھے علی رضا اور دوسم کو کھڑے نظر  
 پڑی۔ ان کے پاس اسلحان اور ڈیشان بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے

جنگل

"ناتنا کیا ہے تم نے؟" ایک دم سے ملی نے پوچھا تو وہ بولا۔

"وہ کوئی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔ اس کو سمجھ دیں ہمارے ساتھ۔"

"وہ تو نہیں جانے گا۔۔۔۔۔ لیکن ہم کچھ دیر بعد خود قاتلے آجائیں گے۔ یہ پوچھنے کے لیے کوئی نیا ہی کا تالوں کا کیا بنا۔ کہاں تک پہنچی آپ لوگوں کی تفتیش۔۔۔۔۔ پہلے بتا دیں ہمارے ساتھ میٹھے یا ہوگا۔" ملی نے کہا تو اس کے چہرے پر ہنس گیا۔ اس نے ہم سب کی طرف دیکھا اور بولا۔

"دیکھیں ہم نے اسد کو تلوے کر جاتا ہے۔ آپ نہ کریں ایسا۔ یہ کار کا ریشہ ادا ملت ہے۔"

اس سے پہلے کہ ہماری طرف سے کوئی جواب نہ آیا، اس کے ہاتھ فون نکالنا۔ وہ کال ریسیڈر کے کون سننے لگا جس طرح لمبے آگے بڑھے۔ اس کا چہرہ وحشت زدہ ہو گیا۔ وہ آدھیں مہاڑے کبھی ملی کو اور کبھی مجھے دیکھ رہا تھا۔ کال بند ہوتے ہی اس نے دیکھے سے کہا۔

"اوکے سر۔۔۔۔۔ آپ جب چاہیں آجائیں۔ میں وہاں قاتلے میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

"اوکے، وقت ملا تو آجائیں گے۔" ملی نے روکے سے انداز میں کہا تو وہ پلٹ کر باہر لڑھا چلا گیا۔ پھر وہ کبھی سے پولیس غائب ہو گئی۔ وہاں سو بڑوں لوگ بھی دھیرے دھیرے پھیل گئے۔ ہم باہر اس کے کمرے سے اٹھ کر پھرتے ہوئے آئے۔

"اب سنا کیا کیا تم نے؟" وہم نے میرے ہاتھ پر لپٹتے ہوئے پوچھا تو میں نے گاؤں آنے سے قبلے کر اب تک کی ساری ٹروڈا رستاد تو وہ بولا۔

"یاد رہے مجھ کو مطلب سمجھ لیں تو کانی کام کی خاتون ہے۔"

"مگر تم کیوں اتنی عزت اور احترام سے نام لے رہے ہو؟"

"ملی نے اس کی پشت پر ہاتھ مارنے ہوئے کہا۔

"اسد کے لیے عزت و احترام والی ہو گئی تھی میں کہہ رہا ہوں۔"

"میں سمجھ نہیں۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"او پار۔۔۔۔۔ روٹی والی کے ساتھ رہی۔ کسی کے ایک کرا ایک ہتھ پر سوتے رہے اور۔۔۔۔۔ یہ ہاتھ پاری۔۔۔۔۔ کہاں ہے اسے ہاتھ کی لگایا ہو۔ جس طرح اسے احترام دے کر رکھا، اسے ملے۔"

"واپسی۔۔۔۔۔ کب بتایا روٹی لے چھیں۔۔۔۔۔؟" ملی نے پوچھا۔

"میں بھی کوئی روٹی پہلے۔۔۔۔۔ مان لیا اسد۔۔۔۔۔ تم گیت ہو۔"

جنوری 2025ء

آجائے کہ وہ دونوں ہی سکرادے۔ میں سمجھ گیا کہ حالات قابو میں ہیں اور مجھے اب تک کیوں نہیں جانایا گیا تھا۔ میں ان سے بٹل کر دیکھ کر لاوار پھر دیکھے کچھ میں پوچھا۔

"نہیں آئے۔ مجھے جانایا کیوں نہیں؟"

"میں نے سوچا رات بڑی رہا ہے پھر تو آرام کر لے۔"

ملی نے ہونے سے کہا تو وہم بولا۔

"وہی ہے پھر تو ہم دیر پہلے آئے ہیں، بس ابھی فاتحہ ہی پڑی ہے۔"

"میں یہ کہتے ہوئے سامنے چار پائی پر بیٹھ گیا تو وہ بیٹھ گئی سے بولا۔

"ظاہر ہے، ابھی تو ہم باہر والوں کو سنا کر آئے ہیں۔"

"کیا کہتے ہیں۔۔۔۔۔؟" میں نے بیٹھ گئی سے پوچھا۔

"جیسے بڑے آئے ہیں۔" ملی نے سکراتے ہوئے کہا۔

"پھر۔۔۔۔۔؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"توڑا سمجھا ہے ابھی زبانی کالی۔۔۔۔۔ مان جائیں تو

ٹھیک۔۔۔۔۔ ورنہ پھر ابھی طرح سمجھا دیں گے۔" اس نے کہا

تاکہ تالی اماں نے ڈیشان کو تھمتے کے لیے آواز دے دی۔

ڈیشان جلدی سے اٹھا اور سب کچھ لاکر میز پر دھر دیا۔ ہم ناشتا کرنے لگے۔

میں نے رات والی بات پوری بتا دی۔ اس میں کچھ۔۔۔۔۔ کا نام کل کر کیا۔ ملی سمجھ گیا تھا اس لیے کوئی ذکر نہیں کیا۔

سبیا باتیں کرتے ہوئے ہم نے ناشتا ختم کر لیا۔

"ملی بھائی ان باہر والوں کا کیا کرتا ہے؟" اور مان نے پوچھا تو وہ سکراتے ہوئے بولا۔

"ابھی جانتے ہیں ان کے پاس۔"

"چلو آؤ چلیں پھر سکون سے بیٹھیں۔" وہم نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہم سبیا اٹھ کر باہر والے کمرے میں پہلے گئے۔

پولیس اسٹیشنر وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ میں دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ سبیا ملی نے سکون سے کہا۔

"یاد نہیں سمجھا یا ابھی ہے، پھر کیوں تم ابھی تک ہو؟"

"جنا بھئے کال پر کال آ رہی ہے۔۔۔۔۔ سبیا کہا جا رہا ہے

کہ اسد کو لے کر قاتلے آؤ۔۔۔۔۔ اب میں کیا کروں؟" اس نے بے جا رگی سے کہا۔

"دیکھو۔۔۔۔۔ تم لوگوں کے پاس کوئی وارنٹ، کوئی کاغذ ہے جس کی بنا پر اسد کو پکڑنے آئے ہو؟ اگر ہے تو ہم سب پہلے

ہیں۔" ملی نے پھر سکون سے کہا۔ اس دوران وہم فون پر بات کرنے لگا تھا۔

"جنا بھئے میں کیا کروں۔۔۔۔۔ بس حکم ہے۔" اس نے افسانہ سے کہا۔



دیسم نے چھیڑنے والے اعزاز میں کہا تو علی نے بھرپور تہنہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

شام ہونے کو تھی جب میں فریش ہو کر پیچھے محکم میں آیا۔ وہاں سبھی موجود تھے۔ بھابھایاں اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں۔ میں ان کے پاس آکر بیٹھا تو ارسلان بھائی نے انہی سے لکھ میں کہا۔

..... ”یار اسد..... تم سوتے رہے..... تمھانے نہیں جانا تھا؟“  
..... ”ہاں نہیں اب کیا ہے کا؟“

”کیا بنے کا مطلب؟“ میں نے تجھے لہجے میں پوچھا۔  
”مجھے نہیں معلوم کہ پولیس واپس کیوں چلی گئی ہے لیکن وہ“

آئیں گے ضرور..... جب انہوں نے بلایا تھا..... پھر کیوں نہیں گئے تم..... بوٹی خواہ خواہ بات بڑھ جائے گی۔“

”بڑھ جائے.....“ میں نے بے پروائی سے کہا تو اسی لمحے  
تاکلی اماں بولی۔

”ارسلان..... جب تیرے باپ کو قتل کر دیا..... تب کون آیا تھا تیرے پاس..... جس نے انصاف دیا تجھے..... کہا افس

آئی آر تک درج کروا سکے ہو؟“..... بولو.....“  
 ”وہ تو.....“ وہ کہنے لگا تو تباہی اُماں بولی۔

”پھر تم کون ہوتے ہو اسے تھانے جانے اور نہ جانے کے بارے میں کہنے والے..... اس نے تو تمہارے باب کو کچا کچور کو

پارے سے لے کر دے..... اس سے کوسہارے باپ کو مانگوں  
 ڈھونڈ کر بدلہ لے لیا اور تم..... اسے مشورہ دے رہے ہو، کیا  
 جانتے ہو تم؟“

”جن لوگوں سے اس نے دشمنی بنالی ہے، او وہ بہت طاقت ور ہیں..... ان کے سامنے اس کی ذرا بھی نہیں ملے گی۔ اب وہ

ہمیں جہنم سے نہیں رہنے دیں گے۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔“ ارسلان نے کہنا چاہا تو تباہی اماں نے سختی سے کہا۔

”خاموش ہو جا..... مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اتنے بزدل بھی ہو سکتے ہو..... وہ لڑکا جس نے تمہارے باب کا دل لالہ اُسے

تم ڈرانے دھمکانے کی کوشش کر رہے ہو.....“

سمجھنے کی کوشش کرو۔“ اس نے اکلاہٹ سے کہا تو تانکی اماں  
ٹھک کر پڑی۔

”تو سبھاؤنا..... کھل کر کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟“

یہ جہاں رہا وہ دن اے دن میں تک لریں گے.....  
روزانہ پولیس کا چھاپا رہے گا..... کب تک چلے گا یہ

ب.....

”جب یہ یہاں نہیں تھا..... تب تمہارا باپ قتل ہوا تھا

”مجھے یہ خیرت اور سی ہے، یہ اُس سے فحش کیسے کیا، دو تو پوری چٹا ہل ہے، بندے کو کھٹا جاتی ہے۔“

”پوچھا تھا..... یولی ترس آگیا اس نے بچے پر.....“  
اس پر میری بھی ہنسی کھل گئی۔ کچھ دیر یونی ادھر ادھر کی

باتوں کے بعد علی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔  
 "لو بھئی علی..... اب بہت غور سے میری بات سنو....."

”خیر ہے، اتنی سنجیدگی؟“ میں نے حیرت سے پوچھا تو وہ بولا۔

”ہاں کیونکہ میں تم سے بڑی اہم بات کرنے جا رہا ہوں۔“  
 ”بولیں۔“ میں نے کہا اور ہمت تن کو ش ہو گیا۔

”تمہیں اب کہیں نہیں جانا..... یہیں رہنا ہے۔ خان رب نواز کوئی معمول شے نہیں ہے، اس کی رسائی بڑے ایوانوں تک

ہے۔۔۔۔۔ لیکن اپنا دماغ استعمال کرو گے تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔۔۔  
باقی اس علاقے میں اور کوئی نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہاں مگر اس کے بہت

سارے مہرے ہوں گے..... وہ تمہاری راہ میں آئیں گے....." یہ کہہ کر وہ سانس لینے کو رکا تو میں نے پوچھا۔

”مجھے یہیں کیوں رہنا ہے..... کوئی خاص وجہ؟“  
 ”مجھے بھی نہیں معلوم..... لیکن یہاں رہ کر اس پورے

علاقے کو اپنا تابع کرنا ہے۔ تیرے حکم کے بغیر جھوٹا یا بھی پر  
نہ مارے..... کوشش کرنا ہر کام خود کر سکو..... باقی ہم ہیں.....

”ٹھیک ہو گیا۔“ میں نے ساری بات سمجھتے ہوئے کہا۔

”زندگی ایک باریقتی ہے۔۔۔۔۔ اس کی حفاظت کرنا۔۔۔۔۔ لیکن کہیں بھی سبوتا مت کرنا۔۔۔۔۔“ علی نے کہا تو وہم بولا۔۔۔

”اور نہ کسی پر بھروسہ کرنا.....“  
”او کے مائی لارڈ.....“ میں نے جھکتے ہوئے کہا تو وہ ہللا۔

”نہیں تو روٹی کو بیچ دوں گا تیرے پاس.....“  
اس پر ایک تہمتہ بلند ہوا۔ کچھ دیر بعد علی نے کہا۔

”نہ بھی اسد..... اب ہم چلتے ہیں.....“  
”یہ کیا بات ہوئی..... ابھی آئے اور آج ہی چل دیے، کچھ

دن تو رہیں نامیرے پاس۔" میں نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔

”تمہیں بہت سارے کام ہیں کرنے کو..... مجھے آنا تو تھا تمہارے پاس، افسوس کرنے..... مہمان پھر کسی وقت بنوں

گا۔ "اس نے کچھ اس طرح سے کہا کہ میں حریف کچھ نہ کہہ سکا۔  
کچھ دیر بعد وہ چلے گئے۔ مجھے لگا جیسے بُر سکون سنانا محض

جاسوسی ڈائجسٹ 90 جنوری 2025ء

میں نے سمجھا ہے ہوئے کہا تو وہ اسکا ہٹ سے ہوا۔  
 ”تو کیا ہمیں جینے کا کوئی حق نہیں؟“ ہم نے کسی سے کچھ  
 نہیں کہا تو کوئی کیوں ہماری زد و کوب کر رہا ہے۔  
 ”یاد پھر لیے بحث کسی ہو جائے گی۔ ہماری پہلی ترجیح اپنے  
 خاندان کو بچانا ہے اور بس۔“ میں نے کہا۔

”ہاں تو ٹھیک ہے تا۔“ میں دڑتے داری لیتا ہوں۔  
 میں اپنے گھر کی رکھائی کروں گا۔ تم دیکھو باہر۔ میں گھر  
 ہوں۔“ اس نے حتیٰ کہ مجھے میں کہا تو مجھے ہچکا ہچکا، اس نے اپنی  
 دتے داری محسوس کی تھی۔ اسے بھی اپنے ہونے کا احساس ہو گیا  
 تھا۔ ہم اسی موضوع پر کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس  
 دوران بھائی میں چائے دے گئی۔ میں نے اسے سمجھایا اور  
 حوصلہ دیا تا۔ یہی اچانک مجھے خیال آیا۔

”ذیشان بھائی۔ تم کوئی معرفت کیوں نہیں دیکھ  
 لیتے۔“

”کیا کروں۔ اگر کشتیوں میں جاتا ہوں تو یہی ارسلان  
 سوچے گا کہ میں اس کی جگہ۔“

”نہیں۔ تم ایسا کرو کہ کوئی کیلنری شروع کر دو یہاں۔  
 کوئی اچھا سا مویشیوں کا قارم بنالو۔ کسی بڑے شہر میں شفٹ  
 ہو جاؤ اور اگر مجاہد تو باہر کسی ملک چلے جاؤ۔ جو تمہارا من  
 چاہے۔“

میری بات سن کر وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر سر اٹھا کر  
 بولا۔

”یہ ذرا تھوڑا سا سکون ہو جائے پھر سوچوں گا۔ تم ایسا  
 کرو۔ آج رات دھڑا اُٹھو ہو جاؤ۔ ہو سکتا ہے پوچھیں  
 آجائے اور۔“

اس پر میں نے زیادہ بات نہیں کی میں اسے انکار بھی نہیں  
 کرنا چاہتا تھا۔ سوچو پھر اس کے پاس بیٹھ کر اٹھ گیا۔

باہر شام ڈھل گئی تھی۔ گھر میں جو تازہ آگیا تھا بلاشبہ اس کی  
 وجہ وہ خوف تھا، جو آئے والے وقت میں ہو سکتا تھا۔ اس پر بھی  
 مطمئن تھے کہ ہم نے نقل کا بدلہ لے لیا لیکن اب جو کوئی کی  
 شروعات ہو چکی تھی، وہ ابھی نادرسلان کی سمجھ میں آرہی تھی اور  
 نہ ذیشان کے۔ میں اگر گھر میں رہتا تو شاید کوئی نئی بحث چمڑ  
 جاتی۔ میں نے کچھ دیر باہر بیٹھنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے چپ  
 نکالی۔ ذہن میں یہی تھا کہ ڈیرے کا ایک چکر لگا کر گھر داخل  
 آتا ہوں۔ سولہ رے کی جانب جانے کا ارادہ کر لیا۔ چپ گھر  
 سے باہر نکال کر میں نے عزم کٹھن کر دیا۔

”عزم کہاں ہوا؟“ میں نے پوچھا۔  
 ”گھر ہوں۔“ اس نے بتایا تو میں نے کہا۔

جنوری 2025ء

میں سکون سے بولا۔

”بھائی کیا چاہتے ہو تم؟“

”مجھے میرے خاندان کی حفاظت چاہیے بس۔“ اس  
 نے دھڑک لے کر کہا تو ہاں بولے۔

”ٹھیک ہے بیٹا، ہم چلے جاتے ہیں یہاں سے۔ تم پر  
 اثر کر کے حتیٰ آئے تو ہمیں آواز دے لیتا۔ تم پہنچ جائیں  
 گے۔“

”نہیں باا نہیں۔ ایسا نہیں۔ یہ کیا کہہ دیا آپ  
 نے۔ یہ بات سننے سے پہلے ہم سر کیوں نہیں گئے۔“  
 ذیشان نے تڑپ کر کہا پھر ارسلان کی طرف دیکھ کر انتہائی  
 جذباتی لہجے میں بولا۔ ”بھائی اپنی بیوی کو اور جاؤ جہاں جانا  
 ہے۔ ان بندوں کو اسد نے نہیں، میں نے مارا تھا۔ جتنی  
 جانتے تو مجھے جانتے۔ میں جاتا ہوں تمہانے۔ میں قبول  
 کروں گا کل۔ تم جاؤ یہاں سے۔ چلے جاؤ۔ باقی رہی  
 خاندان کی بات۔ وہ ہم سنبھال لیں گے۔ جاؤ تم۔“  
 ذیشان یہ کہتے ہوئے رو پڑا۔ میں اٹھا اور اسے گلے لگا تا ہوا  
 بولا۔

”نہیں بھائی۔ کوئی بھی کہیں نہیں جائے گا۔ جب تک  
 میں ہوں نا میں دیکھوں گا۔ میں سر کیا تو پھر جرحی کرنا۔“

”ارسلان کو یہ سب کہتے ہوئے ذرا شرم نہیں آئی، ہم دو  
 بھائی اپنے خاندان کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ شرم آتا چاہیے  
 ہمیں۔“ ذیشان نے رو ہٹا ہوتے ہوئے کہا۔

”ارے چھوڑو یہ سب۔ وہ بھی آنے والے دنوں کے  
 اٹھانے خوف میں مبتلا ہے۔ اپنے تئیں وہ بھی چاہے۔ خیر  
 چھوڑو۔ اپنی بیوی سے کو مجھے چائے پلا دے۔ پھر میں  
 لکھوں کہیں۔“

”تو کہہ دے تیری بھی کچھ لگتی ہے۔“ ذیشان نے غصے میں  
 کہا تو مجھے اس پر بڑا اسی پیار آیا۔ میں نے اسے گلے سے لگایا  
 اور اصرار کر کے میں چلا گیا۔ وہاں جا کر اسے بیل پر بٹھاتے  
 ہوئے کہا۔

”اوتے بات سن۔ ارسلان کو نہیں پتا کہ ہم اس وقت  
 کہاں کھڑے ہیں۔ اسے اسی میں گم رہنے دے اور اپنے  
 آپ اپنے خاندان کو سنبھال۔ اُسے اٹھا رہے دے کشتی  
 باز کی میں۔ میں دیکھ لوں گا سب۔“

”لیکن اسے اسکی بزدلیوں والی بات نہیں کہنی چاہیے حتیٰ۔“  
 اس نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔

”وہ بزدل نہیں ہے میرے دیر۔ وہ فکر مند ہے اپنے  
 کے لیے۔ تمہارے لیے میرے لیے ہم سب کے لیے۔“

”مگر میں کیا کر رہا ہے، آڈیو پر چلتے ہیں۔“  
”چل آ جا پھر میں بتاتا ہوں۔“ اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

غلام علی ہی میں کھڑا تھا۔ وہ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے بولا۔

”تمہارے فون آنے سے پہلے غلو سے بات کر رہا تھا۔“  
”کیا کبھی یہی تھی۔“ میں نے یونہی پوچھا تو وہ بولا۔  
”بھاری سی، کبھی یہی ایک بار پھر لگاؤ۔“  
”کوئی خاص بات؟“ میں نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ کاغذ اٹکاتے ہوئے بولا۔

”چائیس۔ بس ایسے ہی کہا تھا۔“  
”کب چائیس۔؟“ میں نے پوچھا۔  
”جب تیرا من چاہیے۔“ اس نے کاغذ اٹکاتے ہوئے کہا۔

”چل ابھی چلتے ہیں۔“ میں نے جیب کو بریک لگاتے ہوئے کہا۔  
”ارے، ابھی۔ وہ یار حالات ایسے ہیں۔ ابھی شاید۔“

”فون کر کے پوچھ لو۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا تو اس نے اپنی جیب سے فون نکالا اور نمبر پیش کر کے فون کا ن سے لگا لیا۔ اس نے کوئی ایک یا دو منٹ بات کی ہوئی، پھر کال بند کر کے فون جیب میں ڈالتے ہوئے بولا۔  
”چل۔۔۔۔۔ بھاری ہے۔“  
”اوکے۔“ میں نے کہا اور جیب بڑھا دی۔

”انسانی نفسیات ہے کہ وہ ہمیشہ جتنے والے کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان جب کسی پر ظلم ہوتا دیکھتا ہے تو اس کا اندر مظلم کے ساتھ ہوتا ہے۔ بہت کم لوگ مظلم کا ساتھ دیتے ہیں جو اندر سے سنے اور کمرے ہوں۔ زیادہ تر مظلم کا ساتھ نہیں دیتے، یہ ان کی کمزوری ہوتی ہے، بزدلی یا مفاد جو بھی ہو۔“ خاتم بہت کم تھا دس ہوتے ہیں۔ وہ بزدل ہوتے ہیں اور اپنے اندر کا خوف باہر پھیلاتے ہیں تاکہ لوگ ان سے ڈر جائیں۔ وہ اسی خوف کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ خان وہی تو انہوں نے بھی ایسا ہی خوف پھیلا یا ہوا تھا اور اس خوف کے پھیلائے میں کئی ہرے علاقے میں سرگرم تھے۔ وہی اس کے دست و پاؤں دہنے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے برعکس کچھ بڑا احتیاط بھی کر رہے تھے، جن میں ایک حکمت کی بنا پر بھی ہو۔ وہ علاقے میں کافی حد تک اثر انداز تھی۔ پھر اس نے جواب دہ پورا کیا تھا، اس سے مجھے اس نے خرید لیا تھا۔

جاسوسی ڈائجسٹ 92 جنوری 2025ء

جس وقت ہم غلو کے کمرے قریب پہنچے، اس وقت تک اندر چرا پھیل چکا تھا۔ شاید پارویس کا چاند تھا جو ابھی نکل رہا تھا۔ تارکول والی سڑک سے اتر کر جیب میں سونگ پر آیا تو سامنے سفید گھر دکھائی دینے لگا۔ وہاں کافی روشنی ہو رہی تھی۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ میں نے جیب کی من میں جا کھڑی کی۔ وہ سامنے پر آدے میں ایک بیٹھی ہوئی تھی۔ میں جا کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا، پھر دھیسے سے لہجے میں بولی۔

”بڑی جلدی کی ان تانکوں کو مارنے میں۔۔۔۔۔ میں ہوتی تو کئی دن تک درب نواز کا خون خشک کیے رکھتی۔“  
”اؤنہ۔ خون خشک۔۔۔۔۔ وہ تو اب میں ویسے ہی اس کا کروں گا۔۔۔۔۔ ہر آنے والا دن۔ اس کی تباہی کا دن ہوگا۔۔۔۔۔ تم دیکھتی جانا۔۔۔۔۔ میں نے دے دے غلو سے میں کہا۔

”زب کرے۔ ایسا ہو جائے۔“ یہ کہہ کر اس نے سوچتے ہوئے طویل سانس لیا، پھر خود لائی کے سے اعجاز میں بولی۔ ”لگتا ہے۔ جو تو کہہ رہا ہے۔ کہ دکھائے گا۔ تیری جیسی بہت والا ابھی تک اس علاقے میں دیکھا نہیں میں نے۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔ مان لیتی ہوں۔“

”تیرے ماننے یا نہ ماننے سے کیا ہوگا؟ چاند چڑھے گا تو سارا جگ دیکھے گا۔ میں ختم لگاؤ۔ بات تو ایک ہی ہے نا۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔  
”ہاں یہ تو ہے۔۔۔۔۔ وقت ہی بتائے گا۔“ اس نے ہلکی سی مسکان سے کہا، جس میں چھوٹی بہت بے بسی تھی۔

”تمہارا ٹھکانہ۔۔۔۔۔ تم نے میری مدد کی۔۔۔۔۔ میرا راستہ کم کر دیا۔“ میں نے کہا تو فطری طور پر ممنونیت میرے لہجے میں اتر آئی۔ اس نے تر بھی نگاہ سے میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

”اب یہ ٹھکانہ بازی شروع کر دی تم نے۔ کیا آگے نہیں چلنا؟“

”چلنا ہے۔ کیوں نہیں چلنا۔۔۔۔۔ ورنہ میں یہ ٹھکانہ فون پر ہی اچھال دیتا۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی دھیسے سامنے دی پھر پوچھا۔

”کھانا کھاؤ گے؟“

”کھلا دو۔۔۔۔۔“ غلام نے جلدی سے کہا تو اس نے اونچی آواز میں کسی کو آواز دی۔ جس کے جواب میں ایک ملازم آ گیا۔ غلو نے غلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”یہ ہمارے خاص مہمان ہیں۔ انہیں لے جاؤ اور جو کچھ ہیں ان کی خاطر زاری کرو۔ یہ آج رات یہیں رہیں گے۔“





”کیا کرو گے؟“ اس نے پوچھا تو میں بولا۔  
 ”میں اسے ماروں گا نہیں..... میں دشمن کو مار دینے کا قائل نہیں ہوں، میں اسے زندہ رکھتا ہوں..... پھر وہ اپنے مرنے کی دعا بھی کرتا ہے۔“

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا، بس میری طرف دیکھتی رہی۔ پھر تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

”میں بھی شروع شروع میں ایسے ہی خیال رکھتی تھی، میں نے رب نواز کو بہت نقصان پہنچایا، میں نے خود کو بھی بچایا، اس پر بھی خوف رکھا لیکن اب اسے ختم کر دینا چاہتی ہوں..... اسے مزید برداشت نہیں کر سکتی۔“

یہ کہہ کر وہ ابھی اور بیڑی کے دروازے سے سگریٹ نکال کر ایک سگریٹ نکالا، اسے جلا رہا تھا اس وقت میں چھوڑ دیا۔ وہ میرے سامنے کھلتی جا رہی تھی۔ وہ خاموش بیٹھی دھواں اُڑاتی رہی۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، اور پھر وہی لڑکی اندر آگئی۔

”کچھ مزید چاہیے؟“ اس نے منمننا ہوئے پوچھا۔

”نہیں اٹھا لوں۔“ اس نے کہا۔

”کھانا لاؤں؟“ اس نے پوچھا تو کو نے میری طرف دیکھ کر اشارہ کیا۔

”نہیں..... بہت کچھ کھالیا، اب طلب نہیں رہی۔“ میں نے کہا اور اسے اٹھانے کا اشارہ کر دیا۔ وہ سب کچھ سمیٹ کر چلی گئی۔ وہ سگریٹ ختم کر چکی تھی۔ اس نے لائٹ آف کی اور بالکل میرے قریب آ کر لیٹ گئی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ نشتے میں ہے اور اب اوٹ پٹانگ حرکتیں کرے گی لیکن میں لیٹا رہا۔ تو بالکل میرے قریب ہو کر اپنے بازو سے مجھے سمیٹ لیا۔ اس کا دھڑکنے والا دل مجھے سنائی دے رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک میرے ساتھ لیٹی رہی۔ مجھے اس کے بدن سے ایسی عجیب سی ہلک آئی جیسے مٹی پر پانی کا چھڑکا کر دیا جائے تو ایک خوشگوار مہک ابھرتی ہے۔ ایسی مہک جو بدبو ش کر دینے والی ہو۔ اس کا بدن نرم نہیں تھا۔ وہ ایک ہی رات میں ساری حد تک پھلانگ لینے کے لیے تیار ہو گئی۔ مجھے لگے جیسے وہ جسمانی طور پر نہیں ذہنی طور پر بھی مفتوح ہونا چاہتی ہے۔

رات کے پچھلے پہر میں اور دویم جب عمو کے ہاں سے نکلے تو چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں واپسی پر سوچ رہا تھا کہ اب اگر علاقے میں رہتا ہے تو پورے بوش و دھاس سے رہتا ہوگا، ورنہ دشمن نہیں بھی دار کر سکتا ہے۔ مگر مفتوح کیا ہوئی، اس نے بہت ساری ایسی باتیں مجھے بتادی تھیں جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں نا، کسی آگاہی بھی خوف کا سبب بن جاتی

آگیا..... وہ یہی روشنی کے ایک جھلکے کے روپ سے تعلق رکھتا تھا اور مجھ سے محبت کا دھوکا دار تھا۔ اس نے کئی بار میرا راستہ روکا، میں نے انہو کو نہیں بتایا۔ میں سوچتی تھی کہ کہیں بات نہ بڑھ جائے۔ پھر ایک دن مجھے ضرر آگیا، میں نے اسے ابھی طرح ذلیل کیا اور ایک جھڑپی جڑو یا۔ بس وہیں سے یہ کہانی شروع ہوئی۔“

”اسی ہی تھی.....؟“ میں نے پوچھا چاہتا تو وہ بات کانٹے ہوئے بولی۔

”نہیں، ہم یہ یوٹیوٹی سے آگئے، ہمارے والدین کے درمیان شادی کی بات چلنے لگی، اس دوران انور یہاں سے بلدیائی انتخاب میں حصہ لینے کے لیے کھڑا ہوا۔ جو کسی کو پسند نہیں تھا۔ یہاں جھڑپے بھی ہوئے۔ انور جیت گیا۔ اس کے فوراً بعد ہماری شادی ہوئی اور شادی سے اگلے دن ہی اسے قتل کر دیا گیا۔“

”اور.....“ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”انور کا کوئی بھائی بہن نہیں تھا، صرف والدین تھے، یعنی میرے ساس اور سرس۔ اسی دن میں نے فیصلہ کیا تھا۔ انور کا بدلہ اور اپنے ساس اور سرس کی خدمت..... میں نے یہ دونوں کام کر لیے ہیں۔ انور کے کانٹوں کو بار بار..... اور بے چارے ساس سرسب کو پیارے ہو گئے۔“

”تو پھر اب..... یہ خیال رب نواز.....“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”انور کو اسی نے قتل کر دیا تھا اس کا مجھے بہت دیر بعد پتا چلا، جب میرے لیے مشکلات بڑھیں۔ یہ بندہ اپنے علاقے میں کسی کو سر نہیں اٹھانے دیتا۔ یہ بندہ نفسیاتی مریض ہے۔“ اس نے کہا تو میں چونک گیا۔ میں نے ہولے سے پوچھا۔

”نفسیاتی مریض..... میں سمجھا نہیں؟“

”فیصلہ ہے اُسے۔ کوئی اس کے سامنے سرائے کے نہ بیٹے۔ جو اس کے مطابق نہیں چلتا، اُسے ختم کر دیتا ہے۔ یہی اس کا میل ہے اور سمجھ لو یہی اس کا شوق.....“ اس نے نفرت سے کہا۔

وہ اب تک تین بیک لگا چکی تھی۔ جس کے اثرات دکھائی دینے لگے تھے۔ اس کی آنکھیں تو خمار آلود ہو چکی تھیں، اس کے گالوں کا رنگ بھی سرخ ہو گیا تھا۔ وہ میرے سامنے تن کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا آج کل بیٹے کے ٹوٹے پر پڑا ہوا تھا۔ ”نہیں عمو..... اب اس کا خیال میں دور کروں گا..... دیکھنا میں اس کے ساتھ کرتا کیا ہوں۔“ میں نے نفرت سے کہا۔

جاسوسی ڈائجسٹ 99 جنوری 2025ء

ہے، بالکل ایسی میری کیفیت تھی۔ اس کا مجھے پہلے اندازہ نہیں تھا۔  
 عزم نے کچھ زیادہ ہی ملی... ہوئی تھی اس لیے وہ پوری طرح ہوش میں نہیں تھا۔ وہ آٹھ گھنٹے بند کی سیٹ پر ایک لگا کر ڈانٹا۔ میں گاؤں میں داخل ہوا تو سنا تھا۔ میں عزم کو اس کے گھر کے سامنے اتار کر اپنے گھر آگیا۔ کیٹ ملازم نے کھولا تھا جو باہر والے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ چپ کھڑی کر کے میں صحن میں آتا تو مجھے احساس ہوا، میں نے اپنے گھر کی حفاظت کے لیے کوئی بندوبست نہیں کیا تھا کوئی گھنٹی کسی بھی وقت میرے گھر پر بلا بول سکتا تھا۔ اس وقت میری خینویری آگھوں سے اڑ گئی۔ میں بیڑھیاں چڑھتے ہوئے سوچنے لگا، اب مجھے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆

دو چہرہ داخل ہوئی تھی۔ میں ڈیرے پر تھا۔ میرے پاس کچھ دوست بیٹھے ہوئے تھے۔ عزم ڈرا اور چار پائی پر ادھ سے منہ لیٹا ہوا تھا۔ اس نے ہماری کھنگھو میں بیکارائنگ نہیں بھرا تھا۔ ہماری باتیں اس کے مطلب ہی کی نہیں تھیں۔ کیونکہ کبھی دوست کڑی کی باتیں کر رہے تھے۔  
 "یار عابد... گاؤں کے چٹنے بے روزگار لڑکے ہیں نا، سب کو اٹھا کر دو۔ ان کے لیے کسی کام کا بندوبست کرو۔"  
 "کیا کام کریں؟" اس نے پوچھا۔  
 "یار یہاں کوئی بڑا سا مقام ہاؤس بنالو، کوئی ٹیکسٹی لگا لو، سب کو خوش حال ہونا چاہیے۔ چہرے میں دھن گے۔" میں نے کہا تو عزم یونہی لیٹے لیٹے بولا۔  
 "اس نے نکال لگا لی ہوئی ہے۔ لے لو چہرے اس سے۔"  
 "اگل ہونم۔ یہ ایویس لگ جاتی ہیں۔ لمبی رقبے چاہئیں اس کے لیے۔"

"جلی جائیں گی۔" میں نے اتماد سے کہا۔

"پلو جمل جائے گی تو کال لیتا۔۔۔ ابھی صرف یہ سوچو کہ خانہ دہ نواز کی طرف سے خاموشی کیوں ہے؟" تمہیں تو یہ نیک نہیں پتا وہ کہاں پر ہے، علاقے میں بھی ہے یا کہیں اور ہے۔" اس نے نکلے سے کہا۔

"بات تو عزم کی شک ہے۔" احتشام نے کہا۔

"ہاں اس بارے میں اب سوچنا ہوگا۔" میں نے کہا تو انہی لمحات میں دور دراز پر ایک سرخ رنگ کی گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی۔ جیسے ہی اس نے ڈیرے پر آنے والے کچے راستے کی جانب رخ مڑا تو عابد نے سرسراہٹ ہوئے کہا۔  
 "یہ کون ہے؟"

"دیکھ لیجے ہیں کون ہے۔" میں نے کہا تو عزم بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے جلدی سے اپنا ہٹل ہاتھوں میں لیا اور کار کی جانب دیکھنے لگا۔ بائی بھی سب اٹھ کر باہر ادر ہوئے۔ میں اور عزم وہیں بیٹھے رہے۔ کچھ قائلے پر کار کی تو بھگینٹ کی طرف سے ایک لمبے قد کا اڈر عزم میں باہر آیا۔ اس نے سفاری سوٹ پہنا ہوا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ کی جانب سے ایک جھرمرا سا نوجوان اترتا۔ وہ دونوں بڑھتے ہوئے ہماری جانب آنے لگے۔ بالکل قریب آ کر اس نے سلام کیا، پھر مجھے گھس لپچے میں بولا۔

"مجھے اسد سے ملنا ہے۔"

"میں ہوں۔" میں نے کہا تو وہ ایک خالی چار پائی بیٹھے ہوئے بولا۔

"میرا نام سردار عالم ہے۔ میں یہاں کے علاقے کا انٹیکٹر ہوں۔ مجھے گاؤں سے پتا چاہم میں ڈیرے پر ہو۔"  
 "اگر آنے سے پہلے فون کر لیا ہوتا تو میں وہیں مل جاتا۔ خیر بتائیں کیا باتیں گئے، کسی، جانے یا کوئی سوزا۔" میں نے خوشگوار لہجے میں پوچھا تو وہ بلی کی سی مسکاتے ہوئے بولا۔  
 "تمہیں بہت شکریہ۔" مجھے تم سے دو چار ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"جی پوچھیں۔" میں نے ہرمن گوش ہوتے ہوئے کہا۔  
 "میں آج یہاں قیامت ہوا ہوں، میں نے ہماری بریٹنگ پر قبضہ کیا کہ تم سے ملوں، اس لیے ہمارا دی، سیدھا دھری آگیا ہوں تمہارے پاس۔"

"جی خوش آمدید۔" بتائیں میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" میں نے سکون سے کہا تو وہ خینویری سے بولا۔  
 "مجھے اس علاقے میں امن چاہیے۔ بس مجھے یہی کہنا ہے۔"

"سوری سردار عالم صاحب۔ یہ بات مجھ سے ہی نکلیں؟" میں نے روکے لپچے میں پوچھا تو وہ بولا۔

"اس لیے کہ مجھے تمہارے بارے میں خاص طور پر بتایا گیا ہے۔ پولیس کو شک ہے کہ تم لوگوں کے کیمتوں میں دو بندوں کا قتل ہوا ہے۔ اس میں جہاد ہاتھ ہے۔"

"شک ہے نا، جب ثبوت مل جائے تو آجائیں۔ اور ہاں میرے بتائیں گے تو ہوئے ہیں۔ وہیں، اسی جگہ پر۔۔۔ ان کے قاتل ابھی تک پکڑے گئے یا نہیں۔۔۔ کیا انہیں گرفت ہوئی؟" اس بارے کوئی بریٹنگ ملی ہے یا نہیں؟" میں نے دے دے نصے میں کہا تو وہ بولا۔

"پولیس کام کر رہی ہے، جب بھی ثبوت ملے، قاتل پکڑ

جنوری 2025ء جاسوسی ڈائجسٹ



لیں گے۔“

”تو پھر اگر بات کریں مجھ سے.....“ میں نے کہا تو وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، عابد کی اونچی آواز آئی۔  
 ”اسد..... ہمیں پولیس گھیر رہی ہے۔“

اس کے ساتھ ہی سردار عالم نے چشم زدن میں اپنا بطل  
نکال کر مجھ پر تان لیا۔ میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا  
تھا۔

سرمد دار عالم کے لکڑیوں پر لکھی ہوئی حکایتیں سن کر اس کی آنکھوں میں غرت جھلک رہی تھی۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ قانون کی بامعادہ میں نہیں کسی ذاتی دشمن کی وجہ سے مجھ پر پھیل جانے کوڑا ہے۔ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا پھر خجارت آ بیٹھ لکھنے لگا۔

”جنگل میں داخل ہونے سے پہلے..... جس شکاری کو جنگل کے جانوروں کے میں بارے معلومات نہیں ہوتی..... وہ بہت جلدی شکار ہو جاتا ہے..... اسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کیسے مرے گا۔“

”ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو.....“ میں

ہوئے احمد کے کہنا تھا یہ کیوں میں اس سے خوف زدہ نہیں  
 تھا۔ میں نے اپنے اوپر گزرد کیا کچھ دوست آٹھ میں ہو گئے  
 تھے۔ جبکہ کافی فاصلے پر دو جوان کھڑے دکھائی دیے جو پیچھے  
 دوڑی گئے تھے۔ ان سے ذرا فاصلے پر پولیس وہیں کھڑی تھی۔  
 انکمپننڈی سی چارپائی پر پڑا تھا۔ اس بازو اور دھماکتیں سیرھا  
 ہو کر میری طرف دھڑک رہا تھا۔

”عابد... کتنے لوگ ہیں؟“

”بہی دوسرے ہیں، تین چار فصلوں کی اوٹ میں ہو گئے ہیں۔“ میرے عقب سے عابد کی آواز کچھ تو میں نے سردار عالم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بس یہی لوگ لائے ہو مجھے جنگل کا فلسفہ پڑھانے؟“  
 ”اس کا ساقی میں تمہیں یہاں نہیں..... قہانے چل کر دیتا  
 ہوں..... وہاں جا کر بتاؤں گا..... جنگل کے کہتے ہیں..... اور  
 جانور کیا ہوتے ہیں..... سب سمجھ جاؤ گے۔“ اس نے استہزایہ  
 انداز میں کہا۔

”کیا تمہیں یقین ہے کہ تم مجھے تھانے لے جا سکو گے؟“

”میرا ارادہ تو یہی ہے۔“ اس نے نفرت بھرے لہجے میں

جاسوسی ڈائجسٹ : 96 : جنوری 2025ء

١٠٠٠

Scanned

CS CamScanner



کہا۔

”تو یہ شوق پورا کرلو۔“ میں نے سکون سے کہا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ وہ چند لمحوں تک میری آنکھوں میں دیکھتا رہا، پھر ہلکا سا کیچ بٹاتے ہوئے بولا۔

”تو..... چلو..... پھر آکر لگو.....“

”کیا تم مجھے ہو بندو کی نال پر مجھے حقانے لے جاؤ گے؟“ ایسا لیکن نہیں ہے۔ ایک کوئی مارو گے۔ تو اس کے بدلے میں تم اور تمہارے لوگ یہاں سے واپس نہیں جا سکتیں گے۔ اسے چھوڑ دو جاؤ گے۔ تمہارے بدن میں کوئی گن نہیں کھا گا۔“ میں نے اس قدر نفرت بھرے لہجے میں کہا تو ایک لمبے کو اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ منجانبہ وہ کہا سوچ کر آیا تھا کہ اتنی مزاحمت پر وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا اور دھکی آمیز لہجے میں بولا۔

”میں نے کہا ہے..... آگے لکو.....“

”کوئی وارنٹ ہے تمہارے پاس..... کوئی آرڈر..... کوئی حکم؟“ میں نے جڑ سکون لہجے میں کہا۔

”میں جو کہتا ہوں وہی وارنٹ ہے۔“ اس نے تمکمانہ لہجے میں کہا۔

”تسو..... اگلے ایک منٹ میں تم یہاں سے نہ گئے تو مجھ سے بچو گے کسی قسم کا کوئی حکومت کر..... تمہارے اور تمہارے لوگوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے، یہ مجھے بھی نہیں پتا۔ نکل جاؤ، یہی تمہارے لیے اچھا ہے.....“ اس نے انتہائی سرد مہر سے کہا۔  
اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ اس وقت میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جو بیکلے مرضی ہو جائے، اب اسے بتانا ہے کہ مراحت کے کئے گئے ہیں۔

اس وقت میں نے پورا راسک لینے کا سوچ لیا تھا، مجھے صرف لمے سے بھی کم وقت چاہیے تھا۔ وہ اپنی پوری توجہ مجھ پر مرکوز کیے ہوئے تھا۔ اس نے ایک لمے کے لیے کسی مجھ پر سے آنکھ نہیں اٹھی تھی۔ اسے بے انگلی خبر نہیں تھی کہ اس کے ساتھ آنے والے پولیس والے کہاں تک پہنچے ہیں۔ اگر اسے یاد کی آواز سنائی دے دیتی تو وہ کسی مجھ پر حملہ نہ کرتا۔ جس طرح عابد نے بتا تھا کہ اس کے ساتھ کہاں پر ہیں، وہی اس نے شخص سنا مگر وہ کیا نہیں تھا۔ سوائے بالکل خبر نہیں تھی کہ اس کے سامنے کہاں اور کس پوزیشن میں تھے۔ فطری طور پر اسے یہ جانتا تھا کہ اس کے سامنے کہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ میں اسی لمے کے انتظار میں تھا۔ یہ تو وہی نہیں سکا تھا کہ مجھ پر گولی چلائے، کیونکہ اس صورت میں وہ زخمی نہیں ہوتا۔ میرے سامنے بھی اتنا نہیں، اسلحہ لے کر آئے تھے۔ اس کی دائرہ تک اس سے

معافی نہیں ملے گی۔" اس نے دانت پیٹتے ہوئے کہا۔  
 "وہ وقت جب آئے تو دیکھ لوں گا، ابھی جو کہا ہے، وہ کرو۔" میں نے سر ہلکے میں کہا اور پلٹ کر باؤ بڑھا دیا۔  
 "دیکھ لو۔۔۔۔۔" اس نے کہا تو مجھے ایک دم سے گھبرا گیا۔  
 میں نے پوری قوت سے ایک گھونسا اس کی پٹلی میں مارا تو وہ درد سے دہرا گیا، میں نے پلٹ ہٹا کر بٹنے میں رکھا اور اس کی گردن پکڑ کر جھٹکا دیا۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی گئی۔ وہ ایک مضبوط آدمی تھا جو اتنا کچھ کہہ گیا، وہ ریت کوئی عام آدمی ہوتا تو ذرا صبر ہو چکا ہوتا۔ جس میں نے اپنی کبھی اس کی گردن پکڑ لی تھی پر ماری تو وہ مزید دہرا ہوا گیا۔ میں نے اسے گھمایا اور ڈیرے پر پہنچے ایک کمرے میں پیچک دیا۔ وہ فرش پر جا گرا۔ میں نے دائیں رخ پر دیکھا، سادہ لباس والے وہاں سے پیچھے ہٹ کر پولیس دین میں جا چکے تھے۔

یہ سب کچھ کانٹا تھا ہوا تھا۔ میں ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن ہو گیا تھا۔ مجھے باہر کمرے پر پولیس والوں کا خیال تھا۔ میں نے دور کھڑی پولیس دین کی طرف دیکھا اور انہیں... قریب آنے کے لیے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ ایک دو منٹ تک کسی نے توجہ نہیں کی، جبکہ میں انہیں مسلسل بلا تا رہا لیکن انہوں نے مجھ پر اصرار نہیں کیا۔ بلاشبہ وہ اس صورت حال کے بارے میں اپنے قاتل کو مطلع کر چکے ہوں گے۔ وہاں سے مزید غریزے آسکتے تھے۔ مجھے یہ جگہ تو بڑی چھوڑنا تھی۔ وقت بہت کم تھا۔

میں ابھی سوچ رہا تھا کہ گاؤں کی طرف سے کافی فاصلے پر موٹر سائیکلوں پر سوار لڑکوں کا ایک جھنڈا آتے ہوئے دکھائی دیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کس مقصد کے لیے آ رہے تھے۔ پولیس والوں کی آن پر نگاہ پڑ چکی ہوگی اس وقت مجھے بتانا پڑا، پولیس والوں نے بہت مشکل مندی کا ثبوت دیا۔ وین میں سے تین چار بندے نکلے اور وہ تیزی سے ہماری طرف بڑھنے لگے۔ ان کے ہاتھ خالی تھے۔ وہ مجھ سے ٹھوڑے سے فاصلے پر آ کر رک گئے تو میں نے کہا۔

"دیکھو۔۔۔۔۔ میں تو لوگوں کو کچھ نہیں کہنے والا۔۔۔۔۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں، اچھا کر بیٹھ جاؤ۔"

"باتی کدھر ہیں؟" عدم میں نے پوچھا۔  
 "دواور ہیں۔۔۔۔۔ وہ ان گھولوں میں ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا تو عدم تیزی سے سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔

"انہیں بلاؤ تو بیچ جاؤں گے۔" وہ زور دے کر کہنے لگا۔  
 "جی ایک نے انہیں آواز میں ان دونوں کو آواز دی، میں نے اگلے دو منٹ میں وہ کل کر ہمارے پاس آن کھڑے ہوئے۔

جنگل: ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۷ء، ۱۹۸۸ء، ۱۹۸۹ء، ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۱ء، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۴ء، ۱۹۹۵ء، ۱۹۹۶ء، ۱۹۹۷ء، ۱۹۹۸ء، ۱۹۹۹ء، ۲۰۰۰ء، ۲۰۰۱ء، ۲۰۰۲ء، ۲۰۰۳ء، ۲۰۰۴ء، ۲۰۰۵ء، ۲۰۰۶ء، ۲۰۰۷ء، ۲۰۰۸ء، ۲۰۰۹ء، ۲۰۱۰ء، ۲۰۱۱ء، ۲۰۱۲ء، ۲۰۱۳ء، ۲۰۱۴ء، ۲۰۱۵ء، ۲۰۱۶ء، ۲۰۱۷ء، ۲۰۱۸ء، ۲۰۱۹ء، ۲۰۲۰ء، ۲۰۲۱ء، ۲۰۲۲ء، ۲۰۲۳ء، ۲۰۲۴ء، ۲۰۲۵ء، ۲۰۲۶ء، ۲۰۲۷ء، ۲۰۲۸ء، ۲۰۲۹ء، ۲۰۳۰ء، ۲۰۳۱ء، ۲۰۳۲ء، ۲۰۳۳ء، ۲۰۳۴ء، ۲۰۳۵ء، ۲۰۳۶ء، ۲۰۳۷ء، ۲۰۳۸ء، ۲۰۳۹ء، ۲۰۴۰ء، ۲۰۴۱ء، ۲۰۴۲ء، ۲۰۴۳ء، ۲۰۴۴ء، ۲۰۴۵ء، ۲۰۴۶ء، ۲۰۴۷ء، ۲۰۴۸ء، ۲۰۴۹ء، ۲۰۵۰ء، ۲۰۵۱ء، ۲۰۵۲ء، ۲۰۵۳ء، ۲۰۵۴ء، ۲۰۵۵ء، ۲۰۵۶ء، ۲۰۵۷ء، ۲۰۵۸ء، ۲۰۵۹ء، ۲۰۶۰ء، ۲۰۶۱ء، ۲۰۶۲ء، ۲۰۶۳ء، ۲۰۶۴ء، ۲۰۶۵ء، ۲۰۶۶ء، ۲۰۶۷ء، ۲۰۶۸ء، ۲۰۶۹ء، ۲۰۷۰ء، ۲۰۷۱ء، ۲۰۷۲ء، ۲۰۷۳ء، ۲۰۷۴ء، ۲۰۷۵ء، ۲۰۷۶ء، ۲۰۷۷ء، ۲۰۷۸ء، ۲۰۷۹ء، ۲۰۸۰ء، ۲۰۸۱ء، ۲۰۸۲ء، ۲۰۸۳ء، ۲۰۸۴ء، ۲۰۸۵ء، ۲۰۸۶ء، ۲۰۸۷ء، ۲۰۸۸ء، ۲۰۸۹ء، ۲۰۹۰ء، ۲۰۹۱ء، ۲۰۹۲ء، ۲۰۹۳ء، ۲۰۹۴ء، ۲۰۹۵ء، ۲۰۹۶ء، ۲۰۹۷ء، ۲۰۹۸ء، ۲۰۹۹ء، ۲۱۰۰ء، ۲۱۰۱ء، ۲۱۰۲ء، ۲۱۰۳ء، ۲۱۰۴ء، ۲۱۰۵ء، ۲۱۰۶ء، ۲۱۰۷ء، ۲۱۰۸ء، ۲۱۰۹ء، ۲۱۱۰ء، ۲۱۱۱ء، ۲۱۱۲ء، ۲۱۱۳ء، ۲۱۱۴ء، ۲۱۱۵ء، ۲۱۱۶ء، ۲۱۱۷ء، ۲۱۱۸ء، ۲۱۱۹ء، ۲۱۲۰ء، ۲۱۲۱ء، ۲۱۲۲ء، ۲۱۲۳ء، ۲۱۲۴ء، ۲۱۲۵ء، ۲۱۲۶ء، ۲۱۲۷ء، ۲۱۲۸ء، ۲۱۲۹ء، ۲۱۳۰ء، ۲۱۳۱ء، ۲۱۳۲ء، ۲۱۳۳ء، ۲۱۳۴ء، ۲۱۳۵ء، ۲۱۳۶ء، ۲۱۳۷ء، ۲۱۳۸ء، ۲۱۳۹ء، ۲۱۴۰ء، ۲۱۴۱ء، ۲۱۴۲ء، ۲۱۴۳ء، ۲۱۴۴ء، ۲۱۴۵ء، ۲۱۴۶ء، ۲۱۴۷ء، ۲۱۴۸ء، ۲۱۴۹ء، ۲۱۵۰ء، ۲۱۵۱ء، ۲۱۵۲ء، ۲۱۵۳ء، ۲۱۵۴ء، ۲۱۵۵ء، ۲۱۵۶ء، ۲۱۵۷ء، ۲۱۵۸ء، ۲۱۵۹ء، ۲۱۶۰ء، ۲۱۶۱ء، ۲۱۶۲ء، ۲۱۶۳ء، ۲۱۶۴ء، ۲۱۶۵ء، ۲۱۶۶ء، ۲۱۶۷ء، ۲۱۶۸ء، ۲۱۶۹ء، ۲۱۷۰ء، ۲۱۷۱ء، ۲۱۷۲ء، ۲۱۷۳ء، ۲۱۷۴ء، ۲۱۷۵ء، ۲۱۷۶ء، ۲۱۷۷ء، ۲۱۷۸ء، ۲۱۷۹ء، ۲۱۸۰ء، ۲۱۸۱ء، ۲۱۸۲ء، ۲۱۸۳ء، ۲۱۸۴ء، ۲۱۸۵ء، ۲۱۸۶ء، ۲۱۸۷ء، ۲۱۸۸ء، ۲۱۸۹ء، ۲۱۹۰ء، ۲۱۹۱ء، ۲۱۹۲ء، ۲۱۹۳ء، ۲۱۹۴ء، ۲۱۹۵ء، ۲۱۹۶ء، ۲۱۹۷ء، ۲۱۹۸ء، ۲۱۹۹ء، ۲۲۰۰ء، ۲۲۰۱ء، ۲۲۰۲ء، ۲۲۰۳ء، ۲۲۰۴ء، ۲۲۰۵ء، ۲۲۰۶ء، ۲۲۰۷ء، ۲۲۰۸ء، ۲۲۰۹ء، ۲۲۱۰ء، ۲۲۱۱ء، ۲۲۱۲ء، ۲۲۱۳ء، ۲۲۱۴ء، ۲۲۱۵ء، ۲۲۱۶ء، ۲۲۱۷ء، ۲۲۱۸ء، ۲۲۱۹ء، ۲۲۲۰ء، ۲۲۲۱ء، ۲۲۲۲ء، ۲۲۲۳ء، ۲۲۲۴ء، ۲۲۲۵ء، ۲۲۲۶ء، ۲۲۲۷ء، ۲۲۲۸ء، ۲۲۲۹ء، ۲۲۳۰ء، ۲۲۳۱ء، ۲۲۳۲ء، ۲۲۳۳ء، ۲۲۳۴ء، ۲۲۳۵ء، ۲۲۳۶ء، ۲۲۳۷ء، ۲۲۳۸ء، ۲۲۳۹ء، ۲۲۴۰ء، ۲۲۴۱ء، ۲۲۴۲ء، ۲۲۴۳ء، ۲۲۴۴ء، ۲۲۴۵ء، ۲۲۴۶ء، ۲۲۴۷ء، ۲۲۴۸ء، ۲۲۴۹ء، ۲۲۵۰ء، ۲۲۵۱ء، ۲۲۵۲ء، ۲۲۵۳ء، ۲۲۵۴ء، ۲۲۵۵ء، ۲۲۵۶ء، ۲۲۵۷ء، ۲۲۵۸ء، ۲۲۵۹ء، ۲۲۶۰ء، ۲۲۶۱ء، ۲۲۶۲ء، ۲۲۶۳ء، ۲۲۶۴ء، ۲۲۶۵ء، ۲۲۶۶ء، ۲۲۶۷ء، ۲۲۶۸ء، ۲۲۶۹ء، ۲۲۷۰ء، ۲۲۷۱ء، ۲۲۷۲ء، ۲۲۷۳ء، ۲۲۷۴ء، ۲۲۷۵ء، ۲۲۷۶ء، ۲۲۷۷ء، ۲۲۷۸ء، ۲۲۷۹ء، ۲۲۸۰ء، ۲۲۸۱ء، ۲۲۸۲ء، ۲۲۸۳ء، ۲۲۸۴ء، ۲۲۸۵ء، ۲۲۸۶ء، ۲۲۸۷ء، ۲۲۸۸ء، ۲۲۸۹ء، ۲۲۹۰ء، ۲۲۹۱ء، ۲۲۹۲ء، ۲۲۹۳ء، ۲۲۹۴ء، ۲۲۹۵ء، ۲۲۹۶ء، ۲۲۹۷ء، ۲۲۹۸ء، ۲۲۹۹ء، ۲۳۰۰ء، ۲۳۰۱ء، ۲۳۰۲ء، ۲۳۰۳ء، ۲۳۰۴ء، ۲۳۰۵ء، ۲۳۰۶ء، ۲۳۰۷ء، ۲۳۰۸ء، ۲۳۰۹ء، ۲۳۱۰ء، ۲۳۱۱ء، ۲۳۱۲ء، ۲۳۱۳ء، ۲۳۱۴ء، ۲۳۱۵ء، ۲۳۱۶ء، ۲۳۱۷ء، ۲۳۱۸ء، ۲۳۱۹ء، ۲۳۲۰ء، ۲۳۲۱ء، ۲۳۲۲ء، ۲۳۲۳ء، ۲۳۲۴ء، ۲۳۲۵ء، ۲۳۲۶ء، ۲۳۲۷ء، ۲۳۲۸ء، ۲۳۲۹ء، ۲۳۳۰ء، ۲۳۳۱ء، ۲۳۳۲ء، ۲۳۳۳ء، ۲۳۳۴ء، ۲۳۳۵ء، ۲۳۳۶ء، ۲۳۳۷ء، ۲۳۳۸ء، ۲۳۳۹ء، ۲۳۴۰ء، ۲۳۴۱ء، ۲۳۴۲ء، ۲۳۴۳ء، ۲۳۴۴ء، ۲۳۴۵ء، ۲۳۴۶ء، ۲۳۴۷ء، ۲۳۴۸ء، ۲۳۴۹ء، ۲۳۵۰ء، ۲۳۵۱ء، ۲۳۵۲ء، ۲۳۵۳ء، ۲۳۵۴ء، ۲۳۵۵ء، ۲۳۵۶ء، ۲۳۵۷ء، ۲۳۵۸ء، ۲۳۵۹ء، ۲۳۶۰ء، ۲۳۶۱ء، ۲۳۶۲ء، ۲۳۶۳ء، ۲۳۶۴ء، ۲۳۶۵ء، ۲۳۶۶ء، ۲۳۶۷ء، ۲۳۶۸ء، ۲۳۶۹ء، ۲۳۷۰ء، ۲۳۷۱ء، ۲۳۷۲ء، ۲۳۷۳ء، ۲۳۷۴ء، ۲۳۷۵ء، ۲۳۷۶ء، ۲۳۷۷ء، ۲۳۷۸ء، ۲۳۷۹ء، ۲۳۸۰ء، ۲۳۸۱ء، ۲۳۸۲ء، ۲۳۸۳ء، ۲۳۸۴ء، ۲۳۸۵ء، ۲۳۸۶ء، ۲۳۸۷ء، ۲۳۸۸ء، ۲۳۸۹ء، ۲۳۹۰ء، ۲۳۹۱ء، ۲۳۹۲ء، ۲۳۹۳ء، ۲۳۹۴ء، ۲۳۹۵ء، ۲۳۹۶ء، ۲۳۹۷ء، ۲۳۹۸ء، ۲۳۹۹ء، ۲۴۰۰ء، ۲۴۰۱ء، ۲۴۰۲ء، ۲۴۰۳ء، ۲۴۰۴ء، ۲۴۰۵ء، ۲۴۰۶ء، ۲۴۰۷ء، ۲۴۰۸ء، ۲۴۰۹ء، ۲۴۱۰ء، ۲۴۱۱ء، ۲۴۱۲ء، ۲۴۱۳ء، ۲۴۱۴ء، ۲۴۱۵ء، ۲۴۱۶ء، ۲۴۱۷ء، ۲۴۱۸ء، ۲۴۱۹ء، ۲۴۲۰ء، ۲۴۲۱ء، ۲۴۲۲ء، ۲۴۲۳ء، ۲۴۲۴ء، ۲۴۲۵ء، ۲۴۲۶ء، ۲۴۲۷ء، ۲۴۲۸ء، ۲۴۲۹ء، ۲۴۳۰ء، ۲۴۳۱ء، ۲۴۳۲ء، ۲۴۳۳ء، ۲۴۳۴ء، ۲۴۳۵ء، ۲۴۳۶ء، ۲۴۳۷ء، ۲۴۳۸ء، ۲۴۳۹ء، ۲۴۴۰ء، ۲۴۴۱ء، ۲۴۴۲ء، ۲۴۴۳ء، ۲۴۴۴ء، ۲۴۴۵ء، ۲۴۴۶ء، ۲۴۴۷ء، ۲۴۴۸ء، ۲۴۴۹ء، ۲۴۵۰ء، ۲۴۵۱ء، ۲۴۵۲ء، ۲۴۵۳ء، ۲۴۵۴ء، ۲۴۵۵ء، ۲۴۵۶ء، ۲۴۵۷ء، ۲۴۵۸ء، ۲۴۵۹ء، ۲۴۶۰ء، ۲۴۶۱ء، ۲۴۶۲ء، ۲۴۶۳ء، ۲۴۶۴ء، ۲۴۶۵ء، ۲۴۶۶ء، ۲۴۶۷ء، ۲۴۶۸ء، ۲۴۶۹ء، ۲۴۷۰ء، ۲۴۷۱ء، ۲۴۷۲ء، ۲۴۷۳ء، ۲۴۷۴ء، ۲۴۷۵ء، ۲۴۷۶ء، ۲۴۷۷ء، ۲۴۷۸ء، ۲۴۷۹ء، ۲۴۸۰ء، ۲۴۸۱ء، ۲۴۸۲ء، ۲۴۸۳ء، ۲۴۸۴ء، ۲۴۸۵ء، ۲۴۸۶ء، ۲۴۸۷ء، ۲۴۸۸ء، ۲۴۸۹ء، ۲۴۹۰ء، ۲۴۹۱ء، ۲۴۹۲ء، ۲۴۹۳ء، ۲۴۹۴ء، ۲۴۹۵ء، ۲۴۹۶ء، ۲۴۹۷ء، ۲۴۹۸ء، ۲۴۹۹ء، ۲۵۰۰ء، ۲۵۰۱ء، ۲۵۰۲ء، ۲۵۰۳ء، ۲۵۰۴ء، ۲۵۰۵ء، ۲۵۰۶ء، ۲۵۰۷ء، ۲۵۰۸ء، ۲۵۰۹ء، ۲۵۱۰ء، ۲۵۱۱ء، ۲۵۱۲ء، ۲۵۱۳ء، ۲۵۱۴ء، ۲۵۱۵ء، ۲۵۱۶ء، ۲۵۱۷ء، ۲۵۱۸ء، ۲۵۱۹ء، ۲۵۲۰ء، ۲۵۲۱ء، ۲۵۲۲ء، ۲۵۲۳ء، ۲۵۲۴ء، ۲۵۲۵ء، ۲۵۲۶ء، ۲۵۲۷ء، ۲۵۲۸ء، ۲۵۲۹ء، ۲۵۳۰ء، ۲۵۳۱ء، ۲۵۳۲ء، ۲۵۳۳ء، ۲۵۳۴ء، ۲۵۳۵ء، ۲۵۳۶ء، ۲۵۳۷ء، ۲۵۳۸ء، ۲۵۳۹ء، ۲۵۴۰ء، ۲۵۴۱ء، ۲۵۴۲ء، ۲۵۴۳ء، ۲۵۴۴ء، ۲۵۴۵ء، ۲۵۴۶ء، ۲۵۴۷ء، ۲۵۴۸ء، ۲۵۴۹ء، ۲۵۵۰ء، ۲۵۵۱ء، ۲۵۵۲ء، ۲۵۵۳ء، ۲۵۵۴ء، ۲۵۵۵ء، ۲۵۵۶ء، ۲۵۵۷ء، ۲۵۵۸ء، ۲۵۵۹ء، ۲۵۶۰ء، ۲۵۶۱ء، ۲۵۶۲ء، ۲۵۶۳ء، ۲۵۶۴ء، ۲۵۶۵ء، ۲۵۶۶ء، ۲۵۶۷ء، ۲۵۶۸ء، ۲۵۶۹ء، ۲۵۷۰ء، ۲۵۷۱ء، ۲۵۷۲ء، ۲۵۷۳ء، ۲۵۷۴ء، ۲۵۷۵ء، ۲۵۷۶ء، ۲۵۷۷ء، ۲۵۷۸ء، ۲۵۷۹ء، ۲۵۸۰ء، ۲۵۸۱ء، ۲۵۸۲ء، ۲۵۸۳ء، ۲۵۸۴ء، ۲۵۸۵ء، ۲۵۸۶ء، ۲۵۸۷ء، ۲۵۸۸ء، ۲۵۸۹ء، ۲۵۹۰ء، ۲۵۹۱ء، ۲۵۹۲ء، ۲۵۹۳ء، ۲۵۹۴ء، ۲۵۹۵ء، ۲۵۹۶ء، ۲۵۹۷ء، ۲۵۹۸ء، ۲۵۹۹ء، ۲۶۰۰ء، ۲۶۰۱ء، ۲۶۰۲ء، ۲۶۰۳ء، ۲۶۰۴ء، ۲۶۰۵ء، ۲۶۰۶ء، ۲۶۰۷ء، ۲۶۰۸ء، ۲۶۰۹ء، ۲۶۱۰ء، ۲۶۱۱ء، ۲۶۱۲ء، ۲۶۱۳ء، ۲۶۱۴ء، ۲۶۱۵ء، ۲۶۱۶ء، ۲۶۱۷ء، ۲۶۱۸ء، ۲۶۱۹ء، ۲۶۲۰ء، ۲۶۲۱ء، ۲۶۲۲ء، ۲۶۲۳ء، ۲۶۲۴ء، ۲۶۲۵ء، ۲۶۲۶ء، ۲۶۲۷ء، ۲۶۲۸ء، ۲۶۲۹ء، ۲۶۳۰ء، ۲۶۳۱ء، ۲۶۳۲ء، ۲۶۳۳ء، ۲۶۳۴ء، ۲۶۳۵ء، ۲۶۳۶ء، ۲۶۳۷ء، ۲۶۳۸ء، ۲۶۳۹ء، ۲۶۴۰ء، ۲۶۴۱ء، ۲۶۴۲ء، ۲۶۴۳ء، ۲۶۴۴ء، ۲۶۴۵ء، ۲۶۴۶ء، ۲۶۴۷ء، ۲۶۴۸ء، ۲۶۴۹ء، ۲۶۵۰ء، ۲۶۵۱ء، ۲۶۵۲ء، ۲۶۵۳ء، ۲۶۵۴ء، ۲۶۵۵ء، ۲۶۵۶ء، ۲۶۵۷ء، ۲۶۵۸ء، ۲۶۵۹ء، ۲۶۶۰ء، ۲۶۶۱ء، ۲۶۶۲ء، ۲۶۶۳ء، ۲۶۶۴ء، ۲۶۶۵ء، ۲۶۶۶ء، ۲۶۶۷ء، ۲۶۶۸ء، ۲۶۶۹ء، ۲۶۷۰ء، ۲۶۷۱ء، ۲۶۷۲ء، ۲۶۷۳ء، ۲۶۷۴ء، ۲۶۷۵ء، ۲۶۷۶ء، ۲۶۷۷ء، ۲۶۷۸ء، ۲۶۷۹ء، ۲۶۸۰ء، ۲۶۸۱ء، ۲۶۸۲ء، ۲۶۸۳ء، ۲۶۸۴ء، ۲۶۸۵ء، ۲۶۸۶ء، ۲۶۸۷ء، ۲۶۸۸ء، ۲۶۸۹ء، ۲۶۹۰ء، ۲۶۹۱ء، ۲۶۹۲ء، ۲۶۹۳ء، ۲۶۹۴ء، ۲۶۹۵ء، ۲۶۹۶ء، ۲۶۹۷ء، ۲۶۹۸ء، ۲۶۹۹ء، ۲۷۰۰ء، ۲۷۰۱ء، ۲۷۰۲ء، ۲۷۰۳ء، ۲۷۰۴ء، ۲۷۰۵ء، ۲۷۰۶ء، ۲۷۰۷ء، ۲۷۰۸ء، ۲۷۰۹ء، ۲۷۱۰ء، ۲۷۱۱ء، ۲۷۱۲ء، ۲۷۱۳ء، ۲۷۱۴ء، ۲۷۱۵ء، ۲۷۱۶ء، ۲۷۱۷ء، ۲۷۱۸ء، ۲۷۱۹ء، ۲۷۲۰ء، ۲۷۲۱ء، ۲۷۲۲ء، ۲۷۲۳ء، ۲۷۲۴ء، ۲۷۲۵ء، ۲۷۲۶ء، ۲۷۲۷ء، ۲۷۲۸ء، ۲۷۲۹ء، ۲۷۳۰ء، ۲۷۳۱ء، ۲۷۳۲ء، ۲۷۳۳ء، ۲۷۳۴ء، ۲۷۳۵ء، ۲۷۳۶ء، ۲۷۳۷ء، ۲۷۳۸ء، ۲۷۳۹ء، ۲۷۴۰ء، ۲۷۴۱ء، ۲۷۴۲ء، ۲۷۴۳ء، ۲۷۴۴ء، ۲۷۴۵ء، ۲۷۴۶ء، ۲۷۴۷ء، ۲۷۴۸ء، ۲۷۴۹ء، ۲۷۵۰ء، ۲۷۵۱ء، ۲۷۵۲ء، ۲۷۵۳ء، ۲۷۵۴ء، ۲۷۵۵ء، ۲۷۵۶ء، ۲۷۵۷ء، ۲۷۵۸ء، ۲۷۵۹ء، ۲۷۶۰ء، ۲۷۶۱ء، ۲۷۶۲ء، ۲۷۶۳ء، ۲۷۶۴ء، ۲۷۶۵ء، ۲۷۶۶ء، ۲۷۶۷ء، ۲۷۶۸ء، ۲۷۶۹ء، ۲۷۷۰ء، ۲۷۷۱ء، ۲۷۷۲ء، ۲۷۷۳ء، ۲۷۷۴ء، ۲۷۷۵ء، ۲۷۷۶ء، ۲۷۷۷ء، ۲۷۷۸ء، ۲۷۷۹ء، ۲۷۸۰ء، ۲۷۸۱ء، ۲۷۸۲ء، ۲۷۸۳ء، ۲۷۸۴ء، ۲۷۸۵ء، ۲۷۸۶ء، ۲۷۸۷ء، ۲۷۸۸ء، ۲۷۸۹ء، ۲۷۹۰ء، ۲۷۹۱ء، ۲۷۹۲ء، ۲۷۹۳ء، ۲۷۹۴ء، ۲۷۹۵ء، ۲۷۹۶ء، ۲۷۹۷ء، ۲۷۹۸ء، ۲۷۹۹ء، ۲۸۰۰ء، ۲۸۰۱ء، ۲۸۰۲ء، ۲۸۰۳ء، ۲۸۰۴ء، ۲۸۰۵ء، ۲۸۰۶ء، ۲۸۰۷ء، ۲۸۰۸ء، ۲۸۰۹ء، ۲۸۱۰ء، ۲۸۱۱ء، ۲۸۱۲ء، ۲۸۱۳ء، ۲۸۱۴ء، ۲۸۱۵ء، ۲۸۱۶ء، ۲۸۱۷ء، ۲۸۱۸ء، ۲۸۱۹ء، ۲۸۲۰ء، ۲۸۲۱ء، ۲۸۲۲ء، ۲۸۲۳ء، ۲۸۲۴ء، ۲۸۲۵ء، ۲۸۲۶ء، ۲۸۲۷ء، ۲۸۲۸ء، ۲۸۲۹ء، ۲۸۳۰ء، ۲۸۳۱ء، ۲۸۳۲ء، ۲۸۳۳ء، ۲۸۳۴ء، ۲۸۳۵ء، ۲۸۳۶ء، ۲۸۳۷ء، ۲۸۳۸ء، ۲۸۳۹ء، ۲۸۴۰ء، ۲۸۴۱ء، ۲۸۴۲ء، ۲۸۴۳ء، ۲۸۴۴ء، ۲۸۴۵ء، ۲۸۴۶ء، ۲۸۴۷ء، ۲۸۴۸ء، ۲۸۴۹ء، ۲۸۵۰ء، ۲۸۵۱ء، ۲۸۵۲ء، ۲۸۵۳ء، ۲۸۵۴ء، ۲۸۵۵ء، ۲۸۵۶ء، ۲۸۵۷ء، ۲۸۵۸ء، ۲۸۵۹ء، ۲۸۶۰ء، ۲۸۶۱ء، ۲۸۶۲ء، ۲۸۶۳ء، ۲۸۶۴ء، ۲۸۶۵ء، ۲۸۶۶ء، ۲۸۶۷ء، ۲۸۶۸ء، ۲۸۶۹ء، ۲۸۷۰ء، ۲۸۷۱ء، ۲۸۷۲ء، ۲۸۷۳ء، ۲۸۷۴ء، ۲۸۷۵ء، ۲۸۷۶ء، ۲۸۷۷ء، ۲۸۷۸ء، ۲۸۷۹ء، ۲۸۸۰ء، ۲۸۸۱ء، ۲۸۸۲ء، ۲۸۸۳ء، ۲۸۸۴ء، ۲۸۸۵ء، ۲۸۸۶ء، ۲۸۸۷ء، ۲۸۸۸ء، ۲۸۸۹ء، ۲۸۹۰ء، ۲۸۹۱ء، ۲۸۹۲ء، ۲۸۹۳ء، ۲۸۹۴ء، ۲۸۹۵ء، ۲۸۹۶ء، ۲۸۹۷ء، ۲۸۹۸ء، ۲۸۹۹ء، ۲۹۰۰ء، ۲۹۰۱ء، ۲۹۰۲ء، ۲۹۰۳ء، ۲۹۰۴ء، ۲۹۰۵ء، ۲۹۰۶ء، ۲۹۰۷ء، ۲۹۰۸ء، ۲۹۰۹ء، ۲۹۱۰ء، ۲۹۱۱ء، ۲۹۱۲ء، ۲۹۱۳ء، ۲۹۱۴ء، ۲۹۱۵ء، ۲۹۱۶ء، ۲۹۱۷ء، ۲۹۱۸ء، ۲۹۱۹ء، ۲۹۲۰ء، ۲۹۲۱ء، ۲۹۲۲ء، ۲۹۲۳ء، ۲۹۲۴ء، ۲۹۲۵ء، ۲۹۲۶ء، ۲۹۲۷ء، ۲۹۲۸ء، ۲۹۲۹ء، ۲۹۳۰ء، ۲۹۳۱ء، ۲۹۳۲ء، ۲۹۳۳ء، ۲۹۳۴ء، ۲۹۳۵ء، ۲۹۳۶ء، ۲۹۳۷ء، ۲۹۳۸ء، ۲۹۳۹ء، ۲۹۴۰ء، ۲۹۴۱ء، ۲۹۴۲ء، ۲۹۴۳ء، ۲۹۴۴ء، ۲۹۴۵ء، ۲۹۴۶ء، ۲۹۴۷ء، ۲۹۴۸ء، ۲۹۴۹ء، ۲۹۵۰ء، ۲۹۵۱ء، ۲۹۵۲ء، ۲۹۵۳ء، ۲۹۵۴ء، ۲۹۵۵ء، ۲۹۵۶ء، ۲۹۵۷ء، ۲۹۵۸ء، ۲۹۵۹ء، ۲۹۶۰ء، ۲۹۶۱ء، ۲۹۶۲ء، ۲۹۶۳ء، ۲۹۶۴ء، ۲۹۶۵ء، ۲۹۶۶ء، ۲۹۶۷ء، ۲۹۶۸ء، ۲۹۶۹ء، ۲۹۷۰ء، ۲۹۷۱ء، ۲۹۷۲ء، ۲۹۷۳ء، ۲۹۷۴ء، ۲۹۷۵ء، ۲۹۷۶ء، ۲۹۷۷ء، ۲۹۷۸ء، ۲۹۷۹ء، ۲۹۸۰ء، ۲۹۸۱ء، ۲۹۸۲ء، ۲۹۸۳ء، ۲۹۸۴ء، ۲۹۸۵ء، ۲۹۸۶ء، ۲۹۸۷ء، ۲۹۸۸ء، ۲۹۸۹ء، ۲۹۹۰ء، ۲۹۹۱ء، ۲۹۹۲ء، ۲۹۹۳ء، ۲۹۹۴ء، ۲۹۹۵ء، ۲۹۹۶ء، ۲۹۹۷ء، ۲۹۹۸ء، ۲۹۹۹ء، ۳۰۰۰ء، ۳۰۰۱ء، ۳۰۰۲ء، ۳۰۰۳ء، ۳۰۰

”تم نے کہاں آتے ہوئے کسی سے نہیں پوچھا تھا؟“  
 ”نہا نے تم کس دم میں وہو جو..... تمہارے جیسے کسی  
 میرے ہاتھ کے نیچے سے گزرتے ہیں..... اب بھی وقت ہے  
 تمہارے پاس..... سریندر کر کو اور چلو میرے ساتھ.....“ اس  
 نے پھر اسی دھمکی آمیز لہجے میں کہا تو میں سکون سے بولا۔  
 ”اگر تم وردی میں آتے، مجھے میرا وارنٹ دکھاتے یا پھر  
 میرے ساتھ اچھا رویہ رکھتے تو میں تمہارے ساتھ ضرور  
 جاتا..... اس طرح پہلے دکھا کر، بد معاشی اور خنڈا کر دی سے  
 نہیں۔“

”بہت بچھتا پڑے گا تمہیں..... یاد رکھو.....“ اس نے  
 پھر کہا تو میں اسی سکون سے بولا۔

”دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے سکون بچھتا ہے گا۔“

میں اب اسے کوئی جواب نہیں دیتا چاہتا تھا اس لیے  
 کمرے میں دیوار سے لگی چار پائی سی دی کی اس پر بیٹھ گیا۔  
 مجھے علی کے فون کا انتظار تھا۔ یہ چند منٹ بہت طویل ہو رہے  
 تھے۔ وہ اپنے طور پر مجھے دھمکی پر دھمکی دے چلا جا رہا تھا مگر  
 میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی سے سنا رہا۔ کوئی  
 پانچ منٹ ہو چکی کا فون آ گیا۔

”یہ سچ ہے کہ یہ شخص آج ہی تعینات ہوا ہے، لیکن اپنے  
 طور پر آیا ہے۔ اسے بتایا بھی گیا تھا مگر یہ نہیں بولنے  
 آ گیا..... کہاں ہے؟“ اس نے استہزاء بھری لہجے میں کہا۔  
 ”پڑا ہے میرے سامنے.....“ میں نے بتایا۔  
 ”فون اسی کے پاس ہے؟“ اس نے پوچھا۔  
 ”جہاں نہیں..... دیوے میں نے نہیں لیا۔“ میں نے بتایا تو وہ

بولا۔

”بس ایک آدھ منٹ مزید..... یہ خود چلا جائے گا۔ مگر پھر  
 تمہیں اپنی آنکھیں ملکی رکھنا ہوں گی، بہت محتاط رہنا ہو گا۔“  
 اس نے کہا۔

”خفک ہے، میں دیکھ لیتا ہوں۔“ میں نے کہا تو اس نے  
 کال بند کر دی۔ میں نے فون جیب میں ڈالا ہی تھا کہ اس کا  
 فون بج اٹھا۔ اس نے میری جانب دیکھا، میں خاموش رہا۔ اس  
 نے فون نکالا اور اسکرین پر دیکھ کر تیزی سے بولا۔

”ہیلو.....“

یہ کہنے کے بعد دوسری طرف کی سمت راہ اور جی سربئی سر  
 کہا رہا۔ آدھے منٹ سے بھی کم کال کی ہوگی۔ اس نے فون  
 جیب میں دیکھتے ہوئے میری طرف دیکھا اور دھمکی سی آواز  
 میں کہا۔

”مجھے جانے دو۔“

ایک دائیں جانب سے سامنے آ گیا۔ وہ سب ایک جگہ اکٹھے  
 ہو گئے۔ جی سربئی سا نیگلاں پر بندھو میں لڑکے کی سڑک پر  
 پولیس وین کے پاس آن کھڑے ہوئے۔

”عابد..... انہیں کس نے بلایا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”میں نے بلایا.....“ دور کہیں سے احتشام کی آواز آئی۔

”انہیں وہیں روکو۔“ یہ اُس وقت تک کہ نہ کریں جب  
 تک ہم نہ کہیں۔“ میں نے تیزی سے کہا۔

”خفک ہے.....“ اس نے کہا تو میں نے پولیس والوں  
 سے کہا۔

”یار..... ہماری تم لوگوں سے..... کوئی دشمن نہیں ہے۔  
 سکون سے بیٹھو..... مجھے اپنے افسر سے معاملہ کر لینے دو..... پھر  
 بات کرتے ہیں۔“

”سربئی..... جانے دیں بس.....“ ایک نے کہا تو میں نے  
 قہر سے کہنے کا اشارہ کیا اور کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

میں جانتا تھا کہ وہ ایک تربیت یافتہ افسر ہے۔ پوئٹی انڈر  
 نہیں پایا یا سکا تھا۔ میں انتہائی محتاط انداز میں اندر داخل ہوا تو  
 بلی کی روشنی میں وہ پہلے تو دکھائی نہیں دیا، پھر اچانک  
 دروازے کی اوٹ سے اس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ جس کی مجھے  
 پہلے ہی سے امید تھی، اس لیے اس کا دارکار گرنے ہوا بلکہ جیسے ہی  
 اس نے آگے بڑھ کر مجھے دبوچنے کی کوشش کی میں نے اسے  
 پکڑ کر گھما دیا۔ بلاشبہ اس میں کافی طاقت تھی۔ مجھے اسے زمین  
 پر گرنے میں کافی زور لگانا پڑا۔ دھمکے کے فرش پر ہانپ رہا  
 تھا۔ میں نے اسے گردن سے دبوچ کر کہا۔  
 ”طاقت آزمانے کا بڑا شوق ہے تمہیں؟“

”میں اب بھی تمہیں کہتا ہوں، چپ چاپ میرے ساتھ  
 چلو۔“ اس نے ہاتھ پٹے پٹے پٹسی آواز میں کہا تو میں  
 سکون سے بولا۔

”اب تم مجھے نہیں..... میں تمہیں لے کر جاؤں گا۔“

یہ کہتے ہی میں نے اسے چھوڑ دیا۔ پھر اپنی جیب سے سٹیل  
 فون نکالتے ہوئے دیوار کے قریب گیا اور بلب روشن کر دیا۔  
 میں نے علی کے نمبر پیش کیے اور کال ملا دی۔  
 ”ہاں بولو اسد۔“

جب میں نے اسے ضرورت حال بتا کر پوچھا۔ ”یہ کیا ہے؟“  
 یہاں بتایا نہیں تھا پوری طرح؟“

”اوہ.....“ یہ نیچے ہو گیا؟ خیر تم اسے سنبھالو، میں دیکھتا  
 ہوں۔ بس دو منٹ۔“ اس نے کہا اور کال بند کر دی۔ میں نے  
 فون دائیں جیب میں ڈالتے ہوئے سامنے پڑے سردار عالم  
 سے سوال کیا۔

جاسوسی ڈائجسٹ 98 جنوری 2025ء



## جنگل

”دیکھو کہ کتنا ادا کاٹھالہ ہر مسکن سے۔“ میں نے کہا  
چاہتا ہوں میری بات کا سنے ہوئے تیری سی ہوا۔  
”یار ابھی مجھے مت روکو۔ جو سکتا ہے میرا ارادہ بدل  
جائے اور جس نے کہا چاہتا ہوں، وہ کہنے پاؤں۔“  
”اچھا چلو کہو۔“ میں نے چار پاکی پر سدھارے ہوئے  
ہوئے کہا۔ میری ہر توجہ اسی کی جانب تھی۔ وہ کچھ دیر تک  
سوچتا رہا، پھر بولا۔

”میں جب اس گاؤں سے نکلا تو میرے پاس کوئی نہیں تھا، سوائے بھوک کے۔۔۔ میرے پاس وہی پکڑے تھے جو میرے تن پر تھے اور ایک ٹوٹا ہوا جوتا۔۔۔ یہی میری اوقات تھیں۔ لیکن میں جب یہاں سے نکلا تو مجھے گاؤں میں کسی کوئی کامیونڈ نہیں بلکہ کسی گندے گٹر میں پڑا ہوا ہوا، جس کی کوئی عزت ہے اور کوئی اوقات۔۔۔ جس کا مقدور جھڑکیاں، گلیاں، تھپڑ اور ٹھوکریں تھیں۔۔۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ زندگی میں عیاشی کے کسے ہیں؟“

”تمہاری عمر کتنی آگے اُس وقت؟“ میں نے پوچھا۔  
 ”وہی جو ایک میزک کے طالب علم کی ہوتی ہے، تم کو تمہاں  
 نہیں تھے، یہ انہی دنوں کی بات ہے۔“ اس نے کہا اور اپنی  
 جب ٹیول کمر کرت کایکٹ نکالا، ایک عکس لیا اور اسے ساگ  
 کر کر اٹکس لے لیا۔ ایک ہر سٹریڈ لینے کے بعد وہ بولا۔  
 ”میں جس جگہ پر سو کرتا تھا۔۔۔ اس سے ذرا فاصلے  
 پر ایک بوڑھا عیساں رہتا تھا۔۔۔ جاری کبھی بات نہیں ہوتی تھی، وہ  
 جلی چپ چاپ سو جاتا اور میں بھی۔ ایک دن اس نے مجھے  
 بلایا۔“

یہ کہہ کر اس نے مجھ سے ایک گہرا کس لیا اور بولا۔  
 ”اس نے میرے بارے میں پوچھنے کے بجائے صرف  
 اتنا کہا، تیرے پاس زندگی پڑی ہے..... تو کب ساری زندگی  
 یوں غمزدہ رہ سوتا چاہتا ہے یا پھر کوئی اچھی زندگی بھی جینا چاہتا  
 ہے۔“

"تم نے پھر کیا کہا؟" میں نے جس سے پوچھا۔  
 "ظاہر ہے، اچھی زندگی کی خواہش کی اور کیا... لیکن مجھے  
 تو پتا ہی نہیں تھا کہ یہ کہاں سے مل سکتی ہے۔" اس نے کہا اور  
 کھٹک لایا۔

”کیا کہاںس پڑھے نے؟“ میں نے پوچھا۔  
 ”اس رات تو اس نے اتنا کہا کہ اچھا جاؤ سو جاؤ۔ میں جا  
 کر سو گیا لیکن اگلی رات، یہی کوئی آدھی رات کا وقت ہوگا، مجھے  
 کسی نے بلا کر جگا دیا، میں اٹھ گیا۔ میرے سامنے ایک موٹر  
 سائیکل والا کھڑا تھا۔ مجھے پڑھے کی آواز آئی، کہ جاؤ اس کے

جنوری 2025ء 99 جاسوسی ڈائجسٹ

”مجھے بھی ساتھ لے کر جانا ہے یا.....! سیکھنے ہی جاؤ گے“  
 میں نے پوچھا تو وہ میرے چہرے پر دیکھ کر ہنسا ہنسا گیا۔ میں  
 نے اسے کھنکھارکا۔ وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ جیسے ہی اس کی  
 ٹانگہ اپنے ساتھ آئے لوگوں پر بڑی تو ایک دم سے حیران رہ  
 گیا۔ اس کے ساتھ جب سامنے جلی موٹر پر پہنچے سارے  
 نوجوانوں کو کھنکھارے دیکھا تو اس کے چہرے پر خوف کی  
 پوچھا میں اتر گیا۔ شاید وہ جو کچھ سوچ کر آیا تھا، سب اس  
 کے الٹ ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اپنی کار میں جا  
 بیٹھا، اس کا ڈرائیور بھاگ کر اس کے پیچھے گیا تھا۔ باقی سارے  
 بھی ایک ایک کر کے وہاں سے چل دیے۔

شام ہو رہی تھی جب ہم ڈیرے سے نکل کر گاؤں پہنچے۔  
عید اپنے گھر نہیں گیا بلکہ باہر واے کمرے میں جا کر لیٹ  
گیا۔ خبا نے اس کے دماغ میں کیا جیل رہا تھا۔ وہ بالکل خاموش  
ہو گیا تھا۔ میں اندر جانا چاہتا لیکن اس کی حالت دیکھ کر اس  
کے قریب بیٹھ گیا۔

”اے دیے، بھوک لگی ہے، کھانا منگواؤں؟“ میں نے پوچھا۔  
 ”نہیں یار، ابھی بھوک نہیں ہے.....“ اس نے کہتا ہے  
 اعجاز میں کہا۔

”کیوں نہیں ہے؟“ میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔  
 ”بس ویسے ہی یا، میں کچھ سوچ رہا ہوں۔“ اس نے  
 میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو میں ہنسنے لگا۔  
 ”یہ میرے لیے ایک بڑی خبر ہے میرے دیگر تم سوچتے  
 بھی ہو؟“

”میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”جو تجربے اندر چل رہا ہے نا۔۔۔ دو فوراً اکل دو۔۔۔ ورنہ میرے ساتھ ڈرامے بازی بند کرو۔“ میں نے اکتاتے ہوئے کہا تو وہ اچھے بیضا بھر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملنے ہوئے۔۔۔

”یار اسد..... میں نے ابھی تم سے بہت کچھ چھپایا ہوا ہے۔ تم میرے بارے میں اتنا ہی جانتے ہو..... جتنا میں نے تمہیں بتایا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔“

”مجھے ضرورت بھی نہیں..... بس تم میرے پار ہو..... اتنا کافی ہے۔“ میں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”ہاں یار تو ہے..... لیکن اب میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں..... بہت ساری باتیں.....“ اس نے خود کھائی کے اعزاز کے لیے کہا۔







”میں بتاتی ہوں.....“ رحماں مائی نے پہلو بدلتے ہوئے کہا، ”مجھے میری ساسی کی اور پھر کتنی چلی گئی۔“ جو خود کو بڑے لوگ کہتے ہیں، کچھ گورنریس ہوتے ہیں، خود کو خاندانی کہلاتے ہیں، لیکن یہ ستنے ہی گھٹاؤ، ڈکلا اور بے نصرت ہوتے ہیں۔ ”اے کے اندر اتنی زندگی ہوئی ہے کہ یہ انسان اور جانور کو ایک سا جیسا سمجھتے ہیں۔“

”ہو کیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔  
 ”میں ساری زندگی ان کی خدمت کرتی رہی، کبھی ایک کٹھا بھی ادھر سے ادھر نہیں کیا، میں باقی ہوں کہ اس کے عوض جو مجھے دیتے تھے، میں اپنی مزدوری لے لیتی تھی۔ میرا بیٹا بھی میرے ساتھ جایا کرتا تھا۔ اکلوتا بیٹا ہے میرا۔ ایک بار خان رب نواز نے میرے بیٹے کو تان مارا کہ اس کا بازو توڑ دیا۔“ وہ کہتے ہوئے رو رہا تھا۔  
 ”وجہ کیا تھی؟“ میں نے پوچھا تو اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، وہ گلو گریجے میں پڑی۔

”اس نے گاڑی اچھی طرح نہیں دھوئی تھی۔ اب اتنا سا بچہ، کبھی کوئی آنسو نہیں کلاں میں پڑتا تھا، اس سے نہیں دھوئی گئی، ایک جگہ کہیں کوئی گریڈ پڑی ہوئی تھی، وہ بھی میرے بیٹے کے کڑے لگا دی۔“

”اتنا مارا..... بازو توڑ دیا؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”ورائل وہ نئے میں تھا، اسے اپنی کوئی سمدھ بدھ ہی نہیں تھی، یہ تو دوسرے لوگوں نے بچایا، ورنہ شاید رہی دیتا۔ جب سے میرا بچہ بہت ڈر گیا تھا، میرے پاس رہا ہی نہیں، میں نے اسے اکیلی خالہ کے پاس بھیج دیا۔“ اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”اب کہاں ہے؟“ میں نے پوچھا۔  
 ”اب تو وہ ماشاء اللہ گریڈ دو ہو گیا ہے، اپنی خالہ کے پاس رہا، بلا بڑھا، وہیں اس کی شادی ہو گئی، اپنی محنت مزدوری کرتا ہے لیکن میں آج تک وہ مٹھر نہیں بھول کی جب میرا بچہ مجھے عد کے لیے بلارہا تھا اور میں باجو جو کوشش کے اسے بچاؤ نہیں پار رہی تھی..... جب وہ ٹوٹا ہوا بازو ہلا کر میری طرف آنسو بھری آنکھوں سے دیکھتا تھا تو میرا دلچسپ میرے منہ کو آجاتا تھا۔“ اس نے سکتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا، اگر تو یہ ماں کے اندر کی آواز ہے تو میں اسے جھوٹ نہیں کہہ سکوں گا لیکن اگر یہ اداکاری تھی تو یہ عورت بہت بڑی اداکارہ ہو سکتی تھی۔ اس کا لہجہ اس کی آواز، انداز بے حد متاثر کن تھا۔ ایک لمحے کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔ جی گھو پڑی۔

”بالکل خیریت..... جہاں سے لیے ایک سر پرانہ ہے۔“ اس کی آواز میں ارتعاش تھا، یہ کہتے ہوئے وہ میرے آستے قریب آگئی کہ اس کی گیلی کی جسی مٹی میرے منتوں سے گر گئی۔ ایک لمحے کے لیے میرے بدن میں سرراہٹ ہوئی۔ اگر میں اسی لمحے خود پر قانون پاؤں شاید وہ جگہ مجھے میرا بے پردہ کرنے پر مجبور کر دیتی۔ تجانے غوکا اس کی ہنک میں کیا جاوڑھا۔

”کیا سر پرانہ؟“ میں نے یہ مشکل دھجے سے پوچھا۔  
 ”آؤ نا بتاتی ہوں۔“ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور اندر کی جانب چل دی۔ میں اس کے ساتھ ایک کمرے میں جا پہنچا جو بیڈروم تھا۔ دیوار کے ساتھ گلی کرسیوں پر ایک ادویہ عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چھوڑی بال سر پر لی ہوئی چادر سے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ موٹے ٹخنہ ٹھن، کمر اسانولا رنگ اور قد سے بھاری بدن والی تھی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں مجھ پر مرکوز تھیں۔ ”تو ایک کمرے کی بیٹھ گئی۔ میں اس بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بیڈ پر آگئی باقی مار کر بیٹھ گئی۔ میں اس انتظار میں تھا کہ وہ کچھ بولے تاکہ مجھے سر پرانہ کا پتا چلے۔ کبھی گھو پڑی۔

”یہ رحماں مائی ہے..... ادھر ساتھ والی بستی میں رہتی ہے۔ جب میں بیٹا وہ کر یہاں آئی تھی، یہ تب سے میرے ساتھ بڑا پیار محبت کرتی آئی ہے، میں کہتا ہوں کہ وہ اس کے ساتھ بانٹ لیتی ہوں۔ یہ بھی اپنے دکھ دکھ مجھ سے کہتی ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“ میں نے سکون بھرے لہجے میں کہا۔  
 ”اور اب سنو..... یہ خان رب نواز..... کی حویلی میں کام کرتی ہے۔“ اس نے چونکا دینے والے انداز میں کہا تو میں واقف چونک گیا۔

”کب سے؟“ میں نے بے ساختہ پوچھا تو وہ بولی۔  
 ”اے ہو گئے ہیں کوئی پندرہ بیس سال، ایسے ہی ہے نارحماں؟“  
 ”ہاں اتنا ہی وقت ہو گیا ہے۔“ وہ ہولے سے بولی۔  
 ”اب کبھی چوڑی بات کیا کروں..... اب جہاں سے لیے سر پرانہ لینی ہے کہ جہاں کام تو کرتی ہے وہاں پر..... ایمان دار ہے، اس کے بارے میں کوئی شکایت نہیں ہے حویلی والوں کو لیکن..... یہ اپنے دل میں خان رب نواز سے بہت نفرت رکھتی ہے۔ اتنی نفرت کہ جس کا شاید میں اندازہ نہیں۔“ گھونے ارتعاش بھرے لہجے میں بتایا تو یہ میرے لیے ایک بڑی اطلاع تھی۔ اگر یہ سچ تھا تو جی اور اگر یہ جھوٹ تھا تب بھی، اس کا اندازہ میں نے محو میں کر لیا تھا۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے بڑے سکون سے پوچھا۔

”سوال یہ ہے گورنریس..... اسے اتنی نفرت کیوں ہے؟“

مجبور کیا۔

”تم سردار عالم کا بتا رہی تھیں۔ تم کیسے جانتی ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”وہ پچھلے کئی دن سے مسلسل آ رہا تھا حویلی..... ایک رات رہا بھی تھا وہاں..... ایسا معمول کے مطابق ہوتا رہتا ہے، بڑے لوگ ملتے ہیں، آتے ہیں رہتے بھی ہیں، لیکن جب یہ سنا کہ تم نے اسے ڈیرے پر باغداد لیا تو یہ اطلاع بڑی اہم تھی۔“ اس نے کہا۔

”پلوٹیک، میں بتاؤں گا تمہیں رحمان۔ پہلے تو میری اپنی کوشش ہوئی کہ میں اسے سیدھے سبھاؤ محل کر دوں۔ ہاں اگر ممکن ہوتا تو میں تمہاری خواہش ضرور پوری کر دے گا۔“ میں نے احماد سے کہا تو وہ میری طرف دیکھ کر پھر یوں سر ہلانے لگی جیسے خود پر قابو پاری ہو۔ بھیگو نے میرا ہاتھ اچھے ہاتھ میں لے کر چھپتا ہوا ہوئے کہا۔

”ہم اس پر احماد کر سکتے ہیں۔“

”میرا صرف ایک سوال ہے۔“ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”پوچھو؟“ اس نے ایک ادا سے کہا۔

”تم خان کی دکن ہو..... یہ بات خان کو بھی معلوم ہے۔ پھر اس کی حویلی میں کام کرنے والی نوکرانی تم سے ملتی ہے، یہ بات ختم نہیں ہو رہی بس.....“ میں نے اسے فور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”تمہارا سوال بالکل جائز ہے۔ یہ شادی کے ابتدائی دنوں میں میری واقف ہوئی، پھر کچھ عرصہ ہمارا رابطہ نہیں رہا۔ ہم دو دو برس نہیں مل پاتیں لیکن فون پر رابطہ رہتا ہے۔ اور ایک بات میں تمہیں اور بتا دوں..... میرا اس حویلی میں بہت سے لوگوں سے رابطہ ہے۔ لیکن کسی کو نہیں بتا کہ میرا رابطہ کس کس سے ہے۔“

”کیا تم نے انہی رابطوں کی وجہ سے میرا مسئلہ حل کیا تھا؟“ میں نے پوچھا تو وہ تیزی سے بولی۔

”ہاں..... لیکن وہ زمان میں ایسا رابطہ تھا جو کسی کے وہم و گمان میں نہیں ہے۔ لیکن اس کا مجھ پر اعتماد ہے۔“

”اوکے۔ سوچتے ہیں اب بارے میں۔“ میں نے کہا تو رحمان ہنسا ہنسا ہوتے عجیب سے لکھنے میں بولی۔

”ذرا کایک بڑا احمد کرنا حویلی میں۔ وہاں سر جمع کر زبان بند کر کے صرف کان ملے رکھیں جائیں نا تو بہت کچھ سمجھ میں آ جاتا ہے۔ حویلی کی دیواریں بڑے بڑے راز چھپا چکی ہیں۔ میں جانتی ہوں ان غلام کرکٹوں میں کیا کچھ نہیں

”یہ جب سے میرے ساتھ اسکا باتیں کرتی رہتی تھی کہ کبھی ایسا ہو جائے کہ یہ خان سے بدلہ لے سکے..... کوئی ایسا ہو جو قہر ڈھا دے ان پر..... اسے مجھ سے امید تھی جب میں جانتی تھی کہ اسے قسم کر دوں..... اسے میری اور خان کی دشمنی کے بارے میں ہر شے کا پتا ہے۔ یہ اب باتیں ہو چکی ہیں مگر جب آج سردار عالم تمہارے پاس گیا تو یہ سیدھی میرے پاس آ گئی۔“

”اسے پتا ہے۔؟“ میں نے حیرت سے پوچھا تو رحمان بولی۔

”ہاں مجھے آج شام پتا چلا جب تم نے اسے اپنے ڈیرے پر باغداد ہوا تھا۔ میں حویلی ہی میں تھی۔ وہاں پر خان کو یہ اطلاع دی تھی کہ اسد نے سردار عالم کو باغداد دیا ہے۔ تب وہاں پر بڑی اچھل ہوئی، وہ وہے فہمے میں تھا، پتا نہیں کس کس کو فون کرنا رہا۔“

”ایک منٹ..... کیا خان حویلی میں ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں..... وہیں ہے۔“ اس نے حیرت سے کہا۔

”مجھے تو یہ پتا چلا تھا کہ وہ حویلی میں تو کیا شہر میں بھی نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔

”وہ تو پچھلے کئی دنوں سے کہیں نہیں گیا۔ دیے اکثر یہ ہوتا ہے۔ جب کسی سے ملنا ہو لوگوں کو دھوکا دینا تو وہ حویلی کی اوپر والی منزل پر چلا جاتا ہے۔ سب سے کدیا جاتا ہے کہ وہ شہر گیا ہوا ہے۔“ اس نے نام سے لکھتے ہوئے کہا تو میں نے پوچھا۔

”کیا کرتا ہے وہاں اکیلے رہ کر؟“

”وہاں..... تمہیں دیکھتا ہے۔ ساتھ میں کوئی نہ کوئی غور دیکھتا ہے۔ شراب تو وہ پیتا ہی ہے۔“ اس نے نفرت سے کہا تو مجھ بولی۔

”اسے تم سے امید ہو گئی ہے۔ تم جیسی معلومات چاہو گے۔ جو بھی کرنا ہوگا۔ وہ یہ کرے گی۔ لیکن شرط ایک ہی ہے۔ رحمان نے اس کا بازو توڑنا ہے، اور اتنا ہی اسے مارنا ہے جتنا اس کے بیٹے کو اس نے مارا تھا۔“

”ایک ماں کا انکوتا بیٹا جس سے بچھڑ جائے، باوجود کوشش کے وہ اسے اپنے پاس نہ کر سکے۔ اس پر کیا گزری ہوگی۔“

رحمان نے نفرت سے کہا تو میں نے عطا اعزاز میں پوچھا۔

”تم نے اس کی نوکری کیوں نہیں چھوڑ دی، اپنے بیٹے کے ساتھ چلی جاؤ؟“

”میں جانتی تھی۔ تب میرا شوہر زہد تھا۔ میں نے اسے کہا بھی کہ ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں مگر وہ خان کو چھوڑ کر نہیں گیا۔ میرے شوہر نے مجھے وہاں نوکری کرتے رہنے پر

ہوتا۔ میں یہ بھی سمجھتی ہوں کہ کسی پر فوراً اکتہار کر لینا اپنا خون کر لینے کے برابر ہے۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" گوئے تنزی سے پوچھا۔  
"میں کہ اسد کو مجھ پر فوراً اکتہار نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کیا تو یہ اس کی سب سے بڑی ٹھٹکی ہوگی۔ مجھے آزمانے، اس وقت تک آزمانے جب تک خان کو میں گھیر کر اس کے سامنے نہ رکھ دوں، میرے پاس صرف طاقت نہیں ہے ورنہ میں اب تک..." وہ غرور سے کہتے ہوئے ایک دم سے خاموش ہو گئی۔ "میں گویا..."  
"رحماں..." کوئی وقت کوئی گویا ہوگا، جب اکتہار آئے گا۔"

"نہیں..." یہ مجھ پر نہیں، خود پر بھروسہ رکھے۔ میری دعا ہے یہ اپنی جوانی میرے پر گزرا رہے۔ ہاں میں اسے راستہ بتا دیا کروں گی۔ جیسے اب بتانے لگی ہوں۔"

"مطلب..." میں نے بے ساختہ کہا۔  
"مطلب یہ ہے پتھر۔ خان کی طاقت وہ لوگ ہیں جو اس کی مانتے ہیں، وہ دونوں ایک دوسرے کے مفادات کے لیے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ سب علاقے میں ہیں، جیسے وہ... چوہدری کرامت تھا، یہاں چھوٹے چھوٹے کئی چوہدری کرامت ہیں۔ وہ تو بڑھک مارتا تھا، پکا برتن تھا، لڑھک گیا۔ لیکن ایک ایسا بندہ بھی ہے جو انتہائی خاموشی سے ہمیں اور تمہارے پورے خاندان کو ختم کر دینے کے درپے ہے، پتا ہے تمہیں؟" اس نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا تو میں انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"نہیں، مجھے تو نہیں پتا۔ کون ہے وہ؟" میں نے اضطرابی لہجے میں پوچھا تو وہ انتہائی غصیدگی سے بولی۔  
"سردار عالم کی پھولی کا بیٹا۔ اور خان... جانتے ہو اُسے؟"  
"ہاں وہ کتنی تمہارا شاہو والا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔  
"ہاں وہی۔ سردار عالم اس کا پھولی کا بیٹا ہے۔ یہاں علاقے میں بہت تھوڑے لوگوں کو پتا ہے، قریبی لوگ جانتے ہیں۔ زیادہ کو نہیں پتا۔ یہی پتا کرو، اس کے ذریعے پر تمہیں مارنے کے لیے کون کون موجود ہے۔ اسد، تمہیں پتا بھی نہیں ہے تمہارے اور گردہ کتنے دشمن پیدا ہو رہے ہیں۔"

"حیرت ہے۔" میں نے بے دے فیصلے میں کہا تو وہ بولی۔  
"یہ اس وقت تک چلے گا جب تک تم ختم نہیں ہو جاتے یا پھر ان کے سامنے گھٹنے نہیں لگ دیتے، سب مفاد پرست کی ہیں اور ہمیں بڑے نہیں چھوڑنے والے۔" سنبھل جاؤ۔"

"ٹھیک ہے رحماں بانی۔ میں دیکھ لوں گا۔"  
"میں پتھر میں دعا کر سکتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔  
وہ جیسے ہی کھڑی ہوئی۔ گوئی اُسی اور اسے اپنے ساتھ لے کر

باہر نکل گئی۔

رحماں مائی میرے لیے ایک بڑا ریسک تھی۔ اگر تو یہ سچ تھا تو میرے لیے ایک بہت بڑی ٹھٹکی مددگی۔ جس سے میں انکار نہیں کر سکتا تھا لیکن اگر یہ میرے لیے سازش تھی تو بڑی گہری تھی۔ یہ مجھے احساس تھا کہ میرے دشمن روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں، رحماں بانی ان کے بارے میں بتا کر مجھے ڈرا رہی تھی یا مجھے خبردار کر رہی تھی۔ وہ ٹھٹکی مددگی یا سازش، اس بارے میں فیصلہ وقت پر چھوڑ دیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد گوئی کے پاس آ گئی، وہ پھر سے بیڈ پر اُٹھ کر پانی پاتی مارتے ہوئے بڑے کمرے کے لیے میں بولی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"  
"کچھ نہیں، اپنے حالات کے بارے سوچ رہا ہوں، وقت نے کہاں لاکر کھڑا کر دیا۔" میں نے سنکراتے ہوئے کہا۔  
"وقت نے بہت اچھا کیا جو تمہیں میرے پاس پہنچا دیا۔ میرے پاس بیٹھے کہتے اچھے لگ رہے ہوں۔" اس نے کہا اور ہونٹوں کو دانتوں سے چل کر میری ٹھوڑی کو چھوا تو میں نے کہا۔  
"سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے تم کو، درست کہہ رہی تھی رحماں۔"

"دعوتی نہیں کرتی اسد۔ لیکن اگر تمہارے ساتھ جی نہ سکی، مرنو تو سکتی ہوں۔ وقت آنے دو۔" اس نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اس وقت میرا اکتھا کوئی ایسا سوڈ نہیں تھا۔ کمرے میں دیکھ رہا تھا کہ خباثی پاتے ہی اس کے گال سرخ ہو گئے تھے۔ میں اس کے پاس بیڈ پر جا بیٹھا۔ وہ بالکل میرے قریب ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے بدن کی ہلکی مہک کا احساس میرے اندر سرایت کر رہا تھا۔ ایسے میں ایک لڑکی فرے لیے اندر داخل ہوئی، اس میں گوئی کے پچنے پلانے کے سارے لوازمات موجود تھے۔

اُس رات مکی مہک نے مجھے پھر سے اپنا امیر کر لیا۔ مجھے لگا جیسی مٹی پر جس قدر پانی پڑتا جا رہا تھا، جیسی مٹی سے اٹھنے والی سوڈ مٹی سوڈی مہک اتنی ہی تیز ہوئی جیسی مٹی تھی۔ تیسرے پیک میں عیادہ خور کا ہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس کا پس پین جل رہا تھا کہ وہ مجھے گھول کر لی جائے۔ میں اُس نے پیار سے میرے گال پر ہاتھ رکھا تھا، پھر مجھے ہانپیں رہا کہ اس لڑکیہ ہاتھ میں کیا پکڑی تھی کہ اس نے مجھے پھٹکار کر رکھ دیا۔ آسمان پر نیکیوں روٹی پھیلنے لگی تو میں اپنے گاہکوں کی طرف لک پڑا۔

دشمنی کے زار دامن دشمن کون تھے،  
باقی واقعات اکتدہ ماہ پہلے





## تگوتاز

عبدالرب بھٹی

کوئی ایک وقت ایسا ہوتا ہے جو سب پر بھاری ہوتا ہے... اس سے  
کوئی خواہش کوئی یاد زندہ نہیں رہتی... بس ایک آہٹ ہوتی ہے  
اور بغیر کسی وضاحت کے اذیت میں مبتلا کرتی ہے اور انسان  
وحشت و خوف کا شکار ہو کے راہ فرار اختیار کر لیتا ہے...  
معاملات زندگی اور عشق رعایت کے طلب گار ہوتے ہیں... مگر ان  
دونوں نے کوئی موقع... کسی عنایت کی مہلت نہ لی...

کمان سے نکلے تیر کے مانند عمارتیں بھاگنے والوں کا اختتام سفر.....

اُس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ ذہن  
پر طاری خوف ہرگز رتے لمبے کے ساتھ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔  
دل کی دھڑکن موت کی چاپ بن کر اس کے سینے میں دھمک  
کی پیدا کر رہی تھی۔

اسے جو کچھ بھی کرنا تھا، رات کا اندھیرا پھیلنے کے  
بعد ہی کرنا تھا لیکن ابھی تو دن کا اُجالا تھا۔ ایک ایک لمحہ  
صدیوں پر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ وقت کی جیسے ٹائیں مچ  
گئی تھیں۔ دن کے اجالے نے آج شاید رخصت نہ ہونے

جنوری 2025ء 105 جاسوسی ڈائجسٹ

کی قسم کھاتی تھی۔ اسے ان تاریکیوں سے بہت ڈر لگتا تھا لیکن آج وہ بڑی شدت سے تاریکی پھیلنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اندھیرے کی سیاہ چادری اسے اپنی آنکھوں میں پناہ دے سکتی تھی۔

ماڑھ نے پانچ بجے کے قریب فون پر اسے وہ دہشت ناک اطلاع دی تھی، جسے کن نویدہ کو سننے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ پانچ سے سات بجے تک یعنی ان دو گھنٹوں کے دوران وہ بیسیوں مرتبہ کھڑکی کے سامنے لگا ہوا پردہ مرکابا ہر جھانک بٹکتی گئی۔

وہی گلی تھی۔ وہی بچے جسے جرجلی میں فٹ بال کھیل رہے تھے۔ سائیکل کی سواری کر رہے تھے اور گلی کے اختتام پر ڈھلان بھی وہی تھی جسے چٹائیں کاٹ کر ایک راستے کی شکل دے دی گئی تھی۔

وہی مکان تھے جن کی چھتوں پر سورسٹم کی پلیٹیں اور ڈش اینٹیاں لگے ہوئے نظر آتے، لیکن جانے کیوں آج اسے یہ سب کچھ بدلا بدلا سا نظر آ رہا تھا، ہر چیز سے اجنبیت کی محسوس ہو رہی تھی۔

نویدہ کمرے میں بیٹھی ہوئی بے چینی سے سورج غروب ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ سورج کا چمکا ہوا قاتل آسمان کے کنارے پر جیسے چبک کر رہا تھا۔

غروب آفتاب کے اس نظارے سے وہ ہمیشہ لطف اندوز ہوا کرتی تھی۔ آفتی پر بھرا ہوا سیندر اس کے لیے ہمیشہ باعث کشش رہا تھا۔ وہ اپنا ہر کام چھوڑ کر اسی کھڑکی میں کھڑے ہو کر یہ دلکش منظر دیکھا کرتی تھی۔

اس نے ایک مرتبہ اسد شانی سے بھی کہا تھا کہ آفتی کی چٹائیوں میں ڈوبتے سورج کا یہ منظر اس کے دل میں ایک انجانی کی پگھل چاٹا ہے۔

لیکن آج یہ چمکا ہوا گولا اس کی ذمہ داری میں بے چینی کی چنگاریاں ہی بھڑک رہا تھا۔ وہ گلی، کھیلنے ہوئے بچے، وہ ڈھلان، سب کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ کچھ ہی دیر بعد ان سب سے رخصت ہونے والی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

انعام شاہ اس کے بارے میں سب کچھ جان چکا تھا۔ اسے یہ راز اس طرح معلوم ہوا تھا۔ نویدہ کو اس کا لفظی علم نہیں تھا۔ اسد شانی سے ملاقاتوں کو اس نے ہمیشہ راز میں رکھا تھا۔

ساتھ ہی اس کی ہر ممکن کوشش رہی تھی کہ اس کے جانے والے بھی ان دونوں کے عشق سے آگاہ نہ ہو سکیں، لیکن خدا جانے انعام شاہ کو ان کے تعلقات کے بارے میں کس طرح علم ہو گیا تھا۔

انعام شاہ اس کے لیے اتنا خطرناک نہیں تھا جتنا خطرناک وہ ہوتو تھا آج اس کے قبضے میں آ گیا تھا۔

اس نے آخری مرتبہ جب کھڑکی کا پردہ ہٹایا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ فضا پر اب تاریکی تسلط جمانے لگی تھی۔ اس نے پردہ چھوڑ دیا اور فرش پر بیٹھے دیکھنا لگتا تھا کہ چلتی ہوئی کمرے سے نکل کر مکان کے بنی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

قدم ڈکھا رہے تھے، چہرے پر زردی تھی۔ دل کی دھڑکن میں پہلے سے شدت آگئی تھی محروم کی نہیں، چلتی رہی۔

بنی دروازے سے نکل کر وہ مختصر سے صحن سے گزرتی ہوئی گیراج کی طرف بڑھی، ساتھ ہی وہ عکاسی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی جیسے اسے خدشہ ہو کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔

گھر سے کھڑکی کھلس میں بیٹھ کر اس نے لرزتی ہوئی انگلیوں سے اکیشین میں چابی کھائی۔ ایک ہلکی سی مرکز ڈاٹ کے ساتھ ہی انجمن میں جیسے زمین کی لہر دوڑ گئی۔ گاڑی گیراج سے باہر آگئی اور پھر چانک سے باہر نکلتے ہی نویدہ نے ایکسیلیٹر پریشر کا دباؤ بڑھا دیا۔ وہ محتاط انداز میں سامنے اور دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اسٹیرنگ پر تھے ہوئے تھے اور گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ گاڑی کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔

چند منٹ بعد ہی وہ رہائشی علاقہ بہت پیچھے رہ گیا تھا جہاں اس نے زمین کی کئی ماہ سال گزارے تھے۔ ڈھلی سڑک چھوڑ کر وہ مین روڈ پر نکل آئی تھی۔ پیادوں کے درمیان کھری ہوئی یہ سڑک سیدھی شاہراہ خیابان کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کشادہ شاہراہ پر آتے ہی اس نے اپنا ایک ایکسیلیٹر پریشر کا دباؤ بڑھا دیا۔ کار کو ایک زبردست جھکا لگا اور اس کی رفتار ایک دم بڑھ گئی۔ اسے کچھ ہوش نہیں تھا کہ کار کس رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ غیر شعوری طور پر وہ ایکسیلیٹر پریشر کا دباؤ بڑھاتی ہی جا رہی تھی۔ اس کے ذہن پر صرف ایک ہی خیال کا غلبہ تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے، یہاں سے دور نکل جائے۔ آخری دور کر انعام شاہ کے

تنگ و تاز

لیکن آج تک وہ اپنی کوکھ سے کسی بچے کو جہم نہیں دے سکی تھی۔ قصور وار وہ خود کی یا انعام شاہ..... اس کا بھی آج تک کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا تھا، لیکن انداز ضرور ہوا تھا کہ ان کے ازدواجی تعلقات میں کشیدگی آگئی تھی۔

انعام شاہ اسے ہر وقت ایسے گھورتا رہتا جیسے آج تک کوئی بچہ پیدا نہ کر کے اس نے کسی سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے اور آج..... اس نے اچانک واپس آکر ہسپتال خرید لیا تھا، تو کیا..... وہ اسے قتل کر دیتا یا جاتا تھا؟ اور جب اسے یہ اطلاع ملی کہ انعام شاہ کو اسد شانی سے اس کے تعلقات کا علم ہو گیا ہے تو وہ مرنا پار نہ ہوئی۔

وہ یقیناً اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس کا پہلا جرم تو یہ تھا کہ وہ اپنے شوہر کو ایک بچے کا باپ نہیں بتا سکی تھی اور دوسرا جرم یہ کہ اس نے ایک غیر مرد سے تعلقات قائم کر لیے تھے۔

دونوں ہی جرم انتہائی سنگین نوعیت کے تھے اور انعام شاہ کی نظروں میں اس کی کم سے کم سزا موت ہی ہو سکتی تھی۔ نویدہ پہلے جرم میں اپنے آپ کو بے قصور سمجھتی تھی لیکن دوسرا جرم ثابت ہو چکا تھا اور وہ مزے سے بچنے کے لیے اب رادو فرار اختیار کر رہی تھی۔

☆☆☆

شام کا اندھیرا اب گہری تاریکی میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس نے کاری ہیل لائٹس روشن کر دی تھیں مگر کاری رفتار میں فرق نہیں آیا۔ جب وہ کوئی موڑ کاٹتی تو تائرؤں کی چرچر اہٹ تاریک فضا میں دور دور تک پھیل جاتی تھی۔

رفتار کم کیے بغیرے موڑ کاٹنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا لیکن اس کے ڈر وایدہ ذہن پر تو صرف ایک ہی خیال مسلط تھا۔ فرار..... جتنی جلد ممکن ہو سکے انعام شاہ کی دسترس سے وہ دوری تکل جائے تو اچھا ہے۔ احساس جرم اسے ایسا کرنے پر مجبور کرے ہوئے تھا۔

سانس بہت دور مزگ پر سبز روشنی کا نیون سائن دیکھ کر اس نے کاری رفتار اور بڑھادی۔ وہ پلک جھپکتے ہی اس نیون سائن کے قریب سے گزرتی۔ روشن حروف ایک میل دور ٹول بوجھ کی موجودگی کی اطلاع دے رہے تھے۔ ہیل لائٹس کی روشنی اس کی پیچ واد مزگ پر بڑی تیزی سے ڈاؤن لے بدل رہی تھی۔

کاری کھڑکی سے آنے والے سبز ہوا کے قبیلے نویدہ کے چہرے سے گھرا رہے تھے، لیکن اسے کسی چیز کا احساس نہیں تھا۔ ہاتھ منبھولی سے اسٹریمک پر رہے ہوئے

عالم ہا جس تک نہ پہنچ سکیں۔

ساتھ ہی وہ اپنی دوست بازو کی مٹھور بھی تھی جس نے اسے ہر وقت اطلاع دے دی تھی کہ اس کا شوہر انعام شاہ اس کے اور اسد شانی کے تعلقات سے آگاہ ہو چکا ہے۔ اس طرح اسے فرار کا سوچ لگ گیا تھا۔ اگر عین وقت پر اسے یہ اطلاع نہ ملتی تو وہ اپنے شوہر کے ہاتھوں بے موت ماری جاتی۔

اسے ابھی طرح یاد تھا کہ انعام شاہ اس روز صبح چھ بجے نہیں خوشی اس سے رخصت ہوا تھا۔ اسے وہاں سے پچھتر میل دور ایک قصبے میں اپنی کہنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ میں شرکت کرنا تھا۔

انعام شاہ بورڈ آف ڈائریکٹرز کا صدر تھا۔ اس میٹنگ میں کہنی کے حصے کے سلسلے میں ایک انتہائی اہم فیصلہ کیا جاتا تھا۔ اس فیصلے پر ہی ان کی کہنی کے مستقبل کا دار و مدار تھا۔ انعام شاہ مطمئن تھا، اس نے جاتے ہوئے اس خیال کا اعتبار کیا تھا کہ ان کا فیصلہ کہنی کے حق میں منفی ثابت ہوگا۔

یوں اسے یقین تھا کہ بورڈ آف ڈائریکٹرز کے اراکین اس کی حمایت بڑھ کر قبول کر لیں گے اور چند روز کے اندر ہی اندر کہنی کے اکاؤنٹ میں کروڑوں کا اضافہ ہو جائے گا۔

راز داری کے خیال سے کہنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ ہمیشہ کسی ایسے مقام پر ہوتی جس کے بارے میں ان کے حریف سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

انعام شاہ جب بھی کسی ایسی میٹنگ میں شرکت کے لیے جاتا اس کی واپسی تین چار روز بعد ہی ہوتی تھی اور آنے سے پہلے وہ نویدہ کو اطلاع ضرور بھیجا دیتا تھا لیکن آج دوپہر شہر میں اس کی اچانک آمد نے نویدہ کو بڑی طرح بوکھلا دیا تھا۔

تمکُن سے اس کے اس طرح بغیر اطلاع کے آجانے پر وہ زیادہ متحیر کیے نہ سوچتی لیکن جب اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہر واپس آنے کے بعد انعام شاہ نے ایک ہسپتال بھی رضا خان کی دکان سے خریدا ہے تو وہ بڑی طرح بدحواس ہو گئی تھی۔

آخر اسے ہسپتال کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟ اس کا دل روئے کو چاہ رہا تھا۔ یہ سوچ سوچ کر ہی اس کا ذہن ڈانٹ ہوا جا رہا تھا۔

انعام شاہ سے اس کی شادی کو کئی سال ہو چکے تھے

جنوری 2025ء

جاسوسی ڈائجسٹ



میلنگ میں جاتا ہے تو اس کی دھانسی دو تین روز بعد ہی ہوتی ہے۔ لیکن آج..... بہر حال، میں سمجھتی ہوں کہ وہ وہاں کیوں آ گیا ہے۔" مائزہ نے جواب دیا اور اس سے پہلے کہ لویدہ کچھ بول چال کرے، اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

پھر سبکی وہ وقت تھا جب لویدہ کے دل میں اصرار ہونے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ دوسری صورت میں اسے انعام شاہ کا انتظار کرنا تھا جرات آئے اس ہی کو لی مار دیتا۔

انعام شاہ اتنا سبک دل یا اتنا دلہند نہیں تھا لیکن اگر کسی مرد کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی بیوی فیہ مردوں سے عشق کی شگفتیں بڑھا رہی ہے تو اس سے طغور درگزر کی توقع بہر حال نہیں کی جاسکتی۔

مرد ہر بات سمجھ لیتا ہے مگر بیوی کی بے وفائی اس کی قوت پر برداشت سے باہر ہوتی ہے اور یہی کیفیت اس وقت شاید انعام شاہ کی تھی۔ اس سے کسی دم یا زنی کی توقع رکھنا اب ممتاقت ہی ہوتی۔

سڑک کا ایک موڑ گھومتے ہی سامنے بہت اندھیرے کی دھند میں زرد روشنی بجتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ وہ لول پلازا کی روشنی تھی۔ اس سے آگے سڑک کا وہ حصہ شروع ہو جاتا تھا جہاں سے لول گیس دینے لگے نہیں گزرا جاسکتا تھا۔ سرخ روشنی دیکھنے کے باوجود لویدہ نے کاری کر دیا کہ نہیں کی۔ اس کی کار انتہائی خوف ناک رفتار سے لول پوٹھ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

شادی کے بعد جب انعام شاہ نے اس کے لیے کار خریدی تھی تو وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے بھی ڈرائی تھی۔ جب اس نے ڈرائیونگ سبکی تو وہیں کبھی میل سے زیادہ کی رفتار پر اس نے بھی گاڑی نہیں چلائی تھی۔ ذہن پر ہر وقت کسی حادثے کا خوف سوار رہتا تھا لیکن اس وقت موت کا خوف دوسرے تمام احساسات پر غالب تھا۔

گاڑی جب لول پلازا کی مقررہ حد میں داخل ہوئی تو رفتار اس وقت بھی بیٹھا لیس کلو میٹر تھی، یعنی اس رفتار سے کبھی میل زیادہ جو اس حد میں داخل ہونے کے لیے مقرر کی گئی تھی۔

سامنے ایک موڑ تھا۔ اس نے رفتار کم کیے بغیر جب موڑ کا تقو دا بھی پہلو کے دونوں پیسے اوپر اٹھ گئے اور جب پیسے زمین پر گئے تو گاڑی کو ایک زوردار جھٹکا اور وہ لڑکھوائی ہوئی تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ اگلا مڑ گاڑی سڑک کے کنارے پر پڑی ہوئی چھوٹی سی دھارے سے ٹکرایا۔ ایک اور زوردار جھٹکا لگا۔ دوسرے ہی لمحے لویدہ نے

تھے اور گاڑی وہاں اسکرین پر۔ اسے مائزہ کی وہ کھنگو یاد آ رہی تھی جس نے اسے اس طرح کھرچھولنے پر مجبور کر دیا تھا، بلکہ اس کا یہ مشورہ تھا کہ جہاں پیادری ہے تو جہاں جاؤ۔

مائزہ اس کی بھینرین دوست تھی۔ وہ اپنے شوہر سے طلاق لے چکی تھی جو جیہہ رآد میں ایک بینکر تھا اور وہ خود ایک ڈیڑرٹشل ٹیئر اسٹور میں سٹیر کرنے کی حیثیت سے کام کر رہی تھی۔

"اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں لویدہ!" مائزہ نے اسے فون پر بتایا تھا۔ "میں عام طور پر ٹھیک بانجھے پہلی کر کے اسٹور کے سامنے والے گیٹ سے لگتی ہوں، لیکن آج مجھے مارکیٹ میں کچھ شاپنگ کرنا تھی، اس لیے میں اسٹور کے عقبی گیٹ سے باہر نکلی تھی۔ اس وقت انعام شاہ کی کار شاخان اطہر فروشی کی دکان کے سامنے کھڑی تھی۔"

"انعام جب میلنگ میں شرکت کے لیے کھر سے روانہ ہوا تو اس کے پاس سفید رنگ کی ٹوپ تارڑ تھی۔" پائل وئی۔ میں اس کار کو انہی طرح پہچانتی ہوں۔"

"ممکن ہے وہ کار اس وقت کسی اور کے استعمال میں ہو؟" لویدہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا تھا۔

"نہیں ڈیرا میں نے اسے اپنی آنکھوں سے رضا خان کے اسٹور سے لٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بہت ہی عجیب تھے۔" مائزہ نے جواب میں کہا۔ وہ لویدہ کی واحد دوست تھی جسے اس کے اور اسد شائی کے تعلقات کا علم تھا۔

"تم نے کسی بڈل کا بھی تو ذکر کیا تھا؟" لویدہ نے پوچھا۔

"ہاں اور میں نے اس بڈل سے پتوئل کی ڈال جھانکتے ہوئے دیکھی تھی۔" "پتوئل....."

"مائزہ! میں نہیں سمجھ پا رہی کہ مجھے کیا کہنا چاہیے لیکن..... شاید اس کی کوئی وجہ ہو.....؟"

"یقیناً نہیں، میرا مطلب ہے....." "میں تمہارا مطلب سمجھتی ہوں....." مائزہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "انعام شاہ کے اس طرح بغیر اطلاع کے چھری پیسے واپس آنے کی وجہ بھی موجود ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ یہ قول تمہارے ہی وہ جب کسی

جاسوسی ڈائجسٹ: 2025 جنوری

کو اپنے حلقے میں لے رکھا تھا۔ ان عمرانی دروازوں کے قریب سڑک کے دونوں طرف گاڑیوں وغیرہ کے پارک کرنے کے لیے کشادہ پلاٹ بنے ہوئے تھے۔ وہاں ایم لیگ کے آفس اور چند پبلک فون بوتھ بھی موجود تھے۔ جہاں سے فون، کانک کارڈ اور نیٹ لول ایڈوائس چیک کی سہولیات موجود تھیں۔

گاڑی ہلکی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کارنگ کسی خاص سمت میں نہیں تھا۔ بھی ایک طرف مڑ جاتی اور بھی دوسری سمت۔ نویدہ کے کمرزے ہوئے ہاتھ اسٹیرنگ کو بار بار ادھر ادھر کھمکا رہے تھے۔ وہ سمجھ نہیں پاری تھی کہ کس طرف جائے یا گاڑی کو کہاں روکے؟ عجیب سا ذہنی اختصار تھا جو اسے بدحواس کے ہوئے تھا۔ بالآخر اس نے اپنا ایک گلس ایک ریٹائرڈ ایریا میں بنے اوپن انڈر پینڈنٹ کے سامنے روک دی۔

وہاں لوگ کم ہی تھے۔ اس نے ایک الگ حلقہ مقام پر مڑی میٹرکسی سنبھال لی۔ اس سے پہلے وہ اندر جا کے اپنے لیے ایک کپ چائے اور ایک جیس لے آئی تھی۔ اس نے اپنا سیٹل فون نکالا تو دھک سے روک گئی۔ اسے خیال ہی نہ رہا تھا کہ فون کی بیٹری ختم ہونے والی تھی اور وہ اسے کار میں ہی لگا کر چارج کر رہی، مگر یہ کیف، اب جو بیٹری تھی اسی سے ہی سروسٹ کام چلانا تھا۔

اس وقت اسے اسد کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اس کے سیٹل فون کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف بتل جا رہی تھی۔ اس کا دل اب جیسے رک رک کر دھڑکنے لگا۔ وہ ساری صورت حال سے اسد کو بھی آگاہ کرنا چاہتی تھی مگر کال ریسیو ہی نہیں ہو رہی تھی، اس نے سوچا وہ اپنا سیٹل بھی کبھی سائیٹل بھی کر دیا کرتا تھا یا پھر کسی کو نے میں چارج پر لگا دیا کرتا تھا۔

مجبوری کے عالم میں ہی وہ اس سے لینڈ لائن کے نمبر پر بات کرتی، جیسا کہ ابھی اس نے کیا۔ دھڑکنے والے اس نے لینڈ لائن پر کال کی، جو اس کے گھر کا تھا۔ ضروری نہیں ہوتا کہ وہی کال انیٹل کرتا۔ تاہم اس صورت میں اسے کیا کرنا اور کہا تھا وہ یہ جانتی تھی۔

”ہیلو، کون؟“

دوسری جانب سے ایک نسوانی آواز ابھری۔ نویدہ نے اندازہ لگانے کی کوشش چاہی کہ وہ نمائے اسد کی بیٹی تھی یا پھر بیوی؟ اس نے حواس پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

”کیا مسٹر اسد موجود ہیں۔ میں ایک بہت اہم جنسوری 2025ء“

بدحواس میں بریک پیڈل دبا دیا۔ گرسے گلس، بریکوں کی چیز چرچاہٹ کے ساتھ ہی پارکنگ لین کے قریب رک گئی۔

نویدہ کا دل بڑی شدت کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ وہ اسٹیرنگ پر سرکا کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اس کے سینے کا زبردست ہتار ہاتھ کی جیسے میلوں کا فاصلہ دوڑ کر طے کرتے ہوئے آئی ہو۔

اپنا ایک مقب سے تیز ہارن کی آواز سن کر اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ مٹی منظر پیش کرنے والے آئینے میں کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی جلتی جیٹھی نظر آ رہی تھی۔

اس نے گردن کھما کر پیچھے دیکھا۔ اس کی گاڑی سڑک کے تقریباً وسط میں کھڑی تھی اور مقب میں ایک چھوٹا ٹرک کھڑا مکمل ہارن بجا رہا تھا۔ اس نے اسٹیرنگ سنبھالا اور کار آگے بڑھا کر سائڈ میں کر لی۔ ٹرک اس کے قریب سے گزرتا ہوا نول بوتھ کی طرف بڑھ گیا۔

”اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرو نویدہ.....!“ اس نے اپنے آپ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا لیکن سینے میں بچی ہوئی لپکلی پردہ قابو نہ پاسکی۔ زندگی کس قدر پُر سکون انداز میں بسر ہو رہی تھی۔ دونوں میاں بیوی کے درمیان بھی اختلاف تو تھا کہ وہ آج تک کسی بچے کو جنم نہیں دے سکی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی زندگی میں اور کوئی ڈر یا خوف نہیں تھا، لیکن پھر اسد شانی سے اس کی دوستی ہو گئی۔ اگر انعام شاہ کو پتا نہ چلتا تو ممکن ہے زندگی اسی ڈر پر جلتی رہتی مگر چنانچہ وہ سب کچھ ہو گیا تھا جس کی اسے توقع نہیں تھی۔

انعام شاہ نہ تو کوئی شکاری تھا اور نہ ہی کسی اور معاملے میں اسے کبھی پھنسل کی ضرورت محسوس ہوئی تھی بلکہ وہ تو اسلحہ رکھنے کے ہی خلاف تھا، اس ضمن میں اس کا خیال تھا کہ کوئی لوٹنے آئے تو اسے لوٹنے دو، کیونکہ جان سے بڑھ کر کچھ نہیں، جان ہے تو جہاں ہے، بلا وجہ کی ”مہم جوئی“ کرنے کا مطلب اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا ہے، مگر اب اس نے پھنسل خرید لیا تھا، کیوں؟ یہ سوال ہی اس کے حلق میں ابھی تک ایک موابلہ آنکھ کے کی طرح اٹھ رہا تھا۔

لہذا نویدہ سمجھتی تھی کہ اس کے پھنسل کی پہلی گولی کا نشانہ وہی بننے والی تھی۔ یہی سوچ کر اس نے گھر سے راہ فرار اختیار کر لی تھی۔

نول پلازا کے اوپن عمرانی دروازے اب زیادہ تھے۔ آرک لائٹس کی تیز روشنیوں نے وسیع علاقے



مٹاٹے پران سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ "لویدہ نے سر قش سے لہجہ میں کہا۔

”میں ان کی خادمہ بول رہی ہوں۔ صاحب اور ان کی بیگم گھر پر موجود نہیں ہیں۔“

”وہ کہاں ہیں؟“ لویدہ نے آنکھیں بند کر کے پوچھا۔

”کسی شادی پر مجھے ہیں۔“ خادمہ نے بتایا۔ ”کیا آپ کے پاس ان کا موبائل نمبر نہیں ہے؟“

”ہے، مگر اور یہ نہیں کر رہے۔“

”شاید شادی کے ہنگاموں اور شور میں ایسا نہ کر پار ہے ہوں۔ آپ کو کوئی ضروری کام ہے تو ٹرائی کرتی رہیں۔“

”ہاں، بچھا کرنا پڑے گا، مجھے دراصل ان کی بیوہ پالیسی کے سلسلے میں بات کرنا تھی، اچھا خدا حافظ!“  
خادمہ کو کوئی نہ کوئی عذر تو دینا ہی تھا۔

فوریہ نے ایسا ہی کیا۔ اس نے ایک بار پھر اس کے  
سل فمبر پر ٹرائی کیا۔ مگر جواب عا در..... انہی مشکل اور  
نازک گھڑی میں اس کے رابطہ میں ضروری تھا، وہ اپنی  
اور حیدرہ دینی ٹیلیفون میں جلا ہونے لگی۔ کاش! وہ ایک بار  
اپنا ہاسٹل فون نکال کر اس کی اسکرین پر یہی ایک نظر ڈال  
لے۔ اسے یقین تھا کہ اس کا نمبر اپنا نام دیکھتے ہی اسے  
کال بیک ضرور کرنے کا مگر ایسا نہ ہوسکا۔

وہ جھلکار اٹھی اور دوبارہ کار میں آ بیٹھی۔ اس نے اسٹیرنگ سنبال لیا لیکن کار اسٹارٹ نہ کی۔ وہ سوچ رہی۔ ٹول ہوجھ کے علاوہ ہر سوکھری تاریکی کی، وہ بے چارگی کے عالم میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اندھیرا، سناٹا، وہ اکیلی تھی اور انعام شاہ ہتھول لیے اس کی تلاش میں تھا۔ خوف سے اس کا جسم اس طرح کانپنے لگا جیسے سردی لگ رہی ہو۔

چند لمحوں تک دو دیران لگا ہوں سے چاروں طرف  
دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کارٹاسٹارٹ کر کے بڑھا دی۔  
اس کے ہاتھ اوپر لڑ رہے تھے۔ کار پر قابو پانا مشکل  
ہو رہا تھا۔ جب ٹول بڑھ کے خراب میں پہنچ کر اس نے کار  
روکنا چاہی تو اسٹرک بے قابو ہو گیا اور اٹکا پھردیوار سے جا  
کھرا۔

ٹیکس وصول کرنے والا اپنے کہین کی کمڑکی سے گہری  
 نظروں سے اسے سمجھ کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے ٹیکس کا ٹوکین  
 پھاڑ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ لوہید نے پرس سے مطلوبہ رقم

جاسوسی ڈائجسٹ: 110: جنوری 2025ء

کالی اور لرزتے ہاتھ سے کمزور کا شیشہ پیچھے کر کے نوٹ اسے تھما دے۔ اس نے نوٹن لینے کی بھی ضرورت نہ سمجھی اور ایک دم ایکسپلر ٹر پریچر کا پورا باؤ ڈال دیا۔ کاروبار سے رگڑتی ہوئی زوردار ٹھکے سے آگے بڑھ گئی۔

آگے مزید ڈھلون تھی لیکن ایکسپریٹر پر اس کے بعد  
کا دباؤ مسلسل بڑھ رہا تھا۔ رفتار بتانے والی سوئی سڑا سڑی  
کے ہندسے پر تھرک رہی تھی۔ چنیدیکھ بھدای کا ہندسہ بھی  
بار کمرنگی اور جب نوے کے ہندسے پر پہنچی تو اس نے  
ایکسپریٹر پر ہی کا دباؤ کم کر دیا۔

اس کشادہ شاہراہ پر دوسری گاڑیوں کی آمد و رفت بھی جاری تھی۔ وہ بدحواس ہونے کے باوجود اب تک کسی حادثے سے بچتی ہوئی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ بہت اچھی ڈرائیور تھی، یہی تو وہ اس طرح سڑک کے وسط میں گاڑی لے آئی کہ چیخے آنے والی گاڑیوں کو راستہ پانے کے لیے مسلسل بارن بھاننا پڑتا اور کسی سامنے سے آنے والی گاڑیوں سے بچنے کے لیے اسے دائیں بائیں ہونا پڑتا۔

یہ سب کیا تھا؟ وہ کب تک اور کہاں تک اس طرح  
 بھاگوسکتی تھی؟ ذرا تھک کر رہی۔ کب کوئی منزل ملے گی یہی  
 نہیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے موت کا فرشتہ اس کے تعاقب  
 میں ہو اور وہ دیوانہ وار اس کی دسترس سے دور ہونے کے  
 لیے اے اے خداوند گاڑی بگاڑ رہی ہو۔ اسد سے بھی رابطہ نہیں ہو  
 پا رہا تھا۔ اس پریشانی میں وہ اپنے موبائل فون کو کار میں  
 لٹکے جا رہے پر لگتا دوبارہ بھول چکی تھی۔ اس کی بیٹری  
 سکاڑا جانے کے قریب تھی۔

وہ کہاں جا کے چھپے؟ ایسی جگہ جہاں انعام شاد نہ پہنچ سکے۔ کیا اسے دوسرے شہر اب اپنا نام بدل کر جینا ہوگا؟  
 ہاں اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات ابھر رہے تھے۔ سوالات کا ایک لاتناہی سلسلہ تھا لیکن اس کے پاس  
 ان سوالات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

وہ صرف ایک بات جانتی تھی کہ وہ اب اس دنیا میں بالکل تنہا ہو کر رہ گئی ہے۔ کیا خبر اسد کو جب یہ معلوم ہوگا کہ اس کا "راز" کھل چکا ہے تو وہ بھی اس سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔

”یا اللہ! کیا ہو گیا؟ اب کیا کروں میں۔“ وہ ایسی ہیڑی اور پریشانی کی انتہائی حدود پر پہنچ چکی تھی۔ ایسے عالم میں ڈوئٹیا تک بھی اس کے لیے خطرہ لگ ہی تھی۔ اسے روم کی توڑ مار دینی تھی۔ کون اپنی مرضی سے مارتا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا۔ ہمارا میں جاں سب۔ وہ بس دور نکل جائے گی۔



تنگ و تنگ

احساس اسے پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ اس نے ایکسپریس پر چڑھ کر دباؤ کچھ اور بڑھا دیا۔ رفتار بتانے والی سولی اب ٹوٹے کے ہند سے بھی آگے سرکے لگی تھی۔

عقاب میں آنے والی گاڑی اب قریب آتی جا رہی تھی۔ دقتاً ہی اس کی ہیڈ لائٹ کی روشنی بائیں طرف سرک گئی۔ ڈرائیور شاید آگے لکنا چاہتا تھا۔ نویدہ کے لیے اب کو یا اسٹیئرنگ پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ بڑی طرح کانپ رہے تھے۔

وہ گاڑی اب اس کی گاڑی کے بائیں طرف پہنچ گئی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو دیکھا، اور دوسرے ہی لمحے اس کا دل اچھل کر قفل میں آ گیا۔

☆☆☆

دو سفید رنگ کی ٹویٹا درختوں کی ٹوپی پر ٹکی ہوئی تھی۔ نویدہ نے ایکسپریس پر کچھ اور دبا دیا۔ سولی اب سو کے ہند سے پر پہنچ چکی تھی، مگر سفید ٹویٹا بھی برابر اس کے پہلو میں تھی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر ڈرائیور کو دیکھا۔ نویدہ کو ڈرائیور کی جتنی بھی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ کار چلانے والے کی شکل نہ دیکھ سکی، لیکن اس سفید ٹویٹا کو دیکھ کر اس کے ذہن میں صرف ایک ہی نام ابھر اٹھا۔

کار لہرائی ہوئی سی آگے بڑھ رہی تھی۔ رفتار بتانے والی سولی اب ایک بار پھر ٹوٹے کے ہند سے پر تھرک رہی تھی۔ کار بے قابو ہوئی جا رہی تھی۔ کبھی وہ سڑک کے وسط میں دوڑنے لگتی تھی اس کے پیچھے سڑک کے دائیں اور بائیں کھارے کچھوٹے لگتے۔

کچھ آگے ایک جگہ سبز روشنی جھلکائی نظر آرہی تھی۔ وہ اس شاہراہ کا پہلا موڑ تھا، جہاں سے ایک سڑک فیض پوری کی طرف چلی گئی تھی اور دوسری سیدھی جام پوری کی طرف۔ وہ اپنے گھر سے اس وقت تقریباً اسی کلومیٹر دور نکل آئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس دور اس پر ایک ہوٹل بھی موجود ہے۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا کہ رات اس ہوٹل میں گزار کر صبح آگے روانہ ہو جائے۔ لیکن پھر اس نے اپنے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اسی کلومیٹر کا فاصلہ اتنا زیادہ دور نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی، اسے کم سے کم اتنا فاصلہ طے کر لیتا چاہیے کہ انعام شاہ کی دسڑن سے دور ہو جائے۔

☆☆☆

مفتی منتر پیش کرنے والے آئینے میں کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹ کی چمکتی ہوئی روشنی دیکھ کر وہ چونک سی گئی۔ یہ گاڑی بہت دیر سے اس کے عقاب میں چلی آ رہی تھی لیکن اس کا

کے بلاؤش قارئین کے لیے خوشخبری

کون خوابوں کے پار رہتا ہے

پاکیزہ

خواہوں، خیالوں اور تخیلات کی دنیا ہمیشہ ہی مسحور کن لگتی ہے۔ سہرے اور روپے خوابوں پر نہ کسی کو اختیار ہے اور نہ ہی کوئی تدبیر لگا سکتا ہے۔ امنگوں، آرزوؤں کی جھجھیل میں تخیلاتی دنیا کبھی معاون ہوتی ہے تو کبھی انسان مایوس بھی ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں مایوسی بھی آگے بڑھنے میں معاون ثابت ہو تو منزل تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔

حسین داستان اور خواہوں کی تعبیر ..... ایسے ہی تو بنتی ہے ایک دلکش تحریر

ماہنامہ ناز، قلمکار، ہمدرد، ناول نگار محترمہ

افشاں آفریدی

کے ماہر اس انداز بیان کا ایک اور دلکش، حسین و پر لطف قطار ناول

جسٹس ماہنامہ پاکستان کے صفحات کی ریٹ بے جابا ہے

جنوری 2025ء جاسوس، ڈائجسٹ

”انعام شاہ۔“

بڑی طرح تڑپا کر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دل میں یہ احساس جاگ اٹھا کہ وہ مری ہے۔

اس کی کٹس جل رہی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی گردن اس حد تک موڑ کی کہ آواز کی سمت دیکھ سکتی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر دو آدمی کھڑے تھے۔ ان سے ذرا ہٹ کر سفید ٹوپی والا وہ بھی کھڑی تھی جس پر پولیس کا مخصوص نشان بنا ہوا تھا۔ وہ ان آدمیوں کی طرف متوجہ ہو گئی جو کار کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ وہ یقیناً پولیس کے آدمی تھے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

”کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ وہی کار تھی؟“

”ہاں، میں نے فہرہ دیکھنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔“

دوسری آواز آئی۔

”ہاں، بڑوسیوں کے کہنے کے مطابق انہوں نے سات بجے کے قریب اس کار کو بڑی تیزی سے گھر سے نکلے ہوئے دیکھا تھا، پھر انہوں نے انعام شاہ کو اس حالت میں دیکھ کر اس کی بیوی، غائباً نوید نام تھا اس خاتون کا، اس کو اطلاع دینی چاہی مگر رابطہ ممکن نہ ہو سکا تب ہی میں نے شہر سے مصافحات کی طرف جانے والی سڑک کے دو دروازے پر اس کار کو دیکھا تھا تو اسے روکے کے لیے اس کے قریب میں لگ گیا۔ لیکن خاتون جانے کیوں کار کی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ یہ حادثہ پیش آ گیا۔“

”انعام شاہ نے خود بھی کیوں کی تھی؟“

”آج پورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ تھی جس میں انکشاف ہوا کہ ٹھیس اچانک گر جانے کی وجہ سے ان کی کمپنی دیوالیہ ہو چکی ہے۔ انعام شاہ یہ مقدمہ برداشت نہیں کر سکا۔ وہ دوپہر کو واپس آ گیا۔ اس نے رضا خان کی دکان سے پہلے پھول خریدے اور ایک سسٹن علاقے میں جا کر اپنے آپ کو گولی مار کر خود کشی کر لی۔“

نویدہ کو ایسے محسوس ہوا جیسے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔ اس وقت سائرنز کی آواز قریب سے آرہی تھی۔ یہ آواز بھی تیز ہو جاتی تھی مگر وہ اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا اور پھر سائرنز کی آواز بھی تاریکی میں ڈوب گئی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ نویدہ کے جسم کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا پھر وہ نے حس و حرکت ہو کر رہ گئی۔

وہ اب دنیا کی ہر چیز سے بے نیاز ہو چکی تھی۔



وہ ابھی طرح جاگتی تھی کہ انعام شاہ صبح اپنی سفید رنگ کی ٹوپی اور ڈیڑھ مگر سے روانہ ہوا تھا اور دوپہر کو بازار نے بھی اسی کار کو اس طرح فرش رضا خان کی دکان کے سامنے دیکھا تھا جہاں سے اس نے پھول خریدا تھا۔ تو بالآخر اس نے نویدہ کو تلاش کر ہی لیا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس کے دانت بچھنے لگے۔

اس سڑک پر تھوڑی ہی آگے ایک انتہائی خطرناک موڑ تھا۔ سڑک کے ایک کنارے قدرے بلند ٹیلے تھے۔ دوسری جانب گڑھے تھے۔ یوں آخرالذکر سڑک کے کنارے پر سفید جھٹکا لگا ہوا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے پہلو میں دوڑتی ہوئی سفید وڑکی طرف دیکھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کا دایاں ہاتھ کھڑکی کی طرف الٹ نظر آیا۔ اس نے ایک سیلر پٹر پر جیر کا دباؤ ایک دم بڑھا دیا۔ سوئی سو کے ہندسے سے بھی آگے جانے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے موڑ کاٹنے کی کوشش چاہی مگر کار بے قابو ہو چکی تھی۔

اس کا جسم پیسے سے شرابور تھا۔ پیسے میں بیٹھے ہوئے ہاتھ انشورٹک پر چمچل رہے تھے۔ بے قابو کار پوری رفتار سے سڑک کے کنارے خفگی جھکے سے ٹھکرائی۔ دنگ شیلڈ کے گلوے اس کے بدن سے ٹھکرائے۔ کار جھٹکا توڑتی ہوئی دوسری طرف گمبے کے کھڑے میں جا گری۔ نویدہ کے حلق سے بڑی خوف ناک چیخ نکل گئی۔ اس نے پوری قوت سے انعام شاہ کو پکارا۔

پینڈرول کی ٹو اس کے نتھنوں سے ٹھکرائی تھی۔ جسم زخموں سے چور تھا۔ قریب سے ابھرنے والی چند آوازیں اسے زحمت کی کا احساس دلا رہی تھیں۔ یہ آوازیں کسی گمبے سے نکلیں سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

”مجھے تو اس کے زخم دھنچ جانے کی کوئی امید نہیں۔“

ایک آواز آئی۔

”ایسیو پلینس کہاں ہے؟“ دوسری آواز نے پوچھا۔

”میں نے اطلاع کر دی ہے، ایسیو پلینس بس پچھتے ہی والی ہوگی۔“ پہلی آواز نے جواب میں کہا تھا۔

”میں..... زخمہ ہوں۔ تمہاری آوازیں آرہی ہوں۔“

نویدہ نے کہا مگر اس کے ہونٹوں سے گولی آواز نہیں نکلی۔ وہ زخموں سے چور ہے حس و حرکت ہم آلود زمین پر بڑی ہوئی تھی۔

سماں نفا میں سائرنز کی آواز گونجنے لگی۔ اس نے سر سمٹ کر آواز کی سمت دیکھا تاہم کھٹنے والے روڑے اسے

جاسوسی ڈائجسٹ: جنوری 2025ء



## محرم

ماہ نور

تحقیق و جستجو کرنے والے بہت آگے تک چلے جاتے ہیں... ان کے نزدیک کسی بھی واردات کے پیچھے چھبے چھبے محرم کی تلاش کرنا اشد ضروری ہوتا ہے... ایسی ہی پراسرار اور الجھن بولی کہانی... قتل ہو رہے تھے مگر ہر کسی واردات کے... جرم ہو رہا تھا مگر مجرم کا وجود غائب تھا...

ایک انوکھی کہانی کے مختلف کرداروں سے یادگار ملاقات.....

حیرت کا سامنا کرنا پڑتا کیونکہ وہ کوئی پُرکشش شخصیت کا مالک نہیں تھا، نہ ہی وہ کوئی مشہور و معروف آدمی تھا۔ تاہم لوگوں کی دلچسپی اسے اچھی لگتی تھی۔ بنیادی طور پر وہ تنہائی پسند تھا۔

جب وہ ہوٹل پہنچا تو کچھ دیر بعد ہی ایک عمر رسیدہ مسافر ملاقات کے لیے پہنچ گیا۔ مسافر کچھ بات کرنا چاہتا تھا۔ جیکسن نے اسے اپنے کمرے میں بلالیا۔ مسافر کا چہرہ سرخی

اٹلی فاس جیکسن کی عمر چالیس برس کے آس پاس تھی۔ سر کے بال اڑنے شروع ہو گئے تھے۔ وہ ایک بے ضرر، امن پسند آدمی تھا۔ نرم لکڑی آنکھوں پر ٹینک موجود تھی تھی، لباس کی مدد سے وہ باڈی تھا۔ اپنے پیشے کی وجہ سے لباس کا خیال نہیں رکھتا تھا بلکہ یہ اس کی ذاتی پسند اور ناپسند کا معاملہ تھا۔ لوگ جب اس میں دلچسپی ظاہر کرتے تو جیکسن کو

جنوری 2025ء



”ہاں، کیوں نہیں۔“ برٹن نے احماد سے کہا۔  
 ”اخبارات کے مطابق پولیس کے پاس کوئی کیے نہیں ہے؟“ جیکسن نے پُر سوچ انداز میں سوال کیا۔

”ہاں، یہ بات درست ہے کہ پولیس کے پاس آگے بڑھنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ دیکھو پہلا سرور ایک بڑھیا کا تھا۔ اچانک اور غیر متوقع خیر بھی۔ بڑھیا کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا، جیسا نہیں تھا۔ مرنے کے بعد جیسے کچھ بھی نہ بچا۔ اسے مارنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، مرنے سے کوئی عرصہ نہیں تھا۔ جلد یا بدیر وہ دیے ہی مر جاتی۔ اس کی موت سے مارنے والے کو کچھ حاصل نہ ہوتا۔ میں تصور کر سکتا ہوں کہ صورت حال سے پولیس کس قدر پریشان تھی۔ محرم کی غیر موجودگی نے پولیس کو بند کھلی میں محرم کر دیا تھا۔ تم جانتے ہو گے کہ پولیس کو ہر کیس میں عرصہ مل جاتا ہے۔ یہاں بھی انہوں نے ہاتھ پاؤں مارے ہوں گے لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا۔ مکمل شروع ہونے سے پہلے ختم ہو گیا۔

”دوسرے کیس میں جہان آدمی تھا۔ اکیلا تھا، بے روزگار تھا۔ یاد آ؟ معاصیلے جیسا تھا۔ محرم عمارد پولیس اندھیرے میں سرخ رہی تھی۔ تمام چھ اموات میں سبکی ماموس کن صورت حال سامنے آئی۔“

”ایک میں بھی محرم نہیں ملا؟“ جیکسن نے سوال کیا۔  
 ”ایک بھی نہیں۔“ برٹن نے سینہ پھلا کر یوں کہا جیسے یہ دریافت اس کی کمی بھر دو بارہ آگے کی طرف جھکا اور بولا۔  
 ”لیکن محرم میں نے معلوم کر لیا ہے۔ تمام اموات کا محرم۔“ جیکسن نے حیرت سے برٹن کی آنکھوں میں دیکھا جو پہلے سے زیادہ روشن ہو گئی تھیں۔ آنکھوں میں ناقابل فہم ہراساں کر دینے والی چمک تھی۔ جیکسن نے بے چینی سے کپکپو بدلا۔

”سچ بول رہے ہو؟“ جیکسن کا انداز مشکوک تھا۔  
 ”سو فیصد۔“

جیکسن نے اظہار کیا کہ وہ کچھ اور بولے۔  
 ”میں بذات خود ہر ڈاؤن میں گیا تھا۔“ برٹن نے بولنا شروع کیا۔ ”میرے علم میں یہ بات آئی کہ ہر ڈاؤن میں جہاں مرزور ہوا تھا، وہاں ایک میڈیسن شو کا بھی انعقاد ہوا تھا۔ یہ دن میں شوق تھا۔ چھ مہرہ صرف ایک رات کے لیے شوق کرنے والے نے ہر ڈاؤن میں بائس کے اندر سستی مسکن گولیاں فروخت کی تھیں۔

”سرا پا کسز میں سے ایک بائس میں اس آدمی نے ایک ڈبرہ لی گولی رکھی تھی۔ ساٹھ ڈاؤن میں ایسا ہوا۔

بال تھا۔ قد قامت درمیان اور آنکھیں چمک دار تھیں۔  
 مونچوں میں سفید بال نمایاں تھے۔ جیکسن کو آنکھوں کے ملا درمیان میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔  
 جیکسن نے اسے کرسی پیش کی اور شائق سے وہی منگوا کا آغاز کیا۔ مسافر کے ہاتھ میں اخبار کی موجودگی اسے پسند نہیں آئی۔

”سرا میرا نام برٹن ہے۔“ وہ دوستانہ انداز میں بولا۔  
 ”صرف برٹن عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن کام چل جاتا ہے۔“  
 ”جیکسن بھی عام سا نام ہے۔“  
 ”نہیں۔۔۔ جیکسن پھر بھی بہتر نام ہے۔“ برٹن نے کہا۔

جیکسن نے اظہار کر دیا کہ یوٹیل اور دو گلاس نکالے۔  
 چھڑا نیلا گ کا تار ہوا پھر ان دونوں نے اپنا اپنا گلاس اٹھایا اور دواؤں کی چکیاں لینے لگے۔ برٹن نے ایک بار پھر لپٹا ہوا اخبار لہرایا۔

”میں ان وارداتوں کے بارے میں پڑھتا رہا ہوں۔“ وہ بولا۔ ”خوشنک تو ہے لیکن عجیب تر معاملہ ہے۔ میں اسے پراسرار کہنے سے اجتناب برتوں گا کیونکہ میرے لیے یہ حیرت ناک نہیں ہے۔“  
 جیکسن کو توقع نہیں تھی کہ برٹن یہ موضوع جھپڑے گا جو کم از کم اس کے لیے پراسرار ہی تھا۔

”تم اطراف کے ڈاؤن میں ہونے والی اموات کی بات کر رہے ہو؟“

”ہاں، یہ ڈاؤن ایک قطار میں ہیں۔ ہر ایک میں ایک موت ہوئی ہے۔ قطار ختم ہو رہی ہے اور اب اس ڈاؤن کا نمبر ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ اس ڈاؤن کا نمبر آئے تک میں یہاں سے جا چکا ہوں گا۔“ وہ ہنس رہا تھا۔  
 جیکسن کو اس کی مسکراہٹ جڑی لگی تھی۔

اچانک برٹن راز دامانہ انداز میں کرسی پر آگے کی طرف جھکا۔ ”جیکسن! تم نہیں جانتے، میرے پاس ایک تصدیق ہے۔ ان جرائم کے بارے میں شاعرانہ تصدیق ہے۔ سائنٹفک۔“

”تم کہہ رہے تھے کہ تمہارے نزدیک یہ پراسرار ہیں نہ حیرت انگیز؟“

”یہ بحث میری تصدیق میں پوشیدہ ہے۔ میں شرط لگا کر بتا سکتا ہوں کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہوا ہے۔“  
 جیکسن نے مہذب انداز میں سوال کیا۔ ”کیا تم بتا سکتے ہو؟“

جاسوسی ڈائجسٹ: جنوری 2025ء

محدود

”کیسے ممکن ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ قاتل ہی ہے خبر ہو؟“

”عمرک“ برٹن نے پھر فریبرگ پر اعجاز اختیار کیا۔ ”عمرک ہی ٹاپ بیکرٹ ہے۔“

”اور عمرک..... عمرک کیا ہے؟“ جیکسن نے یہ مشکل سوال کیا۔

”تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔“ اس نے سر کے ہٹائے ”تم“ کا لفظ استعمال کیا۔ ”سوال تک سوچو گے کوئی نہ جان سکے گا۔ میں بتاتا ہوں۔“

”تم کون ہو؟ تمہیں کیسے اس حیدری کے بارے میں علم ہوا؟“

”میں سائیکالوسٹ ہوں۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“

”میں عام سائیکالوسٹ نہیں ہوں۔ میں سائیکالوسٹ ہوں..... خاص۔“ دونوں کا فرق پتا ہے؟

”ہاں۔ ایک دواؤں پر اور دوسرا تھراپی پر انحصار کرتا ہے۔“ جیکسن نے جواب دیا۔

”ہاں، لیکن میں علاج نہیں کرتا، ریسرچ کرتا ہوں۔ میں نے کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ریسرچ کی دوسری طرف کے لوگوں کی یہ دوسری دریافت کی ہے۔ اس کا ذکر میری کسی کتاب میں نہیں ہے کیونکہ میری تحقیق جاری ہے۔“

”تم قاتل اور عمرک کے بارے میں بتا رہے تھے؟“ جیکسن نے یہ قراری ہے برٹن کو اصل موضوع کی طرف

مکھیلا۔ وہ اتنا سمجھ گیا تھا کہ برٹن نے پورا یا اصل نام نہیں بتایا تھا لیکن یہ سب بتانے کے لیے برٹن نے اسے ہی کیوں چننا تھا؟ یہ سوال جیکسن نے بعد کے لیے چھوڑ دیا۔

”میں نادر نفسیاتی امراض پر ریسرچ کرتا ہوں۔ مثلاً

بون تھراپی (Boanthropy) کا نام سنا ہے؟“

”نہیں۔“

”اس میں مریض خود کو گائے سمجھنے لگتا ہے۔ یہ انتہائی rare ہے۔ مریض گائے کی طرح سبز و کھانے کی کوشش کرتا

ہے۔ وہ بے خبر ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اسی طرح کھیل لاکین تھراپی (clinical lycan thrropy) ایک

دشمن ناک نایاب بیماری ہے جس میں مریض خود کو بھیڑ یا یا اژدہان تصور کرتا ہے اور جنگ میں جانے کی کوشش کرتا ہے

اور واکنگ ڈیڈ کوٹارڈ ڈیلیوژن (walking dead cotard delusion) جیسے نام کوٹارڈ کے لگے گا۔ اس

میں مریض زندگی میں جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جسم اندرونی طور

پر مر رہا ہے۔ کسی بھی ایک پاس میں کریوں کے درمیان ایک ذہنی کوئی کی۔ وجہ موت میں پوسٹ مارٹم کے ذریعے یہ بات سامنے آتی تھی۔ میڈیسن شوکر نے والے کو پتا نہیں تھا کہ ذہنی کوئی کس کے حصے میں آئے گی اور اسے یہ جاننے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ مطلب اسے پورا نہیں تھی۔ وہ خود ہی بھی موت سے پہلے محفوظ حالت میں ڈاؤن سے نکل جاتا تھا۔ ذہنی کوئی کا نہیں تھے دن بعد کس کے حصے میں آتا، یہ کوئی نہیں جان سکتا تھا کیونکہ اس نے کسی بھی ڈاؤن میں ایک سے زیادہ ذہنی کوئی فروخت نہیں کی۔ مزید یہ کہ کوئی دیگر ممکن کریوں میں لی ہوئی تھی ٹوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ چھ شوز پار سینے میں ہوئے تھے اور آخری موت چھپے سینے میں منظر عام پر آئی۔ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایک ڈبے میں ایک کوئی نہیں ہوتی۔ آگے سنو۔“

”مجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔“ جیکسن نے احتجاج کیا۔

”ہاں، محض سے اورا ہے۔“ برٹن نے اعتراف کیا۔

”لیکن جو کچھ ہوا، وہ اسی طریقے سے ہوا۔ شرط یہ بتا رہا ہوں اور شرط لگا رہا ہوں کہ دوران گفتش پولیس کو سامنا کرنا کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ شوشین اتنا زیادہ ہوشیار نہیں تھا۔ پولیس اس تک پہنچنے کی ضرورت پہنچی، میرے الفاظ یاد رکھنا۔“

”پولیس پہنچنے کی؟“

”بلاشبہ پہنچی۔ وقت کی بات ہے۔ سنی دیر لگے گی؟ یہ نہیں معلوم۔ ٹوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ چھ شوز پار سینے میں ہوئے تھے اور آخری موت چھپے میں منظر عام پر آئی۔

وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ایک ڈبے میں ایک کوئی نہیں ہوتی۔ آگے سنو۔ ایک بات کی اور شرط لگا سکتا

ہوں کہ وہ آخر وقت تک عمرک نہیں تلاش کر سکیں گے۔ اگر قاتل کو پکڑ لیا تب بھی معلوم نہیں کر سکیں گے۔“

”کیا کہو اس ہے۔ پکڑ لیا تو قاتل بتانے پر مجبور ہوگا۔“

جیکسن سنا رہا ہونے بغیر نہ رہا۔

برٹن نے اس کے سمجھنے پر ہاتھ رکھ کر تیز سرگوشی کی۔

”سرا یہ قاتلوں کی بدترین قسم ہے۔ امکانات بہت زیادہ

روشن ہیں کہ خود قاتل بھی لاطم ہوگا۔ پولیس کو اس ہمدرد شخص کو

گروہ کے آباؤ اجداد کو نہیں کر کے اسٹری کرنا پڑے گا۔ جب کہیں دواصل بات کی۔ تک پہنچ جائیں گے۔“

جیکسن دیر حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کا حلق خشک ہو گیا۔ جیکسن نے گلاس میں مزید واٹن انڈی اور برٹن کی طرح سرگوشی کی۔

جنوری 2025ء

Scanned with

CamScanner

”بس..... بس کرو۔“ جیسن نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ ”تم مجھے ہارمودی کا مسودہ پڑھ کر بتا رہے ہو۔“

محسوس کی۔ اس نے سوچا کہ وہ برٹن کو وہاں سے باہر نکال دے لیکن وہ کچھ نہ کر سکا۔ وہ قاتل اور محرک کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ برٹن نے کپیڈو کا خیال دے کر اسے متحکم میں ڈال دیا تھا۔ برٹن کا اعزاز اس کا دے بھر رہا تھا۔

”مجھے بات کھل کرنے دو۔“ بجن نے کہا۔ ”اس خطرناک مرض میں بعض اوقات قاتل باخبر ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ ایسا وقت دو ہے خبر ہوتا ہے۔ دس میں سے ایک مرتبہ وہ کھلی ہے خبر ہوتا ہے اور یہ ہمجا کہ صورت حال ہوتی ہے۔ ایسا ہی حال ہوتا ہے جیسے وہ خودی کیفیت میں متحرک ہو یا بیمار حالت خواب میں ہل رہا ہو اور اس وقت وہ ایک دوسری شخصیت میں ڈھل چکا ہوتا ہے۔ اسی دوران اس کی ذات خیزی شروع ہوتی ہے۔ بجن انہیں سمجھ رہے ہوں۔“

”اسی دوران وہ کسی کو ہلاک کرتا ہے یا پھر ہلاک

”لیکن کبھی کبھی وہ یہ کام خفیہ انداز میں کرتا ہے۔ جیسے یہ قاتل مختلف ناؤں میں سرگرم ہے۔ کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ کس حال میں ہے؟“

”وہ ہونی سائیڈل میڈیا کا شکار ہے اور خوابیدہ حالت

کہانی تو پراسرار تھی لیکن جس نے اسے اتنا وقت کسی دور دور پر سے دیا تھا اور وہ وجہ سن کر گولیاں تھیں جس کا ذکر بڑن نے شروع میں کیا تھا۔ اس کا اعتماد اور کمبیز کا حوالہ کہہ رہا تھا کہ بڑن کی قصیدوی اتنی ہی طاقتور تھی جیسے اس کی روشن آنکھیں۔ ان آنکھوں نے جس کو پہنا کر دیکھا تھا اور قصیدوی کا اپنا بصر تھا۔ جس کو بے چینی دے پڑا رہی خوف میں بدل رہی تھی لیکن وہ لب بستہ تھا۔ یہ شکل اس نے کہا۔

”یہ کیسے ممکن ہے؟“

”میں ایک آسان مثال دیتا ہوں۔“ برٹن نے جواباً کہا۔ ”جیسے نیند میں چلنے کا مرض ہوتا ہے۔ ایسا مریض خوابیدہ کیفیت میں چل پڑتا ہے۔ گرتا ہے نہ کھڑا ہے۔ وہ چلتے چلتے بیدار بھی ہو سکتا ہے اور واپس بستر پر آجاتا ہے لیکن بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا۔ وہ اسی حالت میں کچھ کرتا بھی ہے۔ مثلاً آفرنگ میں سے پانی پی گا اور واپس آکر سو جائے گا۔ جب وہ حقیقت میں بیدار ہوگا تو بھول چکا ہوگا کہ درمیان میں اٹھا تھا، پانی پیا تھا اور سو گیا تھا۔ جس ضمن خطرباک قاتل کی بات کر رہے ہیں، اس کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔“

”تمہاری تصویر ابھی تک ختم کیوں ہے؟“



”بات ہے کہ ہر آدمی میں سے ایسے ہر ایک کے ذریعے والے کو قاتل  
 باخبر ہوتے ہیں۔ ایک سے خبر ہوتا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ  
 سب سے فطرت کا قسم ہے۔ وہ کسی خفیہ اعزاز میں مل کر  
 ہے۔ یہ ان میں کوئی اور خیال و حالت نہیں ہے۔ جو قاتل  
 باخبر ہوتے ہیں۔ ایک یا دو مل کر بات کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ  
 نہیں۔ چونکہ وہ باخبر ہوتے ہیں لیکن نہیں سمجھ سکتے کہ انہوں  
 نے یہ کونسا کام کیوں کیا۔ ان کی وحشیانہ غارت خواہی ہو جاتی  
 ہے۔ احساسِ جرم کے تحت وہ خود کوئی کر لیتے ہیں۔“

”ایک نئی...“ جیسک نے ہاتھ اٹھایا۔ ”ہم جس قاتل کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں، وہ قاتل جانتا کہ مومنات کا قتلے دار کون ہے۔ نہ وہ عمر کے آگاہ ہے، اسکی صورت میں پولیس کیا ثابت کرے گی اور پولیس اس کے ساتھ کیا کرے گی؟“

پولیس ثابت کرے گی کیونکہ قاتل کی منصوبہ بندی میں یکسانیت ہے۔ ہلاکتیں بھی صرف سائنسٹوں سے ہوئی ہیں۔ ہاں وہ محرک نہیں جان سکتے۔ وہ یہ کریں گے کہ تمام وقت

## بیرون ممالک

## قارئین متوجہ ہوں

ڈاک خانے کے اخراجات میں  
مسلل اضافے کی وجہ سے  
بحالتِ مجبوری ہمیں بیرون ممالک کے  
قارئین پر تھوڑا اضافی بوجھ ڈالنا پڑ رہا ہے

اس ماہ سے زمر سالانہ

50 ہزار روپے

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63 فیروز ایسٹیشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی  
مین کورنگی روڈ۔ کراچی

”یہ میری دریافت ہے۔ میری پہلی کتاب کا موضوع بھی ”ہومی سائیکل میک“ (homicidal maniac) ہے (خودکش و دغاگلی) اور یہ ابھی تک خفیہ اس لیے ہے کہ میری دیرپہ شہس ایک سوال ابھی تک حل طلب ہے۔“

”وہ کیا؟“

”یہ چند ڈانڈیں چل چلیں۔۔۔ کیس سے میرے لیے امان کا باعث ہے۔ یہ ایسے خاص دھنیاں تھیں جن میں سے ایک ہے جو خود بے خبر ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے۔ مسئلہ ہے کہ میری ضروری کے مطابق ایک ڈانڈ میں کام کرنے کے بعد اسے ہوش ملتا ہے آجائے تھا۔ کہ جہیز پر کسی کو ملنے کا کھانا اسے نہیں ملتا۔۔۔ یہ بھی نہیں چا کر نہ دارودخود ہے۔ اگر اس کے اخبار میں پڑھا ہوگا تو وہ اس کے لیے محض ایک خبر ہوگی۔ پولنگ سے دو سو تاخیر تک خریدیدہ کیفیت سے دور رہیں۔ یہ بات سن کر اسے کیفیت کی طرف توجہ نہیں ہوتی تین دن گزار دیے گئے ہیں۔ میرے پاس خود کرنے کے لیے ایک ہی امکان ہے اور وہ یہ کہ وہ بار بار طاقتور کیفیت کا شکار ہو رہا ہے جبکہ افسوس کی کیفیت یکساں ہے۔ یہ ایک عام سیریل کر کے خاتمہ ہے۔ حالانکہ عام سیریل کر کے خاتمہ کیا کرتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے تو صرف ایک امکان ہوتا ہے جو مزید دھشت نامک ہے۔ وہ یہ کہ ہمارا ہونے کے بعد قاتل کو عمر سے سزا ملے۔ یہ طاقتور نوعی کیفیت میں خاموشی ہے۔ یہ درست ہے تو جہیز کا رستہ ہے۔“

”برٹن جانتا ہے وہ کیا نہیں جانتا۔۔۔ یہ ممکن ہے۔“

”تم نے کیا تھا کہ پولیس اس تک لازمی پہنچی۔“

”خاطر ہے اس کے بعد مزید دارداروں کا امکان ختم ہو جائے گا۔“

”جسکے نے خیال آ رہا کی۔“

”اور تم نے کہا تھا کہ یہ گاؤں ایک قطار میں ہیں اور یہ گاؤں جہاں ہم ہیں، آخری گاؤں ہے۔ مطلب آخری موت یہاں ہوگی؟“

”ہاں، کہا تھا۔“ برٹن نے جواب دیا۔ ”اور ایسا ہوا تو میری ریسرچ مکمل ہو جائے گی۔“

”آخری سوال۔“ جیسن کو خیال آیا۔ ”تم نے اپنی  
 قصیدی کا جو نام رکھا ہے، اس میں خود کس کا لفظ کچھ نہیں آیا۔  
 میرے خیال میں تو ”خوابیدہ قاتل“ یا ”قاتلانہ دیوانگی“ ہونا  
 چاہیے تھا۔“

”بہت خوب!“ برٹن نے تعریفی انداز اختیار کیا۔

آیا۔ اٹلاس کا دماغ بچنے لگا تھا۔

اچانک ایک خیال برقی کے مانند دماغ میں لہرایا جس نے اسے مزید دہشت زدہ کر دیا۔ اس نے ایک گلاس پانی پیا اور گولیوں کا اسٹاک نکالا۔ ایک ایک باکس کو اس نے احتیاط سے چیک کرنا شروع کیا۔ ساتویں ڈبے میں اسے ایک مختلف گولی ملی۔ بظاہر وہ بھی دوسری گولیوں کے مانند تھی لیکن جیسک دھوکا نہیں کھا سکتا تھا۔ گولی کا رنگ قدرے گہرا تھا۔ شوکر کوٹنگ میں ایک جگہ بال پڑ گیا تھا۔ جیسک نے گولی کی پررہی۔ وہ پچھلی پچھلی نظروں سے گولی کو گھور رہا تھا۔ جسم کے مسامات نے پسینا اگل دیا۔ دماغ مَن ہو گیا۔ برٹن سے جو سوال اس نے نہیں پوچھا تھا، اس کا جواب مل گیا کہ برٹن تھیری کی جیسک کو کیوں سنا رہا تھا۔ پولیس سے زیادہ برٹن نے تفتیش کی تھی۔ وہ ہر باتوں میں کیا تھا۔ شوز کے علاوہ ہر صوموت اور وجہ موت کے بارے میں جانتا تھا۔ پولیس کب پہنچے گی لیکن برٹن پہلے پہنچ گیا تھا۔ وہ جیسک کو پہچان گیا تھا۔

جیسک نے اجازت مانگے کے پتھر کے کمرے کو اہمیں اڑا دیے۔ اس کی حالت ابتر تھی۔ اس نے تو زندگی میں کبھی چوہا تک نہیں مارا تھا۔ وہ اٹھ کر وہیں آ گیا جہاں برٹن سے باتیں کر رہا تھا۔ نظروں کی بوتل پر تھی۔ بوتل اٹھا کر اس نے دیوار پر دے ماری۔ دھماکے سے بوتل بھی گلاؤں میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اپنے بال بوجھ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہو گئی۔ وہ چڑکا۔ پھر دستک ہو گئی۔ جیسک نے بڑھ کر دروازہ کھولا اور حیرت سے برٹن کو دیکھا۔ برٹن نے بڑھاس جیسک کو دیکھا۔

”کیا کر رہے ہو یہاں؟“ جیسک نے سوال کیا۔

”میں یہیں برابر دالے کمرے میں ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔ ”لیکن تمہاری طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔ کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں؟“

غیر متوقع طور پر جیسک طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

”ہاں بالو۔ ٹھیک ہے۔“ اس نے دروازہ بند کر دیا اور واپس چھوٹے کمرے میں ٹیبل پر آ گیا۔

”برٹن یہیں ہے۔“ وہ بڑبڑایا۔ معمولی ٹھپان تھا، وہ بھی دور ہو گیا۔ جیسک ٹیگٹ ٹرسکون ہو گیا۔

”مسٹر برٹن! اپنی اگلی کتاب لکھنے کی تیاری کرو۔“ اس نے خود سے کہا، گلاس میں پانی ڈالا اور ڈھیر لی گولی اٹھالی اور انتظار شروع کیا۔ کچھ دیر بعد دستک کی آواز بھڑائی۔ جیسک نے اطمینان سے گولی منہ میں ڈالی اور پانی کا گلاس اٹھالیا۔



اسے لاک آپ اور تاریکی میں رکھیں۔ وہ ہوش میں ہو گا لہذا اس کی حالت خراب ہوتی جائے گی۔“

برٹن اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسک کی بے چینی، خوف میں بدل چکی تھی۔ وہ خود بھی دھتکا کھڑا ہو گیا اور ہاتھ لہرایا۔

”ٹھیک ہے۔ جاؤ۔“

☆☆☆

اس کے نکلنے ہی جیسک چھوٹے اندرونی کمرے میں گیا اور ٹیبل کے نزدیک کرسی منجبال لی۔ اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ خوف کی وجہ سے اس نے ایک اہم سوال نہیں پوچھا تھا۔ وہ یہ کہ برٹن کیوں وہاں آیا اور تھیری اسے کیوں بتائی۔ پولیس قاتل تک کیسے پہنچے گی اور آخری واردات موجودہ ناؤن میں کیوں ہوئی؟

”پاکل تھا کوئی۔“ وہ بڑبڑایا اور اس کی طرف سے دھیان ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ لیٹر اٹھایا جسے وہ پہلے بھی پڑھ چکا تھا۔

”ڈیز مسٹر جیسک! ہم یہاں اجازت نامہ شلک کر رہے ہیں جو آپ کی درخواست پر بورڈ چیئرمین نے منظور کیا ہے۔ آپ نیچے دی گئی تاریخ پر اپنا میڈیسن شو یہاں کر سکتے ہیں۔“

جیسک نے اپنا سر پکڑ لیا۔ اس کی سانس جیسے رک گئی تھی۔ برٹن اور اس کی باتیں پھر اس کے دماغ میں بھڑکے مانند ٹپکانے لگیں۔ معاس نے دروازہ کھول کر چھوٹا کڑا لالا اور بلا تال باز دو پر کٹ لایا۔ منہ سے کسی نکل گئی۔ خون بہہ نکلا۔ وہ ہوش میں تھا۔ ایک بات دماغ میں پتھر ڈلم کے مانند جھول رہی تھی۔ کیا وہ قاتل ہے؟ وہ تو ایک عام ادویات فروش اور فارماسٹ تھا۔ وہ پہلا میڈیسن شو کرنے جا رہا تھا جبکہ برٹن نے چار ماہ میں چھ شوز اور چھ اموات کی نشاندہی کی تھی۔ چھ اموات چھ مہینے میں ہوئی تھیں۔ آخری موت جیسے مہینے میں منظر عام پر آئی تھی۔ اگر اس کی تھیری درست تھی تو ظاہر ہے کہ شوز کے انصاف پر یا اگلے روز یا بعد میں موت نہیں ہو سکتی تھی۔ شو کرنے والا چلا گیا۔ ایک ڈبے میں ایک گولی نہیں تھی۔ جس نے بھی گولیاں استعمال کرتے ہوئے نادر اٹھیں تھیں کئی روز بعد ڈھیر لی گولی کماٹی تو موت واقع۔ شو کرنے والے کی طرف حلق نہیں جاسکتا تھا۔ ویسے بھی دوران تفتیش پولیس کے ہاتھ کچھ آیا بھی تو وہ عام گولیاں ہوں گی۔ ڈھیر لی گولی مرنے والے کھا چکے تھے۔

جیسک نے دماغ پر بہت زور ڈالا۔ اُسے کچھ یاد

جاسوسی ڈائجسٹ 119 جنوری 2025ء



## خفیہ مشن

غلیل جبار

کسی ایک کی کامیابی کے پیچھے دوسرے کی شکست کھڑی ہوتی ہے... اور منصوبہ ساز سمجھتا ہے کہ اس کی تمام تر ذہانت اور معاملہ فہمی اسے صرف کامیابی سے ہمکنار کرے گی... کافی عرصے بعد ملنے والی دو دوستوں کی ملاقات کا احوال... ان کی دوستی نے سنگین صورت اختیار کر لی تھی...

چروں کے ساتھ ذہن پڑھنے والی شخصیت شناس کا کراہیستان.....

لارنس بار میں گریشا دالت کے ساتھ بیٹھا، اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ گریشا نے ابھی تک ایسی بات نہیں کی تھی جس سے اندازہ ہو وہ کیا چاہتی ہے، ملاقات سے قبل ملی فون پر گریشا نے سختی سے تاکید کی تھی وہ وقت مقررہ پر ایکلا پیچھے، وہ اس سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتی ہے۔ گریشا اس کی بیوی جینا کی دوست تھی۔ جینا نے اس کی ملاقات لارنس سے کرائی تھی۔ پہلی ملاقات میں وہ اسے ابھی نہیں ملے گی، پھر کئی اور ملاقاتیں بھی ان کی ہوئیں۔ لارنس

جنوری 2025ء 449 جاسوسی ڈائجسٹ



بیوی کی سہیلی سے زیادہ کچھ نہیں تھی، وہ اپنی بیوی جینا سے بہت محبت کرتا تھا۔ لارنس کو محسوس ہو گیا تھا کہ گریشا اس سے محبت کرنے لگی ہے۔

لارنس بار میں بیٹھے بیٹھے بوریت محسوس کرنے لگا تھا، وہ ابھی تک اسے اپنی ادا میں ہی دکھا رہی تھی، وہ بار میں اس کی ادا میں دیکھنے نہیں آتا تھا۔  
”گریشا تمہیں مجھ سے کسی اہم موضوع پر بات کرنی تھی۔“

”اوہاں..... تم نے ٹھیک کہا۔“

”کیا بات کرنی ہے؟“ لارنس نے پوچھا۔

”لارنس میں محسوس کر رہی ہوں، ہم دونوں کی ملاقات بہت لیٹ ہوئی۔“

”جلدی ہو جاتی تو پھر میری شادی جینا سے کیسے ہوئی۔“ لارنس نے ہنسنے ہوئے کہا۔

”یہ بھی تم درست کہہ رہے ہو، کیا مجھے دیکھ کر تمہارا دل نہیں کرتا کہ میں تمہاری بیوی ہوتی۔“

”اب چاہئے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔“ لارنس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“

”اس لیے کہ میں شادی شدہ ہوں، شادی شدہ مرد کی ساری دلچسپیاں اپنی بیوی سے ہو جاتی ہیں۔“

”لیکن میری شادی ابھی نہیں ہوئی۔“

”ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ تم کنواری ہو۔“ لارنس نے اسے جھپٹنے کو لفظ کنواری پر زور دیا۔

گریشا کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ وہ سنبھل گئی اور بولی۔ ”تم بہت شریر ہو۔“

”بچپن سے میں شرارتی واقع ہوا ہوں۔“

”میری بھی شدید خواہش تھی کہ ایسا ہی شوہر ملے۔“ ”کوئی ملا؟“

”ہاں ملا ہے، لیکن وہ کسی اور کا ہو گیا ہے۔“

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔“ لارنس نے کہا۔

”کیا تم میرے نہیں ہو سکتے۔“ گریشا نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تمام لیے۔

”یہ کیسے ہوگا؟“

”تم جینا کو چھوڑ کر مجھے اپنا لو۔“

”جینا کے دل پر کیا گز رہے گی؟“

”وہ شروع سے مجھے پسند نہیں کرتی۔“

”لیکن وہ تمہیں اپنا اچھا دوست سمجھتی ہے۔“

ایک چہرہ شام بھی تھا، وہ لوگوں کے چہرے پر بڑھ لیتا تھا، اسی لیے اس کے ذہن میں گریشا کا وہی خاکہ رہا، جو پہلی ملاقات میں تھا۔ اس کا ذہن کہہ رہا تھا کہ گریشا ایک خود غرض اور لا لائی عورت ہے، وہ اپنے مفاد کی خاطر کچھ بھی کر سکتی ہے حتیٰ کہ اسے کوئی انتہائی قدم بھی اٹھانا پڑے وہ اٹھا سکتی ہے۔

لارنس کے گریشا کے لیے جودل میں تھا، اس نے اپنی بیوی جینا سے اس کا اظہار بھی کر دیا تھا، لیکن اس کی بیوی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”گریشا بہت اچھی عورت ہے، ہم نے ایک عرصہ ساتھ گزارا ہے۔“

”تم کہہ رہی ہو تو ہاں لیتا ہوں، لیکن میرا دل نہیں مانا کیونکہ میں ایک کاروباری شخص ہوں، دن میں نہ جانے کتنے لوگوں سے ملاقاتیں کرتا ہوں، جس شخص کے بارے میں، میرے ذہن میں جو خاکہ بنتا ہے، وہ اسی نوعیت کا نکلا ہے۔“

”وہ مزید ہیں اور یہ عورت ہے، شاید عورت کے معاملے میں غلط ثابت ہو جائے۔“ جینا نے ہنسنے ہوئے کہا۔

”تم سے گریشا کتنے عرصے بعد ملی ہے؟“ لارنس نے پوچھا۔

”پانچ سال کا عرصہ ہو گیا ہے، ہمیں نہ ملے ہوئے۔“ جینا نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے گریشا اس وقت ابھی سوچ کی مالک ہو، اب اس کے چہرے میں تبدیلی آگئی ہو۔“

”انسان جیسا اندر سے ہوتا ہے، اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگتا۔“ لارنس نے کہا۔

”وہ دوست میری ہے اور تم ضرورت سے زیادہ اس میں دلچسپی لے رہے ہو۔“ جینا نے ہنسنے ہوئے کہا۔

”تمہیں سمجھانے کی غرض سے کہہ رہا ہوں۔“ لارنس نے کہا۔

”گریشا سے میری کوئی کاروباری ڈیلنگ نہیں ہے، دوستی ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی محسوس کی تو میں اس سے ملنا چھوڑ دوں گی۔“

”میرا خیال ہے تم میری بات سمجھ گئی ہو کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں، اس لیے اب اس موضوع پر بحث کرنا فضول ہوگا۔“ لارنس دیر ب مسکرایا۔

وقت گزرنے کے ساتھ گریشا کی دلچسپی لارنس میں بڑھ رہی تھی، لیکن اس کے نزدیک گریشا کی حیثیت اس

جاسوسی ڈائجسٹ (20) :: جنوری 2025

خفیہ مشن

”ہاں کیوں نہیں، مجھے دوستوں کی طرح ملنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے، میں تم سے ملتا رہوں گا۔“

”جیتا کے ساتھ نہیں، الگ سے بار میں کچھ وقت ساتھ گزارا کریں گے۔“

”جیتا کو ہمارے الگ سے ساتھ گزارنے پر اعتراض ہو سکتا ہے، کیونکہ تم اس کی دوست ہو۔“

”ہاں یہ درست ہے، تم سے دوستی جیتا کی بدولت ہی ہوئی ہے مگر ہم اپنی ملاقاتوں کا ذکر جیتا سے کریں گے ہی نہیں۔“

”ٹھیک۔“ لارنس نے کہا۔

اس نے گریشا کا دل رکھنے کو یہ بات کہہ دی تھی، حقیقت یہ تھی کہ وہ اس سے الگ ملاقاتیں کرنا نہیں چاہتا تھا۔

لارنس جب گھر پہنچا تو بیٹا سوچتی تھی۔ اس لیے وہ بھی سو گیا۔ صبح ناشتے پر جب اس نے گریشا سے بار میں ملاقات کے بارے میں بتایا۔ اس نے کوئی ردی نہیں لی۔ اس لیے وہ خاموش ہو گیا۔

لارنس اور گریشا کی ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ ہر ملاقات میں وہ لارنس کی ہر پور تحریف کرتے نہیں سکتی تھی۔ اسے بھی اعزاز تھا۔ وہ کئی خوبیاں کا مالک ہے۔ گریشا کی حد سے زیادہ تحریفیں کیے جانے پر اب اس کو آکاہت ہونے لگی تھی۔

ایک رات بار میں ہجر گریشا کے منہ سے دل کی بات زبان پر آگئی۔

”لارنس آخر جیتا میں ایسا کیا ہے جو تم اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔“

”یہ بات میں پہلے ہی تمہیں بتا چکا ہوں، ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ جیتا کو چھوڑنے کی صورت میں اس کا کاروبار میں لگا 70 فیصد شیئر جیتا کو واپس کرنا پڑ جائے گا۔“

”کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ تم اسے طلاق بھی دے دو اور اس کے شیئر بھی واپس نہ کرو۔“

”قانون کس لیے بنایا ہے وہ قانونی سہارا لے کر اپنے شیئر حاصل کر سکتی ہے۔“

”اگر وہ زور ہے جب ہی لے گی نا؟“

لارنس کو اس کی بات سن کر ایک جھٹکا لگا، اور وہ فور سے گریشا کو دیکھنے لگا، اس طرف تو اس کا ذہن ہی نہیں گیا تھا، کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، ایسی صورت میں وہ جیتا کے سارے شیئر کا مالک بن سکتا تھا، وہ بہت دور کی کوڑی لاکھ

جنوری 2025ء

”لیکن میں نہیں سمجھتی۔“

”کیوں؟“

”ایک لالچ کے تحت میں اس کی دوست بنی۔“

”لالچ۔“

”ہاں لالچ، اس کے پاس پیسہ بہت ہے، وہ مجھ پر خوب پیسہ خرچ کرتی تھی، یہی لالچ تھا جو ہم دونوں کی دوستی چلتی رہی۔“

”تم اس سے پانچ سال دور رہیں۔“

”میری دوسرے شہر میں نوکری لگ گئی تھی اور میری نوکری کی ذمہ داری لگائی کہ میں اپنے دوستوں سے کٹ کر رہ گئی تھی۔“

”گریشا نے بتایا۔“

”نوکری کیوں چھوڑ دی؟“

”چھوڑ نہیں دی خود بخود ختم ہو گئی۔“

”وہ کیسے؟“

”میرا پانچ سال کا معاہدہ تھا، وہ پورا ہو جانے پر نوکری خود بخود ختم ہو گئی۔“

”تم نے دوبارہ کوشش نہیں کی کہ نوکری چلتی رہے۔“

”وہ ایک پروجیکٹ تھا، جو ختم ہوا، تو وہ سب لوگ فارغ ہو گئے۔“

”گریشا نے ہنسنے ہوئے کہا۔“

”جو نوکری کر رہی ہو، اس میں اتنی تنخواہ نہیں ملتی کہ تمہارا گزارا ہوتا رہے۔“ لارنس نے کہا۔

”اس لیے ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے جو شوہر کے سوا نہیں ہو سکتا۔“

”ملاں کرتی رہو، ممکن ہے، مجھ سے اچھا شوہر مل جائے۔“ لارنس نے کہا۔

”اب کوئی اور نہیں، مجھے تم سے شادی کرنی ہے، تم جیتا کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔“

”میں مجبور ہوں، اسے نہیں چھوڑ سکتا۔“

”کیوں؟“

”میرے کاروبار میں 70 فیصد شیئر جیتا کا ہے، اسے چھوڑنے کی صورت میں میرے پاس میں 30 فیصد شیئر رہ جائے گا جو میرا ہے، اتنے کم میرے میں میرے لیے کاروبار کو جاری رکھنا مشکل ہو جائے گا۔“ لارنس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

”اب بات سمجھ میں آئی کہ تم کیوں جیتا کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔“

”بالکل یہی بات ہے۔“ لارنس نے کہا۔

”ہم اچھے دوستوں کی طرح تو مل سکتے ہیں؟“

”ہم جینا کی لاش کو سمندر کے حوالے کر دیں گے اس طرح پولیس کو لاش نہیں ملے گی اور تم بھی قاتل کی حیثیت سے پکڑے نہیں جاؤ گے۔“

”منسوبہ تمہارا بہت اچھا ہے۔“ لارنس نے کہا۔  
”جس میں پسند آیا۔“ مگر یثیا خوش ہوتے ہے بولی۔

”اس لیے تمہاری تحریف کر رہا ہوں لیکن ایک۔۔۔“  
”لیکن کیا؟“ مگر یثیا بولی۔

”زہر کہاں سے آئے گا؟“ لارنس نے کہا۔  
”اس کا انتظام میں کروں گی۔“ مگر یثیا نے کہا۔

”پھر ٹھیک ہے۔“  
”ڈن۔“

”ہاں ڈن ہوا۔“ لارنس نے کہا۔  
اس کی بات سن کر مگر یثیا کھل اٹھی۔ جس مقصد کے

لیے وہ لارنس کو تیار کر رہی تھی وہ بالآخر راضی ہو گیا تھا۔ جینا کے کمر جانے پر لارنس ہمیشہ کے لیے اس کا ہوجانے کا۔

مگر یثیا نے جس مقصد کے تحت لارنس سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا تھا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی تھی۔

وہ اگر جینا کو قتل کرنے کو آمادہ نہ ہوتا تو وہ کسی اور کے ذریعے سے جینا کو قتل کر داسکتی تھی۔ وہ جنوبی قسم کی عورت تھی جو سوچ لگتی اسے پورا کرنے کی ہی چھوڑتی تھی۔

مگر یثیا نے جب چھٹی کے دن کسی جریرے پر چلنے کے بارے میں جینا سے کہا تو وہ بڑی طرح جھجکی۔

”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تمہیں بھی جریرے پر جانے کا شوق نہیں رہا۔“ جینا نے کہا۔

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو، لیکن اب میں تمہارے ساتھ جریرے پر جانا چاہ رہی ہوں تو تمہیں کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔“ مگر یثیا نے کہا۔

”لارنس تمہارا کیا خیال ہے، ہمیں جریرے پر چلنا چاہیے؟“ جینا نے پوچھا۔

”مگر یثیا کی خوشی کی خاطر کسی جریرے پر چلنے میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔“ لارنس نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے ہم جریرے پر جائیں گے۔“ مگر یثیا نے کہا۔

”شادی سے پہلے اکثر میں اور میرے دوست کسی نہ کسی جریرے پر جاتے رہے ہیں، سمندر میں سڑکرنے کا اپنا الگ مزہ۔“ لارنس نے کہا۔

”تم دونوں جریرے پر جانا چاہتے ہو تو میرا ووٹ بھی تمہارے حق میں ہے، اس بہانے میں بھی

جسوسی ڈائجسٹ

جنوری 2025ء

”تم کہنا کیا جا رہی ہو؟“ لارنس نے کہا۔  
”وہی ختم کیجئے ہو۔“ وہ مسکرائی۔

”تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ جینا کو قتل کر دیا جائے۔“

”بالکل یہی کہنا جا رہی ہوں، ایسی صورت میں اس کا سب کچھ تمہارا ہوجائے گا۔“

لارنس کچھ دیر تک مگر یثیا کو غور سے دیکھتا رہا، ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے اس کے ذہن میں کچھ چل رہا ہو۔

”تم سنجیدہ ہو؟“  
”ہاں میں سنجیدہ ہوں، کیوں تمہیں شک ہے۔“

”تمہاری ذہنی حالت پر شک ہو رہا ہے۔“  
”میری ذہنیت پر؟“ اس نے حیرت سے لارنس کو

دیکھا۔  
”جینا کو قتل کرنے کا مطلب ہے قتل کے الزام میں مجھے جیل جانا پڑے گا، یہ بات تم نے سوچنی ہی نہیں ہے۔“

لارنس نے کہا۔  
”تم جیل بھی نہیں جاؤ گے، جینا کے قتل سے بھی بچ جاؤ گے، پولیس۔۔۔ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گی۔“

”وہ کیسے؟“  
”میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے، اس پر عمل کرنے سے جینا کا بھی کام تمام ہوجائے گا اور تم بھی بچ جاؤ گے۔“

”اچھا وہ کیا منصوبہ۔“ لارنس نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”ہم سمندر کی سرکوبائیں گے۔“  
”سمندر میں جانے سے کیا ہوگا؟“

”پوری بات تو سن لو پھر سچ میں بولنا۔“  
”اچھا تم بولو میں سن رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”جینا سے جب میں کہوں گی کہ تفریح کی غرض سے ہم کسی جریرے پر چلنے ہیں اور وہ مان جائے گی، اس پر دو گرام تم بھی آمادی ظاہر کر دیتا۔“

”ٹھیک ہے۔“  
”سمندر کے بچ جا کر تم بڑی بڑی بوتل نکال لیتا اور اس کے تین گلاس بنانا پہلا گلاس جس میں زہر ہوگا وہ تم جینا کو دے دیتا، باقی دو گلاس میں صرف بیکری ہوگی۔ زہر ملی بیکری

کر جینا مر جائے گی۔“ مگر یثیا نے کہا۔  
”جینا کی لاش کا کیا کریں گے۔“ لارنس نے پوچھا۔

جسوسی ڈائجسٹ

جنوری 2025ء

Scanned with

CS CamScanner



سمندر میں سڑکروں کی، کوئی جزیرہ بھی دیکھ لوں گی۔“  
جیتا نے کہا۔

جزیرے پر جانے کی تیاریاں شروع ہونے لگیں۔

تینوں کی خواہش تھی یہ پبلک بھرپور تفریح کا سامان پیدا کرے۔ جزیرے پر جانے کے لیے کتنی بھی کرائے پر

لے لی گئی تھی، اور یہ پائے پاتا تھا کہ کتنی لارنس چلائے گا۔ وہ سمندر میں کتنی چلائے میں مہارت رکھتا تھا۔ وہ چاہتے بھی

بھی تھے کہ ان تینوں کے درمیان کوئی جھگڑا نہ ہوتا کہ حقیقی معنوں میں پبلک کا لطف لیا جائے۔ پبلک پر جانے کے لیے کھانے پینے کے سامان کا انتظام کر لیا گیا تھا، تاکہ

مکھوٹے کے ساتھ کھانے پینے کا بھی بھرپور لطف اٹھایا جائے۔

گریٹیا، جیتا اور لارنس جس شہتی میں سوار تھے، وہ سمندر کا سینہ چرتے ہوئے آگے بڑھتی جارہی تھی۔ گریٹیا

آج بہت خوش تھی۔ جیسے اسے کوئی بہت بڑی خوشی ملنے والی ہے۔ اس کے برعکس جیتا خوف زدہ تھی۔ اس نے بھی کھلے

سمندر میں اس طرح کتنی میں سڑکریں کیا تھا۔ وہ گریٹیا کی خوشی کی خاطر کسی جزیرے میں جارہی تھی۔

”گریٹیا تمہیں بھی اس طرح کا شوق نہیں رہا ہے، اب اس عمر میں سمندر میں سڑکنا اور جزیرے پر سڑکرنے کا شوق کیسے ہو گیا؟“ جیتا نے پوچھا۔

”مجھے کسی بھولی نے کہا ہے کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ سمندر کا سڑکرو کی تو تمہیں بہت بڑی کامیابی مل سکتی ہے۔“

”چھ! کیا تم مجھوں کی باتوں پر یقین رکھتی ہو؟“ جیتا نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

”کیا تو نہیں، لیکن بھی کھار کر لیتا چاہیے، شاید کامیابی مل جائے۔“ گریٹیا نے کہا۔

تمہاری بات سن کر مجھے بھی علم نجوم سے کچھ دلچسپی ہونے لگی ہے اگر اس سڑے تمہیں فائدہ ہوا تو میں بھی اس بھولی سے خصوصی طور پر ملاقات کروں گی۔“

”ضرور ملنا بھولی سے اس سے مل کر تمہیں بہت خوشی ہوگی۔“ وہ بولی۔

”ہم سمندر میں بہت آگے نکل آئے ہیں لیکن جزیرے کے ابھی تک کوئی آثار نہیں دکھائی دے رہے ہیں۔“ جیتا نے کہا۔

گریٹیا نے مسکراتے ہوئے لارنس کی طرف دیکھا اور بولی۔ ”کتنی کی گمان لارنس کے ہاتھ میں ہے اور اس کی جاسوسی ڈائجسٹ“

جنوری 2025ء

مرضی ہے وہ ہمیں کس جزیرے پر لے کر جائے، لیکن مجھے امید ہے کہ یہ کسی ایسے جزیرے پر ہی لے کر جائے گا۔“ اس کے مسکراتے پر جیتا بھی مسکرا دی۔

”جزیرہ آنے والا ہے، اس سے پہلے کیوں نا ہم ایک دور بیکر چلا لیں۔“ لارنس نے کہا۔

”کیوں نہیں ضرور، ویسے بھی بیکر کی طلب ہو رہی ہے۔ گریٹیا نے کہا۔

لارنس نے ایک جیتی بیکر کی بوتل کھولی۔ پہلا گلاس اس نے جیتا کو دیا، دوسرا گلاس گریٹیا کو دیا اور تیسرا گلاس اس نے خود کے لیے بنایا۔ جب جیتا بیکر پی رہی تھی، لارنس نے مسکراتے ہوئے گریٹیا کی طرف دیکھا۔ اسے مسکراتا دیکھ کر وہ بھی مسکرا دی۔ گریٹیا نے ابھی تک گلاس کو نہ نہیں لگایا تھا۔ اس کی نظر جیتا پر تھی۔ گلاس خالی کرتے ہی جیتا کی حالت خیر ہونے لگی۔

”لارنس مجھے کیا ہو رہا ہے؟“ وہ پیٹ پکڑ کر شہتی میں لیٹ گئی۔

”جیتا تم ہرنے والی ہو کیونکہ تمہارے گلاس میں زہر تھا۔“ لارنس نے کہا۔

”کیا تم نے مجھے زہر.....“

”ہاں گریٹیا کی خواہش تھی کہ تمہیں زہر دے دوں۔“

”کیوں؟“

”اس لیے کہ گریٹیا مجھے شادی کرنا چاہتی ہے، تم زہر دہش تو میں گریٹیا شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں آسکتا تھا۔“ لارنس نے کہا۔

”میری ناگوں کی جان نکل رہی ہے، گریٹیا میں نے تمہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا، پھر تم نے میرے ساتھ ایسا کیا ہے۔“ جیتا نے کہا۔

”مسوری تمہیں، مجھے تم بھی اچھی نہیں لگی، تمہاری دولت تھی، جس کی وجہ سے میں تم سے دوستی رکھے ہوئے تھی۔“ گریٹیا نے کہا۔

”میری دولت کی وجہ سے؟“

”ہاں تمہاری یہ دولت مجھے بہت پسند ہے جو تم دوستوں پر خرچ کرتی ہو، اور اب مجھے تمہارا شوہر لارنس پسند آ گیا ہے، اس نے شادی کرنے کے لیے تمہارا مرنا بہت ضرور دی ہے، اس لیے میں نے لارنس سے مل کر یہ پلان بنایا تھا کہ تمہیں بیکر میں زہر دے دیا جائے اور میں اس مقصد میں کامیاب رہی ہوں۔“ گریٹیا نے کہا۔

”تم انسان کو پھانسنے میں لٹلی نہیں کرتے، اپنی زندگی میں گریٹھ کو میں نے اپنا ٹھکانا دوست سمجھا، لیکن تم نے اسے پہلی ملاقات میں ہی پھانسا لیا کہ وہ ابھی عورت نہیں ہے۔“ جینا نے کہا۔

”میں چہرہ شاس ہوں اور کاروباری بھی، میرے دفتر میں جب کوئی نیا آدمی آتا ہے، میں پہلی نظر میں اسے پچکان جاتا ہوں، یہ کس شخص ہے۔ لارنس نے کہا۔

”کاروبار میں جب ہی تم ایک کامیاب انسان ثابت ہوتے ہو۔“ جینا نے کہا۔

”ہماری جب پہلی ملاقات ہوئی تو میں تمہیں کیسی لگی تھی؟“

”اچھی لگی تھیں۔ میرے ذہن میں پہلی ملاقات میں جو تمہارے بارے میں خاکہ بنا تم دیکھی ہی ثابت ہو گئیں۔“

”وہی جو گریٹھ تمہارے ساتھ کرنا چاہتی تھی۔“

”ہاں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، اس موٹی عورت کی لاش کو اپنے ساتھ لے جا کر پھینکنے والی بات ہے، سمندر میں ڈالنے سے کم از کم پتلیوں کو کھانے کے لیے ابھی خوراک مل جائے گی۔“ لارنس نے کہا۔

”کسی نے اگر پوچھا تو ہم کیا جواب دیں گے؟“  
”یہ خفیہ مشن تھا اسی لیے گریٹھ نے جزیرے پر جانے کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا ہے، اس بارے میں وہ خود غور و خیزدہ تھی کہ اگر کسی نے جینا کے بارے میں پوچھ لیا تو وہ بھٹسکتی ہے۔“

”اس کے خفیہ مشن کے سبب ہم اس کے قتل کے الزام سے بھی محفوظ رہیں گے۔“ جینا نے ہنسنے ہوئے کہا۔

دو دنوں نے سمندر پر درونیک نظر ڈالی، سمندر میں انہیں دیکھنے والا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے مل کر گریٹھ کی لاش کو اٹھایا اور سمندر کے حوالے کر دیا۔ ہماری بھرم لاش پانی کے اندر ڈوٹی چلی گئی۔ کچھ دیر گزرنے پر وہ دونوں اپنی کارروائی سے مطمئن تھے اور واپسی کا سفر شروع ہو چکا تھا۔

جینا حیرت اور ششدری کی کیفیت سے دوچار بھی لارنس کو بھی گریٹھ کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے آخری چپکلی اور دم توڑ دیا۔ لارنس نے جوش سے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا، گریٹھ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ دونوں کے گلاس ایک دوسرے ٹکرائے دونوں نے بیڑ پینی شروع کر دی۔ گریٹھ کی بیڑ پینی ہی حالت غیر ہونے لگی۔

”لارنس کیا تمہاری بھی یہی حالت ہو رہی ہے جو میری ہو رہی ہے؟“

”میرے پیٹ میں مردوز ہو رہی ہے اور پھر دل کی جان نکل رہی ہے۔“ گریٹھ نے کہا۔

”تمہارے ساتھ ایسا اس لیے ہو رہا ہے کہ نہ رہنے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔“

”مجبور ہی تھی، تم ایک ہندی اور خود غرض عورت ہو، میرے جینا کو زہر دینے پر تم جینا کو کسی اور کے ذریعے قتل کر سکتی تھیں۔“

”تمہیں کیسے اندازہ ہوا؟ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔“

”تمہاری باتوں سے میں بھانپ چکا تھا، تم مجھے پانے کے لیے کسی حد تک جا سکتی ہو۔“

”تم نے جینا کو بھی زہر دے دیا۔“ گریٹھ نے کہا۔

”میں نے کہا کہ میں نے جینا کو زہر دیا ہے، وہ مرنے کی ایک ٹھیک کر رہی ہے، جینا اٹھ جاؤ، گریٹھ کو دکھاؤ کہ تم زندہ ہو۔“ لارنس نے کہا۔

جینا ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

”تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ مجھ سے اس قدر محبت کرنے والا شوہر مجھے زہر دے سکتا ہے، لارنس نے مجھے تمہاری ساری حقیقت بتادی تھی، مرنے کا ڈراما بھی لارنس کے کہنے پر ہی کیا تھا۔“ جینا نے کہا۔

”لارنس تم ایک گھٹیا انسان ہو۔“ گریٹھ چیختی۔

”لارنس نہیں گریٹھ، تم گھٹیا عورت ہو، لارنس نے جو کچھ کیا ہے وہ میری محبت میں کیا ہے۔“ جینا نے کہا۔

”تم جیسی عورت ایسے ہی سلوک کی مستحق ہے۔“

لارنس نے کہا۔

گریٹھ نے پتھرائی آنکھوں سے جینا اور لارنس کو

## دہر

### حسام

کامیابی اسی کو ملتی ہے جو ثابت قدم اور مستقل مزاجی سے اپنی منزل کی جانب گامزن رہتا ہے۔ وقت کی ایک بے رحم، سفاک کڑھٹ نے اس کے جیون میں بھی زہر گھول دیا تھا۔ ناگروہ جرم کی پاداش میں اس کا لڑکپن اور جوانی قید و بند کی صعوبتوں کی نذر ہو گئیں۔ زمانہ اسیری نے ایک طرف اس کے دل و دماغ پر صدمات کے ان مٹ نقوش چھوڑے تو دوسری جانب اس نے علم و پتر کا بحریہ کنار اپنے وجود میں سمیٹ لیا۔ اس نے آزاد عملی میدان میں قدم رکھا تو نئے نئے دشمنوں سے اس کا مقابلہ پڑا۔ جلد ہی اس پر متکشف ہوا کہ خالق نے اسے زمینی نخواستوں کی سرکوبی کے لیے تخلیق کیا ہے۔ مقصد حیات واضح ہوا تو اس نے خود کو منشائے قدرت کے سامنے سرنگوں کر دیا۔ اس کا رزار فنا و بقا کی آبلہ پا جدوجہد میں ایک دل نشیں مہ جیوں اس کی رفیق سفر ٹھہری۔ اپنے اطراف میں پھیلی شوریدہ لہروں کو برداشت کرتے ہوئے اس کا سفر جاری تھا جہاں یہودیوں کا سازشی ذہن دنیا پر حکمرانی کا اپنا خواب شرمندہ تعبیر کرنا چاہتا تھا۔

چند لمحوں میں زندگی بدل دینے والے عمارتوں کی ہوش ربا جلیہ سازیاں

### گزشتہ اقساط کا خلاصہ

جاسم کا تعلق ایک متوسط طبقے سے تھا۔ لڑکپن میں قدم رکھنا قیامت مغربی کا پیغام بر ثابت ہوا۔ اس کے والد قاسم باری کے متاعی فطرتوں کے خلاف پولیس کی مدد کی تو یہ چھوٹی سی میلی طوفان کی زد میں آ گئی۔ ایک رات اسی کینک کے چند لوگوں نے گھر میں گس کر جاسم کی والدہ اور والد پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس میں ماں ہلاک ہو گئی اور شدید زخمی باپ کو پرائیویٹ اسپتال پہنچا دیا گیا۔ قاسم کا علاج شروع کرنے کے لیے پانچ لاکھ کی ضرورت تھی۔ جاسم نے مدد کے لیے اپنے اکلوتے ماموں میل کی طرف دیکھا۔ میل نے اس شرط پر رقم کا انتظام کر دیا کہ جاسم کو ایک ناکروہ جرم کی پاداش میں کچھ مہرے کے لیے جیل جانا پڑے گا۔ جاسم کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس نے ماموں کی بات مان لی۔ اپنے باپ کی زد کی بجائے کے لیے وہ تیرہ سال کی عمر میں آٹھ سال کے لیے جیل چلا گیا۔ قید و بند کی اس زد کی میں ڈو افرانے اہم کردار ادا کیا۔ ان میں سے ایک چھٹا ہوا بد معاش مراد علی تھا جسے سب دادا کہتے تھے۔ دوسرا کارل مارکس کا پیروکار ایک سماجی انور بیگ تھا جو کارڈیگھلا تھا۔ دادا اور کارڈیگھلا ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن دونوں ہی کی جاسم پر کبری نگاہ تھی۔ وہ جاسم کی چتا سے واقف تھے اس لیے وہ اپنے اپنے نظریات کے مطابق اس کی ذہنی اور جسمانی تربیت میں لگ گئے۔ کارڈیگھلا نے جاسم کی زبان کو کھولا اور دادا نے اس کے ہاتھ پاؤں کو صحت کی لٹکار بنا دیا۔ دادا نے اپنے بندوں کے ذریعے چٹا لٹا تھا کہ جاسم کے والدین کے ساتھ جیش آنے والے راستے کے پیچھے راجدانی ایک بینکسر کا ہاتھ ہے اور یہی کبیل ماموں نے جاسم کے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ اس نے پانچ لاکھ کا تاجیب میں ڈالے اور جاسم باری کو مرنے کے لیے چھوڑ کر گئیں غائب ہو گیا تھا۔ دادا اتنا طاقتور بد معاش تھا کہ وہ جیل میں چلے گئے ابھر کے معاملات کو چلا رہا تھا۔ کبیل تو مسخرے سے ہٹ چکا تھا لیکن راجدانی کو بچنے کے لیے دادا نے جاسم کی مدد کی۔ اسے اپنے ستیو خاص کال کے ساتھ چلے گئے کے لیے جیل سے باہر بھیجا۔ جاسم نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا ہوئے راجدانی کو زد کی بھر کے

جاسوسی ڈائجسٹ 128 جنوری 2025ء



لے دیکل بیڑ کا تاج بنا دیا۔ دادا کا نقل سے ماہر بانگ رہا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی شادی میں شرکت کرنے گیا تو اس کے ایک دو بھائی و شعیب چاچا نے اسے اور اس کی بیٹی کی کویت کے مکات آباد کیا۔ دادا کی موت سے چام کو دور چہا سہرہ گرد لے بیہر حال وہ اپنی مہرا پوری کرنے کے لیے ہوش سے ماہر بانگ رہا تھا۔ اب وہ ایک تربیت یافتہ لڑکی بن چکا تھا اور اسے ایک بیٹی زیدی کا آواز کرنا تھا اور اس کا آواز پر ایک شہین سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ چہا ایک بے روشن باؤس میں اس کی کھانسی ہو رہی تھی۔ وہ چام کی ہانگ اسکو سے مدد دینے کا شکر ہوئی اور اس نے چام کو تک دونوں کی دہانے سے روٹھا کر دیا۔ چام کو پتا چلا کہ شعیب چاچا معاشرے میں ایک کامیاب ایکسپوٹر کی حیثیت سے عزت کی زندگی گزار رہے ہیں اور یہ وہ وہ ڈرگز، ناچار تامل، انسانی امشکیا کی فروخت اور ڈرگزوں کے فروا جیسے مہم کاموں میں ملوث ہے۔ اس کو وہ کاروبار میں پیش پا اثر اور اس کے ساتھ ہیں اور اسے بین الاقوامی کارکن کا تھانہ بھی حاصل ہے۔ دونوں دوستوں نے مضبوط منصوبہ بندی سے شعیب چاچا کو نقصان پہنچا کر شروع کر دیا۔ دوسری صحت چام کا شہرہ کا کام بھی جاری تھا اور اسے چند روز کے بعد ایک سیریل کی فروٹ کے لیے استعمال چاہا تھا اس سے پہلے اس نے باجو کی محنت نامک موت سے نمکنا کر کیا تھا۔ یہ سنی تیرہ ہنگامے تھے کہ کسی ڈیوڈانی جس نے بے پھر اسرار اعجاز میں چام سے رابطہ کیا اور اسے اپنے کسی سری بیٹلی کی وی میں، ہماری معاشرے پر شرکت کی دعوت دی۔ یہ بھی وقت تھا جب چام اپنے یوت کے ساتھ استعمال جانے والا قلم کار کا ریتا تھا۔ پھر اسرار اور خطر کی تھا کہ سری طور پر یہی جو ہمیں آیا کہ کوئی مخالف بے ڈیوڈانی بن کر چام کو اپنے ٹریک سے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن جلد ہی چام کو اعلاہ ہو گیا کہ ڈیوڈانی ایک انتہائی طاقتور اور با اختیار شخص ہے۔ ڈیوڈانی نے چہا کو اس کے چام کے سری بیٹلی کی وی میں کام کرنے کے لیے مجبور کر دیا۔ دونوں کی ملاقات استعمال میں ملے ہوئی۔ چام کا بے ڈیوڈانی تمام ملاقات سے بے غور لی آگاہ تھا۔ اس نے اپنے سیریل میں چام کا رول ایک دوسرے کے کردار میں کود دیا اور چام کو یوت کے ساتھ استعمال روانہ کر دیا۔ بے ڈیوڈانی سیریل میں چہا کے باب فٹار اور ڈیوڈانی کا دوست تھا اس لیے بعد کی کئی فلمیں میں اپنے سیریل سے زیادہ ناچ کی زندگی اور اس کی مخطوطہ واپسی کی اہمیت تھی۔ ڈیوڈانی چام کو ہدایت کی تھی کہ جب وہ استعمال میں سری بیٹلی کی وی کے کٹر کٹ پر دھنک کر دے گا تو اس کی دوست لیلی کو یہ کلمہ یاد کر دیا جائے گا۔ ڈیوڈانی کو سری بیٹلی کی وی ایک میا پر دیکھت تھا جس کی تمام تر شوگ پھر اسرار اور دینی سر میں ہونے والی تھی۔ ڈیوڈانی کی ہدایت کے مطابق چام کو استعمال کی کراس کے خاص آدی بن مرقات سے ملاقات کرنا تھی۔ چام استعمال کے ایک معروف مقام کا مارتے کے چپے پہنچے ہوئے لیٹان نامی ایک پتلی ریڈیو ٹھٹ میں بیٹھ گیا جہاں بن مرقات امشرف کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ بن مرقات نے چام کے ٹون سے مذکورہ کٹر کٹ پر دھنک کر الے اور دھڑکے کے مطابق اسے ناچ کی رانی کی خوش خبری سنائی۔ چام نے ٹون پر ناچ سے بات کر کے اس امر کی تلی کی کر وہ بے چارے اپنے کٹر کٹ بیٹھا ہے۔ اب وہ مخطوطہ سائز پر تھا لہذا اس نے ڈیوڈانی کے پرت دیکھت میں کام کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ڈیوڈانی نے بن مرقات کے کوسٹ سے چام کو انکا نقل کر کے ایک کرڈ شپ پر پہنچا دیا۔ جب چام کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک بڑے مری جہاز پر پایا۔ اندازاں ڈیوڈانی نے ایک تجربہ مہر چام سے پھر اسرار اعجاز میں سلیڈر مارا دیا اور اسے بتایا کہ وہ کرڈ شپ استعمال سے مصر کی بندرگاہ، پورٹ سعید تک جائے گا۔ پھر اس کے آدی چام کو پورٹ سعید سے بے ڈیوڈانی چپ کاہرہ پہنچا دیں گے جہاں پراس سری بیٹلی کی وی کی انسانی تقریب کا انعقاد کیا جائے گا۔ ڈیوڈانی سری بیٹلی کی وی کی شوگ سے پہلے ہی چام کے ساتھ کار اور کار کی کا جو مکمل شروع کر دیا تھا، چام اسے انجوائے کرنے کے لیے وہی اور جسائی طور پر پوری طرح تیار تھا۔ ڈیوڈانی ہوشیاری کے سبب چام اس کا مکمل کھینے سے قاصر تھا۔ ڈیوڈانی نے ہریم کو بریف کر دیا تھا۔ مصر کے حرم سے انہیں ایک صندوق حاصل کرنا تھا۔ چام کی مدد ایک جن زادی کر رہی تھی۔ چونکہ مہران زندگی کی بازی ہار چکے تھے اور پانی پارنے والے تھے۔ چام کا رخ استعمال کی جانب تھا۔ دوران سفر انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا جہاز پانی بیک کر لیا گیا ہے۔ چام اس صورت حال سے ٹھننے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے اپنی خفیہ ملاقات کو بروئے کار لاتے ہوئے ہائی جیکر ڈرگز پر کرتے ہوئے صورت حال کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ پانی جیکر کا مارٹر استعمال کے جشن لالہ حسنی تھے۔ وہ اپنی مرضی کا فیصلہ لیتا چاہتے تھے۔ استعمال میں چام کا جشن میں اس کے بہت کچھ اچھلتی سن گیا تھا۔ چام ان کے بیٹے کو بھی باؤس پر لایا تھا اور اپنے دشمنوں کو بھی ایسا ہیس دیا تھا کہ وہ دیکھی بھر بار کھینے۔ سولر کو بھی ان کی ہدایت پر ڈیوڈانی کو اب چام کے خلاف حسنی کارروائی کی تھی کیونکہ چام ان لوگوں کے خلاف بہت کچھ کر چکا تھا۔ ڈیوڈانی اور حسنی اب چام کا تعاقب کرتے ہوئے جشن حسنی کے دلائل کی پکے تھے۔ چام نے پہلے ہی سے تمام منصوبہ ترتیب دیا اور ڈیوڈانی کے کاربندوں سے معرکہ آرائی کے بعد وہاں سے نکل جاتا ہے۔ ترکی سے نکل کے چام کی کارروائیاں جاری ہیں۔ اس نے اسرا نکلیم کے ٹوے کو زبردست دھک پہنچائی تھی۔ یہ سب ملٹی پوریشن کی بدولت ہی ممکن ہوا تھا۔ لاشعرا نے بھی ہر پڑے سے اس کی مدد کی۔ وہ استعمال کے ساتھ شپ پر سوار تھا۔ اسرا نکلیم اس کوشش میں تھے کہ کسی بھی طرح چام کو اپنے قابو میں کر لیں۔ اس کے لیے وہ پھر اسرار طرم کی ماہر بانگ کا استعمال کر رہے تھے۔ اب تک چام اس کے ہر ملے کا کام بناتا آتا تھا۔

اب آپ مزید والعات ملاحظہ فرمائیے

جاسہ سے ڈائجسٹ: ﴿PDF﴾: جنوری 2025ء





اسے ایک صوفی پریشان ہو گیا۔

جاسم نے بیہ کے سامنے والا صوفی سنبھال لیا۔ لطفی مسلمانوں کے ہر دور اور میدان اس شخص کو اپنے سامنے دیکھ کر جاسم کو بے حد خوش محسوس ہو رہی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا دگر گشت تھا۔ یہی تھی کہ اس نے جاسم کو بڑی خواہش ہو رہی ہوئی تھی۔

”یہی تھی کہ مجھے بتایا تھا کہ تم وقت کے بہت پابند ہو۔“ بیہ نے سچے ہونے لگے میں کہا۔ ”اور اب میں نے اپنی آنکھوں سے تمہاری باندی اوقات بھی دیکھ لی۔ تم باکمال نوجوان ہو تو بان۔“ یہی تھی کہ تو تم نے اپنا کروڑہ بنالیا ہے۔“

”اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے سر۔“ جاسم نے متعل اعلا میں کہا۔ ”مجھ سے جو جن پڑا، وہ میں نے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے کر دیا۔ اگر مکمل میرے اس کام کو کوئی بہت بڑا کارنامہ سمجھے ہے تو اس پر ہلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“

”تم جیسی مکمل معرفت، مکمل، یا پھر یعنی کہہ سکتے ہو کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔“ اسامیل بیہ نے سنی خیر اعلا میں کہا۔ ”میں اس کا پورا نام لینے پر مجبور ہوں۔“

”اسکی کیا بیجوری ہے سر۔“ جاسم پوچھے بناندرہ کا۔ ”مکمل میری بیوی کا نام ہے۔“ بیہ نے گہری غیبت کی

سے کہا۔ ”اور یہی تھی تمہارے سامنے بیٹھے ہیں۔“ یہی سنوار۔ آپریشن ”الصلی للہ“ کے ماسٹر مائنڈ اور یہی مکمل کو ہدایت دینے والے کا بیڑہ۔“

جاسم نے یہی سنوار کا نام تو سن رکھا تھا لیکن وہ اس کا صورت آتش نہیں تھا۔ فرہ والے مکان میں یہی مکمل نے اسے بتایا تھا کہ آج چیز میں استنبول میں ہیں جہاں وہ حساں کے دیگر اہم رہنماؤں کے ساتھ اس مشن کی کامیابی کا جشن منا سکیں گے۔ ”آپ سے مل کر خوشی ہوئی سر۔“ جاسم نے یہی سنوار کی طرف دیکھتے ہوئے احترام بھرے لکھے میں کہا۔ ”یہ ملاقات میری زندگی کی یادگاروں میں سے ایک ہوگی۔“

ان کے درمیان یہ قلم ترکتی عمر میں ہی ہو رہی تھی۔ اس دوران میں ایک ملازم سامان خورد و نوش سے لدی چندی ٹرے لے کر کمرے میں آیا تھا اور ان لفظ کا کام دران کو بڑے سلیطے کے ساتھ سب کے سامنے چن کر وہاں چلا گیا تھا۔

”بات چیت کا سلسلہ تو چلا رہے گا۔ اس کے ساتھ ہی اچھے بھی چلا چاہیے تو بان۔“ اسامیل بیہ نے جاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی میز پر سکی انڈی لٹھوں کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔

”میرے خیال میں پہلے تو بان کو وہ ویڈیو کلپ دکھا دیا

یہی مکمل کے پیچھے ہوئے جی لی ایس۔ کو آرڈی ٹیس کی اگلی قلم کر جاسم اس ہنگام کی محنت تک پہنچا تھا جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اسامیل بیہ اسی ہنگام کے کسی سے میں موجود تھا۔ جاسم جیسے ہی ہنگام کے من میں پہنچا، ایک شانسی مزاج اویز عمر شخص سے اس کا سامنا ہوا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا، وہ اللہ کا بندہ اسی کے انتظار میں اس آگن میں موجود تھا۔

جاسم پر لگا ہوا بڑے ہی عادی شخص تیزی سے اس کے نزدیک پہنچ گیا پھر سوالیہ نگر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خوش اخلاقی سے کہا۔ ”بیٹا آپ تو بان ہوتا؟“

”ہاں، میں ہی تو بان ہوں۔“ جاسم نے اثبات میں جواب دیا۔ ”میں چیز میں سے ملنے یہاں آیا ہوں۔ میں نے اس کے لیے پہلے سے اپنا کٹ منٹ لے رکھا ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔“ وہ موقی خیر اعلا میں زیر لب مسکایا اور کہا۔ ”اپنا کٹ منٹ کے بغیر کوئی اس ہنگام میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔“ خیر۔۔۔۔۔ لگاتی تو قوت کر کے اس نے ایک جانب اشارہ کیا اور ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔

”آپ آؤ میرے ساتھ۔۔۔۔۔ اندر آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔“

جاسم چپ چاپ اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ شخص کسی پیشہ رو کا بیڑہ کے سے اعلا میں جاسم کی رہنمائی کرتے ہوئے، ہنگام کے مختلف حصوں سے گزرنے کے بعد ایک کمرے کے سامنے جا کر رک گیا اور ذکر وہ کمرے کے دروازے پر بھی دنگ دیتے ہوئے جاسم کو بتایا۔

”چیز میں صاحب اندر موجود ہیں۔“

جاسم کے دل کی جھڑکن تیز ہوئی اور یہ تیزی اس عقیدت کی ترجمان تھی جو وہ اس مذہب کا بیڑہ کے لیے اپنے دل و دماغ میں رکھتا تھا۔

دنگ کے جواب میں اندر سے عربی میں کہا گیا۔ ”دروازہ کھلا ہے۔ یہاں کو لے آئیں۔“

جاسم کو یہ سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی کہ ”یہاں“ کا لفظ اس کے لیے استعمال کیا گیا تھا اور یقیناً اندر اسامیل بیہ موجود تھا۔ اس مذہب کا بیڑہ کے جاسم کو کمرے کے اندر پہنچا دیا اور خود اپنے قدموں دانیں چلا گیا۔

کمرے کے اندر ایک کے سہاے دروازہ موجود تھے جو ہم عمر نظر آتے تھے۔ اسامیل بیہ کو تو جاسم نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا تاہم دوسرے شخص سے اس کی کوئی شناسائی نہیں تھی۔ بہر حال ان دونوں نے جاسم سے چہرہ جوش معائنہ کیا اور

جاسوسی ڈائجسٹ: (KED) = جنوری 2025ء



”ہاں..... مجی مناسب ہوگا۔“ ہنرے سے تانویں اعجاز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”یہ رحمت آپ ہی کو کرنا ہوگی کیونکہ گورہ و بیگم آپ اس وقت آپ کے سہل فزون میں ہے۔“ جاسم کی آنکھیں نہیں اٹھا کر ہنرے اور سہوار کس و بیگم کلب کا تذکرہ کر رہے تھے اس لیے وہ ابھن زندہ سوالیہ نظریں سے باری باری ان دونوں کے چہرے پر تنک رہا تھا۔ قتل اس کے کہ جاسم اس حوالے سے کوئی استفسار کرنا سہوار نے اپنا سہل فزون جاسم کی طرف بڑھاتے ہوئے معتدل اعجاز میں کہا۔

”جب تکیٹھل نے آج نہ مجھے بتایا کہ تم سے کون سا  
 آدم سے غائب ہو گئے تھے تو مجھے اس بات پر بالکل یقین نہیں  
 آیا تھا۔“ بیٹے نے مگر کی سنجیدگی سے کہا۔ ”ایسا دیکھو! کتنے  
 کہاں کہاں اور سائنس کتب خانوں میں سوچ رہے ہیں اور یہی کہہ رہے ہیں کہ  
 یہ ممکن ہے اور حقیقی زندگی میں بھی اس نوعیت کے تجربے  
 سے نہیں خبردار۔۔۔ سو میں نے کھیل کی بیان کر دو حیرت انگیز  
 اور سنسنی خیز نا قابل یقین کہانی کی تھی کہ حق کے لیے یہ چھوٹا سا  
 تجربہ کر کے کی گئی!۔۔۔“ کہانی کی توقف کر کے اس نے ایک عمو  
 سائنس خانہ کی پھر پڑتی آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

”جب تک مکمل نہ مجھے بتایا کہ تم نے مجھ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے اور تم اس وقت کو کیا نہیں ہو تو میرے ذہن میں ایک اچھا خیال آیا۔ کہ تم کو کیا سے استقبال آنے کے لیے کوئی چارٹرڈ راجا بیٹ فلائیر میں لے جاتا تو تم کتنے کھنے سے پہلے یہاں نہیں آتے تھے کیونکہ رکی کے ان دوسروں کے سچ لگ جھگڑ دینے کی تو قیامت ہے۔۔۔۔۔ چیک این اور چیک آؤٹ کا پروگرام اس کے علاوہ ہے۔ پھر تم نے یہاں کا ڈائریکشن نہیں بلکہ جی پی ایس۔ نوکیشن ناگ کی جس کا ایک ہی مطلب قاتلہ تم میرے پاس پہنچنے کے لیے کوئی ماڈرن اور مردانہ ذریعہ استعمال نہیں کرو گے۔ اس بات سمجھ گئے ہو کہ تم نہیں کے نہیں کے لیے استقبال آنے کے لیے صرف چند منٹ کی ہمت کیوں دے گی؟“

ہنیہ نے بات ادھوری چھوڑ کر سوالیہ نظر سے جاسم کی طرف دیکھا تو اس نے رمان بھرے لہجہ میں جواب دیا۔  
 ”جی ہر..... میں سمجھ گیا۔“

”اس وقت محاسن کے چمک لوگ ایک انجینئر میں اس ریسٹورنٹ کے نزدیک ہی تھے جہاں تم موجود تھے۔“ پیپ نے مقتل اعجاز میں کہا۔ ”انجینئرمہارے بارے میں بتانے کے بجائے اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم کو دیکھا گیا تھا کہ تم نے ایک ایسا کوئی گھر میں محروم میں بیٹھ کر دیکھا جس پر گئی ہوئی دو تھیں چھوٹے کے لیے وفادار لپٹا لپٹا کر کھڑی اور ایسا ہی ہوا تھی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے جہیں ایک نزدیکی عمارت میں پہنچا دیا جہاں ایک کمرے میں جہارے پھانسی دیے اور جہار کی اعجاز میں خود کو غائب کرنے کے مناظر کو عکس بند کر لیا۔“ دو ایک بار پھر جہار ایک آدھو مانس خارج

”تو بان! لو، دیکھو..... یہ ویڈیو کلپ تمہارے ہی بارے میں ہے جو ہم نے اپنے تجسس کی سسٹم کے لیے ریکارڈ کر دیا ہے۔“

جاسم نے بھی منوار کا سل فون اپنے ہاتھ میں لے کر اس  
ویڈیو کپ کوٹے لیا تو حیرت زدہ ہو گیا۔ وہ مغربی روڈ کا ایک  
اس کمرے کی کچی جہاں، دھوئیں میں آئے۔ کہ بعد جاسم نے اس کٹھ  
کھولی تھی۔ اس سکین کا سب سے زیادہ جتلیں آئینہ دار اسٹریٹ  
فریمز اور صاحب جاسم دیکھتے ہی دیکھتے کمرے کی نگاہ میں وصول  
جو تک کہ سڑک سے غاص ہو گیا تھا۔

”اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو.....“ جاسم نے یحییٰ اسنوار کے سٹل فون کو میز پر رکھنے کے بعد سرسراہٹ ہوئی آواز میں کہا۔  
”میرے ساتھ پیش آنے والے اس ناخوشگوار واقعے کے بچے آج کا حکم کارفرما تھا؟“

”تمہارا اعزاز و صلیبِ درست ہے تو ان“ ہنسنے لگے۔  
 ”میں نے تم سے کچھ نہیں کہا۔“ اور ”تم سے بے حد محضرت  
 خواہاں ہوں کہ تم نے تمہارے علم میں اسی بے ہمتی و اجازت سے متغیر  
 و نیکار زندگی کی۔ میں بس تم سے حکم دینے کے لیے مجبور ہو گیا تھا۔ اسی  
 میں میری کیا ہمتی کا اہل و دل نہیں ہے۔“

”نہیہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔“ سنوار نے تصدیقی انداز میں کہا۔ ”جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں، یہ سب ہم نے اپنی ٹولی اور اطمینان کے لیے کیا ہے۔“

”کیا میں جان سکتا ہوں کہ ایسی کون سی مجبوری آن پڑی تھی کہ آپ کو یہ خفیہ ریکارڈ تک کر دانا پڑی؟“ جاسم نے ٹھوس اعزاز میں کہا پھر سوالیہ نظریں اٹھائیں دیکھنے لگا۔

”یہ جانتا تھا راقی ہے ثوبان!“ یہ نے نرم لہجے میں کہا۔ ”میں، ہماری اس مجبوری کی وضاحت کرتا ہوں لیکن یہاں تک اس ویڈیو تکسٹ کو ڈیٹ کر دو اور پھر واپس آؤ کہ اس کی کوئی بھی

کی تمہارا الفاظ میں اضافہ کر دیا۔

”جب تکی مکمل سے تمہاری اس حیرت انگیز صلاحیت کا ذکر کیا تھا تو پہلے مجھے بالکل بھی نہیں آیا تھا اور اب..... جب میں نے مکمل کو بہت اور مطلق کر دینے والا یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے تو یقین کرنے کے سامنے میرے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔ تم ایک لاکھاب اور باکمال انسان ہو تو بان..... تمہیں بتاؤ کہ جس سب کچھ کے لیے ہو؟“

جاسم کی حقیقت کو صرف لکھار اور بیان جاننے تھے۔ اب تک وہاں کے مہینوں کی مریدین اور فرزندگان انہیں لفظی زبان کے حوالے سے جو کچھ جان پائے تھے، اس کے مطابق، تو بان (جاسم) ٹیلی پریژن کی سائنس سے واقف نہیں تھا بلکہ لکھار نامی کوئی فیروز ذہن لائق اپنے علم اور تجربے کے ذریعہ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتی تھی۔ جاسم، اسامیٹل ہیڈ پر ہر وقت لکھار نامی کے سوال کا کاغذ جواب دینے کے لیے اسے بہت پیچھے جاتا تھا اور جاسم کو اسے مردے اکھاڑنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ سو اس نے ایک نامور لکھار نامی کا بلی ہضم جواب دینے کا فیصلہ کر لیا۔

”اس مکمل کو سائنسی زبان میں ”ٹیلی پریژن“ کہا جاتا ہے۔“ اس نے منہ سے ہونے لگے جیسے بتایا۔ ”اور اس میں میرا کوئی کمال یا بہتر نہیں ہے۔ یہ سب آپ کی اور اسٹی کے ذریعے ہوتا ہے۔“

یہ وہی پالیسی بیان تھا جو چند روز پہلے کاراجی میں، جاسم نے اپنے بروکس کی مکمل کی خاطر دیا تھا۔ اگر باریک بینی سے اس معاملے کی چھان بین کی جاتی تو جاسم کے اس بیان کو دور سے کوئی پر محمول نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ٹیلی پریژن کی تکنیک بہر حال، لکھار نامی نے جاسم کو تعلیم کی تھی۔

جاسم کی بات کے اختتام پر مہنی اور ریشور نے چمک کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر ہیڈ کی سرسراہٹ ہوئی استشاریہ آواز جاسم کی صحت سے نکلی۔

”ہستی..... کون ہستی؟“

”اس ہستی کا نام ”لکھار“ ہے۔“ جاسم نے انکشاف کیجئے کہ میں جواب دیا۔ ”وہ خود کو ہادی مخلوق کہتی ہے اور اس کی قوم سرخ پر آباد ہے مگر وہ بعض ضروری کاموں کے سلسلے میں ہماری زمین پر آتی رہتی ہے۔ لکھار ٹیلی پریژن کے علاوہ انٹر ڈائمنشنل اور انٹر ٹیکنیک سٹر کرنے کا بہتر بھی جانتی ہے۔“

”انٹر ٹیکنیک“ سنوار نے حیرت میرے کچھ میں کہا اور پوچھا۔ ”تو بان لکھار سے تمہاری ملاقات کہاں ہوئی تھی اور تم دونوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟“

”ہماری پہلی ملاقات مصر کے علاقے ”وہیلی آف دی کنکڑ“ کے ایک ہوٹل میں ہوئی تھی۔“ جاسم نے غرور سے دیکھ کر جواب دیا۔ ”اور ہمارے تعلقات کو یکطرفہ دوستی کہا جاسکتا ہے۔“

”یکطرفہ دوستی.....“ ہیڈ نے میرے بیان میں گہری دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔ ”اس کا کیا مطلب ہوا؟“ ”جیسا کہ میں نے بتایا، لکھار اپنے ضروری کاموں کے لیے ہماری زمین پر آتی رہتی ہے۔“ جاسم نے اپنے حوالہ انداز میں وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”جہاں تک میں لکھار کو کچھ پایا ہوں وہ خالق کائنات کی رضا اور منظوری سے ہماری دنیا کے بعض معاملات کو کنٹرول کرتی ہے اور اس کام کے لیے وہ ہمیں پر رہنے والے بندوں میں سے چنا کرتی ہے۔ ایسے بندے جو حق کے ساتھ کھڑے ہو کر باطل کی انجمن کو کھینچ کر باطل سے رکھتے ہوں۔ وہ کبھی بھی براوہ راست کسی بات کی راہ میں نہیں آتی۔ اس کی ایک مثال آج صبح والا واقعہ ہے۔“ دو ماٹس ہمارے کرنے کی غرض سے متوقف ہو کر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

”تین روز پہلے وہ مجھ سے ملی تھی اور مجھے آج والے مشن کے بارے میں بتایا تھا۔ پھر اس نے مجھے میری جگہ سے پہلے غزوہ والے اس مکان تک پہنچایا جہاں تکی مکمل سے میری ملاقات ہوئی۔ بعد ازاں اسی نے مجھے اس عمارت کی چھت پر پہنچا دیا جہاں پراسرار ٹیلی انٹریٹس ریڈار سسٹم نصب ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا، یہ ساری کہانی آپ کی جانتی ہے۔“

”ہم نے کافی دن پہلے اس انٹریٹس ریڈار کا ڈیٹا اسٹریٹجک منصوبہ بنالیا تھا لیکن ہمارے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ یہودیوں کے انٹریٹس ریڈار سسٹم کی شکل میں کھڑی تھی۔“ ”تکینہ سنوار نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”میں اس آپریشن کا ماسٹر مائنڈ تھا اس لیے میں سب سے زیادہ فکرمند تھا اور پھر چند روز پہلے میری یہ فکر اس وقت جاتی رہی جب خواب میں مجھے بشارت ہوئی کہ..... پریژن ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک نوجوان ہمارا یہ مسئلہ حل کر دے گا۔ اس نوجوان کا نام تو بان بتایا گیا تھا یعنی..... وہ بشارت تمہارے حوالے سے تھی۔“

”میں سمجھ گیا مگر“ جاسم نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”آپ کو یہ بشارت یقیناً لکھار ہی نے دی تھی۔ وہ اکثر مجھ سے بھی عالم رویا میں میں رابطہ کر کے مختلف ہدایات دیتی ہے۔“

”تمہاری یہ دوست لکھار تو بہت کام کی چیز ہے تو بان!“ ہیڈ نے جاسم کے چہرے پر نگاہ جما کر کہا۔ ”ہم بھی

تھے۔ لہذا وہ اہم سوالات کی طرف آگیا۔  
 ”سرا“ اس نے ہیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”برسوں سے چٹری اس جگہ کا انجام کیا ہوگا؟“  
 ”کسی بھی چھوٹے یا بڑے کام کے آغاز اور انجام کے بارے میں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، لیکن“ ہیہ نے پکڑ سوچ اعجاز میں جواب دیا۔ ”جیسے میں صرف اتنا بتا سکا ہوں کہ ہم فلسطین کی آزادی اور خود مختاری کے لیے اپنی آخری سانس اور اپنے خون کے آخری قطرے تک لڑیں گے۔ اس کے بعد اللہ کو جوتھوڑا۔“

”میں آپ کے ایک مزاحم کو دل کی گہرائیوں سے سلام کرتا ہوں سرا“ جام نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”لیکن ان حقیقت سے بھی آنکھیں نہیں پھیرنا کہ اس لڑائی کی مسلمانوں کو بھاری قیمت چکانا پڑ رہی ہے۔ ہزاروں نہیں بلکہ اب تک لاکھوں انسانی جانوں کا زاریاں۔“  
 ”ایک منٹ برخوردار۔“ ہیہ نے ہاتھ کے اشارے کے ساتھ قلع کلائی کرتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔  
 ”میں اسے زبانی نہیں، اصل کتابی کہوں گا۔ معرکہ حق و باطل میں شہادت کا اعزاز حاصل کرنے والے انسانوں کی اللہ کے نزدیک کیا قدر و منزلت ہے، جنہیں شاید اس بات کا اعزاز نہیں ہے۔ اگر میرے ایک ہزار بھائی بھی ہوں تو میں انہیں باطل کے خلاف، حق کی سر بلندی کے لیے قربان کرنے میں غر محسوس کروں گا۔ کاش۔“

ہیہ بولتے بولتے پھر اسرار اعجاز میں خاموش ہو گیا۔ سنوار دل گرفتہ اور دردیدہ نظر سے جام کو دیکھنے لگا۔ جام نے ان جذباتی لمحات میں کچھ کہنا مناسب نہ جانا اور ہیہ کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

”کاش۔۔۔ میرے پاس زیادہ وقت ہوتا۔“ ہیہ مجسمیر اعجاز میں دوبارہ گویا ہوا۔ ”مجھے اپنی قوم کی خدمت کرنے کے بہت مواقع ملے ہیں اور میں نے ان میں سے ایک بھی موقع ضائع نہیں کیا۔ میری غزوہ اشرف میں دس سال تک حاس کا سربراہ رہا ہوں اور اسی دوران میں آٹھ سال میں نے فلسطینیوں کے وزیر اعظم کی حیثیت سے گزارے ہیں، پھر دو ہزار سترہ میں مجھے حاس کا چیئر مین مقرر کیا گیا اور اب میں پچھلے چھ سال سے فلسطین جلا وطنی کی زندگی گزار رہا ہوں۔ وہاں دودھ میں میرا آغس ہے جہاں ڈیڑھ گریس حاس کے معاملات پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔ میرا کردار ایک گھمان کا سا ہو کر رہ گیا ہے نہ نئی اور ملکی سرگرمیاں بنوا رہے ہیں۔ اب سب محسوس میں سنوار ہی حاس کو چلا رہے ہیں۔ میرے بعد بھی حاس کے

باطل کے خلاف سینڈتان کرکھڑے ہیں۔ کیا وہ اس نیک مقصد کو پانے کے لیے ہماری حریف مددگوں کر سکتی؟ اگر وہ ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جائے تو ہمیں یہ آسانی ہماری منزل مل جائے گی۔“

”سرا میں آپ کے جذبہ کا کچھ سمجھ سکتا ہوں۔“ جام نے معتدل اعجاز میں کہا۔ ”لہذا جب بھی میرے رابطے میں آئے گی، میں اپنے فلسطینی مظلوم بھائیوں کا مقصد اس کے سامنے رکھوں گا۔ آگے اس کی سر مشی۔“

”کیا تم خود ارشاد سے رابطہ نہیں کر سکتے؟“ سنوار نے اظہاری لہجے میں استفسار کیا۔

”نہیں میرے محترم۔۔۔“ جام نے دو ٹوک اعجاز میں جواب دیا۔ ”اسی لیے میں نے اپنے خود ارشاد کے تعلقات کو“ میکرفورڈی“ کا نام دیا ہے۔ وہ اپنے پروگرام کے مطابق مجھ سے رابطہ کرتی ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ جب بھی ارشاد سے میری ملاقات ہوگی، میں اسے آپ کی مدد کرنے کے لیے قائل کرنے کی کوشش کروں گا۔“

”ٹھیک ہو گیا برخوردار۔“ ہیہ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ”علی الصباح فزہ میں، دوپہر کو نما میں اور سہ پہر استہلال میں۔۔۔ یہ تمام جرنی ظاہر ہے، ارشاد کے توسط سے ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم آج مکمل طور پر ارشاد کی بچائی ہوئی بسلا کا پیادہ بنے ہوئے ہو اس لیے میں، اس معاملے سے تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔ اگر تم خود کچھ بتانا چاہو تو ہماری سر مشی ہے۔“

”جی ہاں تو یہ ہے کہ مجھے خود معلوم نہیں کہ میرا اگلا قدم یہ الفاظ و مگر ارشاد کی آگلی چال کیا ہوگی۔“ جام نے معتدل اعجاز میں کہا۔ ”آپ نے درست کہا ہے کہ میں ارشاد کی بچائی ہوئی بسلا کا پیادہ ہوں۔ وہ جب چاہے گی، مجھے اپنی سر مشی سے مست بڑھا دے گی۔“

اس کے بعد بھی سنوار اور اسامیل ہیہ نے جام سے ارشاد کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا اور ان کے درمیان تازہ ترین صورت حال پر گفتگو ہونے لگی۔ ان لوگوں نے ”الافسسی“ لفظ کی کامیابی پر آج تک عہد کی نفاذ کے بعد ایک مختصر سا جشن منایا تھا جس میں اللہ کا شکر ادا کرنے کے ساتھ آئندہ کے معاملات کے لیے جدل سے دعا میں کی گئی تھیں۔ شکر گائے جشن میں سے زیادہ تر لوگ جا چکے تھے۔ اس وقت اس منظر میں سنوار اور ہیہ کے علاوہ حاس کے دو عین افراد ہی موجود تھے۔ یعنی اہل کے بیان کے مطابق اسامیل ہیہ نے اس ملاقات کے لیے صرف پندرہ منٹ کا وقت رکھا تھا جس میں سے دس منٹ گزر چکے



لیڈر اور چیز میں ہوں گے اور.....“ وہ لمبے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر ایک پوچھل سانس خارج کرنے کے بعد اپنی بات مکمل کر دی۔

”میساکہ میں نے بتایا، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ بس، زیادہ سے زیادہ ایک سال..... اور اس دوران میں میرے بچے، میرے بچوں کے بچے اور دیگر قریبی عزیز و اقارب کو بھی شہید کر دیا جائے گا اور میرے لیے سب سے بڑی دکھ کی بات یہ ہے کہ مجھے اپنے وطن کی مٹی نصیب نہیں ہوگی۔ میری موت اور تدفین بھی وہاں پر نہیں ہوگی اور.....!“

”برادر.....!“ یحییٰ سنوار نے نرم لہجے میں کہا۔ ”خدا را، آپ اپنی اس سوچ سے باہر آ جائیں۔ آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کا سایہ حساس پریش سلامت رہے گا۔ آپ اپنی باپوی اور ناسمیت کی باتیں کر کے ٹوٹاؤں کو پریشان نہ کریں۔“

”میں رب تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوں اور نہ ہی اس کی نصرت سے ناامید.....“ بیہ نے چٹائی لہجے میں کہا۔ ”ٹوٹاؤں ہمارا اپنا ہے۔ اس نے آج ہمارے وطن کو کامیالی سے ہمکنار کیا ہے۔ میں اس نوجوان کو اپنی دعا اور اس کی قبولیت کے بارے میں ضرور بتانا چاہوں گا.....“

بیہ نے ان دونوں الفاظ کے بعد سنوار نے چپ سا دھ لی۔ جاسم پوچھے بتا نہ سکا۔ ”سرا آپ اپنی کس دعا اور اس کی قبولیت کا ذکر کر رہے ہیں؟“

”کچھ عرصہ پہلے میں نے اپنے پروردگار سے یہ دعا کی تھی کہ مجھے اس سرور ملنے پر کبھی زندگی عطا فرمائیں کہ میں آپ ملنے پر کبھی اس حیات طیبہ سے ایک سال یا ایک مہینا یا ایک دن یا ایک سانس بھی زیادہ جینا نہیں چاہتا.....“ اسکیل بیہ نے جاسم کے چہرے پر نگاہ جما کر جواب دیا۔ ”چند روز بعد مجھے خواب میں اس دعا کی قبولیت کے حوالے سے بشارت مل گئی اور اب.....!“ اس نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر سنوار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات مکمل کر دی۔

”میں اور سنوار ایک ہی سال یعنی انیس سو باٹھ میں، غزوہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ہماری عمروں میں کم و بیش نو ماہ کا فرق ہے۔ سنوار مجھ سے نو ماہ چھوٹے ہیں۔ عمر کے اس حساب سے آج دو ہزار تیس میں، میں آٹھ سال کا ہو چکا ہوں اور میری سہیلیز کے مطابق، محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے باٹھ سال کی عمر میں پانی پانی (ترتیباً سالہ) میں مطابق جہری کینڈر (مجھے بھی محسوس ہوتا ہے کہ میں آٹھ سال سات آٹھ سال کا دن نہیں دیکھ سکوں گا۔“

ان لمحات میں جاسم کو بھی محسوس ہوا تھا کہ اسکیل بیہ قبولیت کا شکار ہے حالانکہ اس روز تو ایسا بالکل بھی نہیں ہوتا

چاہیے تھا۔ وہ دن حماس اور بیہ کے لیے خوشی اور شادمانی کا چہرہ تھا۔ جاسم نے بھی سوچا کہ شاید وہ جذبات کی رود میں بہرہ کر یہ سب کہہ گیا ہے لیکن ایک سال کے بعد، وقت نے یہ بات کر دیا کہ اسکیل بیہ کی وہ دعا دعا وقتاً بوقتاً گواہی دے رہی تھی شرف قبولیت حاصل کر چکی تھی اور اس کے تمام تر محسوسات بھی صد فیصد درست ثابت ہوئے تھے۔ آٹھ سال یعنی دو ہزار چھتیس میں اکتیس جولائی کے دن بیہ کا ایران کے صدر مقام تہران میں شہید کر دیا گیا تھا۔ دو روز بعد، اس کے جسد خاکی کو دودھ میں داخل ”لوٹل“ نامی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

”سرا ایک بات تو بتائیں.....!“ ماحول کے پوچھل بین کو در کرنے کی غرض سے جاسم نے سرسری انداز میں سوال کیا۔ ”آج والے واقعے پر اسرائیلی گورنمنٹ کی رپورٹ ظاہر کر سکتی ہے؟“ جاسم نے پوری یہودی قوم پر آسانی بجلی گرا دی ہے۔ وہ چپ تو نہیں بیٹھیں گے.....“

”آج اس غیبی الانیخت الیہس اعظم یقین یا ہونے ہمارے اس کارنامے پر اسرائیلی عوام کے سامنے غم و غصے کا اظہار کیا ہے اور حماس کے اس ”جرم“ کو ناقابل معافی گردانا ہے۔“ بیہ نے کڑوے لہجے میں جواب دیا۔ ”ایک آدھ روز میں وہ کینڈر توریث اٹھائے دی کی میراڑ کے سامنے ٹھہرا ہوگا اور اس کی بغل میں ایک ربی بھی موجود ہوگا اور وہ ”میل آف ایمالنگ“ کا حوالہ دے کر توریث کی آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے گا کہ اللہ کے حکم کے مطابق، میں ان حملہ آوروں کی عورتوں اور بچوں کو مار گت کر کے ان کی نسل کشی کرنا ہے یعنی غزوہ میں بسنے والا ایک انسان بھی زندہ نہیں بچتا چاہیے۔ یہ ہمارے خلاف بدترین اعلان جنگ ہوگا۔“

”کسی خوف ناک جرمی کا رد وانی والی بات تو سمجھ میں آ رہی ہے سر.....!“ جاسم نے انھیں زدہ نظر سے بیہ کو دیکھا اور حریت بھرنے لہجے میں کہا۔ ”لیکن آپ نے توریث کا جوڑ کر کیا ہے، وہ میرے سر کے اوپر سے گزر گیا ہے۔ کیا یہودیوں کی آسمانی مقدس کتاب توریث میں ایسا کوئی حکم رکھتی موجود ہے۔“ ”کیا تم نے بھی توروہ (توریث) کا مطالعہ کیا ہے؟“

”نہیں سرا“ جاسم نے لٹی میں گردن ہلا دی۔

”پھر تو تم ایمالنگ تو م کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے ہو گے۔“

”ایسا ہی ہے سرا“ جاسم نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

”ایمالنگ دو قوم ہے جو یہودیوں اور سرزمین اسرائیل سے شدید نفرت کرتی تھی.....“ بیہ مبتدل انداز میں بولا۔

دیں گے۔

جاسم نے یکنی منل کے دے ہوئے سبک منل فن کے کاک پرنگا ڈالی اور پہن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”سرا آپ نے مجھے اس ملاقات کے لیے جو چند منٹ دیے تھے، وہ وقت پورا ہو چکا۔ بس، آپ سے ایک آخری سوال۔ میں چاہوں گا، آپ میری ایک مناجات میں اصلاح فرمادیں کیونکہ میرا مطالعہ زیادہ نہیں ہے۔ بس، سنی سٹائی پر گزرا ہوا چلا رہا ہوں۔“ وہ لمبے بھر کے لیے خاموش رہا اپنی بات مکمل کرتے ہوئے استغفار کیا۔

”میں نے ڈاکٹسٹ (گزار اور بدبودار قصہ دیکھو) کے لیے لفظ ”مسیحوتی“ کا استعمال پڑھا اور سنا ہے لیکن ابھی آپ نے ”مسیحوتی“ اور ”مسیحونیت“ کا ذکر فرمایا ہے۔ مجھے بتائیں، درست کیا ہے؟“

”اصل لفظ مسیحون (Sahyoun) ہے جو وقت کے ساتھ بزرگ ”مسیحون“ ہو گیا ہے۔“ ہینے نے خبر سے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

”شکریہ سرا میں آئندہ صحت نسلی کا خیال رکھوں گا۔“

جاسم نے زریب سکرمانے ہوئے کہا۔ ”آپ نے اپنے یکنی وقت میں سے چند منٹ مجھے معایت کیے، جو میرے لیے کسی عظیم یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا اور..... اب مجھے جانا ہوگا۔“

”میں نے ہنگامی حالات پیدا کرنے کے لیے تمہیں ملاقات کا مختصر وقت جس مقصد سے دیا تھا، اس کی وضاحت میں شروع میں کر چکا ہوں۔“ ہینے نے کہا۔ ”تم چاہو تو مزید کچھ دیر یہاں رکھتے ہو۔“

”سرا میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔“

جاسم نے دھوکہ انداز میں کہا۔ ”آگے بہت کچھ لائن آپ ہے۔ مجھے ٹھیک پانچ بجے کو یثا میں ایک اسٹینٹ پورا کرنا ہے۔“

”اور ظاہر ہے، تم استہول سے کوئیادو لیے ہی جاؤ گے جیسے کوئیادے استہول آئے تھے؟“ ہینے نے قسطنطنیہ انداز میں کہا۔

جاسم نے اثبات میں جواب دیا۔ ”بس سرا“

”کیا رکھنا اس وقت یہاں موجود ہے؟“ ہینڈار نے سرسراتی ہوئی آواز میں استفسار کیا۔

”نہیں سر.....؟“ جاسم نے ایک مرتبہ پھر گردن کو اثباتی جنبش دی اور انکشاف انگیز لہجے میں کہا۔ ”وہ میرے عقب میں کھڑی ہے۔“

”وہ میں تو نظر نہیں آ رہی۔“ دونوں نے یہ یک زبان

”شاید میں کچھ لکھ کر گیا ہوں.....“ فوراً ہی اس نے جھجھک کر نالے انداز میں اضافہ کر دیا۔ ”وہ قوم ہے نہیں بلکہ کسی..... لپاتی تو کھیں ان کا نام دوشان بھی موجود نہیں ہے۔“ خیر..... لپاتی توتف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

”معدیوں پہلے، باسبی بید میں ایما ایک قوم نے مصر کی جانب سے اسرائیل پر یٹانہ کی تھی۔ یہ اسرائیل اور یسودیوں پر بیرونی دنیائے ہونے والا پہلا حملہ تھا جو تاریخ کی کتابوں میں ثبت آف ایما ایک (جنگ ایما ایک) کے نام سے رقم ہے۔ قریب تھا کہ ایما ایک یسودیوں اور اسرائیل کو نیست و نابود کر دیتے۔ قریب یسودیہ وہ آیات نازل ہوئیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ یعنی.....“ یہ لوگ سازش اور مداخلت ہیں۔ ان کی مورتوں اور بچوں کو بھی نشانہ بنانا۔ تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔“ میں نے تمہیں تورات کی آیات کا حوالہ دے دیا ہے۔ وہ کہہ دو آیات تورات کے اندر موجود ہیں۔ یہ دو اقتباس کر رہی ہے یا یسودیوں کے حکماء ذہن کی کوئی ترقیاتی اختراع، میں اس کے بارے میں دھوکے سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہر کیف، ان آیات کی روشنی میں، یسودی آپ قسطنطنیہ مسلمانوں خصوصاً غزہ کے باسیوں کی.....“

”نسل کشی کا آغاز کر دیں گے۔ ہمیں پہلے سے زیادہ وقت ملا، فعال اور گہرے بندہ بننے کی ضرورت ہے۔“

جاسم نے یکنی ہندواری طرف دیکھا جو کالی دیر سے چپ بیٹھا ہوا، اپنے سینٹر کو کن رہا تھا۔ ہینے کبھی انداز میں اپنی بات مکمل کرنے کے بعد خاموش رہا تو ہینڈار نے کہا۔

”ہم بھی کسی یسودیوں کی سازشوں کی طرف سے قائل نہیں رہے ہیں۔ چیز میں بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ ہم نے آج صبح غزہ کی جانب سے اسرائیل پر حملہ کیا ہے، گویا ہم ”حملہ آور“ ہمارے سو، خاتمہ بینن یا ہو تورت کی آیات کی روشنی میں ہمیں ایما ایک قوم کی جگہ رکھ کر جدید ”مصل آف ایما ایک“ شروع کر دے گا اور بہر صورت ہمیں ان کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس وقت شام اور ایران پوری طرح ہمارے ساتھ کھڑے سے کھڑا جواز کو کھڑے ہیں۔ آنے والے دنوں میں کیا سامنے آئے گا، یہ تو خدا فی جانتا ہے لیکن قسطنطنیہ مسلمانوں سے ہمارا وعدہ ہے کہ ہم انہیں آزاد دی اور خود بخاری دوا لے کے لیے اپنی آخری سانس تک لڑیں گے۔“

”یہ شک“ ہینے نے پُر عزم انداز میں کہا۔ ”ہم لڑ رہے ہیں اور لڑتے رہیں گے مسیحوتی ہمیں کھٹے پٹے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ ہم مسیحونیت سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کی کسی بھی حکمرانی، عیساری اور گھمناکی سازش کو کامیاب نہیں ہونے

جنوری 2025ء

جاسم نے ہینڈار سے ڈاکٹسٹ



حرکت و سکنت اور چہرے و آنکھوں کے اتار چڑھاؤ پر گہری نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ بہر حال.....“ وہ سانس ہموار کرنے کی کوشش سے متوقف ہوا پھر ان الفاظ میں اپنی بات مکمل کر دی۔  
 ”ٹوبان کی پہلی لحاظ سے ہمارا دشمن نہیں ہے۔ لہذا ہمیں اس کی ترجیحات کی روشنی میں، اس پر ہمدردی کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے، وہ آئندہ بھی کاغذ بنے گا۔ ہمارے کام آتا رہے گا۔ آپ اپنے دست راست یعنی اس سے کہہ دیں کہ وہ ٹوبان سے ملنے میں رہے۔“

یعنی ہمنوار نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

☆☆☆

ترکی کے مقامی وقت کے مطابق اس وقت سہ پہر کے پانچ بجتے ہیں ایک منٹ باقی تھا۔ جاسم شرقی (ایشیائی) ترکی یعنی اناطولیا کے صحرائے آباد روایتی شہر ”کونیہ“ میں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کے مزار اقدس کے سامنے کھڑا تھا۔ لگ بھگ ایک گھنٹہ پہلے بھی وہ کونیہ کے ایک معروف ریسٹورنٹ ”سیفا“ میں بیٹھا پیٹ پوچھا کر رہا تھا۔ بعد ازاں اس کے ساتھ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا تھا۔ بہر حال اب اس معاملے کا خلاصہ ہو چکا تھا۔

مولانا رومیؒ کے مزار شریف کو کونیہ کی چار بڑی سڑکوں (توپراک، اسلام، شہت ناظم اور مولانا) نے اپنی آغوش میں سمیٹ رکھا ہے۔ جاسم مزار کے مین گیٹ سے اندر داخل ہو گیا۔ اس کے بائیں جانب دادا زین باقریؒ نے اسے ایک خاص مشن کے سلسلے میں وہاں بھیجا تھا۔ زین باقریؒ کی عمر اتنی سے متجاوز بھی نہ ہو سکتی تھی اور میر عمر لگا تھا اور حرکات و سکنات میں جوانوں سے زیادہ مستعد اور پُر عزم۔ زین باقریؒ کی صورت ایک معروف آرٹسٹ نصیر الدین شاہ سے بہت ملتی تھی اور جسمانی ساخت بھی شاہ صاحب کے جیسی ہی تھی۔ زین باقریؒ کے مطابق، جاسم نے ٹھیک پانچ بجے مولانا رومیؒ کے مزار کے احاطے میں موجود اکثر علامہ اقبالؒ کی علاقائی قبر پر بحسن رازی نامی ایک شخص سے لمحات ملاقات کرنا بھی اور اس سے سکر گیٹ کے پینٹ کے ساتھ ایک ایک چوٹی ڈیبا لے کر وہاں مسلم سکیر (کوارٹر) چلے جانا تھا جہاں وہ ایک ریسٹورنٹ کے اوپر تازہ بہ تازہ مکتوت پڑے ہوئے تھا۔

مولانا رومیؒ کے مزار کے احاطے میں علامہ اقبالؒ کی علاقائی قبر کے علاوہ بھی کئی مرقدہ کھینے کھتے ہیں۔ یہ سب اپنے دور کے جید اور عبقری افراد کی قبر ہیں۔ ان مرقومین میں ایک وصف مشہور تھا جسے وہ مولانا رومیؒ سے گہری محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔

جب جاسم علامہ اقبالؒ کی علاقائی قبر کے نزدیک پہنچا تو

حیرت بھرے لہجے میں کہا۔  
 ”میرا یہ تو اس کی مرضی ہے، جس کو نظر آئے اور جس کو نظر نہ آئے۔“ جاسم نے گہری سنجیدگی سے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔  
 ”تم کہاں چل دیے؟“ پیہ نے بے ساختہ پوچھا۔  
 جاسم نے معتدل انداز میں جواب دیا۔ ”اس پینٹ کی چھت پر جہاں سولہ منٹ پہلے میں نے لیڈ لیا تھا۔ مجھے اسی مقام سے ٹپک آ کر رہا تھا۔“

”کیا تم..... ہماری نگاہوں کے سامنے..... پونہ کھڑے کھڑے غائب نہیں ہو سکتے.....؟“ یعنی ہمنوار نے کسی بے تاب بچے کے مانند چل کر کہا۔ ”پہلے ہم نے تمہیں کبیرے کی آنکھ سے غائب ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اب اپنی آنکھوں سے یہ جادوئی معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں۔“  
 پیہ نے کہا۔ ”اگر تمہاری ٹیکلر نہ دوست ایشیا کو کوئی اعتراض نہ ہو تو.....“

مسل فون اس وقت جاسم کے ہاتھ میں تھا اور اس دوران میں وہ مسل فون میں محفوظ کونیہ کے جی بی ایس۔ کو آر ڈی ٹی ویس کو اسکرین پر لا چکا تھا۔ اس نے مذکورہ کو آر ڈی ٹی ویس کو زربلہ دہرانے کے بعد آنکھیں بند کر لیں اور ”کی ٹوٹ“ کا سحر جھونک کر..... یہ جا رہا تھا۔

پیہ اور ہمنوار ہر ایک وقت اپنی آنکھیں مل کر اس حقیقت کو تسلیم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ٹوبان (جاسم) وہاں سے جا چکا تھا۔ ان کی یہ کوشش مدد فیصد کامیاب رہی کیونکہ وہ مکمل آنکھوں سے اس حقیقت کو بدل نہیں سکتے تھے۔

”ٹوبان کو ہمارے ساتھ ہونا چاہیے۔“ ہمنوار نے ایشیائی لہجے میں کہا۔ ”اس کے توسط سے ہم ایشیا کی حیرت انگیز صلاحیتوں سے بہرہ ور استفادہ کر سکتے ہیں۔“  
 ”ایشیا کے حوالے سے میرے ذہن میں ایک شک بڑھ چکا ہے ہمنوار.....“ پیہ نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کیسا شک چیزیں؟“ ہمنوار نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

”ٹوبان ایک حقیقت ہے اور ایشیا ایک افسانہ.....“  
 ”میں سمجھا نہیں چیزیں؟“ ہمنوار نے انہیں زدہ لہجے میں کہا۔

”میں سمجھتا ہوں، ٹوبان ٹیلی پورٹیشن کا بہتر جانا ہے اور اس نے خود کو چھپانے کے لیے ایک مرضی کر دار ایشیا کے کندھے پر دکھ کر ہندوستانی ہے۔“ پیہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”جب وہ میرا آئینہ ہو کر رہا تھا تو میں نے اس کی جاسوسی بذات جست.....“

جنوری 2025ء



گیا۔ اس خوارے کو ترکی والے ناسی، نانالی اور سکت کا نام  
بردار مانتے ہیں۔ اس میں سے ٹٹلے والا پانی اس قلعے کی تعمیر  
کرتا ہے کہ پائے سے چڑھ کر جاتا ہے۔ حوض کے وسط میں  
ساتھ ساتھ اس بڑے خوارے سے ٹٹلے والا پانی اس کے ارد گرد بہتے  
ہوئے قلعے میں کرتا ہے۔ جب دولت ممبر جاتے ہیں تو ان  
پانی حوض میں کرتے لگتا ہے اور حوض کے اندر چلے ہوئے تال  
پانی ایک خاص سکیم کے تحت دریاں اس خوارے کی جڑ میں  
جاتا ہے۔ پانی کی وکٹیں، تھیم، ترسل اور وصولی کا یہ خوب  
صورت نظام حاسن دل افرا کو بہت دور تک سوچنے پر مجبور کر  
دیتا ہے۔

جاسم اس بہوت کر دینے والے حرا کین تھارے میں  
کھو یا ہوا تھا کہ حزار کے ہاں اسے لوگوں کا شور مچا رہا۔ وہ  
اواراز میں بند آجکے کسی کس کی خوت کا شیراز اور بکر کرا اور اس  
نے بے سائتہ داخل کی کت کی جانب دیکھا۔ لوگ مضطرب  
قدموں کے ساتھ گرتے ہاں نظر رہے تھے۔ اس اہیات  
مورجہ حال سے یہی کھو ش آہ تھا کہ باہر کی ناخوشگوار اوتھ  
رہنا ہو چکا ہے۔ جاسم کو وہاں آئے لک ٹا کر چہرہ سے میں  
منٹ ہوئے تھے۔ جب وہ حزار کے اندر داخل ہوا تھا تو وہ میری  
فخاس میں ان سکون اور شکی کا دورہ تھا۔ پھر اچانک ایسا  
ہو گیا تھا کہ باہر بگڑنے لگا کا حول میں گیا تھا!

[illegible]

باہر مرکز کے کنارے درجن بھر افراد ایک ”دائرے“ کی شکل میں جمع تھے اور اسے ہی لوگ ان کے عقب میں بھی موجود تھے اور وہ سب گروہیں اٹھا کر دائرے کے اندر کی صورت حال جاننے کے لیے بے تاب دکھائی دیتے تھے۔ انفرادی اور قشونیں زدہ سانس ماحول نے جہم کو بھی اس دائرے کے کنارہ جھانکے پر مجبور کر دیا۔

وہ کی طرح مجبور کو بیڑے ہوئے جب "ظلمہ" کا دھبہ  
پہنچا تو ایک سبھی خیر خواہ نے اس کے اس محل کرپے اس کی  
لڑکے کے سامنے حسن ملائی فٹ پاچہ پر اس طرح پڑا ہوا تھا کہ  
اس کی کٹی ہوئی گردن مٹی سے خارج ہونے والے خون نے  
فٹ پاچہ کی پختہ زمین کو رنگین کر دیا تھا۔ باوی اٹھ کر سے صوڑا  
آگے بڑھ کر جام نے حتی طور پر اس امر کا یقین کر لیا کہ حسن  
ملائی کا شہاب زحہ انساؤں میں نہیں آسکا جاسکتا تھا۔

محسن رازی کو موت کے گھاٹ اتارنے والا سفاک

ٹھیک پانچ بجے تھے۔ وہاں اس نے ایک ڈبلہ پہنے دروازے پر دستک لگا دی۔ اس بندے کا حلیہ زین باقر کے بیان کردہ شخص حسن راززی کے ہو سکتا تھا۔ جام کہہ کر مجھے میں کسی رقت یا ڈھاری کا سامنا نہیں ہوا کہ وہی اس کا مطلوبہ شخص تھا۔ وہ چلے گئے۔ یہ گوروہ بندے کے پہلو میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

ان دونوں میں کلام کے نام پر ایک لفظ کا بھی تبادلہ نہیں ہوا۔ اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں تھی کہ مرزا کو ذکر کو بھی ثوبان (جام کے موجود) کے قد کاٹھ اور خال داخلہ کے بارے میں تھیں آگاہ کیا گیا ہو گا۔ اسی لیے اسی بندے نے جام کو انکار کی زحمت سے بچاتے ہوئے، اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی چوٹی ڈیبا نکالی اور خاموشی سے میکا کی انداز میں جام کی جانب بڑھا دی۔

جامعہ نے بھی اس کے "غناز" کی پیروی کرتے ہوئے چپ چاپ وہ دیا بٹالے لی۔ اس کے بعد وہ بندہ یعنی محسن رازوی خاموشی سے قدم اٹھاتے ہوئے مزار شریف کے داخلی گیٹ کی سمت بڑھ گیا۔ اس کاکہ یہ مطلب تھا کہ محسن رازوی جس مقصد سے وہاں آیا تھا، وہ اہم کام خوش اسلوبی سے کرنے کے بعد رازداری سے واپس جا رہا تھا۔

زین باقر نے جاسم کو بتایا تھا کہ مذکورہ جو بی بی فیما حاصل کرنے کے لیے اسے وہاں اپنے کمرے میں پہنچا ہے۔ اسرائیل کے مقامی وقت کے مطابق، اسے ایک اہم بینک میں ٹھیک پانچ بجے حرکت کرنا تھی۔ ترکی اور اسرائیل کے معیاری اوقات میں ایک گھنٹے کا فاصلہ ہے۔ یعنی اسرائیل، ترکی کے مغرب میں واقع ہونے کے سبب ایک گھنٹہ پیچھے ہے۔ گویا، جاسم کے پاس کوئٹل ایک گھنٹہ تھا اور اس دورانے میں اس نے دراصل کام کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ دونوں کام بہ مشکل دس منٹ میں مکمل ہو جانے والے تھے۔

اولاً اس کے علاوہ اقبال کی عوامی قبر اور آفراسولانا  
رومی کی تربت پر شروع و ختم سے فاتحہ خوانی کی۔ علامہ  
اقبال کی عوامی قبر ترکہ کی حکومت نے انیس سو پینسٹھ میں، بعد  
ازم قریب گراؤنی تھی۔ رومی اور اقبال میں ایک نادر و روحانی  
تعلق تھا حالانکہ ..... ان دونوں اکابر کے دور کم و بیش چھ سو  
سال کا فرق ہے لیکن وہی بات کہ محبت اور عقیدت کی کوئی عمر  
نہیں ہوتی بلکہ وقت کرنے کے ساتھ ساتھ اس تعلق کی چاشنی،  
کشش، اثر پذیری اور پائے داری میں اضافہ ہوتا چلا جاتا

ۛ

جاسم ان دونوں کاموں سے فارغ ہونے کے بعد حزار  
کے احاطے ہی میں واقع ایک خوارے کے نزدیک آ کر کھڑا ہو

ایک ضروری میلنگ اینیڈ کرنے کے لیے آدمے کھٹے سے پہلے کونسا بے رو فٹم پہننا تھا۔

چندر منٹ پہلے جاسم نے فٹ پاچھ پر پڑی محسن راز کی خوں چکاں لاش دیکھی مگر اس کے بعد اسے بڑے دھواں دھار میں جیتے سے اٹھو کر لیا گیا تھا۔ ان دونوں واقعات میں کوئی نہ کوئی گلشن تو ہونا چاہیے تھا۔ ٹھیک پانچ بجے ملازمہ اتار ل کی ملاقاتی قبر پر منتقل محسن راز اور ملوی جاسم کی لمائی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہی یہ دونوں افسوس ناک واقعات، بے در پے رونما ہوئے تھے۔ جاسم یہ سوچے پتا نہ رہا کہ اس ساری ہنگامہ خیزی کے پیچھے اس چولی ڈھپاکا "ہاتھ" تھا جو محسن راز نے اسے دی تھی اور اب وہ جاسم کی پتلون کی جیب میں محفوظ رکھی تھی۔

دین قدرے کم رش والے علاقے میں داخل ہوئی تو جاسم نے بکلی مرتبہ اپنے اٹھوا کلاوں کو آپس میں بات چیت کرتے سنا۔ ایک کھنت آواز نے مکرورے کے لہجے میں کہا۔ "اب ہم شور و دھول سے کافی دور نکل آئے ہیں۔ کسی سائز والی دیران مٹی میں گاڑی روک دو۔ یہ جگہ ہمارے غکار کے انٹرویو کے لیے مناسب ہے۔"

اس شخص نے جاسم کے لیے "غکار" کا لفظ استعمال کیا تھا اور گاڑی روکنے کے لیے اس نے تھینا ڈیوڑھی کو کھم دیا تھا۔ یہ دونوں مردانہ آوازیں دین کے اگلے حصے سے آتی تھیں۔ "ہاں اب یہ بندہ تو چپ چاپ، بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے۔" جاسم کے نزدیک نیچے ہوئے ایک شخص نے تشویش بھرے لہجے میں اطلاع دی۔

"ذرا چپک تو کرو۔۔۔۔۔" ہاس کے ہاتھل سے ہکارے جانے والے اس شخص نے بازو مزاج شخص نے کہا۔ "تمہیں یہ انٹرویو سے پہلے ہی دہشت کے بارے اللہ کو پتہ چار تو نہیں ہو گیا؟"

"ہاں اب یہ زعمہ ہے۔" یہ آواز بھی جاسم کے قریب ہی سے ابھری تھی۔ "مگر لگتا ہے، بے ہوش ہو گیا ہے۔"

"تمہیں۔۔۔۔۔ گاڑی دیکھی ہے تو اس کا معائنہ کرتے ہیں۔" ہاس نے بے پروائی سے کہا۔ "تمہیں اس کی ذمہ داری اور موت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بس، ہم اس کی جامہ کشا لیں گے اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد اس نامراد کو گاڑی سے باہر پھینک دیں گے۔"

صورت حال جاسم پر مایاں ہو گئی۔ وہ کل چار افراد تھے جن کی جاسم سے کوئی دشمنی تھی اور نہ ہی دوستی۔ انہیں راہ زن، ٹھیرے اور اسٹریٹ کرمنٹو کا جاسم کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے جاسم کو

قائل بنایا جس کا کوئی دشمن ہی ہو سکتا تھا۔ رازی کی موت کا سبب جانے کا وقت تھا اور نہ ہی موقع۔ سو، جاسم چپ چاپ ایک جانب بڑھ گیا۔ وہ راستہ بیرونی کی طرف جا رہا تھا اور یہ علاقہ کونیا کا ڈائن ٹاؤن تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ جلد از جلد جائے وقوعہ سے دور نکل جائے۔ وہ محسن راز کی اہم ناک موت میں دلچسپی ظاہر کر کے خواہ مخواہ کسی نئی مصیبت کو دعوت نہیں دے سکتا تھا۔

مصیبت، موت اور گناہ کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ کال کر کے آتے ہیں۔ جاسم، محسن راز کی کوشش آنے والے جاں لیوا دافنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک ہائی روف دین اس کے پہلو میں آکر کی۔ جاسم، رازی کے حسرت نام انعام کے تصور میں اس قدر مگھو یا ہوا تھا کہ اس نے مذکورہ دین کے رکنے کے حیران پر دھیان نہیں دیا اور اس واقعاتی غفلت نے اسے ایک بھٹال میں ڈال دیا۔

دین کے رکنے ہی جاسم کی طرف والا سائز تک ڈور تجزی سے نکلا۔ کھلے ہوئے دروازے میں سے دو مستعد افراد باہر نکلے اور انہوں نے چشم زدن میں ایک بڑے سائز کا توڑا جاسم کے سر پر پھینکا۔

وہ توڑا (تھمنا) جاسم کے سر سے ہوتے ہوئے اس کی کمر تک آ گیا تھا۔ گویا اس کے دونوں بازو بھی مذکورہ توڑے کے اندر مقید ہو کر رہ گئے تھے۔ گل اس کے کہ جاسم اپنے ہاتھوں کو کوئی ایسی بے حرکت دستانہ دونوں حجرے کا مارا پیشہ ور افراد نے فوراً سے چھڑا، اناج سے بھری ہوئی بوری کے ساتھ اضافہ کر دین کے اندر پہنچا دیا۔ دین کا سائز تک ڈور اپنی مخصوص آواز کے ساتھ بند ہوا اور دین ایک خونخوار قسم کے جھٹکے کے ساتھ اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئی۔ حالات و واقعات کی روشنی میں ہر دستہ یہی کہا جاسکتا تھا کہ جاسم کو نامعلوم افراد نے اغوا کر لیا تھا۔

کونیا، جاسم کے لیے شہر خدا ثابت ہو رہا تھا۔

☆☆☆

سب سے پہلی تجزی سے شام کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس وقت ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ جاسم کو اغوا کر کے لے جانے والی دین اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی لیکن وہ ایک ذرا سا بھی پریشان یا گھرمند نہیں تھا۔ وہ جب بھی چاہتا، اس توڑے کے اندر سے خود کو آسانی سے نکل سکتا تھا مگر چہرہ عجیبہ سوالات اسے فی الحال ایسا کرنے سے روک رہے تھے اور وہ ان کے تسلی بخش جوابات حاصل کے بغیر نہیں بھی جانے والا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہی ایک اہل حقیقت بھی کسے

لوہنے کی فرخ سے لے لیا تھا۔ یہ سوچ کر جام دل ہی دل میں  
منک لگا کر ان بدصاحبوں کی یہ ساری تک و دو بیکار جانے والی  
تھی۔ جام بال و دولت اور زور و جابر سے اس طرح خالی تھا  
جیسے کین کے پتھر مکان.....

جام کی سوچ کو اس وقت پر یک لک گئے جب وہ دین  
اک لک میں مڑنے کے بعد جا چک رک گئی۔ دو ایک گہری اور  
پرسکون سانس لے کر وہ گیا کی نگاہ پر آئے والا تھا۔ جام  
لے ان کے "انٹرویو" کے لیے پانچ منٹ کا وقت مقرر کر دیا۔

دین کے رکستے ہی جام کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک  
فحص نے، اس کو پہنایا جانے والا دو توڑا اتار دیا۔ اب جام  
دین کے اندرونی مناظر کو بڑی وضاحت کے ساتھ دیکھ سکتا تھا۔  
اس کا اندازہ بالکل درست تھا۔ دین میں کل چار افراد ہی موجود  
تھے۔ دو اگلے حصے میں اور دھ جام کے آس پاس جن میں سے  
ایک نے جام پر کن تان رکھی تھی۔ جام کے لیے یہ چوڑی  
پہلوں کے مکمل سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں تھی۔ وہ تو بدترین  
حالات سے بھی بے غریبی منتنا جاتا تھا جس کی تازہ ترین مثال  
سب میرن ڈوٹس تو۔ نکال والا خون ریز اور قیامت خیز واقعہ  
تھا۔

"چلو۔" انیساب کچھ نکال کر سامنے والی سیٹ پر رکھ  
دو۔" مگر بردار نے جام کی طرف دیکھتے ہوئے حکمتانہ اعلاز  
میں کہا۔ "اگر تم شرافت کا مظاہرہ کرو گے تو ہم بھی تمہیں چوٹ  
نہیں پہنچا دیں گے اور..... تم حج سلامت یہاں سے جاسکو  
گے۔"

"جہیں مجھ سے کیا ہے؟" جام نے معنوی پریشانی  
کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "مجھے تمہارا یہ طریقہ بالکل پسند  
نہیں آیا۔"

"زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو۔" اگلی سیٹ پر  
موجود ان آچٹوں کے پاس نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔  
"تم تمہاری پسند، اپنی پسند پر شکوک کرنے یہاں نہیں آئے۔  
تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے، وہ ہمارے حمالے کو کرو۔  
کر کی، اور ہمارے اور دوسری کئی چیزیں۔ اسی میں تمہاری بھلائی  
ہے۔ تم نے یہ تو سن ہی کر رکھا ہو گا..... جان ہے تو جان ہے۔"  
اپنے فخر کا پتہ بتاتی کرنے کے لیے اس نے آخری جملہ  
بڑے فخر کا اعلاز میں ادا کیا تھا۔ جام ایسے مزک جواب  
فلڈوں کے رعب میں بھلا کہاں آنے والا تھا لیکن ان لحاظ  
میں وہ ان لٹکوں سے دل پر پوری کرنے کے موڈ میں تھا۔ لہذا  
سک جانے کی اداکاری کرتے ہوئے اس نے سراپا سے لہجے میں  
کہا۔

"ہاں! مجھے اپنی جان بہت زیادہ پیاری ہے اور میں  
اس جہان میں کالی مرے تک زندہ اور خوش رہنا چاہتا ہوں۔  
آپ نصیحتیں کرو۔ میں انیساب تک بکھوڑنے کو تیار ہوں۔"  
"شائش!" اس نے توجہ کی انماز میں کہا۔ "تم  
کالی بکھوڑا رہتے ہو۔ تمہارے ہی جیسے لوگوں کو کبھی  
پتہ کلاں ہے۔ چلو شروع ہو جاؤ۔"

اور جام واقعا شروع ہو گیا۔ اس نے بڑے احماد کے  
ساتھ بیٹک سٹیل ٹون، ہلکی کی فٹ والی کھٹی بزل، مگرین کی  
ڈیپا کے ساز کی چوٹی لے اور چند اداز کے کرکی ٹوٹ اپنے  
لباس کے اندر سے برآمد کر کے مگر بردار کے نزدیک، دین کی  
سیٹ پر رکھ دیے اور محتمل اعلاز میں کہا۔  
"میرے پاس جتنا وہ میں سے نہیں دے دیا ہے۔"  
"نہیں سہی.....؟" مگر بردار نے ہانکار انماز میں  
پوچھا۔

جام نے جواب دیا۔ "ہاں بالکل.....!"  
"تم لوگوں لے اس کو جمان سے کیا برآمد کر دیا ہے؟"  
ان کے اس نے پیچھے دیکھے پتھر امتداد کر۔

مگر بردار کے سامنے جام کی برآمدات کی تفصیل  
اپنے پاس کے کوئی گزار کر دی۔ پاس پٹنے پر مجبور ہو گیا۔ اس  
نے گردن موڑ کر عقب میں دیکھا اور محال لگا، اسے اپنے سامنے  
کے بیان کی تصدیق کرنے کے بعد جام سے کہا۔  
"اور اپنی عمر بیکس اور اس میں ٹون پر غور کرو۔ اب تو  
بڑے بڑے بھی اس طرح کے بیٹوں والے پتھر سواکس ٹون  
نہیں رکھتے۔"

"میری جو حیثیت ہے، میں اسی کے مطابق گزار بسر کرتا  
ہوں۔" جام نے گہری تنہید کی سے جواب دیا۔

"ہاں..... تمہاری حیثیت کا اعلاز وہ "دو سو پچتر"  
ڈارو کے ٹونوں ہی سے ہو رہا ہے۔" پاس نے مضمر انماز میں  
کہا اور پوچھا۔ "کوئی کریڈٹ کارڈ اور ڈیٹ کارڈ؟"

"نوسرا۔" جام نے ٹیٹی میں گردن ہلا دی۔

"تم نے کسی میتی شے کو اپنے پاس چپا کر تو نہیں رکھا  
ہوا؟" پاس نے حک زدہ لہجے میں دریافت کیا۔ "جیسا کہ کوئی  
کوڈ کی ریک، پتھن یا..... اسی قسم کی کوئی اور چیز.....؟"

"اگر تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے تو میری کلائی لے سکتے  
ہو۔"

جام کے لہجے میں اس قدر احماد ہوا تھا کہ ان  
خندوں کے پاس نے اس کی کلائی لینے کی ضرورت محسوس نہیں  
کی اور سرری اعلاز میں پوچھا۔



”ہاں، یہ ٹھیک ہے۔“ ہاس نے تعاون آمیز لہجے میں

کہا۔

ہاس کا ٹیکسلا ہوا روپیہ دیکھ کر گن بردار فٹلے نے جاسم کو  
نشانے سے ”ہٹا“ دیا تھا۔ تاہم وہ ابھی تک گن بہ دست تھا۔  
جاسم اٹھ کر کھڑا ہوا تو سر دنگر نے کہا۔

”میری بیوی کی آنکھوں میں بھی موتیا چمک چکا ہے۔ ان  
ڈرامہ پس کی بجھے کی ضرورت ہے۔“

”میں یہ چھوٹی سی بوتل تم لوگوں کے پاس کووے دوں  
گے۔“ جاسم نے ہاس کی آنکھوں کو گارنٹ کرتے ہوئے سرسری  
انداز میں کہا۔ ”تم لوگوں میں سے جس کو بھی یہ آئی ڈرامہ پس  
چاہے ہوں، وہ اپنے پاس سے لے سکتا ہے۔“

جاسم نے اس بدقماش ہاس پر بھی غاہر کیا تھا کہ وہ اس کی  
آنکھوں میں ڈرامہ پس ڈالنے کے لیے اس پر جھکا ہے لیکن اس کا  
ایسا کوئی ارادہ ہرگز نہیں تھا۔ وہ کشتی خطرناک لیکوئٹ بہت  
زیادہ قد و قدیمت کا حامل تھا۔ وہ اس جیسے معاشرتی ماسور  
اٹھالی گھروں پر ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جس انتہائی مقصد سے  
اٹھا تھا، اسے پورا کرنے میں لگ گیا۔

ہاس پر جھنسنے کے ساتھ ہی جاسم نے ایک زوردار برسر  
برنگ اس بندے کے قہور بڑے سر پرید کی جس نے گن تھا مہرگی  
تھی کیونکہ وہ کسی بھی وقت کوئی جانور چڑھا سکتا تھا۔ علاوہ ازیں  
جاسم نے برق رفتاری سے ہاس کی کٹیٹیوں پر بھی دو ٹوکی چپ جڑ  
دیں اور پٹلی نرغشی بوتل کو اپنی جیب میں رکھنے کے بعد وہ ایک  
جھگٹے سے پیچھے ہٹ گیا۔

جاسم کی ہلک کسی غضب ناک لوہار کے وزنی  
اتھوڑے کے ہاتھ گن بردار کے منہ پر لگی تھی۔ وہ اس ناگہانی  
افتاد کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ میکانیکی انداز میں پیچھے کو الٹ  
گیا۔ گن اس کی گرفت سے نکل کر دو سینوں کے درمیان گر گئی  
تھی۔ جاسم نے فوراً اس گن کو اپنے قبضے میں لیا اور دین کے  
اغرونی ماحول کا پتہ چن میں کرنے کے لیے پوری طرح چارج  
ہو گیا۔

جاسم نے ہاس کی دونوں کن پٹیوں کی جو ”خاطر  
مدارات“ کی تھیں، اس کے جادوئی اثرات نے متاثرہ شخص کو قوتی  
طور پر دنیاؤں کی غافل گرد دیا تھا اور اس کی غیر فعال گردن  
وین کے ڈرامہ پس کی جانب جھک گئی تھی۔ جاسم کی تفرق کے باج  
منٹ پورے ہو چکے تھے لہذا اس نے ان تین افراد کو گن کے  
نشانے پر رکھتے ہوئے بے رحمی سے کہا۔

”میں تم تینوں کو زندہ اور صحیح سلامت چھوڑ کر جا رہا  
ہوں۔ اگر کسی نے اسرار بننے کی غلطی کی تو میں اپنا ارادہ بدل

”تم کرتے کیا ہو۔۔۔؟“

”بے روزگار ہوں صاحب۔۔۔۔۔“ جاسم نے رقت انگیز  
”آج میں مولانا روٹی کے روٹے پر حاضری اور  
فاتحہ خوانی کے لیے گیا تھا تا کہ ان کے کرم سے میری بگڑی بن  
جائے۔ وہاں ایک عمارت سے میری ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھے  
یہ تحریر دیا ہے۔۔۔۔۔“ جاسم نے چوٹی ڈیپا کی جانب اشارہ کرنے  
کے بعد اپنا بیان جاری رکھا۔ ”اس عمارت نے مجھے ہدایت کی ہے  
میں کلڑی کی اس ڈیپا کو ہمیشہ اپنے پاس رکھوں۔۔۔۔۔ اس کی  
موجودگی میرے معاملات میں خیر و برکت کی ضمانت ہوگی۔ میں  
مزار سے باہر نکلا اور تم لوگوں نے مجھے اغوا کر لیا۔“ وہ ایک رکا  
پھر ڈرامائی انداز میں ڈاکوؤں کے پاس سے پوچھا۔

”صاحب! کیا خیر و برکت کی آمد اسی طرح ہوا کرتی  
ہے؟“

وہ ہاس شاید بارہوں اور مزاروں سے گہری مقید  
رکھتا تھا اور صاحب مزار یا صاحب دربار پر بہت بھروسہ کرتا  
تھا۔ اس نے ”عمار“ کی عطا کردہ ”صل مشکلات“ اس چوٹی  
ڈیپا کو کسر نظر انداز کرتے ہوئے جاسم سے پوچھا۔  
”یہ چھوٹی بوتل کس سے ہے۔۔۔؟“

اس کے اندر ایک فلسفاتی لیکوئٹ ہے۔ تم اسے ایک قسم  
کے دس کی آئی ڈرامہ پس سمجھو۔“ جاسم نے معتدل انداز میں کہا۔  
”ایک حکیم صاحب نے اسے جڑی بوٹیوں سے تیار کیا ہے۔ یہ  
آنکھوں کے چالے صاف کرنے کے لیے اکسیر کی حیثیت رکھتی  
ہے۔“

”آنکھوں کے چالے۔۔۔۔۔“ ہاس نے اس لیکوئٹ میں  
اپنی دیکھنی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ ”تمہارا مطلب ہے،  
موتیا؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ بالکل ویسی!“ جاسم نے تصدیقی لہجے میں  
جواب دیا۔

”تم کلڑی کی یہ برکاتی ڈیپا، سیل فون اور کرنسی نوٹ اپنے  
پاس رکھو۔“ ہاس نے نرم لہجے میں کہا۔ ”ان چیزوں کی تمہیں  
زیادہ ضرورت ہے اور ”آئی ڈرامہ پس“ والی یہ شے مجھے دے  
دو۔ میری آنکھوں میں موتیا اتر آیا ہے۔ ان قطروں کو میں  
استعمال کروں گا۔“

جاسم نے فوراً سے پیشتر سیل فون، چوٹی ڈیپا اور کرنسی  
نوٹوں کو اپنی جیبوں میں پھنپایا اور ہاس سے کہا۔

”ان قطروں کی پہلی خیریاک میں خود جہاری آنکھوں  
میں ڈالوں گا تا کہ تمہیں مقدار کا صحیح اندازہ ہو جائے اور تم ابھی  
اس دروا کے کشتی اثرات بھی دیکھو۔“

دوں گا، پھر تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کسی تردد یا ہچکچاہٹ سے کام نہیں لوں گا۔"

وہ سبکی ہوئی نظروں سے جام کو بچھتے گئے۔ کن کے سامنے وہ... کسی بھاری کے مظاہرے کی لٹلی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد جام نے دین سے اتارنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اسی وقت دو گڑیاں اس کی پیش دہاں میں آگئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے جام والی دین کو اپنے خزانے میں لے لیا۔

پہلے جام کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ وہ لوگ ان ٹیروں ہی کے سکیڑے ہوں گے لیکن جب گیارہ اٹنے والی ان دو گڑیوں میں سے ایک کے دروازے کھلے اور وہاں سے دو افراد ایسے جارحانہ انداز میں برآمد ہوئے کہ ان کے ہاتھوں میں اسٹیمپ کی مدد پر خطرناک تھیں تو جام کو چشمِ دوزخ میں اپنا خیال تبدیل کرنا پڑا۔

"وہ رولز پر کڑی" کے "رشتے دار" نہیں ہو سکتے تھے بلکہ یہ کوئی اور ہی معاملہ تھا اور خاصا سنگین بھی۔!

دووں کن برادر پر پیش نظر آتے تھے۔ ان کے تہذیبی نے جام کو یاد کروایا کہ اس کے چہرہ میں وہاں کوئی نیا عازظہ کھلے جا رہا تھا۔ دین والے تینوں فنڈوں کو جام کی دشمنی نے پہلے ہی خوف زدہ کر رکھا تھا۔ اس نئی صورت حال نے ان کو ہراسہ اُڑا دیا۔ ان میں سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے "مرتا کیا تہ کرنا" کہ مصداق ایک فوری ردعمل کا اظہار کیا۔ اس نے افراتفری کے عالم میں دین کا انجن اسٹارٹ کیا اور وہاں سے "فودو کیارہ" ہونے کی کوشش کی۔

اس حوالے پر توجہ ڈرائیور کی یہ کوشش اس وقت ناکام ہو کر رہ گئی جب برقی کن برادروں نے اپنی کنز کے دہانے کھول دیے۔ دین کا انجن بیدار ہوتے ہی انہیں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ جن کی حراست پر آئے تھے، وہ

دو دین تھے جنے قور سے فرار کا ارادہ باغھہ کیے تھا۔ وہ لوگ دین والوں سے "ملاقات" کے بغیر نہ آئے تھے تھے

اس لیے انہوں نے جارحانہ انداز میں فائرنگ کر کے دین کے اگلے اور پچھلے ٹیڑوں کو بے اثر کر دیا تھا۔ اب وہ دین بھاگتے دوڑتے تو کیا، بیانی الحال پلے بھرے، کے قاتل بھی نہیں رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے ٹیڑوں پر رستے والی گولیوں نے اس دین کو "کولڈ کٹورا" کی نہیں بلکہ قتل طور پر ہڑا پناج بنا دیا تھا۔

اس ہنگامی گولی باری نے ایک طرف جام کو کمری کشش میں جلا کر دیا تھا تو دوسری جانب ان فنڈوں کی جیسے جان ہی ٹال دی تھی۔ سب سے زیادہ بھری حالت دین کے

ڈرائیور کی تھی۔ ان کے چہرے اور آنکھوں سے ہلکتے خوف و وحشت کے تاثرات انہیں مزید اکیلے کے مقابل کھڑا دکھائے تھے اور ان کا پس اپنی تک انسانی حالت میں بے خبر ذہن پر بٹ رہا تھا۔

"تھیں، کچھ اعزاز ہے، یہ کن لوگ تھے؟" جام نے اپنے قریب موجود فنڈ سے سوال کیا۔

"نہیں۔۔۔ اس نے ٹی میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، ان پر دسواں سے مئجسٹریٹ لوں گا۔"

جام نے جو مسلسل دینے والے اثبات بھرے لہجے میں کہا۔ "تم لوگ کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کرنا کہ میرے لیے ایک نئی مشکل کمزری ہو جائے۔ بات مجھ میں آ رہی ہے نا۔۔۔؟"

جام کے آؤ بازو موجود دو فنڈوں نے اثبات میں گردن ہلانے پر اتفاق کیا۔ ڈرائیور نے بھی، جسٹیس کی آواز میں کہا۔

"جسٹیس جو بھی کرنا ہے، جلدی کرو، وہ لوگ ہمارے نزدیک پہنچ رہے ہیں۔ ان کے پاس آٹو ٹیکس ملے ہیں۔ ہم ان کا تھاپا نہیں کر سکتے۔"

"وہ کیس۔۔۔؟" جام نے قسلی آمیز انداز میں کہا۔ اگرچہ تم لوگوں نے مجھے بھری تھی مگر اب یہ کہ ان کے بہت بڑا کیا ہے۔ لیکن اس وقت ہم سب ایک ایسی کشتی پر سوار ہیں جو پھرے ہوئے سمندری ٹھکان میں گھر بکھی ہے۔ چنانچہ ان حالات میں، ہمارے نو فرم و تصانیات میں ایک خاصوٹی چٹاق ہو چکا ہے۔ تمہاری سلاحتی اب میری ذمے داری ہے۔ قریب کر، میں تم چاروں کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

"ڈرائیور نے لالچ نہیں کہا تھا۔ اس دوران میں دو دونوں کن برادر افراد کا رد و کن کے انتہائی نزدیک چلے گئے تھے۔

وہ بہت ہی نازک اور نگر انگیز کمات تھے۔ اس وقت جام کے پاس اس کی جان کے علاوہ سب سے قیمتی اور اہم شے وہ چوٹی

ڈیٹا کی جو فٹول مرحوم جن رازوی نے اس کے سچے دوست کی تھی۔ اور یہ دراصل اس کے باپ کی راز داں باقر کی امانت تھی۔ جو اسے

پانچ بچے (بہرائی وقت کے مطابق) سے پہلے مدھم کے علاقے مسلم سٹریٹ میں زین بک بنائی تھی۔ مگر وہ چوٹی لایا سن

رازی کا ایک ماہر بھرا احسان تھا۔ جس کی حفاظت جام پر لازم قرار پا چکی تھی۔ اور اس متعدد کو چینی بنانے کے لیے اس دین

سے زیادہ محفوظ جگہ کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ اس دین کے "پاؤں میں مہندی لگ چکی تھی۔" جس کے باعث وہ ہر دست

کشمی "آنے جانے کے قاتل نہیں رہی گی۔!"



جاسم نے کمال پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چولی ڈبیا کو دین کی سیٹ کے نیچے کھسکا کر چھپا دیا۔ اس کی یہ ہنگامی کارروائی دونوں انموکھوں نے بھی دیکھ لی تھی۔ بہر حال، جاسم کو ان کی طرف سے کسی غلطی کی توقع نہیں تھی۔ ان لوگوں کا اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ ان حالات میں وہ ایک ایسے لوجوان کے خلاف جانے کا تصور کبھی نہیں کر سکتے تھے جو ان کی حفاظت اور سلامتی کا بیڑا اٹھا چکا تھا.....!

بیرونی گمن برداروں نے محفوظ فاصلے پر آ کر رک گئے۔ انہوں نے آپس میں، ہمیر و (عمرانی) میں کوئی بات کی پھر ایک نے دین میں موجود افراد سے مخاطب ہوتے ہوئے حکمتاً امتداد میں کہا۔

”تم لوگ اپنے ہاتھ اٹھا کر دین سے باہر نکل آؤ۔“ یہ حکم نامہ شہر انگریزی میں تھا۔ ”جس ایک خاص چیز کی تلاش ہے جو تم میں سے کسی ایک کے پاس ہے۔ اگر تم شرافت سے تعاون کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے تو ہم تمہاری جان بخش دیں گے۔ بہ صورت دیگر ہم تمہارے اجسام میں اٹنی گولیاں اتاریں گے کہ تمہاری لاشوں کی شناخت ممکن نہیں رہے گی۔“

ان کی دھمکی انموکھوں کی روح فدا کر دینے کے لیے کافی تھی مگر جاسم پر اس دھمکی کا خاک بھی اٹھ نہیں ہوا تھا تاہم اس نے خود کو سب سے زیادہ ڈرا سا ظاہر کیا اور رضا کارانہ طور پر، انموکھوں کی دین سے باہر پھینکنے کے بعد وہ خود بھی ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے باہر نکل آیا۔

جاسم کی دیکھا دیکھی پانی تین افراد بھی دین سے باہر نکل آئے مگر ان کا پاس یہ دستورینجر زیپٹ پر ”جما۔ رہا۔ اس کے اس جہاد میں سراسر جاسم کا مکمل دخل تھا۔ دونوں گمن بردار افراد نے ایک باہر عمرانی میں چھڑکلات کا تبادلہ کیا پھر ایک نے ڈرائیور کی جانب اشارہ کرتے ہوئے استفسار کیا۔

”وہ موٹا دین سے باہر کیوں نہیں نکل رہا کیا اسے اپنی جان پیاری نہیں ہے؟“

جاسم عمرانی زبان نہیں جانتا تھا تاہم یہودیوں سے مسلسل رابطے نے اسے عمرانی الفاظ کے مزاج، جملوں کی بناوٹ اور لب و لہجے کے مخصوص اثار چھڑکاؤ نے اس مقدس زبان کے صوتی اثر اور رموز سے کافی جد تک روشناس کرا دیا تھا۔

”اس نے بہت زیادہ پیار کی ہے۔“ جاسم نے صورت حالات کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے جواب دیا۔ ”اس لیے وہ بیٹھا، بیٹھا سو گیا ہے۔“ گمن بردار نے ہنس پر ایک ناپسندیدہ نگاہ ڈالی اور ان

چاروں سے کہا۔ ”تم سب ایک قطار میں، کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو جاؤ۔ تمہارے چہرے اس گاڑی کی طرف ہونا چاہئیں۔“ اس نے دو میں سے ایک گاڑی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”پہلے تمہاری شناخت ہوگی۔ اس کے بعد اگر ضرورت پڑی تو ہم تمہاری جائیداد غلطی میں لیں گے۔ ہمیں ہر صورت وہ شے چاہیے جس کے لیے ہم یہاں آئے ہیں۔“

جاسم سیت ان سب نے گمن بردار کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اس گمن بردار نے جس گاڑی کی سمت اشارہ کیا تھا، اس کی عقبی نشست پر ایک آسودہ حال سولے پوٹیلے اویسز عمر شخص براجمان تھا۔ اگرچہ اس ہندے کے پاؤں نظر نہیں آ رہے تھے لیکن اس کے قیمتی سوٹ کو کچھ کچھ پورے ڈھونے سے کہا جاسکتا تھا کہ وہ ”پوٹیلے“ بھی ہوگا۔ ظاہر ہے، کوئی سمیٹرل انسان اس پشاک کے ساتھ سلیمین پہننے سے تو رہا؟

گاڑی کی عقبی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اس شخص نے اپنی سائڈ کا شیشہ گرانے کے بعد ان چاروں کا یہ غور جائزہ لیا پھر جاسم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نیز آواز میں کچھ کہا۔

مرد غور کرنے عمرانی میں جو کہا، وہ صحیح طور پر جاسم کے لیے تو نہ پڑا تاہم اسے یہ اندازہ لگانے میں کسی دقت کا سامنا نہیں ہوا کہ وہ یہودی کسی خاص حوالے سے اسے پہچان چکا تھا۔ حالات کی اس گروتھ نے جاسم کو پانی الارٹ کر دیا۔

خاصی بعید میں قوم یہودی اصلاح کے لیے رب تعالیٰ نے تین جید انبیاء (حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلمان علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام) بھیجے تھے اور ان حکمران و مسیح پرستوں پر دوسرائی مقدس کتاب میں (زبور اور تورات) نازل ہوئی تھیں اور.....

حضرت حاضر میں پروردگار نے جاسم جیسے بعض جوانوں کو اس ازلی ابدی عیار اور مکار قوم کی سرکوبی کے لیے جن لیا تھا۔ قدرت کی مکمل داری کا کہیں قرینہ ہے۔ مالک کائنات عظیم الجہد دیوبیکر ہلکی کی ہلاکت کے لیے کبھی... مٹنے سے پرہیزے اپنا تیل اور مٹی سے کیڑے چوٹی کا انتخاب کر لیتا ہے۔ بے شک! وہ بڑا نامہ پیر اور حکمت والا ہے.....!

”اے ام! ایک طرف ہو جاؤ۔“ گمن بردار نے کار فیض کے حکم پر جاسم کو پانی تین افراد سے الگ کھڑے ہونے کہا۔

جاسم کے رگ و پے میں سنسناہٹ سی دور گئی۔ اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ وہ لوگ اسی کو کھوجے ہوئے ادھر آئے تھے اور اس کو کین کا قاتل اسی چولی ڈبیا سے تھوڑا سا اقبال کی علاقائی قبر پر مسمن رازی نامی ایک دراز قامت شخص نے جاسم کے سپرد کر دی تھی۔ ان لوگوں نے کسی



جاسم نے سرسری انداز میں کہا۔ ”پتا نہیں، اُس بے جاہلے کو کس بد بخت نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔“

”ہاں، بالکل۔ میں اسی آدمی کی بات کر رہا ہوں۔“ مکن بردار غصہ لاری لہجے میں بولا۔ ”اس کا نام مکن رازی تھا۔ مکن ایک خطرناک چور تھا۔ اس نے ہماری ایک سٹی ڈیپارٹمنٹ کی سٹی ہم اس کے تعاقب میں تھے لیکن اس تک پہنچنے سے پہلے ہی کئی نے اس کی جان لے لی۔ ہمارے ایک ساتھی نے انھیں مکن رازی کے ساتھ، درگاہ کے احاطے میں کھڑے کر دیا تھا اسی لیے اب ہم تمہارے پیچھے ہیں۔ ہمیں ہر صورت میں اپنی دو ڈیپا چاہیے جو ہمارے لیے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔“

”دیکھو بھائی۔۔۔“ جاسم نے آگے بڑھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”مزار کے اندر اور باہر اچھے میں کون کون میرے ساتھ کھڑا تھا، میں نے اس پر زور دیا تھا۔ مکن رازی، جو کچھ تھا، وہ میں نے انھیں بتا دیا۔ اب تمہاری مرضی، میرے بیان پر یقین کرو یا نہ کرو۔“

”اس شے میں کیا ہے؟“ مکن بردار نے پٹلی ہانپ بولن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جاسم سے پوچھا۔

”بھائی! آخر۔۔۔“ جاسم نے بے ساختہ چرخہ دار لہجے میں جواب دیا۔ ”یہ سیکل خدائی سے خدائی چمکانی کے داغ دھبوں کو نکالنے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتا ہے۔ میری ایک چیز پر کرکس اور تیل کے داغ لگے ہوئے ہیں۔ اگر تمہیں اس کی ضرورت ہے تو رکھ لو۔“

اس بندے نے بڑا سادہ بناتے ہوئے خطرناک لکیر بننے والی تھپی سی بولن اور کڑی لوٹ جاسم کو دے دیے تاہم سبیل فون اس نے اپنے پاس ہی رکھا۔

”تم اسے اپنی نگاہ میں رکھو۔“ مکن بردار نے جاسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔ ”میں سرے بات کر کے آتا ہوں۔“

وہ ”س“ سے بات کرنا یادوں سے، جاسم کی صحت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ تو یہ دیکھ کر مطمئن ہو گیا تھا کہ اب دوسرے کے بجائے ایک شخص سے اسے ملے گا۔

جاسم نے اسی امان حملہ آوردوں کو بھی بول اور چلی ڈیپا کی جو کہانی سنائی تھی، وہ اس بیان سے دن اپنی ڈگری کے قافلے پر کھڑی دکھائی دیتی تھی جو وہ انوار کرنے والے چار لیروں کو دے چکا تھا۔ اس موقع پر تین لیروں نے بڑی ناشدنی کا ثبوت دیا تھا۔ وہ لوگ جاسم کی حشاد اور بالکس وضاحت پر ایک ڈرا سے بھی نہیں جھپٹیں تھے۔ گویا انہوں نے جاسم کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کر لیا تھا اور دل و دماغ سے اس کی

اہم شے کا ذکر بھی کیا تھا جو مذکورہ پراسرار چلی ڈیپا کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس پوچش سے لکھا جاسم کے لیے آنکھ جھپکنے سے بھی کم وقت کا مکمل خالی گین حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ وہ حقیقت کی حد میں اترے بغیر وہاں سے جانے کو تیار نہیں تھا۔ اسی لیے بے چارہ جو کہانیں بات مان لی اور ونڈر آپ پوزیشن میں وہ تین لیروں سے چھوٹ کے قافلے پر جا کر کھلا ہوا گیا۔

مکن بردار نے اپنے سلسلہ ساتھی سے مبرانی مین کچھ کہا۔

”جب وہ بندہ حرکت میں آیا تو واضح ہوا کہ پہلے نے دوسرے کو جاسم کی تلاش کرنے کے لیے کہا تھا۔ جاسم نے ہڈی سرخ میں مکمل تعاون کیا لیکن اس دوران میں وہ عقلاتی نگاہ سے اس کی مکن کو بھی ”ناؤ“ رہا تھا۔ مکن بردار نے جاسم کی تلاش لیتے وقت اپنی جدید آئیٹم مکن کو کشانے پر لگا لیا تھا۔ جاسم کی اس جانچ اور بھانپتی نظروں نے اسے ایک ایسا زادیہ سمجھا دیا جو کسی بھی ہنگامی کارروائی کے لیے سودمند ثابت ہو سکتا تھا۔

جاسم کی جامہ تلاشی کے نتیجے میں وہی بیسک بیل فون، دو سو پچتر ڈالرز کے کڑی لوٹ اور پٹلی کی شکل جیسی چھوٹی بونٹ براڈ ہوئی تو تلاشی لینے والے نے انھیں زور و انداز میں دو سامان اپنے ساتھی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”وہ شے اس کے پاس نہیں ہے۔“

دوسرا مکن بردار بھی جاسم کے نزدیک آ گیا۔ اس نے جاسم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔ ”وہ کہاں ہے؟“

”پتا نہیں، تم کس چیز کو ڈھونڈ رہے ہو۔“ جاسم نے بیزار سی کہا۔ ”میرے پاس جو کچھ بھی تھا، وہ اب تمہارے پاس ہے۔“

”میں اس چھوٹی سی شے کی بات کر رہا ہوں جو مولانا روٹی کی درگاہ پر ایک دروازے قفس نے تمہیں دی تھی۔“ اس بندے نے یہ دستور جاسم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ”وہ مگر کے پیکٹ کے ساتھ کی گڑی کی ڈیپا۔“

”میں مولانا روٹی کی قبر مہارک پر شخص فاختہ خانی کے لیے گیا تھا۔“ جاسم نے معتدل انداز میں وضاحت کی۔ ”اور وہاں کی دروازہ بندے سے میری ملاقات ہوئی اور نہ ہی کسی نے مجھے کچھ دیا شاید تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں۔۔۔“

جاسم نے ڈرامائی انداز میں داستان اپنی بات ادھوری چھوڑی تو اس بندے نے سرسری بولی آواز میں پوچھا۔

”میں۔۔۔ کیا؟“

”میں جب درگاہ شریف سے باہر نکلا تو فٹ پاتھ پر ایک دروازے قفس کی گردن کی لاش پڑی دیکھی تھی۔“









عمارت میں بلا اجازت کسی بھی عمر کی یا غیر عمر کی مخلوق کا داخلہ ممنوع تھا۔ صرف اجازت یافتہ چنیدہ افراد ہی وہاں جا اور آ سکتے تھے۔ اس محدود آدمشمار پر بھی کڑی نگرانی کا بندوبست موجود تھا اور آج تک کوئی اس حرام آئین انتظام و انصرام کو چیلنج نہیں کر سکا تھا، اسے توڑنا یا کاٹنا جو بہت دور کی بات تھی۔

سات سو بیسٹھ میٹر (دو چار پانچ سو ذین فٹ) بلند اس کوہ پر عظیم ماؤنٹ ڈرائن کو ”جبل صیون“ بھی کہا جاتا ہے۔ مختلف ادوار میں اس مقدس پہاڑی علاقے کو الگ الگ نام دیے گئے ہیں۔ اس صحرائی کوادلا سیدنا داؤد علیہ السلام نے حج کیا تھا۔ سواہ اسے ”سٹی آف ڈیوڈ“ کہا جانے لگا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا مقبرہ بھی یہیں پر ہے۔ بعد ازاں جب سیدنا سلیمان علیہ السلام نے یہاں ”فرست ٹینک“ تعمیر کرایا تو یہ ”ہیمل ماؤنٹ“ کہلانے لگا اور آج کل یہ پہاڑی علاقہ ”ماؤنٹ ڈرائن“ کے نام سے موسوم و معروف ہے۔ عرب عام میں ہر زمانے میں یہ ”وادی صیون“ کے عہدے پر فائز رہا ہے اور..... اسی وادی کی ایک عمارت کے اندر ایلیس کی تینتیس روٹی بکلیں شورشی کی طویل جنگ جاری تھی۔

جھپٹے دو گھنٹے میں ڈیٹیل کاری نے یہودی اکابرین کی موجودگی میں آج حج والے سانحہ سخت تورہ اور پھر نوواٹیسول کے سہوتا ہوئے سے لے کر ڈولفن ٹو۔ کلاس میں پیش آنے والے خوں چکان اور لرزہ خیز واقعات کو درجہ بدرجہ فکس کیا تھا اور شرکائے فتنہ کے سامنے اپنے انتحاری منصوبہ جات کی تفصیل بھی رکھ دی تھی۔

”ہمیں جو باغی قافلہ طوائف نقصان پہنچ چکا ہے، اس کی خلائی ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ عموماً پوری دنیا میں اور خصوصاً اترش انیا عمرائیکل (سراٹیکل) میں مسلمانوں کی فٹل کشی کا آغاز کر دیا جائے۔“ ڈیٹیل کاری نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ ”یہ تو کیچن فٹل کی پیشہ ورانہ مہارت کو اسلام ہے کہ اس نے سب میرین کے تباہ حال مواملائی نظام کو کسی طرح ریپیز کر کے ہمیں وہاں کی صورت حال سے آگاہ کیا ہے، ورنہ ہم براخا کے حسرت ناک انجام سے بے خبر ہی رہتے اور..... وہ سانس ہمارا کرنے کی غرض سے متوقف ہوا پھر ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔

”اور ان تمام واقعات کے پیچھے ایک ہی فلسفہ رہت کر دکا تھا ہے۔ یعنی ابن شیطان ٹو بان..... اس کیے ٹو جوان نے ہمیں مجبوراً اور زوراً کر رکھ دیا ہے اور..... اب تو ہمیں اس کے خلاف فٹس فٹت بھی مل گئے ہیں۔“

”کیسے فٹت ہو جائے؟“ ایک دن نے سوال کیا۔

”میں دس منٹ پہلے اس مجلس سے اٹھ کر اپنے کمرے

میں گیا تھا۔“ ڈیٹیل کاری نے وہاں موجود دھرسیدہ یہودیوں پر ایک اچھتی سی نگاہ ڈالی اور کہا۔ ”اسی دوران میں مجھے کوئی سے ایک اہم اطلاع ملی ہے۔ ٹو بان نے کوئی میں ہمارے لوگوں کو بیدری سے موت کے گھاٹ اتارا ہے لیکن اس نامراد کا میل فون ہمارے ایک بندے کے ہاتھ لگ گیا ہے.....“ وہ ایک مرتبہ پھر رکا، دو تین گہری سانس لیں اور اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اس میل فون میں صرف ایک ہی نمبر فٹ ہے۔ اس کے علاوہ چند مقامات کے جی بی بی ایس۔ ٹو آرڈر میں بھی ٹیکسٹ کی صورت لے لی جن میں بحرا دنیائے کوس والی ہماری سب میرین، ایزرائیلز ریڈ ارسٹم والی عمارت اور کوئی سے ایک مقام کے علاوہ استہول میں واقع ایک بنگلے کی لوکیشن شامل ہیں۔ جب ہمارے آدمی نے ٹو بان کی فون کیس میں فٹ نمبر پر رابطہ کیا تو دوسری جانب بولنے والے شخص نے پتا ہے، کیا کہا.....“ وہ ڈرامائی انداز میں رک کر سوالیہ نظریں شرکائے فتنہ کی مجلس کو گھسے لگا۔

ظاہر ہے، ان میں سے کسی کے پاس اس کے سوال کا جواب نہیں تھا۔ سو کاری اپنا بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

”اس بندے نے کال انڈیکر کرتے ہی پوچھا۔ ”میلو ٹو بان! تم کیسے ہو..... کیا چیئر مین سے تمہاری ملاقات ہو گئی؟ آپ سب جانتے ہیں، چیئر مین اسمیل بیہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مردود بیہ آج سہ پہر میں کوئی استہول والی لوکیشن میں ہمیں موجود تھا جب ہی ٹو بان اس سے ملاقات کرنے وہاں پہنچا ہوا تھا۔ ہمارے آدمی نے دوسری طرف موجود شخص کو اس کی آواز سے پہچان لیا ہے۔ وہ بنگلے پر بیٹو اور کا دست راست بنگلی مجلس ہے جو غزوہ میں حماس کے معاملات کو دیکھ رہا ہے۔“

ڈیٹیل کاری نے بات مکمل کی تو اس ہال میں گویا صامت کا ستارہ چھا گیا۔ چند لمحات اسی درگزر کی کیفیت میں گزر گئے۔ اس مہیب اور جال مکمل خاموشی کو میل فون کی گھنٹی نے پاش پاش کر دیا۔ اس مجلس میں صرف ڈیٹیل کاری کو اپنا میل فون آن رکھنے کی اجازت تھی۔ اس نے اپنے میل فون کے ڈیسل پر رنگہ ڈالی اور انکشاف انگیز لہجے میں اعلان کیا۔

”ہیل آف دی اسٹیٹ چیف ایگزیکٹو ”رش دیشلا“ بنجامین نتن یاہو کی کال ہے۔“

وہاں موجود تمام یہودی اکابرین ابواب، بالاحظہ ہوشیار ہو گئے.....

خبر و تجسس کی تہ میں چھپی اس داستان کے باقی واقعات اگلے ماہ پڑھیں

وہ گیارہ افراد تھے جو مقدس پہاڑیوں کے علاقے  
میں موجود تھے۔ نو غیر ملکی اور دو مقامی۔  
ان گیارہ لوگوں کی رہنمائی ایک کامیابی کر رہی تھی  
جس کا نام جیتھر ہار جو تھا۔ اسے ان گیارہ افراد کو لے کر  
اپنے گاؤں سے باہر بنی مقدس پہاڑیاں دکھانی تھیں۔ وہ  
سر دیوں کے دن تھے۔ سب سیاہوں نے گرم اونٹنی کپڑے  
پہن رکھے تھے اور اپنی پیٹھ پر ایک بیگ باندھا ہوا تھا۔  
زیادہ تر لوگوں کی گردن میں ٹکرا لٹکا ہوا تھا۔ دو چار نے

## مقدس پہاڑیاں

محمد ذیشان اختر

درست سمعت میں سفر کرنے والے اگر اچانک ہی مخالف رخ اختیار کر  
لیں تو کڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے... ان کے ساتھ بھی ایسا  
ہی ہوا... دیکھا... حیرت کا سامنا ہوا... اور پھر خطرہ اور  
گھبراہٹ نے انہیں گھیر لیا...

جیس زردہ رات میں ہونے والی پراسرار واردات





اپنے اسارت موہاٹل فون کو ایک نیک رہن سے جوڑ کر مکے میں لٹکالیا تھا۔ وہ ارد گرد کے حسین قدرتی نظاروں کو محفوظ کرنے کے لیے اپنے اسارت فون کا ہی کسرا استعمال کر رہے تھے۔

سیاحوں کے اس گروپ میں بڑی عمر کے دو افراد بھی شامل تھے جن کے بالوں میں اگرچہ چاندی جھلک رہی تھی۔ ان دونوں کی صحت اگرچہ قابلِ رشک تھی مگر عمری ان کے جسمانی خطوط سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی صحت بہتر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان دونوں میں ایک بوڑھی عورت تھی اور ایک ادیب و مترجم کا مرد تھا۔ سیاحتی کاغذات کے مطابق وہ دونوں ماں بیٹا تھے۔ وہ غیر ملکی نہ تھے بلکہ اسی ملک کے شہری تھے۔ پہاڑ پر چڑھنے کے لیے ان دونوں کے پاس ایک خاص قسم کی چمڑی جی جی کی لوک نرم زمین میں دھنس جاتی تھی اور سہارا دینے کے کام آتی تھی۔

چیتھر گزشتہ چار سال سے گاؤں میں قائم ایک سیاحتی کمپنی کے دفتر میں گرل کا کارڈ کی ملازمت کر رہی تھی۔ وہ مقامی تھی اور ان پہاڑیوں پر بڑی آسانی سے چڑھ اور اتر سکتی تھی۔ نو غیر ملکی افراد بھی پہاڑ چڑھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کر رہے تھے۔ صرف وہ بوڑھی عورت اور ادیب و مترجم کا آدمی آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ ان کی وجہ سے گروپ کی رفتار کم تھی جس کے باعث گروپ کے باقی لوگ اب منہ بنانے لگے تھے۔

”ابھی تو سزا آ رہا تھا ابھی نہیں ہوا۔ اگر یہ ہاں بیٹا اسی طرح رینگ رینگ کر چلتے رہے تو ہم نے دیکھ لیا پورا علاقہ۔“ ایک غیر ملکی سیاح نے چیتھر سے شکایت کی۔

چیتھر خاموش رہی۔ اس نے اپنی چار سالہ ملازمت کے دوران یہ فارمولا بنالیا تھا کہ جب کوئی شکایت کرے تو بس خاموش رہتا ہے۔ اس کی خاموشی سے گروپ کے افراد نے محسوس کیا کہ یہ سیاحتی کمپنی کی کوئی چال ہے۔ ایک دو سیاح بڑبڑانے لگے کہ سیاحتی کمپنی چاہتی ہے کہ ہم ایک دن میں یہ سارا علاقہ اور ساری پہاڑیاں نہ دیکھ سکیں اور دوسری مرتبہ بھی رقم خرچ کر کے یہاں آئیں۔

گروپ کے افراد کی تنقید اور بک بک سے بچنے کے لیے چیتھر نے فیصلہ کیا کہ ان سیاحوں کو تھوڑا خوش کیا جائے اور کچھ ایسا دکھائے کہ وہ دیکھ جائے جس سے ان کا فتنہ اور بیزاری ختم ہو جائے۔ اس لیے وہ ایک ایسی پہاڑی پر چڑھنے لگی جہاں سیاحوں کا جانا ممنوع تھا۔ وہاں ایک پورڈ بھی لگا ہوا تھا جس پر سیاحوں کو اس پہاڑی سے دور رہنے کی

جاسوسی ڈائجسٹ 2025

ہدایت درج تھی۔

چیتھر کو ممنوع پہاڑی کی چوٹی پر چڑھنے دیکھا تو گروپ کے تمام لوگوں نے اس کی تنقید کی۔ بڑھاپا اور ادیب و مترجم سب سے پیچھے چل رہے تھے۔

چیتھر اس پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر گروپ کے لوگوں کے اوپر آنے کا اظہار کرنے لگی۔

”اس پہاڑی میں کوئی خاص بات؟“ ایک سیاح نے اوپر پہنچ کر چیتھر سے دریافت کیا۔

”بتاتی ہوں۔ پہلے سب لوگ اوپر آ جائیں۔ آپ جب تک ایک دو منٹ تک فوٹو گرافی کر لیجیے۔ آپ خوش قسمت انسان ہیں جو اس مقدس پہاڑی کی چوٹی پر آکر فوٹو گرافی کریں گے۔ گزشتہ ایک ماہ سے یہ پہاڑی سیاحوں کے لیے بند ہے۔ یہاں تصویر اتارنا ممنوع ہے۔“ چیتھر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی دل آویز تھی۔

وہ سیاح جس نے سب سے پہلے اوپر پہنچ کر چیتھر سے سوال پوچھا تھا، خاموش ہو گیا اور فوٹو گرافی کرنے لگا۔ اس نے اپنا کسرا آن کرنے سے مکمل چیتھر کو چپکے سے دس ڈالر کا نوٹ پکڑا دیا تھا۔ یہ چیتھر کی اوپر کی کمائی تھی۔

تھوڑی دیر میں پورا گروپ پہاڑی کے اوپر پہنچ گیا۔ وہ سیاح جو فوٹو گرافی کر رہا تھا، اپنا کسرا آف کر چکا تھا۔ بوڑھی عورت اور اس کا بیٹا بھی اس پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے تھے۔ جب چیتھر نے بولنا شروع کیا۔

”ڈیڑ گروپ ممبران! یہ ایک خاص پہاڑی ہے۔ اس کی اہمیت کے بارے میں آپ کو بتاتی ہوں۔ دیکھیے۔ سردی کے اس موسم میں آج سال کا سب سے مختصر ترین دن ہے۔ اگر آپ لوگوں کو اپنے سینکڑوں اسکول کی جغرافیہ کی سمجھ یاد ہوں تو انہوں نے آپ کو وینٹر سولس کے بارے میں ضرور پڑھایا ہوگا۔“

ایک قہقہہ بلند ہوا۔

چیتھر نے کچھ لمبے وقفہ کیا اور پھر بولی۔

”وینٹر سولس کے وقت اس پہاڑی پر سورج کی روشنی سیدھی پڑتی ہے۔ اب میں آپ کو اس پہاڑی کی اہمیت کے بارے میں بتاتی ہوں۔ وہ دیکھیے۔ آپ کو چوٹی کی سطح پر ایک بہت بڑا سا کڑا حاضر رہا ہے۔“

”ہاں، وہ بڑا کڑا کیا ہے؟“

سب نے ایک زبان ہو کر پوچھا۔

”اس کڑے سے پہاڑ کے اندر داخل ہوا جاسکتا



بھرتی کر کے لا جواب دیا اور  
اپنی داستانیں پڑھنے والوں کے لیے  
سرگوش کا مطالعہ ضروری ہے

کراچی  
مہر گزشتہ

نمبرہ جنوری 2025ء

کی جھلکیاں

پندرہ سو روپے کا مہر

ایک مہر تلم کار کی ہاپل

بھرتی داستان زیت

جام جم

معروف بانی نویس

کے روز و شب کا حال

(استاد)

رگوں میں خون کی گردش بڑھانے والا واقعہ،  
جس پر ہائی ووڈ میں مسلم بھی بنی

خبر نامہ شکار

شکاریات کی کہانیاں پسند  
کرنے والوں کے لیے تحفہ حساس

(اسیر حسین)

وہ داستان جس کا انکشاف رستمین  
بے صبری سے کرتے ہیں

(سید)

عورت خوبصورت نہ بھی ہوتی!

دلچسپ و سبق بھرتی سچ بیانی

(سید)

بہت سی سچ بیانیوں کے قصے دلچسپ واقعات

ہر شمارہ کا مہر

نورانی ایک سال پر شمارہ بھرتی کر لیں

ہے۔ اندرونی کے رتن کے ٹکڑے ملے ہیں جو تین ہزار سال  
قدیم ہیں۔ شہر کے سرکاری میوزیم میں ان ٹکڑوں کو محفوظ  
کر لیا گیا ہے اور اسی جگہ ان کی نظائریات پیش کی گئی ہیں۔ ان کی  
ابتدائی قیمت پانچ لاکھ ڈالر مقرر کی گئی ہے۔ توقع ہے کہ نظائریات  
میں ان کی قیمت چار سو فیصد تک بڑھ سکتی ہے۔ دو ہفتے بعد  
مزید مامورین آتا تو قدرتی طور پر شہر سے یہاں آئیں گے اور اس  
گڑھے سے اندر اتر کر کھدائی کا کام شروع کر دیں گے۔  
ابھی تک جو رپورٹ آئی ہے، اس کے مطابق اس پہاڑی  
کے نیچے غار میں قدیم قبائل کے روزمرہ استعمال کی اشیاء  
موجود ہیں جو تین سے پانچ ہزار سال قبل اس پہاڑی علاقے  
میں رہتے تھے۔

سب سیاح دم بخود رہ گئے۔ جیتھر کے مطابق اس  
پہاڑی میں لاکھوں ڈالر کی یادداشتیں موجود ہیں۔

ایک سیاح نے مصیبت سے پوچھا۔  
”اگر یہ اشیاء قیمتی ہیں تو کسی نے ان کو چھانے کی  
کوشش کیوں نہیں کی؟“

جیتھر نے جواب دیا۔ ”اگر وہ علاقوں کے لوگوں  
کے لیے یہ ایک مقدس پہاڑی ہے۔ ماضی میں دور دراز سے  
قبائلی لوگ یہاں آکر سونے اور چاندی کے زیورات پیچھے  
تھے اور مت مان کر وہیں لوٹ جاتے تھے۔ 1930ء کی  
دہائی میں چوروں کے ایک گروہ نے اس پہاڑی پر دھاوا  
بولا تھا اور بہت کچھ چرا لیا تھا۔“

اتنا کہہ کر جیتھر خاموش ہو گئی۔ دور سے ایک پولیس  
جیپ پہاڑی کی طرف آتی دکھائی دی۔  
جیتھر نے سچ کر بے کہا۔

”ہوشیار۔ سب لوگ اس پہاڑی سے دوسری پہاڑی  
کی طرف چلے گئے۔ سامنے سے پولیس آ رہی ہے۔ آپ سب  
سامنے کے بجائے پیچھے سے اتریں۔“

سب سیاح سامنے کے بجائے پہاڑی کے پیچھے سے  
جلدی جلدی اترنے لگے اور دوسری پہاڑی کی جانب چلے  
گئے۔

وہ اوجھڑ مضمین اور اس کی بوڑھی ماں پہاڑی کی چوٹی  
سے اترنے لگے اور لڑکھڑا کر گر پڑے۔

جیتھر جھپٹا کر ان سے بولی۔ ”آپ لوگ بھی حد  
کرتے ہیں۔ جلدی چلیں ورنہ پولیس آکر سب کو گرفتار  
کر لے گی۔“

اوجھڑ مضمین نے جیتھر سے کہا۔  
”میڈم ہم تنگ گئے ہیں۔ میری ماں شاید آگے نہ

سے کل یہاں سے نکلتا بھی ہے ورنہ رات ہوتے ہی چور اور  
لیبرے اس علاقے میں کل آئیں گے اس لیے تیزی سے  
ہاتھ چلاتا۔“

ٹھیک نے سر ہلایا اور جلدی جلدی کھدائی کرنے لگا۔  
دونوں کی خواہش تھی کہ انہیں جلد از جلد کچھ نوادرات مل  
جائیں تاکہ انہیں چور بازار میں بیچ کر دس بارہ ہزار ازلر تو  
مل سکیں۔

آدھے گھنٹے کھدائی کرنے کے بعد ٹھیک کے منہ سے  
سرت ہمراہی آواز نکلی۔

”ٹائٹی۔ دیکھو۔ ایک پرانا برتن ملا ہے۔“

ٹائٹی کھدائی چھوڑ کر ٹھیک کی طرف نکلا۔

”ارے واہ، یہ تو بہت بڑا اور ڈونڈی برتن ہے مگر یہ  
زمین میں دفن ہوا ہے۔ اسے زور کر کے باہر نکالنا پڑے  
گا۔“ ٹائٹی بولا۔

دونوں نے اس برتن کو باہر نکالنے کے لیے جیسے ہی  
اسے کھینچا، ان کے قدموں تلے زمین نیچے سے ٹھک گئی۔  
مقدس پہاڑی کے اس غار میں دو انسانی جھینیں برآمد  
ہوئیں جو نیچے گہرائی میں گرتی جا رہی تھیں۔ بھرہ دو جھینیں  
خاموش ہوئیں۔

کچھ منٹوں بعد ماہرین آثار قدیمہ اس غار میں  
اترے جو سورج کی روشنی سے منور تھا۔ کھدائی کے دوران  
انہیں قیمتی برتن ملے اور شہر کی جبل سے فرار ہونے والے  
ٹھیک اور ٹائٹی کی لاشیں بھی ملیں۔ لاشوں کے چہرے ابھی  
سلامت تھے اور پولیس نے شناخت کر لیا تھا۔

مقدس پہاڑی سے لاشیں ملنے کی خبر ارگرد کے قبائل  
میں پھیل گئی اور عقیدت کے بارے میں کلاوڈ افراد جوق در  
جوق ان مقدس لاشوں کو دیکھنے آنے لگے۔ لیکن مقدس  
پہاڑی پہنچ کر جب انہیں پتا چلا کہ وہ دونوں چور تھے اور  
میوزیم سے قیمتی نوادرات چرانے میں مشغول تھے، تو لوگ  
بایس ہو کر لوٹ گئے۔

ٹائٹی اور ٹھیک پچھلے ماہ جبل سے فرار ہو کر مقدس  
پہاڑی پہرے آئے تھے اور اس پہاڑی کے غار میں موجود قیمتی  
نوادرات کو چرانے کی کوشش میں اپنی جان سے ہاتھ دھو  
بیٹھے تھے۔ پولیس کو ان کی باتوں میں کسی سیاحتی کمپنی کے  
کافذات نہیں ملے تھے۔ مگر جیتھر کو یقین تھا کہ اس نے جن  
مال بیٹے سے کافذات چھینے تھے، وہ دونوں ٹائٹی اور ٹھیک  
ہی تھے۔



جل سکے۔ آپ لوگ اپنا سفر جاری رکھیں۔ ہم نیچے اتر کر  
واپس چلے جائیں گے۔“

جیتھر کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر۔۔ ان  
دونوں مال بیٹے سے اپنی سیاحتی کمپنی کے اجازت نامے  
چھین لیے اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہے، جیتھر وہاں سے  
بھاگ گئی۔

”کم بخت مال بیٹا اگر پکڑے جائیں گے تو کم از کم میرا  
نام تو نہیں آئے گا۔“ جیتھر بھاگتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

جیتھر کا خیال غلط نکلا۔ پولیس جیب پہاڑی کی طرف  
آنے کے بجائے شہر کی جانب جانے والے راستے پر چلی  
گئی۔

دونوں مال بیٹا پہاڑی کی چوٹی پر لیٹ گئے تھے اس  
لیے اگر پولیس پہاڑی کے نیچے آجھی جاتی، جب بھی پہاڑی  
چوٹی پر دونوں مال بیٹے کی موجودگی سے بے خبر رہتی اور  
پہاڑی پر چڑھتا تو ویسے ہی ممنوع تھا۔

”مال! میری پیاری مال، جیتھر بھی چلی گئی ہے اور  
پولیس جیب بھی۔ اب تم اور میں آزادی سے اپنا کام کر سکتے  
ہیں، میری مال!“

مال ہنسنے لگی۔ اس نے اپنی دگ اتار کر ایک طرف  
پیٹک دی۔ دگ اترتے ہی ایک مرد کا حلیہ سامنے آیا جس  
نے یوڑھی عورت کا میس بدلنے کی کوشش کی تھی۔

اوچھیر عمر آدمی نے بھی اپنی چاندی کے بالوں والی  
دگ اتار لی تھی۔

اب دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر ہنسنے لگے۔

جس مرد نے مال کا بہروپ اختیار کیا تھا، اس کا نام  
ٹائٹی جیٹرن تھا۔ دوسرا آدمی اس کا بھائی ٹھیک تھا۔

ٹائٹی بولا۔ ”چلو ٹھیک۔ اب وقت صنایع کیے بغیر  
گڑے میں اتر جاتے ہیں۔“

ٹھیک نے سر ہلایا۔

تھوڑی دیر بعد ٹائٹی اور ٹھیک گڑے کے اندر داخل  
ہو کر پہاڑی کے پیٹ میں داخل ہو رہے تھے۔

نیچے اترتے ہی انہوں نے اپنی اپنی چھڑی میں لگا  
ایک شن دیا۔ چھڑی کی نوک شن دیتے ہی چوڑی ہو کر  
پھیل گئی اور چھڑی ایک چھوٹے سے بیٹے میں تبدیل ہو گئی۔  
ٹائٹی اور ٹھیک کے ہاتھ ہمراہی سے چلتے گئے۔ انہوں نے  
کھدائی شروع کر دی تھی۔

ٹائٹی بولا۔ ”ٹھیک! اقدام اشیاء نکالنے کے لیے ہمیں  
بہت زیادہ کھدائی کرنی پڑے گی۔ پھر ہمیں اندر جہرا پھیلنے

جاسوسی ڈائجسٹ : 150 جنوری 2025ء

# بہتہ خور

سردار اسرار بیک



ہر کام کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں... خاص قسم کے کاموں میں مہارت کے لیے مشق لازمی چیز ہے... خصوصاً غیر قانونی کام کرنے والوں کو خاص ٹریننگ کی ضرورت ہوتی ہے... ایک خاص وقت گزارنے کے بعد وہ یہ ہنر نہیں دیتے... غلطاً گردی... بہتہ خوری اور مار کٹائی کرنے پر دسترس حاصل کر لیتے ہیں... مگر ایک شریف النفس اور قانون پسند شہری ایسے دھندوں میں ہاتھ ڈالنا ہے تو کام بنانے کے بجائے اور ہکاڑ دیتا ہے... ایسے ہی ایک حساس دل اور شریف شہری کا ماجرا... جو اپنے ارد گرد کا ماحول صاف ستھرا اور پرامن دیکھنے کا معنی دیا...

قانون دان صاف جیسے اداروں کی غفلت... سستی اور اٹلی کی عکاس چشم کشا قریر

سردار کی کوئی جی۔ جو ملے کاسب سے بڑا بدعاش  
تھے عرف نام میں ان کا ہا تھا۔ اس کی کوئی میں ہارنی  
جلی ری گئی۔ لوگ قنف جگہوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ کوئی  
شراب کے نشے میں مہوش تھا تو کوئی دولت کے نشے میں  
مُحبت۔ کوئی سردار کے قریب ہوتا چادر ہا تھا تو کوئی حیناؤں  
کے جھرمٹ میں چھنا چادر ہا تھا۔ ملازموں کی انکے چیل بیل  
جی۔ ان کی جی سوجھیں گی ہوئی تھیں۔ وہ بھی دتا تو تھائی  
چیزوں اور شراب و کباب پر ہاتھ صاف کر رہے تھے۔ مخصوص  
جاسوسی ڈائجسٹ

جنوری 2025ء



طرح میرے دل میں اُگی ہوئی ہے۔  
 ”آپ نے کب سے دل پر باتیں لینی شروع کر دیں۔“ شہروز نے کینکلی سے پارو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”آپ کا دل تو کبھی اور مسرور ہوتا ہے۔“  
 ”جب خاص بندوں پر بات آئے گی تو دل پر بھی آئے گی۔“ سردار نے کہا۔  
 ”دارا بد معاش کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔“ شہروز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”اس کے لیے سب انجینئر دلدار سے بات کرنی ہوگی۔ وہ اسی کے علاقے میں ڈیرا جمائے ہوئے ہے۔“

”دلدار؟“ سردار نے سوال کیا۔  
 ”ہاں۔ اپنا ہی بندہ ہے۔“ شہروز نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”آج کل اس کی ڈیوٹی اسی علاقے میں ہے۔“

☆☆☆

دارا بد معاش واقعی سردار کے لیے ایک مصیبت بنا ہوا تھا۔ حالانکہ وہ بھی وہی کام کر رہا تھا جو سردار کرتا تھا۔ یعنی بازار سے بہت لیتا۔ اس سے سردار کے مال میں کچھ کمی آ رہی تھی اور وہ اس علاقے کا بے تاج بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ دارا خود کو ڈان کے عہدے پر براجمان دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ خواہ خود اس قابل ہو یا نہ ہو۔ بہر حال اس کی سرگرمیوں نے سردار کو کسی حد تک پریشان تو کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ خود کو ایک کامیاب بد معاش سمجھنے لگا تھا۔ اس دن دارا اپنے چیلوں کے ساتھ دکانوں سے بہت وصول کر رہا تھا۔ اسی میں ایک کاروباری شخص ہاشم جی کی دکان بھی تھی۔ اس نے دارا کو بہت دینے میں تھوڑی سی پس و پیش کی کیونکہ اس وقت مندی چل رہی تھی۔ لیکن دارا کو اس کے کاروبار یا اس کے نقصان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے ہاشم جی کو دکان بند کرانے کی دھمکی دی۔ ہاشم جی کیا کرتا۔ یہی تو اس کا روزگار تھا۔ اس نے دارا کو سمجھانے کی کوشش کی تو دارا نے ہسٹل نکال لیا۔ اب ظاہر ہے ہسٹل کے آگے تو کوئی دم نہیں مار سکتا۔ وہ بھی اس وقت جب وہ دارا جیسے سٹاک فکس کے ہاتھ میں ہو۔ جب دارا ہی نہیں سمجھتا چارہ تو ہسٹل کو کیا خاک سمجھ میں آئے گی۔ بس ہاشم جی نے خاموشی سے اسے رُم نکال کر دے دی۔ دارا کی اسی لوٹا ہاری کے دوران وہاں ٹیل جیکر بھی آگیا۔ ٹیل، سردار کا خاص آدمی تھا۔ وہ اس کے لیے بھائی سے بڑھ کر تھا۔ سردار اسے اپنا عکبر کہتا تھا۔ اس کا یہی نام مشہور ہو گیا اور لوگ اسے جیکر کے نام سے پکارنے لگے۔ اس کی دارا سے فیمیلر ہوئی تو دونوں نے ایک دوسرے کو لڑنا شروع کر دیا۔

لیاں پہنچے دیر سے جام افغانے اچھے سے اُدھر آ جا رہے تھے۔ گولی کے عالی شان لادیں میں مختلف لوگ موجود تھے۔ اسی وقت ایس ایچ او شہروز بھی وہاں آ گیا تھا۔ اسے سردار نے بلایا تھا۔ جو گولی ہی کے ایک وسیع مہمان خانے میں بیٹھا شیشے ہوتے صوفیوں کے مرنوئے اڈار ہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی مغربہ بناس پارو بھی بیٹھی تھی۔ شہروز اس کے سامنے آ کر بیٹھا شہروز جس خانے کا ایس ایچ او تھا، وہاں بدغزنی کا بازار گرم تھا۔ سردار بھی اسی علاقے کا کرنا صرتا تھا۔ ”مجھے دوسرے علاقے تک رسائی چاہیے۔“ سردار نے شہروز کو دیکھ کر فوراً ہی مطلب کی بات کی۔ ”وہاں مجھے باقاعدہ ہتھیار دینا پڑتا ہے۔“

”اس میں مشکل کیا ہے۔ ٹھکانے کے لیے بھی جگہ مل جائے گی۔“ شہروز نے جواب میں اپنے مطلب کی بات کی۔ ”بس ہر کام کے پیسے لگتے ہیں۔“

”جانتا ہے۔“ پارو نے لقمہ دیا۔ ”پیسے کے بغیر آپ کا کہاں گزرا۔“

”دوستی کا بھی نہیں ہو سکتا۔“ شہروز نے دانت نکالتے ہوئے جواب دیا۔ ”ہمارا تو بین ایران ہی بیٹھی ہے۔“ ”خیر اس کی فکر نہ کرو۔“ سردار نے کہا۔ ”لیکن اہم بات یہ ہے کہ دارا بد معاش نے بغاوت کر دی ہے۔“ ”گوئی کی بات کرو۔“ شہروز نے صوفے سے پشت لگاتے ہوئے کہا۔ ”پہچرے تو وہ کافی عرصے سے نکال رہا تھا۔“

”اب معاملہ حد سے بڑھ چکا ہے۔“ سردار نے غصے سے کہا۔ ”اب وہ ہمارے علاقے میں بھی مداخلت کر رہا ہے۔“ ”ایسا لگتا ہے جیسے اس کے دن پورے ہو رہے ہیں۔“

شہروز نے کہا۔  
 ”اس سے کہو کہ میرے راتے سے ہٹ جائے۔“

سردار نے کہا۔  
 ”آپ کے لیے کیا مشکل ہے۔“ شہروز نے جواب دیا۔ ”اس کو خود ہی راتے سے ہٹا دیں۔“

”یہی کرنا پڑے گا۔“ سردار غصے سے بولا۔ ”اس نے گنڈ اور سالار کو بھی مارا ہے۔“

”گنڈ اور سالار۔ وہ دونوں کون سے کم تھے۔“ شہروز نے اپنی معلومات کے مطابق کہا۔ ”اپنے ہی جال میں پھنس کر مارے گئے۔“

”لیکن وہ پہنچے نہیں تھے۔ انہیں پھنسا یا گیا تھا۔“ سردار نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”اور یہ بات چائس کی

جاسوسی ڈائجسٹ: 137 جنوری 2025ء

روہوں۔

”میں ہر ایک کی بات نہیں کر رہا۔“ جگر اطمینان سے بولا۔ ”صرف اپنی بات کر رہا ہوں۔“

”ہاں تو ہر کوئی اپنی ہی بات کرتا ہے۔“ ہاشم بی بی نے شکوہ کیا۔ ”ابھی وہ نا اہل تھا۔ پتول رکھا کر پیسے لے گیا۔ اب تم آگے۔ کچھ دیر بعد کوئی اور آ جائے گا۔“

”اب کوئی نہیں آئے گا۔“ جگر نے بے لگاری سے کہا۔ ”میں ہمارا پیسہ دے دو۔ بقیوں کو ہم خود نبھال لیں گے۔“

”جیس ہے میرے پاس کچھ۔“ ہاشم بی بی ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے کہا۔ ”ججوری بھی غالی پڑی ہے۔“

جگر نے پتول نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”اس کی ججوری غالی نہیں۔ بیٹے کرلیاں ہیں اس میں۔“

”ارے ہاں اس کو تو بھانڈ۔“ ہاشم بی بی گھبراتے ہوئے بولا۔ ”بھل جائے گی۔“

”جیہاری آتھیں کھولنے کے لیے ہے۔“ جگر نے کہا۔ ”اب ذرا دو بار دھو کر دیکھو کہ اب بھی ججوری غالی ہے۔ یا جگہارے بیسے میں سوراخ کر کے بیج باقی خالی کرنا پڑے گا۔“

”ایک کام کرو۔۔۔۔۔ تم مجھے کوئی مارو۔“ ہاشم بی بی چوڑے ہوئے بولا۔

”لگتا ہے بڑے تیری مر پوری ہو گئی ہے۔“ کہتے ہوئے جگر نے پتول اس کے ماتھے پر لگا دیا۔ ہاشم بی بی آواز بند ہو کر رہ گئی۔ اس کی آنکھیں خوف سے لٹکنے لگیں۔ اس سے پہلے کہ اس کا کام تمام ہوتا، اس وقت ہاشم کا بیٹا قاسم آگے بڑھا۔

”ایک منٹ بھائی۔۔۔۔۔ میں دیتا ہوں۔“ قاسم نے جلدی سے ایک جگہ سے رقم نکال کر جگر کو دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ لو بھائی۔ اب اسے میں جلدی آجاتے ہیں۔ بُرا نہیں مانتا۔“

”تو اس کے منے کا علاج کر دے۔“ جگر نے رقم لیتے ہوئے کہا۔ ”کہیں کسی دن بونٹی خیر خیر ہو جائیں۔“

جگر رقم لے کر چلا گیا تھا۔ ہاشم ابھی تک اس خوف کی سی کیفیت میں بیٹھا تھا۔

”ابا! لوگ خطرناک ہوتے ہیں۔“ قاسم اسے سمجھانے لگا۔ ”ان سے دوستی مول لینا ٹھیک نہیں۔“

”لیکن میرا بچہ۔“ ہاشم نے باہمی سے کہا۔ ”ہمارے معاشرے میں بے مرض ایک ناسور کی طرح بڑھتا رہا ہے۔ ہم جیسوں کی محنت کی کمانی کھودنا کوئی بات ہی نہیں۔“

”کیا کریں۔“ مجبوری سے ابا۔ ”قاسم اسے تسلی دینے کی

جنوری 2025ء

”تم یہاں سے چلے مجھے نظر آؤ۔“ دارا نے جگر کو دھمکاتے ہوئے کہا۔ ”یہ میرا علاقہ ہے۔ دارا بد معاش کا۔“

”تم اپنی خیر نہاؤ۔“ جگر نے اسے دھمکا دیا۔ ”کیوں دُشمنی مول رہے ہو۔ اور وہ بھی سردار کی دُشمنی تمہیں نہیں پتا تھی خطرناک ہوتی ہے۔“

سردار کا نام سُن کر دارا ہنسنے لگا۔ کیونکہ اگر اس نے بناوٹ کا قدم اٹھایا تھا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ سردار سے ڈرتا نہیں تھا۔ وہ تو خود کو اس کی جگہ دیکھنا چاہ رہا تھا۔

”جگہار سردار میرا کیا چکاؤ لے گا۔“ دارا نے ہنسنے ہوئے کہا۔ ”میں بھی دیکھوں گا اسے۔“

”وہ جگہار بہت کچھ بکاؤ سکتا ہے۔“ جگر نے کہا۔ ”جیسوں کی معاف نہیں کرے گا۔ اس لیے اگر سلاستی چاہتے ہو تو ٹافٹ چپ چاپ یہاں سے نکل جاؤ۔“

”ایک بات کہوں۔“ دارا نے کہا۔ ”پسے سردار کو جا کر بتا دو کہ دارا تم سے نہیں ڈرتا۔ خواہ وہ سردار خود ہو یا اس کا کوئی ”مُرگا۔“

”شش آہستہ بات کرو۔“ جگر نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے سرکشی میں کہا۔ ”اگر سردار کے لوگ موجود ہیں۔“

”تو وہ کیا کر لیں گے۔“ دارا نے احمقانہ طریقے سے

جگر کی نظر اتارنے سے سرکشی میں کہا۔

”کسی نے سُن لیا تو اتنا دایں گے با جیسوں۔“ جگر دانت کچکا کر بولا۔ ”کسی جتنی کا دودھ یا دیا جائے گا۔“

دارا اس پاس نظر دوڑانے لگا۔ اسے بھی معاملہ کچھ خراب نظر آیا۔ سردار کے کافی لوگ ادھر ادھر کھڑے تھے۔ وہ جگر کے ایک اشارے کے منتظر تھے۔ اس نے وہاں سے کھٹکتے میں ہی غافلت بھی۔

دارا کو داس سے خالی ہاتھ جا کر کچھ کر جگہاں اقامتہ انداز میں مسکرایا اور ہاشم بی بی پر چون والا کی طرف بڑھا۔ ہاشم بی بی تو پہلے ہی دارا کو ہستے کی رقم دے چکا تھا۔ جگر کی صورت میں نئی مصیبت کو دیکھ کر بڑبڑانے لگا۔

”اب یہ مصیبت نازل ہو گئی۔“

”بعد میں بڑبڑالینا۔“ جگر نے سنا کی سے کہا۔ ”ابھی تو سردار کا حصہ نکالو۔“

جگر نے آتے ہی ہستے کا ٹھکانا کر دیا۔ اس کی بات سُن کر ہاشم بی بی میں کہاں سے ہمت آ گئی اور وہ غصے میں چلنے لگا۔

”مذاق سمجھا ہوا ہے تم نے۔ اب کیا ہر کسی کو بہت ہی دیتا

کوشش کرنے لگا۔ ”جان ہے تو جہان ہے نا۔ چہرہ تو آتا جاتا رہے گا۔“

”لیکن کب تک۔“ ہاشم جی جھلاتے ہوئے بولا۔  
”کب تک ہم جیسے شریف کا دوبارہ ان فیٹوں کے آگے پیچھے رہیں گے کب تک یہ ہمیں براہ کرتے رہیں گے۔“

”مجھے تو لگتا ہے کہ جب تک زندگی ہے۔ جب تک سبھی جلا رہا ہے۔“ قاسم نے کہا۔ کیونکہ اس کے پاس بھی اس کے سوا کوئی اور جواب نہیں تھا۔ لیکن ہاشم تو کچھ اور سوچے بیٹھا تھا۔

”ہمیں، ہمیں میرا بیٹا۔“ ہاشم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔  
”میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔“

”کیا کریں گے آپ؟“ قاسم نے فکر مندی سے پوچھا۔

”اس بد معاشی کے ستر باب کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا۔“ ہاشم نے کہا۔ ”مجھے سے جو ہو سکے گا، میں کروں گا۔“

”ابا کیسے سمجھاؤں آپ کو؟“ قاسم نے پریشان ہونے ہوئے کہا۔ ”آپ کی عمر نہیں ہے ان جھیلوں میں پڑنے کی بلکہ آپ کل سے کھر پریشیں اور آرام کریں۔“

”اور یہ کاروبار۔“ ہاشم نے سوال کیا۔ ”اس کو ایسے ہی چھوڑ دوں۔“

”میں سنبھال لوں گا۔“ قاسم نے کہا۔ ”اب میں بڑا ہو گیا ہوں نا۔“

”نہیں اسے میں ہی دیکھوں گا۔“ ہاشم نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں پڑھنا ہے۔ تم پڑھو اور باہرینٹ ہو جاؤ۔“

چھوڑ دوں شہر کو۔“  
”اور آپ کو مگی؟“ قاسم نے سوال کیا۔

”ہاں۔“ ہاشم نے کہا۔ ”میں یہاں رہ کر ان بے غیرتوں سے لڑوں گا۔“

”لیکن آپ اکیلے کیسے لڑیں گے اس مافیا سے۔“ قاسم جھنجھلاتے ہوئے بولا۔

”پیلا پتھر تو چمیکنا ہی ہوگا۔“ ہاشم نے کہا۔ ”مجھے خود ہی آگے بڑھنا ہوگا۔ پھر دیکھنا۔ میرے جیسے لوگ میرے ساتھ آکر مل جائیں گے۔“

”اور اگر کسی نے آپ کا ساتھ نہ دیا تو۔۔۔۔۔“ قاسم نے الجھے ہوئے سوال کیا۔

”چاہے کوئی ساتھ آئے یا نہ آئے۔“ ہاشم نے یقین سے کہا۔ ”میں اب جیسے نہیں بنے والا۔ میں بھی ایک اڑیل بندہ ہوں۔“

☆☆☆

جاسوسی ڈائجسٹ: جنوری 2025ء

واقعی ہاشم جی ایک اڑیل شخص تھا۔ جس بات پر اڑ جاتا اسے کر کے ہٹا دینا اور کئی اصرار ہاشم لیس سے کس نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ وہ ایک شریف انٹس اور جدی پشٹی کا دوبارہ شخص تھا۔ ایسے لوگ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ کسی جھگڑے یا فساد سے جی الامکان گریز کرتے ہیں۔ لیکن

ہاشم جی کچھ مختلف مزاج کا ثابت ہوا تھا۔ یا پھر حالات نے اسے اس رخ پر پہنچا دیا تھا کہ وہ کسی کرگزرنے کے موڈ میں تھا۔

اب بھی وہ پتا نہیں دماغ میں کیا کچھ پڑی پکا رہا تھا۔ وہ اس خطرناک گروہ کو کام کو اٹانا چاہ رہا تھا۔ لیکن وہ یہ کیسے کرتا۔ یہ ایک مشکل کام تھا۔ لیکن ہاشم نے تو کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اسی مقصد کے لیے وہ سب سے پہلے قاتلے کیا۔ وہاں اس کی ملاقات ایسے ایچ اے شہزاد سے ہوئی۔ شہزاد تو خود ہی جرائم پیشہ

افراد کا آلہ کار بننا ہوا تھا۔ اپنی وردی سے دھکا کرتے ہوئے سردار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا اور خود اپنے دفتر میں بیٹھا ڈیوٹی کے وقت موٹوں پر کیم کھیل رہا تھا۔ جب اسے اس کے ماتحت نے بتایا کہ کوئی ہاشم جی شخص ملنا چاہتا ہے تو بیزاری سے منہ ہٹا کر بولا۔

”کیا یار۔ تم لوگوں سے بندے بھی نہیں سنبھالے جاتے۔ خیر کیجھاؤ۔“

تموڑی بی بی در میں ہاشم اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ شہزاد نے اسے اٹھا کر بے ضرر سے نظر آنے والے بڑے اور سیدھے سادے شخص کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے آنے کا مقصد پوچھا۔

”مجھے پرچہ کتنا ہے۔“ ہاشم جی نے جواب دیا۔  
”کس چیز کا پرچہ۔“ شہزاد نے پوچھا۔ ”مطلب ہوا کیا ہے آپ کے ساتھ؟“

”بد معاشی اور بھرتہ خوری۔“ ہاشم جی نے کہا۔ ”میتا حرام کر دیا ہے ان حرام خور بھرتہ خوروں نے۔“

شہزاد نے ہاشم جی کی بات سننے کے بعد ایک نظر ڈالنے ہوئے پوچھا۔ ”کون ہے وہ؟“

”دارا۔۔۔۔۔ اور سردار۔“ ہاشم نے فوراً نام بتا دیے۔

اب شہزاد سیدھا ہوا کہ بیٹھ گیا۔ اس نے موٹوں ایک طرف رکھ دیا۔

”اور آپ ان دنوں کے خلاف پرچہ کتنا چاہتے ہیں؟“

”میں ہاں بالکل۔“ ہاشم نے اعداد سے جواب دیا۔  
”دارا بد معاشی کی آپ فکر نہ کریں۔ اس کو تو ہم دیکھ لیں گے۔“ شہزاد نے ٹھکانے سے ہونے کہا۔ ”لیکن میں آپ کو ایک مشورہ دوں بڑے میاں؟“

”میں ہاں بالکل۔“ ہاشم نے اعداد سے جواب دیا۔  
”دارا بد معاشی کی آپ فکر نہ کریں۔ اس کو تو ہم دیکھ لیں گے۔“ شہزاد نے ٹھکانے سے ہونے کہا۔ ”لیکن میں آپ کو ایک مشورہ دوں بڑے میاں؟“

”میں ہاں بالکل۔“ ہاشم نے اعداد سے جواب دیا۔  
”دارا بد معاشی کی آپ فکر نہ کریں۔ اس کو تو ہم دیکھ لیں گے۔“ شہزاد نے ٹھکانے سے ہونے کہا۔ ”لیکن میں آپ کو ایک مشورہ دوں بڑے میاں؟“

”میں ہاں بالکل۔“ ہاشم نے اعداد سے جواب دیا۔  
”دارا بد معاشی کی آپ فکر نہ کریں۔ اس کو تو ہم دیکھ لیں گے۔“ شہزاد نے ٹھکانے سے ہونے کہا۔ ”لیکن میں آپ کو ایک مشورہ دوں بڑے میاں؟“

”میں ہاں بالکل۔“ ہاشم نے اعداد سے جواب دیا۔  
”دارا بد معاشی کی آپ فکر نہ کریں۔ اس کو تو ہم دیکھ لیں گے۔“ شہزاد نے ٹھکانے سے ہونے کہا۔ ”لیکن میں آپ کو ایک مشورہ دوں بڑے میاں؟“

Scanned with

CS CamScanner



"میں تمہاری عمر کا لٹا کر رہا ہوں۔"  
"ارے جاؤ میاں بے پتھر سے کسی اور کو دکھاؤ۔" ہاشم  
نے کھڑے ہوئے ہوئے کہا۔ "کیونکہ میں کسی کا لٹا نہیں  
کروں گا۔"

"اچھا تو کیا کرو گے؟" شہزاد نے برداشت کرتے  
ہوئے پوچھا۔  
"تصاف میں جاؤں گا۔ سب کو کھینچوں گا۔ کبھی سر ہار کا  
بندہ آجاتا ہے اور پھر ماریں۔ اور پھر ایس کا حال تو اللہ صاف  
کرے۔"  
ہاشم انہیں جڑ بھلا کہا ہوتا چلا گیا تھا۔ شہزاد اپنی کرسی پر  
بیٹھا بڑبڑاتا رہا تھا۔

"دارا..... سیانہ بھی کنٹرول میں نہیں آیا۔"  
پھر کچھ سوچ کر وہ فون اٹھا کر نمبر مانے لگا۔ دوسری  
طرف ایک پولیس افسر دلدار تھا۔  
"ہاں دلدار۔" شہزاد نے کہا۔ "جیسیں ایک کام ہولا  
تھا۔"

"وہ دارا والا....." دلدار نے ایک کمرے سا ہر آتے  
ہوئے سرکشی سے جواب دیا۔ وہ اس وقت خود بھی دارا کے  
اڈے پر موجود تھا۔ اس لیے بات کرتے میں احتیاط سے کام  
لے رہا تھا۔ شہزاد کے شت جواب کے بعد اس نے بتایا۔  
"میں نے ابھی پیار سے سمجھا بھی تھا اسے۔۔۔۔۔"

لیکن.....  
"لیکن وہ تمہاری پیاری بات نہیں سمجھ رہا۔" شہزاد  
نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اگر پیار کے قائل ہوتا تو  
سر دار کو دکھا کیوں دیتا؟"  
"سر بہت ڈیٹ ہے۔" دلدار نے کہا۔ "لیکن آپ  
بے فکر رہیں۔ اس سے دوسری طرح بات کرتا ہوں۔"  
"میری ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔" شہزاد نے فیسے  
سے کہا۔ "تم نے ابھی تک اتنی ڈیل کیوں دی ہوئی ہے  
اسے؟"

"سر لٹا و مردت بھی کوئی بلا ہوتی ہے۔" دلدار نے  
ٹھوڑی سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میں اس لیے لٹا کر رہا تھا۔ کیونکہ  
وہ میرے کافی کا لٹا تھا۔"

"بھائو میں نہیں لٹاؤ اور مردت بھی اتنی۔" شہزاد  
فیسے سے دہرا۔ "اگر ہم اسی طرح ہر ایک کا لٹا کرنے بیٹھ گئے  
نا پھر ہو گیا کام ہمارا۔ نا ضرر کے ہیں گے اور نہ ہی ضرر کے۔"  
"ایک جگہ بہت آگ بھڑک گیا تھا۔" دلدار نے اس مرتبہ

جنوری 2025ء (JED) : جاسوسی ڈائجسٹ

"جی..... کیسا مشورہ؟" ہاشم جی نے مصمبیت سے

پوچھا۔  
"آپ کیوں اپنے اور اپنی جان کے دشمن اور ہے  
لہا؟"  
"کیا مطلب؟" ہاشم جی گھبراتے ہوئے ہولا۔ "ایسا کیا  
کردیا میں نے؟"

"مطلب یہ کہ سر دار کو بہت دیر رہا۔" شہزاد نے  
جے جی سے کہا۔ "اور اپنی بھی حفاظت کا خیال رکھیں اور ہمارا  
بھی۔"  
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ہاشم جی نے بھڑکتے  
ہوئے کہا۔ "یہاں آپ کو مجرموں کی سرپرستی اور حمایت کے  
لیے بھلائے گئے؟"

"جی نہیں ہم مجرموں کی نہیں بلکہ مجرم آپ کی سرپرستی  
کرتے ہیں۔" شہزاد نے جواب دیا۔  
"ارے یہ کیا اول فول بول رہے ہیں۔" ہاشم جی اب  
بھی فیسے میں ہی تھے۔

"میری بات ذرا غور سے سنیں اور سمجھنے کی کوشش کیجیے۔"  
شہزاد نے دھیسے لہجے میں کہا۔ "ایک بڑا بدعاش ہو تو پانی ٹوک  
بھی کنٹرول میں رہتے ہیں ورنہ دارا جیسے کس کس بدعاش کو  
بہت دیں گے۔"

"واہ..... واہ۔" ہاشم جی نے تالی بجاتے ہوئے طنز یہ  
کہا۔ "کیا تجویز پیش کی ہے آپ نے لیکن یہاں تو سب نئے  
لگام ہیں۔ چاہے دارا ہو یا سر دار۔"

"بھئی کہہ رہا ہوں۔" شہزاد نے اس کا خطر نظر انداز  
کرتے ہوئے کہا۔ "سر دار کا ساتھ دیں۔ پھر کوئی دارا عیسا بندہ  
نظر بھی نہیں آئے گا۔"

"عجیب بات کرتے ہیں آپ بھی۔" ہاشم جی نے کہا۔  
"یہ تو آپ کا کام ہے نا ایسے تمام فنڈوں کی سرکوبی کرنا۔ اب  
ایک فنڈ اپنی فنڈوں کو سنبھالے گا تو آپ کا کیا کام رہ گیا  
ہے۔"

"بڑے میاں ہمارا کیا کام ہے؟ ہمیں پتا ہے۔" شہزاد  
بھی اس کی بات پر فیسے میں آ گیا تھا۔ "اسے کیسے سر انجام دینا  
ہے۔ ہم ابھی طرح جانتے ہیں۔ آپ اپنے کام سے کام رکھو  
اور ہمیں ہمارا کام نہ بھٹکاؤ۔"

"وہ جی واہ خوب بھی۔ ہڈی کی بھی کوئی حد ہوتی  
ہے۔"

ہاشم جی نے بھی چپ رہنا گوارا نہ کیا۔ اور اس طے پر  
شہزاد کے بھی تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ وہ پہنکار سے

”کیوں بے وقوفی کی باتیں کرتے ہو۔“ دلدار نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”کچھ اپنے دماغ کا درست استعمال کرو۔ خراب دماغ کسی کام کا نہیں رہتا۔“

”بس کرو۔“ دارا ایک دم جلال میں آگیا۔ ”اب تم مجھے زیادہ نہ سمجھاؤ۔“

”دوست ہوں تمہارا اور ہمدرد بھی۔“ دلدار نے اسے فحشا کرتے ہوئے کہا۔ ”اس لیے تمہارا ہوں۔“

”دوست ہو تو ساتھ دو۔“ ورنہ زیادہ ہمدردیاں نہ دکھائی۔“ دارا نے کہا۔ ”اور نہ بزدلی کی باتیں کرو۔ دارا کو ڈر پوک لوگ پسند نہیں ہیں۔“

”بات بزدلی کی نہیں ہے۔ اب اتنا آسان نہیں رہا تمہارا ساتھ دینا۔“ دلدار نے ہاتھ کھڑکے کرتے ہوئے کہا۔

”سب لوگ تمہارے خلاف ہیں۔“

”سب لوگ کون؟“ دارا نے سوال کرتے ہوئے کہا۔

”کھل کر نام لو۔ سرداری کی بات کر رہے ہو۔ وہ تو کب سے میرا دشمن ہے۔ اسے زیر کر کے حوصلہ جٹانا چاہتا ہوں۔“

”ہاں سرداری کی بات کر رہا ہوں۔“ دلدار نے کہا۔

”اسے زیر کرنا آسان نہیں ہے۔ بہت اوپر تک پہنچے ہیں اس کی۔ وہاں تک پہنچنے میں تمہیں ابھی بہت وقت لگے گا۔“

”وقت کا کیا ہے۔“ دارا نے جتنے ہوئے کہا۔ ”پرکڑ کر اڑ جاتا ہے۔ آج اس کا ہے اور کل میرا ہوگا۔“

”اور اس کے بعد کسی اور کا۔“ دلدار اسے مسلسل سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ”میں وقت گزر جائے گا۔ تب تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ بچتا دے کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔“

”تو کیا عاجز ہو تم۔“ دارا نے چلاتے ہوئے کہا۔

”دشمن کے آگے ٹھٹھکیں دوں۔ پاؤں بڑجاؤں سردار کے۔“

”ٹھٹھکیں ٹھٹھکیں اور پاؤں بڑنے کو کون کہہ رہا ہے۔“ دلدار نے کہا۔ ”میں تو یہ تجویز دوں گا کہ تمہیں سردار سے ہاتھ ملا لینا چاہیے۔“

”گناہ ہے تم بھی دشمن سے مل گئے ہو۔“ دارا نے نہ بناتے ہوئے کہا۔ ”اسی کی زبان بول رہے ہو۔“

”ابنا نہیں ہے۔“ دلدار نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”میں سردار سے نہیں ملا ہوں لیکن یہ بات بھی سمجھ لو کہ تم سے دوستی کرنا سردار کی بھی خواہش نہیں ہے۔“

”سردار کی خواہش۔“ دارا نے غصے سے جھاک اڑاتے ہوئے کہا۔ ”بھائی میں اس کی خواہش اور اس کی مرضی۔“

”لیکن میں تو بھی چاہتا ہوں۔“ دلدار نے کہا۔ ”اسے

سر کھاتے ہوئے کہا۔“ اسی نے مجھے... بچایا تھا۔ بس یہی بات ہے۔“

”اے لوگوں سے اپنا کام لکھو اور چلا کرو ورنہ بڑے دشمنوں کو کون منہ دے گا۔“ شہروز نے جواب دیا۔ دلدار اس بات سے پریشان تھا کہ اس پر کئی مرتبہ دارا نے احسان کیا تھا۔

مشکل وقت میں اس کی جان بچا کر مشکل وقت میں اس کے کام آکر۔ اسی بات کا وہ لٹا کر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ دارا سے نفرت سے بات نہیں کر رہا تھا۔ جبکہ شہروز کے نزدیک ان باتوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اپنا مطلب پورا کرو اور لات مارو۔ ظاہر ہے جب بندہ حرام مال کھائے گا اور کھائے گا تو اس میں سے شہت کا تہی تو باقی رہے گا۔ اچھا کی کی جگہ پرانی لے لے گی۔ اب دلدار کی پیروی ہو جائیگی۔ اس نے شہروز کی بات تسلیم کر لی مناسب سمجھا۔ دلدار فون بند ہونے کے بعد اسی کمرے میں واپس گیا جہاں سے باہر آیا تھا۔ اندر دارا بیٹھا اسے گہری غفروں سے دیکھ رہا تھا جیسے جانتا چاہ رہا ہو کہ وہ کس سے بات کر کے آ رہا ہے۔

”تمہیں کتنی یاد بچایا ہے کہ بہت ہوشیاری اور محنت سے کام لیتا ہوگا۔“ دلدار نے اسے سمجھانا چاہا لیکن دارا بھی اس کی کہانیں سننا چاہ رہا تھا۔ اس نے اس پر فوراً ہتھی کئے ہوئے کہا۔

”یقیناً شہروز کا فون تھا۔ اس کے آگے تم بھیگی ملی کیوں بن جاتے ہو۔ وہ تمہارے زمانے کا بس ایسا آدمی ہے۔“

”جس کا بھی فون تھا۔“ دلدار نے کہا۔ ”دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وقت کی جال کیا ہے۔“

”وقت کی جو بھی جال ہو۔“ دارا نے مکالمے بازی کی۔

”دارا اپنی ہی جال چلتا ہے۔“

”تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟“ دلدار نے نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔ ”کھل کر بات کرو۔“

”دارا کی جال اور منسو ہے۔ تمہارا ایک کے بس کی بات نہیں۔“ دارا نے اس کا غرور اڑاتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری سمجھ میں بھی نہیں آئے گا۔“

”تم اگر اسی طرح خد کرتے رہے تو کام خراب ہو جائے گا۔“ دلدار نے اسے تنبیہ کی۔ ”کیونکہ تم نے جب بھی کوئی چال چلنے کی کوشش کی، باہری تمہارے ہاتھ سے ہی نکل گئی۔“

”اتنا آسان نہیں ہے کام خراب کرنا اور وہ بھی میرا۔“

دارا نے دغوت سے کہا۔ ”میں دعا کرو کہ میرا دماغ خراب نہ ہو جائے۔ ورنہ دوسروں کے لیے بہت مسئلہ ہو جائے گا۔“

حساسہ سے، ڈائجسٹ، IEO، [جنوری 2025ء]

میری خواہش سمجھ لو اور اپنی مجبوری۔ کیوں کہ یہی تمہاری بچت کا راستہ ہے۔

”میری کوئی مجبوری نہیں۔“ دارا نے جواب دیا۔ ”اور راتے بہت ہیں میرے پاس بچ گئے۔“

”میرا کام تھا تمہیں سمجھانا اور بہتر مشورہ دینا۔“ ولدگار نے آخری بار کہا۔ ”بائی تمہاری مرضی۔ میں اب چلتا ہوں۔“

”ہاں جاؤ تم۔ اور اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔“ دارا نے غصے سے چیخے چمکھڑاتے ہوئے کہا۔ ”میں سب سے اکیلے

یہاں لوں گا۔ مجھے کسی کا ساتھ یا کسی کی دوستی نہیں چاہیے۔“

ولدگار چلا گیا۔ جبکہ دارا اپنی دماغ میں من بٹھا تھا۔ وہ سردار سے مگر لینے کا نہ صرف خواب دیکھ رہا تھا بلکہ علی الاعلان اس کا دعویٰ بھی کر رہا تھا۔ لیکن اس طرح کا اعتقاد خواب دیکھنے والا وہ شخص نہیں تھا بلکہ ایک اوزغض تھا جو سردار اور اس کے

نظام کے خلاف برسرِ پیکار ہونے جا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ دوسرا شخص ہاشم جی ہے۔ ہاشم جی حقیقت میں اچھا قدم اٹھانا چاہ رہا تھا۔ لیکن وہ ایک شریف آدمی تھا اور ایسے

شریف آدمی کا گڑے ہونے نظام سے گھرانہ آسان نہیں تھا۔ بہر حال وہ اپنی کسی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ ہاشم جی نے عدالت

جائے... اور قانونی کارروائی کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے عصمت بیٹی سے رابطہ کیا اور اسے اپنے گھر

بلایا۔ اس وقت عصمت ان کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتا چاہ رہا تھا کہ ہاشم جی جیسے

کاروباری شخص کو اس سے کیا کام پڑ گیا۔ ہاشم جی نے اسے بتایا کہ انہیں کیس کر دانا ہے۔ عصمت بٹنے لگا۔

”ظاہر ہے۔ میں ایک وکیل ہوں۔“ عصمت اُٹھنا کالا کوٹ ٹھیک کرتے ہوئے بولا۔ ”اس لیے آپ نے بلایا ہوگا۔“

یہ بتائیں کس کے خلاف کیس کرنا ہے؟“

”سردار اور امین ایچ اڈ شہرہ کے خلاف۔“

ہاشم جی نے جیسے ہی نام بتایا تو عصمت کے من میں موجود ہلکتا کل کر باہر گر گیا۔ اس نے کھاتے کھاتے ہاتھ روک لیا۔ ”یہ کیا اتفاق ہے؟“

”یہ مذاق نہیں ہے۔“ ہاشم جی نے سنجیدگی سے کہا۔

”تمہاری زندگیوں کا سوال ہے۔“

”خیر۔ یہ بتائیے کہ آپ کو ان دونوں سے شکایت کیا ہے؟“

”بہت وصولی کی شکایت ہے۔“ ہاشم جی نے اپنے دل کی بھڑائی لکائی شروع کی۔ ”میرا دو بھر کر دیا ہے ان کو کوئی

لے۔ کاروبار نہیں کرنے دیتے۔ بد معاشری کرتے ہیں۔ اپنے گھر والوں کا پیسہ پائیں یا ان کی عزتوں کا۔“

”بس اتنی سی بات؟“ عصمت نے کپ رکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ اتنی سی بات ہے۔“ ہاشم جی نے کہا۔ ”تھک گیا ہوں ان حرام خوردوں کے پیٹ بھر بھر کے۔ لیکن کم بہتوں کی

ہموک ہی ختم نہیں ہو رہی۔“

”سردار کے خلاف تو پوچھو میں آتا ہے کہ بد معاشری کا معاملہ ہے۔“ عصمت نے کہا۔ ”لیکن شہرہ کے خلاف کیوں؟“

”وہ تو علاقے کا ایس ایچ اڈ ہے؟“

”ایس ایچ اڈ۔“ ہاشم جی نے خطرے لہجے میں کہا۔ ”آپ نہیں جانتے کیا؟“

”جہیں۔“ عصمت نے انکار میں سر ہلا کر فحشان بنے ہوئے کہا۔ ”آپ بتائیں۔ اس کا کیا مسئلہ ہے؟“

”وہ قانون کار کو آلا نہیں بلکہ قانون کا دشمن ہے۔“ ہاشم جی کہا۔ ”وہ ساتھ دیتا ہے ان بد معاشریوں کا۔“

”یہ سب آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟“ عصمت نے جتنے ہوئے کہا۔

”کہتا ہے ان کیوں کو بہت دیتے رہیں۔“ ہاشم جی نے اسے بتایا۔ ”اور اپنی بھی حفاظت کا خیال رکھیں اور پولیس کا

بھی۔“

”تو آپ کو کیا غلط لگتا ہے؟“ عصمت نے سوال کیا۔

”غلط... ارے بالکل کیوں بات کرتا ہے وہ۔“ ہاشم بھڑکتے ہوئے بولے۔ ”اس نے تو مجرموں کو ہمارا سر پرست بنا دیا۔ یعنی ہمارا بالی باپ۔“

”کسی تو کہتا ہے۔“ عصمت نے صوفے سے ٹپک لگاتے ہوئے کہا۔ ”آپ کو نہیں پتا کہ پورا علاقہ ہی یہ بد معاشر لوگ چلاتے ہیں۔“

”یعنی کوئی امن و امان نہیں چاہیے۔“ ہاشم جی نے حیرت سے کہا۔ ”کوئی قانون نہیں۔“

”ارے بڑے صاحب۔“ شہر کے بے شمار چھوٹے بد معاشریوں کو کنٹرول کرنے کے لیے ایک بڑے بد معاشر کی ضرورت ہوتی ہے۔“

”بہت خوب۔“ ہاشم نے سر پٹے ہوئے کہا۔ ”سب ہم زبان ہو گئے ہیں۔ قانون کے دھمکے ہوں یا قانون وال۔“

”سب ہی قانون کے پیو پار ہو گئے ہیں۔ سب نے اسے بچ دیا۔ آپ بھی یہی بات کر رہے ہیں وکیل صاحب۔ مجھے آپ سے یہ توقع نہیں تھی۔“

جنوری 2025ء

جاسوسی ڈائجسٹ



بھی صے دار ہیں۔“

”میں یا آپ اکیلے کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“ عصمت نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”کسی ایک کا بال بیکا بھی نہیں کر سکتے۔“ عصمت باہر جاتے جاتے دکا اور پلٹ کر کہا۔ ”میری باتوں پر ٹھنڈے دل دو مانگ سے غور کیجئے گا۔“

عصمت کوٹ اٹھاتا ہوا نکل گیا تھا جبکہ ہاشم جی پیش کے عالم میں بیچ و تاب کھاتا ہوا گیا تھا۔ عجیب ہی صورت حال تھی۔ ایک حمام میں سب ہی ننگے تھے۔ کیا یہاں کوئی بھی اچھا انسان نہیں تھا جو ظلم کے خلاف اور حق کے ساتھ کھڑا ہو سکے۔ یہاں تو سب ہی ایک سردار سے ڈرتے رہے تھے۔ یا تو ڈرتے تھے یا پھر صے دار تھے جیسے عصمت بمبئی اور شہر و زنگین ایسے ماحول میں ایک امید کی کرن بھی موجود ہوتی ہے۔ ہاشم جی جیسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ جو ڈرتے ہیں نہ جھکتے ہیں اور نہ انہیں کسی قسم کا کوئی لالچ توڑ سکتا ہے۔ اس وقت ہاشم جی نے ایک عجیب و غریب فیصلہ کیا۔ اگر ایسا ہے تو پھر ایسا ہی کسی کوئی بات نہیں۔ اس نے سوچا کہ اسے کئی نکلنے کے لیے اگلی فیصلہ کرنی پڑے گی۔ ہاشم جی کے پاس سردار جیسی طاقت تو نہیں تھی۔ ظاہر ہے وہ بد معاش تو تھا نہیں۔ لیکن اس کے پاس روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اب وہ اپنے اسی پیسے کے کل پر لڑنے کا سوچ رہا تھا۔ مزید بھرتی کرنے کے لیے وہ کسی صورت تیار نہیں تھا۔ اس کے لیے اسے کچھ ٹوکوں کی ضرورت پڑے گی۔ جنہیں وہ خرید سکے۔ دشمن سے دشمن کے لیے اپنی ایک فوج تیار کر سکے۔ جو اس کے دشمن کے بھی دشمن ہوں۔

☆☆☆

ہاشم جی کی سرگرمیوں پر جکرا کی مکمل نظر تھی۔ وہ اس کو بہت دھیان سے دیکھ رہا تھا۔ کبھی قاتلے جانا بھی دیکھ لے گا۔ پتہ چلا۔ یہ سب کچھ اس سے بالکل بھی ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ اس نے ان تمام سرگرمیوں کو سردار کے گوش گزار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کہاں سردار جیسا علاقے کا ایک بہت طاقتور شخص اور کہاں ہاشم جیسا سادہ سادہ سا منظر آئے والا کاروباری انسان ہاشم جی۔ جو جھوٹ پر چون کی دکان چلاتا تھا۔ سردار نے جکرا کی بات کو رد کر لی تیار بھی اہمیت کا حامل نہ سمجھا۔

”ارے وہ پر چون والا۔“ سردار نے طنز پر ہنسنے ہوئے کہا۔

”لوگوں کو اپنے ساتھ ملانا اتنا آسان نہیں ہے۔ وہ بھی میرے خلاف۔“ سردار نے نکتہ سے کہا۔ ”اس بڑے کی طرح سب پاگل نہیں ہوں گے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کوئی قاتلہ ہوا

”دور یا کارخ دیکھ کر چلنا پڑتا ہے نا۔“ عصمت نے اپنا فلسفہ جھانڈنے کی کوشش کی۔ ”بہاؤ کے مخالف کون تیر سکتا ہے۔“ ”بہاؤ کی جو بھی سمت ہو۔“ ہاشم جی نے طعنی لہجے میں کہا۔ ”مجھے کسی ظلمدار نہیں چلنا۔ میں نہیں مانتا ان باتوں کو۔“ ”شہر و کی بات سن کر آپ کو اندازہ نہیں ہوا؟“ عصمت نے کھڑے ہو کر ان کے نزدیک آتے ہوئے کہا۔ ”سردار کا معاملہ کتنا خطرناک ہو سکتا ہے کہ پولیس بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈال رہی۔“

”بات خطرناک کی نہیں۔“ ہاشم جی نے اپنی بات پر ڈٹے رہتے ہوئے کہا۔ ”یہ ان کے پالتو بنے ہوئے ہیں۔ ان کو بھی صدمہ ہو گا اس سے۔“

”یہ تو آپ کی رائے ہے نا۔“ عصمت نے کہا۔ ”اور بہت بڑا الزام بھی ہے۔“

”الزام نہیں، حقیقت ہے۔“ ہاشم جی نے کہا۔ ”سب کو بتا ہے۔ سولہ ایسے گجرات کرنا ہوں میں۔“

”کوئی ثبوت؟“ عصمت نے داپس بیٹھے ہوئے کہا۔ ”یقیناً نہیں ہوگا۔“

”ثبوت اور سچائی تلاش کرنا تو آپ کا اور پولیس کا کام ہے۔“ ہاشم جی کہا۔

”میں تو کہتا ہوں کہ درگزر سے کام لیں۔“ عصمت نے کہا۔ اس کی بات پر ہاشم جی سخت پاپور ہوا تھا۔ ”عصمت نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”بڑے صاحب۔ یہ سب معاملہ ایک دلدل کی طرح ہے اور جانتے ہیں کہ اس دلدل سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔“

ہاشم جی نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ”عصمت نے اپنی بات مکمل کی۔“

”اور وہ یہ کہ اس دلدل کا پیٹ بھرتے رہیں اور سکون سے اپنا کام کرتے رہیں۔“

”مطلب آپ.....“ ہاشم جی نے کچھ کہنا چاہا لیکن غصے کو اوج سے ان کے منہ سے الفاظ نہ نکل سکے۔

”میں معذرت خواہ ہوں کہ میں یہ کیس نہیں لے سکتا۔“

عصمت معذرت کرتے ہوئے کہا۔

”یعنی آپ بھی ڈرتے ہیں..... یا.....؟“ ہاشم نے اسے کریدنا چاہا۔

”سردار کیا۔“ عصمت نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”پولیس سے لے کر انصاف تک۔ سب کچھ تو پہلے ہی اس کی جیب میں ہے۔“

”اب سمجھا۔“ ہاشم جی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ”آپ

جاسوسی ڈائجسٹ 150 جنوری 2025ء

اسے ابھی تک۔“

”نہیں۔“ جگرہانے جواب دیا۔

”تو پھر اسے اپنا پیسہ اور وقت برباد کرنے دو۔“ سردار نے بے پروائی سے کہا۔ ”دونا کامی کابی منہ دیکھے گا۔ تم کیوں اس کی فکر کر رہے ہو؟“

”لیکن بلاوجہ کے شور سے دماغ تنک جاتا ہے بھائی۔“  
مکرا نے کھوڑی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ سردار نے کچھ سوچے ہوئے کہا۔ ”کر دیتے ہیں اس کا علاج۔ ایسے بڑھوں کا علاج ہے میرے پاس۔“

”بولیں تو میں۔۔۔“ مگر کہتے کہتے رو گیا۔ وہ صرف اس کے شور مچانے سے بچ تھا اور اسے کوئی باسابق کھانا چاہ رہا تھا۔ لیکن سردار نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بچھڑی کرنے سے روک دیا۔ وہ دھوکے اور ہی سوچ میں تھا۔ اس کے چہرے پر مکاندار کسراہٹ پھیل گئی۔ تھانے سے دو کجاں چلے والے تھا۔ مگر اس کے کسی بھی حکم کا فخر مستحی سے نظر آتا۔ لیکن یہاں اسے مگر انوکھیں کئی اور دیکھ کر کام سوچنا تھا۔

کہا۔ ”بلکہ ابھی بیچ دیتے ہیں اس کے گھر۔ اپنے خاص خاص معارف کو۔“

☆☆☆

گجرا کو بھی نہیں بچا تھا کہ وہ خاص ساجھ کون ہے۔ ہاشم  
کی بی بی موت کا پڑوانہ ہے یا پچھو اور۔ بہر حال ہاشم کے گھر کی  
بی بی علی بی بی وقت ہاشم اپنے کمرے سے لے کر بی بی کو اپنے  
گھر۔ اس کے بچے قاسم نے روزانہ کھولا۔ اس کے سامنے  
ہاشم کو بی بی سرور کی منظر نظر اور عجوبہ۔ ہاشم اس کے ہاشم کو  
گھمانے کے لیے اسے بھیجا تھا۔ ہر کام میں مختلف لوگوں کے  
لیے سرور کا طریقہ کا مختلف اور تھا۔ قاسم اس سے پوچھتا رہا  
کیا کہ وہ کون ہے اور کیا جانتی ہے لیکن ہاشم نے سرور کی  
اسے ایک طرف ہٹانے سے منع کیا۔ اور آگئی۔ وہ روزانہ سے  
چپکا اسے ہٹا کر دیکھ رہا تھا جبکہ ہاشم اس کے کسی سوال کا  
جواب دینے کا ارادہ نہیں تھا۔ اس نے صرف ہاشم کا پوچھا۔  
ہاشم اس دوران خود بھی وہیں آچکا تھا۔ وہ ہاشم کو نہیں جانتا تھا۔  
اس لیے اس سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی۔

”ہائیم جی! میں آپ کی عمارت ہوں۔“ پارونے بکچے ہوئے کہا۔ ”نہا ہے آپ بہت باہادور ہیں۔“

”میں۔“ ہائیم حیرت سے بولا۔ ”کس نے کہا آپ کو۔“

”میں تو یہ عمارت کا دوسرا آدمی ہوں۔“

## بہتہ خور

”بس میں اساد کی تو ہے خواہے آپ کو کچھ نہیں سمجھے۔“  
پارونے ادا میں دکھاتے ہوئے کہا۔  
”میں آپ کی بات نہیں سمجھ رہا۔“ ہاشم نے پریشانی سے  
کہا۔

”مہمانوں کو بوجھتے نہیں ہو۔“ پادو نے قاسم کو قاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”چلو ٹھنڈا..... کچھ گرم۔“

تاکم بھی پریشان تھا۔ دو بھی کھٹس ہمارا کرچا گیا۔  
 ”سائے سر اور اس کے بستہ خود ساتھیوں کے خلاف  
 عذاب بار ہے آپ۔“ پارو نے گری پر بیٹھے ہوئے کہا۔  
 ”اے ایسا ہے۔“ پاشم بھی اس کے سامنے بیٹھے  
 ہوئے بولا۔ ”میتا حرام کر دیا ہے ان بدعاشوں نے۔“

"اور آپ اس عمر میں۔ اس بڑھاپے میں ان معاشروں کا مینا حرام کرنے چلے ہیں۔۔۔ ہاں۔۔۔ پارونے مسخرانہ اعجاز میں کہا۔ "کیسے سوچ لیتے ہیں آپ اتنی بڑی بڑی باتیں؟"

”بی بی سید می طرح بتاؤ تم کون ہو؟“ ہاشم نے کچھ سمجھتے ہوئے کہا۔ ”اور یہاں کیوں آئی ہو؟“

”دوسرے سوال کا جواب پہلے دیتی ہوں۔“ پارونہ  
 کہہ۔ ”آپ کو دیکھنے کی جتنا سواڑ تھی کہ ایسا کون مانی کا لال  
 پینا ہو گیا جس ردار سے نگر لینے چلا ہے۔ اور پہلے سوال کا جواب  
 ہے کہ میں ردار ہی کی ایک سماجی ہوں بلکہ اس سے بھی بڑی  
 گر۔ بارو نام سے میرا۔“

”سجھانا جانتی ہوں۔“ پارو نے بھڑکی ہے۔  
 ”جسے بیان کیوں اس عمر میں اپنی جان کے دشمن  
 رہے ہو۔ کیوں؟ کیوں اپنی ہی دل ایک کرنا چاہتے ہو؟“  
 ”سجھاری ہو یا دھار ہو مجھے۔“ ہاشمی نے کہا۔  
 ”بتا رہی ہوں۔ دو بھی اتنے پیارے۔“ پارو  
 کہنے ہوتے ہوئے کہا۔ ”کسی نے اگر چوک بھی مار دی  
 کمال بھی نہیں لے گی تمہاری۔“

”دیکھو لی۔“ ہاشم نے اپنے فیس پر قابو پا-  
ہوئے کہا۔ ”جسٹس جو کہنا تھا کہ دیا۔ اب تم جا سکتی ہو۔“  
”بہت ہی خندی بڑھا ہے۔“ یارو نے بڑبڑاتے ہو-  
کر اندر بصرہ کا کمرہ جانے کے لیے مڑ گئی۔

”اور ہاں میرا نام ہاشم جی ہے۔“ ہاشم جی نے بلند آواز میں کہا۔ ”مرا تو ایک دن ہے۔ موت سے نہیں ڈرتا میں۔“ بازو پلٹ کر ہاشم جی کی طرف کیے تو زعفرانوں سے دھری ہوئی ایک کڑی لکڑی کی تختی پر وقت شربت لے کر کیا۔ پاور نے ایک

جنوری 2025ء: 159: جاسوسی ڈائجسٹ

اس کے بچے قاسم کو دیکھا اور پھر ہاشم کے نزدیک آئی۔  
 "یقیناً قاسم سے ڈر نہیں لگا ہوگا۔ مگر جو ہوئی ہے۔"  
 یارو نے سر کوئی کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن عزت کا بھی خیال  
 نہیں ہے کیا۔"  
 "کیا تم کو اس کر رہی ہو؟" ہاشم جی نے پوچھا کرتے  
 ہوئے کہا۔

"اگر اس بڑے معاملے میں یہ عزت تار تار ہو گئی تو۔"  
 یارو نے سنی خیر انداز میں کہا۔ "تو کبھی منہ دکھانے کے لائق  
 نہیں رہو گے۔"  
 "میں نے ایسا کچھ نہیں کیا کبھی کہ میری عزت پر حرف  
 بھی آئے۔" ہاشم جی نے فرسے سینہ چڑا کر تے ہوئے کہا۔  
 "تمہیں گھڑی کچھ کرنا ہے۔ تمہاری اتنی ہمت بھی  
 نہیں۔ جو کرنا ہو گا میں کروں گی۔" یارو نے کھینکی سے ہاشم کے  
 کان سے پردہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا ساہوگر بچا ہو گا اور  
 بس۔ پھر دیکھو کیا ہوئے تمہارے ساتھ۔"

تمہاری بات کا کوئی یقین نہیں کرے گا۔" ہاشم جی بھی  
 اپنی جگہ ڈٹا ہوا تھا۔  
 "واقعی؟" یارو حیرت سے ہنستے ہوئے بولی۔ "غلط فہمی  
 ہے تمہاری۔ ہمارے ہاں لوگ ایسے موقع پر عورت کی بات  
 زیادہ سنتے ہیں۔"  
 "تم جتنی عورت کی بات کون سے گا؟" ہاشم جی نے اس  
 کا غرور خاک میں ملانے کی کوشش کی۔

"آزاد کر دیکھ لو۔" یارو بچ و تاب کھاتے ہوئے بولی  
 اور باہر جانے لگی لیکن دروازے کی دلیز پر رکی پھر پلٹ کر  
 دیکھا اور بلند آواز میں بولی۔ "لیکن سوچ لو۔ اپنا نہیں تو اپنے  
 بچے اور اس کے مستقبل کا ہی خیال کر لو۔"  
 ہاشم چپ اسے دیکھ رہا تھا۔ یارو جا چکی تھی۔ ہاشم  
 بچے کے ذکر پر کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔ قاسم اس کے قریب  
 آ کر بیٹھا اور اس عورت کے بارے میں جاننا چاہا۔

"سردار کی ساسی ہے۔" ہاشم جی نے بتایا۔ "مجھے  
 دھمکانے آئی تھی مگر تمہارا باپ بزدل اور کمزور نہیں ہے۔"  
 "لیکن اب۔۔۔۔۔۔ یہ خطرناک لوگ ہیں۔" قاسم نے  
 پریشانی سے کہا۔  
 "ارے میں کا باری آدمی ہوں۔" ہاشم جی نے کہا۔  
 "ابن نوسر یازوں کے پکڑوں اور جھیلوں میں نہیں آتا۔"  
 "ابا یہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں؟" قاسم نے  
 ڈرتے ہوئے کہا۔  
 "میرے سامنے سانپ کی طرح روپ بدل کر آرہے

ہیں لیکن مجھے نہیں جانتے۔" ہاشم جی نے دنگ لہجے میں کہا۔  
 "اب یہ لوگ میرا ناپو دیکھیں گے۔"  
 "آپ کیا کریں گے؟" قاسم نے پوچھا۔  
 "جیتا تم تل دیکھو اور تل کی دھار دیکھو۔" ہاشم نے  
 پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میرا نام بھی ہاشم جی ہے۔  
 ہاشم جی پر چرن والا۔ میں نے بھی ابن نوسر یازوں کو تل کا ناچ نہ  
 لیا تو نام بدل دوں گا پتا۔ ہاشم جی پر چرن والا ہے۔" اس  
 کے ساتھ ہی ہاشم جی دروازے سے ہنسنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ  
 پر چرن والا کی جگہ اب کچھ اور لگا دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ  
 دھندے میں قدم رکھنے کی شان چکا تھا۔ بد معاشوں کی بد معاشی  
 سے ہنسنے کے لیے بد معاشی کا سہارا لینا پڑے گا۔

☆☆☆☆  
 اسی مقصد کے لیے ہاشم جی دارا بد معاش سے مل رہا تھا۔  
 دونوں ایک سنسنی انگیز کار میں بیٹھے تھے۔ دارا کو ہاشم جی کی  
 ملاقات کی خواہش پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایک  
 بڑے ضرور بڑے میاں نے اسے ملاقات کے لیے بلایا اور انہیں  
 کوئی ضروری کام تھا۔ ضرور کسی بڑے مسئلے میں جھڑپ ہوئی  
 کے یا خود ہی نہیں ناگ اڑائی ہوئی۔ ہاشم جی تو دیے ہی اڑیل  
 مشہور ہو رہا تھا۔ اب معاملہ سمجھانے کے لیے دارا کی یاد آگئی تو  
 چلے آئے۔ دارا اب اس اپنے خیالات کو عزت دے رہا تھا اور  
 ہاشم جی کے متعلق شک کے نگار تھا۔  
 "سانپ کا سر کچا ہے۔" ہاشم جی نے اس کے تمام  
 سوالات کے جوابات میں مختصر سا فقرہ کہا۔  
 "کونسا سانپ؟" دارا نے حسب عادت مسخرے پن  
 سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "ابے میں کیا سمجھا ہوں کوئی۔ بڑے  
 میاں سلیمان تو نہیں گئے ہو۔ اب میں کیا بین بجاتا ہوا نظر آ رہا  
 ہوں نہیں۔"  
 "سردار کی بات کر رہا ہوں۔" ہاشم جی نے اس کی  
 طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "سردار۔۔۔۔۔۔ اود۔۔۔۔۔۔ وہ والا سانپ۔" دارا کچھ بے  
 چین سا ہو کر اپنا سر کھانے لگا۔ "ناٹا نا۔"  
 "ڈر گئے؟" ہاشم جی نے ایک بد معاش کی کمزوری  
 سے کھیلنے ہوئے کہا۔ "ویسے تو بڑے پتے خالی بنے پھرتے  
 ہو۔"  
 "دارا کسی سے نہیں ڈرتا۔" دارا نے سینہ چڑا کر تے  
 ہوئے کہا۔ "لیکن ابھی سردار کو مارنا۔ یہ ممکن نہیں۔ سچ پوچھو تو یہ  
 خواہش تو میری بھی ہے لیکن کچھ وقت بعد ضرور یہ ممکن ہو سکے  
 گا۔"



بہتہ خور

”تیر لڑکے ہونے چاہئیں۔ بڑن بے خوف، دلا دار، محنت اور پیار۔“

”فکری نہ کرو۔“ دارا نے اکرے ہونے کہا۔  
”میرے پاس ایک سے ایک خرابی..... ہم میرا مطلب ہے کہ جیتا لڑکا موجود ہے۔ میں پیسہ بھیجتے کی وجہ سے۔“

”جلدی کام شروع کرو۔“ ہاشم جی نے کہا۔ ”میں تمہیں کچھ پیش کرتا ہوں۔“  
”تو بھلا کرتا۔“ دارا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ”دیر کس بات کی ہے۔“

ہاشم جی نے اس کے آگے ایک لفاظہ ڈال دیا۔ دارا نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ اندرون ہمارے تھے۔

”اب مجھے جلدی تیرہ بھی چاہیے۔“ ہاشم جی نے کہا۔  
”نہ جانے گا۔“ دارا نے ذات نکالتے ہوئے کہا۔  
”اب دیکھو تم۔ دارا کے سہ اور اس کی چال۔“

”بس کوئی بے ذمگی چال نہ چلنا۔“ ہاشم نے کہا۔ ”اب تم جاؤ اور تیار کی کرو۔ میں چلتا ہوں۔“

دارا خوش خوشی گاڑی سے اتر گیا۔ ہاشم جی گاڑی کے آگے بڑھا کر چلا گیا۔ دارا لفاظہ کو چوم رہا تھا۔ ظاہر ہے اس کی تو لافری کل بھی تھی۔ اس کے دارے بنارے ہو گئے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اسے ایک خیال اور بھی تنگ کر رہا تھا کہ اس بے وقوف بڑے کو کیا شوق چرا یا لونڈوں والا۔ وہ بھی اس عمر میں۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ ہاشم جی انہی کو نہ پھنساوے۔ لیکن ہاتھ میں موجود لٹافہ اس سے کہہ رہا تھا کہ جو بھی ہے، تمہارا کیا جاتا ہے۔ عین کرو دارا میں کرو۔ اس کی نظر میں سب سے پہلا میں دارا کی بول تھی۔ اس نے یہی سوچا کہ پہلے چٹا چٹا کرے گا پھر کچھ اور سوچے گا۔ اس کے ساتھ ہی اسے اپنا رخ تبدیل کیا اور مست ہاشم جی کی طرح زخمی طرف جانے لگا۔

☆☆☆

ہاشم جی تو اپنے تئیں ڈان بنے اور دوسرے پدمشاہوں کو مزہ دیکھانے کا حتیٰ فیصلہ بلکہ اس پر عمل درآمد بھی شروع کر چکا تھا۔ لیکن بیکرانے اسے اپنی نظروں کے حصار میں رکھا ہوا تھا۔ وہ اسی بازار میں ہاشم جی کی دکان کے آس پاس ہی منظر لانا رہتا۔ جبکہ اس کے کچھ خفیہ کارے بھی بازار پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ اس کے کارے بازار میں ہی غیپے اور خفا سے سنہالے ہوئے تھے۔ اپنا کاروبار بھی چلا رہے تھے اور سردار کے لیے بھی کام کر رہے تھے۔ ایک دن اسی بازار میں جیلا نام کا مفت خور پدمشاہ اپنے کچھ چیلوں کے ساتھ موجود تھا۔ وہ سب مفت کی چیزیں کھا رہی تھی۔ تو زہر پودہ کر رہے تھے اور

دارا تنگ بندی کے ساتھ بولنا شروع ہو گیا تھا کہ ہاشم جی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔  
”نہیں۔ مردانہ کی کوئٹیں۔ بس اس کو بقیہ کھانا ہے۔“

”کرنا کیا ہے؟“ دارا نے پریشانی سے پوچھا۔  
”سوچنا تمہارا کام ہے۔“ ہاشم جی نے جواب دیا۔

”ہائیں..... واہ اصل سوچنے کا کام میرے ہاتھ سے مار دیا۔“ دارا نے چڑتے ہوئے کہا۔ ”تم کی کاروانا چارہ ہے ہو یہ بتاؤ۔ مسئلہ تمہارا ہے اور دماغ میں لڑاؤں!“

”مسئلہ تو تمہارا بھی ہے۔“ ہاشم جی نے کہا۔ ”سردار تمہارا بھی دشمن ہے اور میں تمہاری مدد کر رہا ہوں۔“

”سوچ لو بڑے مرال! جان جو کون کا کام ہے۔“ دارا نے ہاشم جی کو ڈرانے کی کوشش کی۔

”جان تو ویسے بھی جانی ہی ہے۔“ ہاشم جی ڈرنے کو تیار نہ تھا۔

”بہت خرچ ہو سکتا ہے اس میں۔“ دارا مطلب کی بات کی طرف آیا۔ ”تمہارا تو ویسے ہی مسئلہ اچل رہا ہوگا۔ ہر وقت تو یہی رو رہا رہتے ہو۔“

”اس کی فکر نہ کرو۔ پیسے کی کمی نہیں۔“ ہاشم نے بے فکری سے کہا۔

”بھتے کی رقم نکالے وقت تو جان جاتی تھی تمہاری۔“ دارا نے ہاشم جی پر پھینکی۔ ”اب کہاں سے آگیا اتنا پیسہ؟“  
”اب تو یہ انا کی جنگ بن چکی ہے۔“ ہاشم جی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”تمہیں جتنے پیسے چاہیں بولو۔ اپنا پیسہ کاٹ کے ناکروں گا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ ورنہ مجھے بھی روٹنا آجائے گا۔“ دارا نے رونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

”اگر تمہیں سب مذاق لگ رہا ہے تو کوئی بات نہیں۔“ ہاشم جی کہا۔ ”میں کسی اور سے بات کر لوں گا۔“

”ارے دارا میں کیوں ہوتے ہو۔“ دارا نے مال ہاتھ سے جاتا دیکھ کر فوراً ہامی بھرتے ہوئے کہا۔ ”میں تیار ہوں۔ لیکن اپنا ایک گروپ بنانا ہوگا لڑکے جمع کرنے ہوں گے۔“  
”تو کرو جمع لیکن جتنی عمر کے نہیں۔“ ہاشم جی نے اپنا بدلہ اٹارتے ہوئے کہا۔ ”اور بے وقوف بھی نہ ہوں تمہاری طرح۔“

”مدد مجھ سے مانگ رہے اور باتیں بھی مجھے ہی سنا رہے ہو۔“ دارا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”میری بات کو سمجھو۔“ ہاشم جی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

جنوری 2025ء

دارا نے جگرا کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔  
 ”اچھا..... تو یہ تو ہے دارا۔“ جگرا اب ساری بات سمجھ چکا تھا۔

”شکر ہے بسکی بچان کیا۔“ دارا نے ہونٹوں پر ہنس کر مذاق کرتے ہوئے کہا۔ ”اور نہیں تو یہ بیان تھا کہ وہاں ہی کام نہ کرنا چھوڑ دے۔“

دارا کے ساتھ ہی سب تہقہ لگا رہے تھے۔ جگرا وہیں زمین پر پڑے پڑے ان سب کو گھور رہا تھا۔ جیسے سب کے چہرے یاد کرنا چاہ رہا ہو۔ اس کی نظروں میں خون آکڑا ہوا تھا۔  
 ”کیوں روز روز اپنی موت کو دعوت دیتا ہے۔“ جگرا نے دارا سے پوچھا کرتے ہوئے کہا۔

”دعوت..... دعوت تو ابھی تیری ہو گئی ہے بلکہ ابھی خاصی خاطر مدارت کر دی ہے۔“  
 جگرا منہ سے دُخم پھٹتا ہوا کھڑا ہوا تو لوگوں نے اسے دوبارہ پکڑ لیا۔ لیکن اس کا نام بھی جگرا تھا۔ اس وقت بھی دارا کو لگا کرتے ہوئے بولا۔

”نہیں تیرے ساتھ کیا ہوگا دارا؟“  
 ”خیر میری فکر چھوڑ اور جا کر سردار کو بتا دے۔“ دارا نے اس کی بات خاطر میں نہ لاتے ہوئے جواب دیا۔ ”دارا بھائی مجھے دانوں میں سے نہیں۔ میدان میں آگیا ہے۔“ پھر اپنے لڑکوں سے مخاطب ہوا۔ ”چھوڑ دو اس کو۔“

لڑکوں نے جگرا کو چھوڑا تو وہ ان سب کو گھورتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔ وہیں ہاشم جی کے جی میں پھنس گیا آیا کہ اس نے بھی پیچھے رہنا مناسب نہ سمجھا اور دکان سے نکل کر اس کے سامنے آگیا۔

”ہاں بھئی۔ مجھے دھکا رہے تھے تاہم لوگ کہ یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے۔ اب بتاؤ۔“

”بڑے میاں۔ تم کیوں ان پتکوں میں پڑ رہے ہو۔“ جگرا نے ہاشم جی کو تنبیہ کی۔ ”تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ اپنی دکان چلاؤ بس۔“

”میرے بس میں کیا ہے اور کیا نہیں۔“ ہاشم جی نے سیدنا سے ہونے کہا۔ ”یہ تم دیکھتے رہو۔“

☆☆☆  
 اس وقت جگرا وہاں سے خاموشی سے چلا گیا۔ یہاں وہ اکیلا تھا۔ اب اسے پوری تیاری سے آنا تھا لیکن اس کی اس حالت پر سردار سخت غصے میں آگیا تھا۔ جگرا کو دشمنی حالت میں دیکھ کر وہ غصے سے ہانکا ہوا تھا۔

”یہ سب کیسے ہو سکا ہے۔ اتنی آسانی سے۔ ان سب

ساتھ ہی لوگوں کو تنگ بھی کر رہے تھے۔ اسی معاملے میں جیلا کی ایک شربت والے سے سرداری ہو گئی۔ وہ شربت والا۔ لیصل تپہ جگرا کا ہی سامنے تھا۔ جیلا اور اس کے ساتھیوں نے وہاں سے شربت پیا اور ڈکارے لگ کر نکل رہے تھے کہ شربت والے نے پیسے طلب کر لیے۔ بس پھر کیا تھا۔ جیلا آپے سے باہر ہو گیا اور اسے دھکیلا دینے لگا۔ لیکن لیصل پہنچ کر خند پڑا کیا تھا کہ جیلا تنگ لیے ہوا رفت کی چیزیں الگ کاتے پیتے ہو۔

”لنگہ ہے تجھے دس دس نہیں ہے۔“ جیلا نے فراتے ہوئے کہا۔ ”ابھی تیرا اٹلٹ دول کا پھر ٹیکہ دے گا۔“  
 ”نہیں نہیں۔“ لیصل پونے ایک دم دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔ ”ایسا نہ کرنا۔ میرے بچوں کا رزق ہے۔“

”تو پھر جا یہاں سے۔“ جیلا نے اسے جھڑکنے سے کہنا۔ ”مجھے سے متاثر نہ کر۔“  
 جیلا جیسے ہی جانے کے لیے مڑا تو اس کے سامنے جگرا کھڑا تھا۔

”اوے کون ہو تم؟“ جیلا نے بد معاشی سے کہا۔  
 ”نام تو سنا ہی ہوگا۔“ جگرا نے اپنا تعارف کروایا۔

”یہاں سب جگرا کہتے ہیں مجھے۔“  
 ”اوہ جگرا۔“ جیلا نے اسے پہچانتے ہوئے کہا۔

”اور جیلا نام ہے میرا۔ ابھی طرح پہچان لو۔ یہاں آئندہ نظر نہ آنا۔ اس لیے کہ اب یہاں اس کا نام آگیا ہے۔“

”لنگہ ہے تم لوگوں کی شامت آگیا ہے۔“  
 جگرا نے اسے ایک طرف دھکیل کر آگے بڑھنا چاہا تو جیلا نے اس کا راستہ روک لیا۔ اب ان دونوں کے اطراف کچھ اور لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔

”سمجھ نہیں آگئی۔“ جیلا نے اسے دوبارہ تڑی دیتے ہوئے کہا۔ ”دایں لوٹ جاؤ۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔“

بات اب جگرا کی برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔ اس نے جیلا کو اٹھا کر ایک طرف بٹھا لیکن اس دوران جیلا کے ساتھی لڑکے جگرا پر پل پڑے۔ جگرا سخت جان فٹس تھا لیکن اسے

سارے لڑکوں سے اکیلا نہیں مٹ سکا تھا۔ وہ ان کے ہاتھوں مار کھانے لگا۔ ہاشم جی اپنی دکان سے یہ مچھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ دارا بھی کھڑا تھا۔ ہاشم کی دکان کے سامنے ہی وہ سب

جگرا کو مار رہے تھے اس دوران لیصل پھر اس کے سامنے بھی جگرا کی مدد کو نہ آ سکے۔ کیونکہ وہ صرف پھرتے۔ لڑنے بھڑنے والے نہیں تھے۔ جگرا انھوں سے چمڑ زمین پر گر گیا تھا۔ دارا

اس کے سامنے آیا۔ لڑکے اب پیچھے ہٹ گئے تھے۔  
 ”اوے ہوئے۔ کتنی مار کھائی ہے میرے بھائی نے۔“

جاسوسی ڈائجسٹ: 125  
 (جنوری 2025ء)

کہا۔ "پوتو چا صاف کرویں دارا کا؟"  
"پہلے ان لوگوں کو اٹھاؤ جنہوں نے تیرا کو مارا ہے۔"  
سردار نے کہا۔ "پہلے اسے تھوڑا تھوڑا پریشان کرو۔ پھر دارا کو  
اس کی اذیت دیکھا جائے گی۔"

"اٹھ جائیں گے۔" شہرود نے مگر یہ نہ سنا گئے  
ہوئے کہا۔ "سب کے بارے میں معلومات تک مل چکی ہیں  
ہمیں۔ دو سال سے اپنے اپنے ٹکڑوں کے شیطانی بیج ہیں۔"  
"جو بھی ہے۔" سردار نے کہا۔ "اب سن کر اور پھر  
دارا کو باقاعدہ بیجوں کے ساتھ پکڑو۔"

"دارا کے حوالے سے میں تو کہتا ہوں کہ ایک ہی کام  
کرتے ہیں۔" شہرود نے مگر یہ نہ سنا گئے پھوڑتے ہوئے  
کہا۔ "خس کم جہاں پاک۔"  
"نہیں۔" سردار نے کہا۔ "ابھی اس کا وقت نہیں  
آیا۔"

"اور ہاشم بی کا کیا کرتا ہے۔ یہ بھی بتا دو؟" شہرود  
نے پوچھا۔

"اس پر چون والے کی اتنی فکشن نہیں مجھے۔" سردار  
نے کہا۔ "دو صرف دارا کے بل پر مائل رہا ہے۔ اس کو تیار  
سے کاٹ دیا گیا ہے۔"

"اس کی بھی ایک ماضی گلو لیتا ہوں جس کا نام ہے۔"  
شہرود نے کہا۔ "سارے کھل جائیں گے۔"

"نہیں۔" سردار نے کہا۔ "اس بڑے کے سناٹے کو  
مجھ پر چھوڑ دو۔ تم اپنی توجہ اور اپنی ساری توانائی اور اپنا  
دماغ صرف دارا پر مرکوز کرو۔"

سردار نے ٹون بند کر دیا۔ دوسری طرف شہرود سوچ  
رہا تھا کہ واقعی دارا میں بڑی ہمت آگئی ہے۔ تیر شامت بھی  
آئی ہے اس کی۔ کہتے ہیں تاکہ تیر کی ماں کب تک خبر  
مٹائے گی۔

☆☆☆

اگلے دن ہاشم بی کے کمرے سے اہر بار اور تیرا ایک  
کار میں موجود تھے۔ قاسم انہوں میں سے کسی نے کمرے سے نکلا  
تو تیرا نے اس کا راستہ روک کر زبردستی کار میں بٹھا لیا۔ قاسم  
جو پہلے ہی گھبراہٹا ہوا تھا اپنے برابر میں پارک دو کچھ کر تو اس  
کے اوسان ہی خطا ہو گئے تھے۔ پارو نے ایک پستول نکال  
کر اس کے پہلو سے نکال دیا۔

"خاموشی سے بیٹھ رہو۔" پارو نے دھمکاتے ہوئے  
کہا۔ "جہاز سے لے کر لپٹا ہے۔"

تیرا نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی۔

جنوری 2025ء

سردار اپنی ہی چیزوں کو زمین  
پر کچر کچاڑا تھا۔ "تو... تو مار کھا کر کیسے آگیا۔ اتنا کمزور تو  
کیسے ہے۔"

"میں سردار۔" وہ کسی لڑکے کے تھے۔ "تیرا نے باپ کی  
سے کہا۔" لڑائی کے ماہر تھے اور میں اکیلا تھا۔"

"تیرا۔" انہوں نے تیر پر نہیں بلکہ مجھ پر ہاتھ اٹھایا  
ہے۔ "سردار کے منہ سے منہ سے جھاک نکل رہے تھے۔  
پارو اسے منہ کا پور کرنے کا کہہ رہی تھی لیکن وہ کسی کی نہیں سن  
رہا تھا۔

"کیسے منہ نہ کروں۔" سردار نے چلا تے ہوئے  
کہا۔ "میرا بھائی ہے۔ یہ۔ اس کا ڈھم میرا ڈھم ہے۔ اس کی  
تکلیف میری تکلیف ہے۔ اس کی گھسٹ میری گھسٹ  
ہے۔"

"بھائی اس دفعہ کی معافی دے دیں۔" تیرا نے  
عامت سے کہا۔ "اپنی بار پھوڑوں کا نہیں ان سالوں کو۔"

"شہرود کو ٹون لگاؤ۔" سردار نے پارو سے کہا۔ "اس  
کے کپڑے دھو دھو اسے رابڈ کر کے نروا۔"

"دلدار سے بھی رابطہ ہو جائے گا۔" پارو نے اس کے  
کاٹھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس بڑے کا نام کا  
ایک اور طریقے سے بھی علاج کر سکتی ہوں۔"

"شہرود سے ابھی بات کر دیا۔" سردار نے کہا۔  
"جہاز سے طرے پر بھی بات کر لیتے ہیں بعد میں۔"

پارو نے شہرود کا تھیرٹا کر فون سردار کی طرف بڑھا دیا۔  
دوسری طرف شہرود بھی سردار کے فون کی ہی توقع کیے  
بیٹھا تھا۔ اسے تیرا والے سناٹے کی اطلاع مل چکی تھی۔

"میں سردار صاحب۔" شہرود نے کہا۔ "جانتا تھا آپ  
کا فون آئے گا۔"

"جہیں کہا تھا کہ دارا کو کھلم کھلا اپنی ہے۔" سردار نے  
دہاڑتے ہوئے کہا۔ "آج دیکھو یہاں تک نوبت آگئی ہے۔  
وہ دو لکے کا کٹن نہ کوا رہا ہے اور تم مجھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے  
ہو۔"

"کیونکہ موت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے۔"  
شہرود نے تلقیناً دعا میں کہا۔ "اب دارا نے حکم کھلا آپ  
کو لکھا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ زندگی سے اس کا دل بھر  
گیا ہے۔"

"صرف ہاتھ نہ بگاڑو۔" سردار نے جھگڑاتے  
ہوئے کہا۔ "تیر کا تھوڑا پہلے ہی کر لیتے تو..."

"کیوں پریشان ہوتے ہیں۔" شہرود نے تسلی سے



قاسم روہا ہوتا ہے ہوئے ہوا۔

”مجھے بتائیں۔ آپ لوگ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں؟“

”میری جان۔“ پارو نے ہچکارتے ہوئے کہا۔

”تمہارے باپ کو بیاد کی بات تو سمجھ آئی نہیں تو یہی کیا۔“

”لیکن۔۔۔“ قاسم نے کہہ کر اپنا ہاتھ پارو نے ہونٹوں پر اٹھائی رکھتے ہوئے اسے خاموش کراتے ہوئے کہا۔

”شش۔۔۔ بس اب زیادہ باتیں نہیں۔ ورنہ جہیں

ہے ہوش کرتا پڑے گا۔“

قاسم کسم کسما اور پھر خاموش ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ان

دلوں نے اسے اغوا کر لیا ہے۔ اب اس کے ساتھ اللہ جانے

کیا ہوگا

☆☆☆

کاٹی دیر ہو چکی تھی۔ اس وقت تک قاسم کو چنگ سے

واپس آچکا ہوتا تھا۔ اپنے بیٹے کے غوا سے بے خبر ہاشم جی

اپنے کمر میں قاسم کو آواز دیتا مگر ہاتھ لگایا تو وہ وہاں ہوتا تو

جواب دیتا۔ آنے والی آفت سے بے خبر وہ قاسم کو تلاش کر ہی

رہا تھا کہ اس کے سوا باقی فون کی بیج فون تھی۔ اس نے افکار

دیکھا تو شش رو رہ گیا۔ اس پر کچھ تصویریں آئی تھیں جن میں

قاسم ایک کرسی پر بندھا بیٹھا تھا۔ ہاشم جی ایک دم پریشان ہو

گیا تھا۔ وہ لڑتے ہاتھوں سے تصویریں دیکھ رہا تھا کہ

اس کے سوا باقی پر کال آئی تھی۔ ہاشم نے جلدی سے فون

اٹھایا۔ دوسری طرف پارو تھی۔

”کیسی لگیں تصویریں؟“ پارو نے حسبِ عادت

اٹھاتے ہوئے کہا۔

”کیا بکواس ہے؟“ ہاشم نے دباؤ سے کی کوشش

کی لیکن اس کی آواز کی لہر دہن نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

”بکواس نہیں ہے۔ غور سے دیکھو تمہارا بیٹا ہے۔“

پارو نے مکاری سے تہہہ لگاتے ہوئے کہا۔

”اس نے تمہارا کیا کیا کرنا ہے؟“ ہاشم جی نے منہ نہ

ہوئے کہا۔

”تمہارا کیا کیا کرنا ہے؟“ پارو نے جواب

دیا۔ ”لیکن تمہارا اس کے باپ کا تو ہے۔“

”کھلی ہو گئی مجھ سے۔“ ہاشم جی نے فوراً کہا۔

”میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔“

”اچھی جلدی بہت پارو؟“ پارو حیرت سے بولی۔

”تم تو بڑے طر مغان بن رہے تھے۔“

”مجھے معاف کر دو۔ جو چاہیے لو لیکن۔۔۔“ ہاشم

جی کڑکڑانے لگا۔

”لیکن ویسے کچھ نہیں۔“ پارو نے سفاکی سے کہا۔

”سرور سے کھرانے کا کچھ انعام تو جھٹکتا ہی پڑے گا نا۔“

”اب۔۔۔ اب کیا چاہتے ہو تم لوگ؟“ ہاشم جی نے

پوچھا۔

”بتا دیں گے۔“ پارو نے ہلکتے ہوئے کہا۔ ”جلدی کیا

ہے۔ پہلے تمہارے بیٹے کی خاطر مدارات تو کر لیں۔“

”میری بات سنو۔ اسے کچھ نہ کہنا۔ دیکھو۔۔۔“

ہاشم بولتا رہ گیا لیکن دوسری طرف پارو نے فون بند کر

دیا اور قاسم سے مخاطب ہوئی۔

”سارے کس بل ڈیٹیل ہو گئے تمہارے باپ کے۔“

”اس کے بس کی بات نہیں تھی۔“ جگرانے جواب

دیا۔ ”بلاوجہ تک اڑائی کی اس نے۔“

”ابا بس چڑائی ہو گئے تھے۔“ قاسم نے اپنے باپ

کی طرف ادائیگی کی۔ ”وہ ایسے آدمی نہیں ہیں۔“

”اب دیکھو نا۔“ جیسے ایک ہی جھگڑے میں زمین پر گر

گیا۔ ”پارو پتے ہوئے بولی۔

”ابھی تو اور مجھے دینے ہیں اسے۔“ جگرانے بھی پتے

ہوئے کہا۔ ”جان سے ہی نہ چلا جائے بڑا۔“

”میرے ابا کو کچھ نہ کہنا۔“ قاسم نے روہا ہوتا

ہوئے کہا۔ ”میں انہیں سمجھاؤں گا۔“

”یہاں سے چھوڑے تو سمجھاؤ گے نا۔“ جگرانے اس

کے ایک ہلکا سا ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

قاسم پریشان بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ اب پتا

نہیں کیا کریں گے۔ اسے کب چھوڑیں گے۔ پتا نہیں

چھوڑیں گے بھی یا نہیں۔ ان کے تہہ سے نہیں نکلنا تھا کہ اسے

اب آزادی ملے گی۔ لیکن اسے خود سے زیادہ ہاشم جی کی فکر

ہو رہی تھی۔ کہیں اس کا باپ کوئی مزید چڑائی قدم نہ اٹھائے

جس کا اسے کوئی نقصان اٹھانا پڑے۔ وہ اپنے باپ کو تکلیف

میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے خود بخود بدشروں میں جکڑا ہوا

تھا۔ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سوائے دعا کرنے کے۔

☆☆☆

دوسری طرف ہاشم جی کو اپنے اکلوتے بیٹے کی فکر

کھائے جا رہی تھی۔ وہ اس کو بچانے کے لیے کسی بھی حد تک

جاسکتا تھا۔ لیکن اس نے اس مزید دارا بدعاش کے بجائے

پولیس کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔ تاہم یہ اگر اس کے بیٹے

کو کچھ ہو جاتا تو دوا دے جاتا۔ برادروں جاتا۔ اسے دوا ایک آج

فیس آنے دینا چاہتا تھا۔ اس وقت وہ قاتلے میں شہرہ کے

جاسوسی ڈائجسٹ 1994 جنوری 2025ء

بھتہ خور

”ارے وہ میرا بیٹا ہے۔ میں تمہارے لیے رقم لے کر آتا ہوں۔“ ہاشمی بے سوچے سمجھے تیزی سے اندر جانے لگا تو اسے پارونے آواز دے کر روکا۔

”سنو! اتنی جلدی کیا ہے ہاشمی۔“

ہاشمی نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ لوگ اور کیا چاہتے ہیں۔ پارونے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”بہتر تو دینا ہی ہوگا۔ اس کے علاوہ الگ سے کچھ اور بھی دینا ہوگا۔“

”کچھ اور کیا؟“ ہاشمی نے انہیں سے پوچھا۔

”دینا چاہیے تو کارڈن والے مکان کے کافٹر بھی لیے آنا۔“ پارونے اپنے مطلب کی بات کی۔

”کیا؟“ ہاشمی اس خلاف توقع بات پر حیران تھا۔

”لیکن وہ تو بہت پرانا ہے۔ میری مرحوم بیوی کی نشانی ہے۔“

”میں نہیں چاہتا۔“ پارونے بڑے ہونے کہا۔ ”کیا تم بڑے لوگ نشانیوں میں ہی پھنسے رہتے ہو۔ جس کی بھی نشانی ہو۔ چتا بھی پرانا گھر ہو۔“

”کیا کوئی اور بات نہیں ہو سکتی۔“ ہاشمی مضطرب۔

”کیسے ہو سکتی ہے۔“ پارونے کہا۔ ”آخر تو تمہارا بیٹا

ہمارے پاس ہے۔ جو تم کہیں کے وہی ہو گا۔ اب یہی طرح

سوچ لو۔“

اس کے ساتھ ہی اس نے ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا

حکم صادر کیا۔ گاڑی جا چکی تھی اور ہاشمی سر پکڑ کر وہی کھڑا

رہ گیا تھا۔ وہ تو مدعا شن کو سستی سکھانے نکلا تھا۔ لیکن اب

انہی کی چال میں پھنس گیا تھا۔ واقعی یہ کام اس کے بس کا نہیں

تھا۔

☆☆☆

دوسری طرف ہاشمی نے جس پر تکیہ کرنے کی کوشش

کی تھی اور جسے اپنے ساتھ لانا چاہا تھا، اس دارا بدعاش کے

حالات بھی کوئی اتنے نہیں تھے۔ کیونکہ وہ سردار سے متاثر

کرنے کے قابل ہی نہیں تھا۔ اس کے ٹھکانے پر اسی کے

بھروسے اب پکیر دلدار کی پولیس پارٹی نے چھاپا مارا تھا۔ دارا

کو پولیس والوں کو اس طرح دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

”شیریت تو ہے؟“ دارا حیرت سے بولا۔ ”آج

اس طرح بین بلائے سہمان کی طرح؟“

”پاکا تھوہ دارنٹ کے ساتھ۔“ دلدار نے اس کے

سامنے دارنٹ لہراتے ہوئے کہا۔ ”وہ بھی تمہاری گرفتاری

جنوری 2025ء: جاسوسی ڈائجسٹ

سامنے بیٹھا دوایا کر تا ہوا آئسوبرا ہار تھا۔ شہروز اسے رقم کے

ساتھ خطرے نظروں سے بھی نہ دیکھ رہا تھا۔

”کس نے کہا تھا تم سے۔ ان کاموں میں دیکھ

اڑانے کو۔“ شہروز نے عمارت سے کہا۔

”تو اور کیا کرتا۔“ ہاشمی نے ٹھوہ کرتے ہوئے

کہا۔ ”آپ لوگوں نے کہا تھا کہ خود ہی اپنا خیال رکھو۔“

”ہاں تو ٹھیک ہی تو کہا تھا نا۔“ شہروز نے جھوٹے

ہونے کہا۔ ”اپنا خیال رکھو اور اپنے بچوں کا بھی۔ اب کیا

کریں۔“

”تو یہی تو کرنا چاہتا تھا۔“ ہاشمی روتے ہوئے بولا۔

”لیکن آپ نے تو اتنا کام کر دیا نا۔“ شہروز نے

جواب دیا۔

”کیا اتنا کام کر دیا۔“ ہاشمی نے کہا۔ ”ایک

بدعاش کو قاتل کرنے کے لیے دوسرے بدعاش کا سہارا لیا۔

یہ بات بھی آپ نے ہی جھانی تھی مجھے۔“

”انتہائی غلط تھا۔“ شہروز نے اطمینان سے کہا۔

”سچی وقت پر درست فیصلہ نہیں کر سکے آپ۔“

”اب میں کیا کروں۔“ ہاشمی مایوسی سے بولا۔

”آپ میری کوئی مدد کریں گے یا نہیں۔“

”ارے بیٹے کس کے لیے ہیں۔ آپ کے لیے۔“

شہروز مسکراتے ہوئے بولا۔

”تو پھر جلدی کچھ کریں۔“ ہاشمی نے تابی سے

بولا۔ ”مگر رتے وقت کا ایک ایک لمحہ اسے کل رہا تھا۔“

”غیر میں کوئی راہ نکلا ہوں۔“ شہروز نے کچھ سوچ

کر کہا۔ ”پہلے ایک بات بتا دوں۔ ابھی لڑکے کی سلامتی

ضروری ہے۔ ان کی ہر بات مانتی پڑے گی۔“

”میں ساری باتیں مالوں گا۔“ ہاشمی نے گردن

چلاتے ہوئے کہا۔ اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی

نہیں تھا۔ اب چتا نہیں سردار اور شہروز اس سے کیا فائدہ

حاصل کرنے والے تھے۔

☆☆☆

جب ہاشمی جی ٹھکانا پارا اور ٹوٹا ہوا اپنے گھر واپس پہنچا تو

گھر کے دروازے پر ہی پارو کی گاڑی کھڑی تھی۔ اسے دیکھ

کر ہاشمی جی اس کے پاس گیا اور گزرتے لگا۔

”میں نہیں سمجھتی تھی کہ یہ تیار ہوں بلکہ یاد دوں گا۔

بہن میرے لیے کچھ چھوڑ دو۔“

”کیوں ساری اکڑ نکلی تھی تمہاری۔“ پارو نے نغوت

سے کہا۔





## بختہ خور

آتی ہے تو ایک لمبے کا وقت نہیں دیتی۔ البتہ موت کسی بھی روپ میں اور کسی بھی ذریعے سے آسکتی ہے۔ چکو نوگ اس کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اپنی ہی موت کو بھول کر دوسرے کی جان لے لیتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ شاید راقی دنیا تک چلتا رہے گا۔

☆☆☆

میں کیوں آئے ہیں۔ ہوا کیا ہے۔ لیکن شیزوادی کی طرف سے اسے کوئی دھتک کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بہر حال اسے معلوم ہوا کہ شیزو کے دیران علاج سے ایک پوری سی کمی جس میں کسی کی لاش بھی موجود تھی۔ یہ سن کر ہاشمی جی کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اس کا سر پکڑنے لگا تھا۔ اپنے بڑے کا تصور کر کے دوشیزا اضرب کا فکارتو ہو جاتا تھا۔

”لاش..... کس کی.....؟“ اس نے بمثل پرچہ کی  
کوشش کی۔

”حالت اس کی کافی خراب ہے۔“ شہزاد نے اسے  
تاما۔ ”منسوخ شدہ ہے۔ اسے شناخت کرنا ہے۔“

”اے... لیکن میرا... کیا تعلق...؟“ ہاشم جی نے

”ہوسکتا ہے کہ آپ پہچان جائیں۔“ شہزاد نے کہا۔  
 ”ممکنہ ہے کہ آپ سرگرمی سے انکار کریں۔“

”یہ..... یہ آپ کیا..... کہہ رہے ہیں.....“ ہاشم جی کا

”آپ کا بیٹا غائب ہے۔“ شہزاد کی آواز اس کے

پارہ..... کہیں.....“

اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ لاش سرد خانے میں ایک جگہ

بڑی مٹی۔ سبز اونے آگے بڑھ کر اس کے اوپر سے سفید گچڑا ہٹایا۔ ہاسم نے لرزے کپکپاتے ہوئے آگے بڑھ کر

انے شاخت کرنے کی کوشش کی۔  
 ”فور سے یکھیں..... آپ کا بیٹا.....؟“ شہزاد نے

اس سے پوچھا۔  
 ”نن..... نہیں..... میرا بیٹا نہیں ہے یہ.....“ ہاشم نے

خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ وہ واقعی اس کا بیٹا نہیں تھا۔ لیکن پھر اس کو ایک اور دھچکا لگا۔ اس نے لاش کو غور سے دیکھا۔

”یہ تو.....“

نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہاں..... دیے

یہ بودار کی لال ہے..... ہے نا.....  
ہاشم جی کی آنکھوں کے سامنے کل کا جیتا جاسا

بد معاش دارا انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔ موت کو بھول جاتے ہیں اور زندگی میں سب کچھ پانے کی

آرزو میں کہاں سے کہاں نکل جاتے ہیں۔ یمن جب موت

”دیکھا کیسا جتنا دیا بڑھے کو۔“ مردار نے گھمنڈ سے کہا۔ ”جگر ایرہا تھا نا مذاق ہے کیا۔“

”بڑھے کو پیغام مل گیا تاکہ آتے کیا ہو سکتا ہے اس کے  
اسنے مٹے کے ساتھ۔“ مارو نے کہا۔

”اور دیکھو دارا بھی کام آگیا۔“ سردار نے کہا۔

”بہت ہوشیار بن رہا تھا.....“ پارو نے اس کی ہاں

”سالا۔“ سردار نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔  
”گتہ کی مصیبت اراگرا“

”اور اب میرا کام شروع ہوتا ہے۔“ پارو نے

”ہاں۔“ سردار نے کہا۔ ”ابھی پہنچ جاؤ اس بڑے

کے پاس۔ شدید لوٹ چکا ہو گا۔۔۔  
 ”دیکھو میں کرتی کیا ہوں۔“ پارو نے منہ بتاتے

ہوئے کہا۔  
اس کو بھی اپنی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ تھا۔ آخر کو

☆☆☆

پارو، جگرا کے ساتھ ہاشم جی کے گھر پہنچی۔ ہاشم جی کا

”دیکھیں ہاشم جی۔ میں خود آپ سے ملنے آئی ہوں۔“

باروے اس کے نزدیک جیسے ہوئے کہا۔ کیا حال ہو گیا ہے؟  
 ہاشم جی آپ کا۔ ظاہر ہے جوان جہان بیٹا خواہو گیا۔"

جاسوسی ڈائجسٹ 168 جنوری 2025ء



## مقتول گواہ

ٹکسن مل

دونوں طرف کے وکیلوں کی کوشش ہوئی ہے کہ اُن کا کلائنٹ کسی بھی طرح بچ جائے... جج عجیب شش و پنج میں ہوتا ہے کہ کس کے خلاف فیصلہ جائے گا... ایک چھٹی ہوئی باری کے فلاح کا کیس... آخری لمحوں میں شکست اس کے قریب آچکی تھی...

قتل کی سنگین واردات کا مقدمہ جس کے گواہ مقتول ہو چکے تھے

نظارہ رکھو سا آدھی گواہوں کے کنبہ سے میں کھڑا  
 تھا۔ اُس کی انگلیاں ہالی کی گرہ کو سہارے تھیں۔ دو روٹی کا  
 ٹیکریٹ تھا۔ وہ دوسرے آدھی کے ساتھ سڑک پارٹی  
 روٹی کے کمر میں سوچ رہا تھا جس رات روٹی کا ٹیکر ہوا۔  
 میں نے کنبہ سے میں کھڑے قتل سے سوال کیا۔  
 "کیا روٹی نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ ظلم کے خلاف  
 اس کے پاس شہر کا پتہ اور سوچو رہا تھا؟"

جی ہاں تھا۔ اس نے میری طرف دیکھے، البتہ سوال

جواب دے گا۔ ڈائجسٹ



الوہی کی گھر گراہم۔ وہ دونوں ایک فوٹی کے لیے متعلقہ بن کر ابھرے۔ گراہم نے فوٹی کے خلاف خامے جو بت بن کر لیے جو سزا موت دلوانے کے لیے کافی تھے۔ فوٹی کے ساتھ چھ عدد بڑے اور معزز افراد کے گرد بھی گھیرا تنگ ہو گیا تھا۔ لہذا ڈان روٹی کو راستے سے ہٹانا ناگزیر ہو گیا۔

فوٹی بھر بانڈرہیت کا مالک تھا۔ وہ سوچنے میں وقت ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ خود کو بتاتا تھا، ساتھ ہی چھ حصول افراد کے تحفظ کے لیے فوٹی نے چار افراد سے مزید رقم لٹا لی اور ہنری کے ذریعے روٹی کا پتا صاف کر دیا۔ علاوہ ازیں سیف سے ثبوت غائب کرنے تھے اور گراہم کا علاج بھی ضروری تھا۔ سب سے بڑا سوال یہی تھا کہ گراہم کہاں تھا؟ گراہم ذرا حد آدمی تھا جس کے ذریعے فوٹی کی گردن تالی ہا سکتی تھی۔

کیا گراہم کو بھی خرید لیا گیا تھا؟ میرے خیال میں یہ ممکن نہیں تھا۔ کیا وہ خود روپوش ہو گیا تھا؟ میں بے خبر تھا۔

میں باخبر ہوتا تو بات یہی کہتی۔  
نی ایل ال۔ ایک مرد رکیس تھا۔ بظاہر صاف سترا اور بے دارغ۔ لگ رہا تھا کہ فوٹی صاف بچ کر کل ہائے گا۔ میرے انداز سے کے مطابق چوری کو بھی خرید لیا گیا تھا۔ یہ انداز مجھے ٹرائل کے دوسرے روز ہی ہو گیا تھا۔ فوٹی پاس کے کسی دوست سیاست دان سے بیٹھنے میں بیٹھ مارٹن کو شامل کر لیا تھا۔ بچ، فوٹی کو تحفظ یں فراہم کر رہا تھا جیسے یہ اس کی قانونی ذمہ داری تھی۔ وہ اصول و ضابطہ کو کٹے سرے سے لکھ رہا تھا۔

گراہم کی غیر موجودگی نے گویا مجھے بے دست دیا کر دیا تھا۔ میں کوشش کر رہا تھا لیکن دارغ چلا رہا تھا کہ گراہم کو گواہ کے کٹھن میں ہونا چاہیے۔ لیکن کیونکر؟ اگر گراہم ہوتا تو وہ فوٹی کے خلاف ملحق کے مل دیا جاتا۔ جب تک خلاف اسے وہاں سے سمجھتے کہ نہ کا لیکن حاضرین میں لیئے، رہ پر رفر کے کالوں میں بھی جاتی اور شہر میں پھیل جاتی۔ محام جان ہاتھ کے ان کے خوبصورت شہر میں کیا ہوتا رہا ہے اور اس وقت کیا ہوا ہے۔ گرم خبروں کے چائے رسائیں بات کا بچھو بنا رہے۔ ایک آگ کی لگ جاتی۔ ممکن تھا کہ کچھ موت ابھی تک گراہم کی ذاتی تحویل میں ہوں۔

جب روٹی کا قتل ہوا تو اس رات گراہم ڈسٹرکٹ انٹاری کے گھر پر دوسرے کمرے میں موجود تھا۔ قاتل کی

رد کر دیا۔ پورے ٹرائل کے دوران میں بھی رویہ اختیار کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی وہی دفاع لوہوک نے "آپلیکیشن" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ حسب معمول بچ نے لوہوک کا ساتھ دیا۔ تو یہ تھا انداز عدالت، انصاف کا۔ باہر عمارت کی پیشانی پر خاتون کا ملائی نشان تھا۔ خاتون کے ہاتھ میں ترازو تھا جس کے دونوں بازو برابر تھے۔ اگر وہ بے روح نہ ہوتی تو بلاشبہ ہنس رہی ہوتی۔ کورٹ کے اندر جیسے طے شدہ ڈراما کھلایا جا رہا تھا۔

بچ کے حمایتی انداز پر لوہوک مسکراتا ہوا واپس بیٹھ گیا۔ پیش باکس میں موجود ہنری بھی خفیف انداز میں مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ نے مجھے مشتعل کر دیا۔ مشتعل ڈسٹرکٹ انٹاری روٹی میرا بیٹھ تھا۔ میرے دماغ میں ٹپک و شہیے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ میں پر خرابی آگاہ تھا کہ روٹی کو قتل کرنے والا ہنری ہی تھا۔ ڈسٹرکٹ انٹاری کی وہ شخصیت تھی جس کی عزت میں پریش کی کرنا تھا۔

☆ ☆ ☆  
میک فوٹی ایک کامیاب شخص کا نام تھا جس نے اپنے کام اور صلاحیتوں سے نام کے ساتھ مال بھی بنایا تھا لیکن یہ بات بھی زیادہ وہی چھپی نہیں تھی کہ فوٹی کیس لینے میں میرٹ کو ترجیح نہیں دیتا تھا۔ اس کی اولین ترجیح دولت اور اثر و رسوخ ہوتا تھا۔ وہ ایسا ہر کیس پکڑ لیتا جو غلط ہونے کے باوجود موٹی رقم وصول کرنے کا ذریعہ بناتا تھا۔ تائیں کلکس، ججاری، ذریعہ زمین تحفوں کے لیے بھی کھڑا ہوجاتا۔ جہاں سے موٹی رقم کا آسرا ہوتا، وہ تیار ہوجاتا۔ دولت کے ساتھ اثر و رسوخ بڑھتا گیا۔ وہ تو سے فیصد سے زیادہ کیس جیت کر دکھاتا۔ ایسے نتائج حاصل کرنے کے لیے فوٹی کے پاس تین اہم کارڈ تھے۔ اس کی اپنی صلاحیت، رقم اور اثر و رسوخ کے لیے ہاتھ۔ وہ لوہڑی کی طرح ہتکار اور ہتک سانپ کے مانند ڈہریلا تھا۔ اس وقت بھی وہ کورٹ میں موجود تھا۔ چہرے پر مطمئن مسکراہٹ تھی۔ وہ نظام عدل کی پیشانی پر ایک بڑا دارغ تھا۔ بعض سیاست دان بھی اپنے مفاد کے لیے فوٹی کے اشاروں پر تاپنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

پھر چانک دو باقی ایک ترمیم کے ذریعے ڈان روٹی ڈسٹرکٹ انٹاری کے دفتر میں تعینات ہوا۔ وہ ایک مختلف آدمی تھا۔ اسے خریدنا نامکن تھا۔ فوٹی کی کہ پٹیم کے مفادات پر کو با ضرب لگی۔ پھر بھی روٹی تن عجیب بڑا خطرہ نہیں بن سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ گراہم تھا۔ انوکھ

جاسوسی ڈائجسٹ: 100 جنوری 2025ء

آواز پر اس نے بھاگتی ہوئی کاری جھلک کھڑکی سے دیکھی تھی۔ وہ گاڑی فونی کی گئی۔ لیکن گراہم غائب ہو چکا تھا۔

میری مٹھیاں از خود ہینچ گئیں۔ میں نشتوں کی طرف دیکھنے سے اجتناب برت رہا تھا جہاں دوسروں کے ساتھ میک فونی بھی بیٹھا تھا۔ پچاس ہزار یا لاکھ ڈالرز فونی کے نزدیک ایک حقیر رقم تھی لیکن اتنا پیسہ کبھی عام آدمی کا دل بدل سکتا تھا۔ حتیٰ کہ گراہم بھی لاکھڑا سکتا تھا، لیکن میرا دل نہیں ہانتا تھا کہ رقم کے عوض گراہم جیسا آدمی رونی کے ساتھ دغا کر سکتا تھا۔

کبیس سے پھانے کے لیے ڈالرز تو مجھے دکھائے گئے تھے اور مجھے ڈالرز کی ترتیب میں بھیجی طاقات کا اندازہ ہو گیا تھا لیکن اگر میں رونی کے قاتل سے رشوت قبول کر لیتا تو پانی مانہ زندگی آجیئے کے بغیر گزارتا، لیکن گراہم کے ساتھ کیا ہوا۔۔۔۔۔؟

☆☆☆

رونی پر استعمال ہونے والا ہتھیار کھڑکی کے ذریعے اسٹری میں پھینک دیا گیا تھا۔ وہ ایک پرانا آرمی آٹو پینک کولٹ تھا۔ ایسے ہتھیار لاکھوں کی تعداد میں سینٹر پھر کیے گئے تھے۔ کولٹ کو ملٹریس کرنا ناممکن تھا۔

عملی تھانے کے طور پر کولٹ پہلے ہی بطور اپوی ڈنشن موجود تھا۔ میں نے ہتھیار اٹھایا اور گواہ کے کٹہرے میں موجود ہنری کو دکھایا۔

”جب تم نے فائر کی آواز سنی اور متوکل کی اسٹری میں گئے، اس وقت یہ گین کہاں تھی؟“

رونی کے بیکریٹری نے فیلچے ہونے پر زبان پھیری، فرش کی طرف دیکھا اور کہا۔

”میں نے دیکھا کہ گین مسٹر رونی کے ہاتھ میں تھی۔“  
لہجہ بھر کے لیے مجھے جھوٹا لگا۔ میں ساکت کھڑا گواہ کو تک رہا تھا۔ کورٹ روم میں سرگوشاں بلند ہو گئیں۔

ڈراما مکمل تھا۔ رونی کا سیکرٹیری بھی بیک چکا تھا۔ جوائن کل کو خود کئی کارنگ دینا چاہتے تھے۔ میرا گواہ مجھے ہی ناک آؤٹ کر رہا تھا۔ اس کے جوابات میری پوزیشن کمزور کر رہے تھے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ مکمل غیر متوقع تھا۔ خود میرے لیے بھی۔ میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔ میرے ساتھ جسم نے دفعتاً حرکت کی۔ میں نے دو قدم بڑھائے۔ میرا گھونٹا گواہ کے چہرے پر لگا۔ وہاں شور مچ گیا۔

جج مارش اپنا ہتھوڑا اٹھ رہا تھا۔ وکیل لو بوک کھڑا ہو کر جج رہا تھا۔ دو عدد ویلٹ مجھے پکڑ کر پچھتے محسوس رہے تھے۔ فونی کے ہونٹوں پر ناخاناہ بار یک مسٹر اہٹ تھی۔ اس وقت اگر مجھے موقع ملتا تو میں اس کا گلا گھونٹ دیتا۔ میں آپے سے باہر ہو گیا تھا۔

میں جج کے حوصلہ شکن کوشش کے لیے تیار تھا۔۔۔۔۔  
خٹھر تھا۔ اُمید ختم ہو گئی تھی۔ معافی مانگی اور میں کچھ بولا۔ میں خاموش کھڑا تھا۔ اداس، ناکام اور کھٹکے خوردہ۔ ہتھیار پھینکنے کے لیے تیار تھا۔ فائیت ختم ہو گئی تھی۔ میری حرکت تو غیر متوقع تھی لیکن اب جو ہوا، وہ کسی کے وہم و گمان میں نہ تھا۔ کورٹ کی جتنی مٹھوں میں بائبل ہوئی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا اور دنگ رہ گیا۔ میری سٹی کے اوپر دنگ ترے لگی۔ ایک دراز قامت آدمی خود ابر ہوا۔ اس کی چال غیر فطری تھی۔۔۔۔۔ رڈیوٹ کے مانند۔ دونوں ہاتھ سیدھے تھے، پہلوؤں میں سختی سے تے ہوئے تھے۔ وہ چل رہا تھا لیکن ٹانگوں میں ٹپک متفرد تھی۔ گاہے گاہے اس کا دایاں یا بایاں گھٹنا زیادہ مڑ جاتا تھا۔ وہ نشتوں کے درمیان راستے سے آگے آ رہا تھا۔۔۔۔۔ گراہم۔۔۔۔۔ شون گراہم!

اس کی نگاہ مجھ پر نہیں تھی۔ وہ کسی کو بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سیدھا گواہ کی کرسی پر گیا۔ کرسی کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے اور دیر سے سے بیٹھ گیا۔ آنکھیں میوڑی ہوئی تھیں، چہرے کا رنگ پیکا تھا۔ وہ تھا گواہ کمالی دے رہا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا، وہ تھا ہوا نہیں تھا۔۔۔۔۔ بہت زیادہ تھا گواہ لگ رہا تھا۔ پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ اس کے پورے چہرے پر بیسنے کی ایک مہین سی تھی۔ وہ دراز قامت کڑیل جتان تھا۔ میں اس کی حالت مجھے میں ناکام رہا۔

لو بوک کا چہرہ لنگ گیا تھا اور فونی کی آنکھیں ملتوں سے اٹلی پڑی تھیں۔ دونوں پر جیسے سیکسٹاری ہو گیا۔ جیسے انہوں نے گراہم کو پیسے دے کر فریاد بھیجا تھا اور اب اسے وہاں دیکھ کر بد چلاں تھے۔ میں سمجھ گیا کہ گراہم کا وہاں آنا ان کے خواب و خیال میں نہ تھا۔ میری شریاٹوں میں لہو کی گردش طوفانی تھی۔

میں بیانی کیفیت میں تھا۔ یہی کچھ کرنے کا وقت تھا۔ جج بھی حیران تھا۔ اس سے پہلے کہ دو جوائن عدالت کی کارروائی کرتے ہوئے مجھے اٹھا کر باہر بھگانے کا حکم جاری کرتا۔ میں نے اوپر تلے کی ابتدائی سوال گراہم سے کیے۔

گراہم کی بے رنگ آنکھیں اور غالی کندھوں سے  
اندھ نظر آ رہی تھیں۔ غالی بے رنگ آنکھوں کی آواز  
صاف کی اور جتنی ہولی گئی تھی اسی اندھی۔  
"فولی نے فائزہ کیا۔ اس طرح۔"

کورٹ روم میں دھماکا ہوا۔ میں نے دیکھا کہ فولی کی  
پاک کے اوپر ایک سرخ دائرہ نمودار ہوا اور فوان سے  
بہر گیا۔ یہ کڑا کڑی گیلی تھیں اور وہ ہوا جس میں چم سے چم  
حیرت نظر آئی تھی۔ پھر وہ منہ کی لٹائیں کھلی چم اور دم  
ہو گیا۔ جیسے روٹی ادا کیا تھا۔

کوئی عورت ملحق کے مل بیٹھی تھی۔ بیشتر المراد بیروں  
کے بچے جاتے تھے۔ جیوری جینے کی کوشش کر رہی تھی۔ ش  
بازوں کا حضور انشا میں خاور اور گویا بوند ہو چکا تھا۔  
لوہک روشت کے عالم میں اپنے مرد و عورت کو دیکھ  
رہا تھا۔

گراہم نے گن گرا دی۔ گولٹ کے فرش سے کمرانے  
کی آواز آئی۔ اس کے چہرے پر ہینتا بڑھ گیا تھا۔ رنگت  
ہادی ہو رہی تھی۔ پہلی مرتبہ میرے دماغ میں ٹھنک اور اپنی  
احساس بیدار ہوا۔ گراہم کے سینے سے آگودہ پیکے چہرے  
پر پہلی کی عجیب مسکراہٹ نمودار ہوئی جس میں ناقص رنگ  
نمایاں تھیں۔ اس کے پاس گولی تھی جس نے آگہ بپا کر پتا  
نہیں کب جیبر میں ڈال دی تھی۔

میں لپک کر ادا رہی تھی۔ اس کا ادا بڑا بڑا۔  
"وہ ٹھنک جاتے تھے کہ میں گواہی دوں۔" اس کی  
آواز کمزور ہو گئی تھی۔ "انہیں نے مجھے ایک کو دام میں قید  
کر دیا تھا۔"

"گولڈارڈ، میں احم نے مراد کر دیا۔ تم نے فولی کو کل  
کرتے نہیں دیکھا تھا؟"

گراہم کھانے لگا۔ "نہیں، لیکن میں نے اسے کسی  
اور کوئل کرتے دیکھا تھا۔ آج کو دام میں۔"

میں نے گراہم کی بھیجی بھیجی آنکھوں میں دیکھا۔  
"کس کو؟" میں نے آہستہ سے سوال کیا۔

"مجھے۔" گراہم نے سر کوئی کی۔ وہ آگے بھاگا اور  
کری سے گر گیا۔ وہ فرش پر پرت لیتا تھا۔ اس نے اور

کچھ نہیں کہا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ بکھو اور کہنے کے  
قابل ہے۔ کرنے پر اس کا کوئل مکمل کیا تھا۔ سلیڈ فیس  
خون میں پس گئی ہوئی تھی۔ پتے کے قریب فیس میں گولی کا  
سوراخ تھا۔

❖❖❖

[جلد 5 ویں 2025ء] جاسوسی ڈائجسٹ

اس نے معقول لیکن مختصر جواب دیے۔ اس کی آواز بھی کچھ  
بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔

اب میں نے پرائے آری کورٹ اسے دکھایا۔ گراہم  
نے آگہ آگے کیا۔ میں نے کورٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔  
"کیا تم اسے پہچانتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

گراہم نے آہستہ سے ہتھیار الٹ پلٹ کر دیکھا۔  
کورٹ روم میں بلا کا سا ناخوشا۔ وال کلاک کی ٹپک ٹپک۔ ٹپک۔ ٹپک۔ ٹپک۔  
دے رہی تھی۔ وہاں قدامت آنکھیں گراہم پر تھیں۔ اس نے غالی  
چیجر کھول کر دیکھا اور کورٹ کو دیکھا کہ گواہ پھر مجھ پر نظر آئی۔  
"یہ وہ ہتھیار ہے جس نے مسٹر روٹی کی جان لی  
تھی۔"

"جب فائزہ ہوا تو تم کہاں تھے؟"  
گراہم نے پلک چپکے بغیر مجھے دیکھا۔  
"میں نے اسی وقت مسٹر روٹی کی اسٹڈی کا دروازہ  
کھولا تھا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" میرے دماغ میں لوہک کی آواز  
گونجی۔ میں نے گہری سانس لی اور انتظار کیا لیکن لوہک  
خاموش تھا پھر مجھے احساس ہوا کہ لوہک وقت لے رہا تھا۔  
ساتھ ہی مجھے شک ہوا کہ گراہم کے دماغ میں کیا ہے۔  
فائزہ گراہم کو احساس ہے کہ سب ہی دفاع کے حق  
میں جھوٹ بول چکے ہیں تو وہ استغاثہ کو جھج بول کر کیا کر لے  
گا۔ میرے ہاتھ سرد ہو گئے۔

کیا گراہم کب بچا ہے؟ کیا وہ گراہم نے بھی مراد  
کو خود بھی تیار کر دینے کی کوشش کی؟

میرا ملحق خشک ہونے لگا۔ میں نے اگلا سوال کیا۔  
"پھر تم نے کیا دیکھا؟"

لوہک اور فولی تناؤ کی کیفیت میں آگے کی طرف  
جنگے۔ وہ گراہم کو گھور رہے تھے۔ بیچ مارش بھی پلٹن میں تھا۔  
گراہم کی نظریں کوسل ٹیبل سے کوئی بھی ہولی فولی پر جم گئیں۔  
"میں نے وہاں فولی کو کوئی کھڑکی کے پاس کھڑے  
دیکھا۔ یہ گن اس کے ہاتھ میں تھی۔ گن کا رخ روٹی کی  
طرف تھا۔ اس طرح۔"

گراہم نے کورٹ اٹھایا۔ اس کا رخ فولی کی طرف  
کیا۔ فولی کا منہ مکمل کیا۔ برسوں میں پہلی مرتبہ میں نے مکمل  
لوہک کو کوئی حالت میں دیکھا۔ اس کی گردن اٹری ہوئی  
تھی۔ یوں لگتا جیسے وہ کرسی سے چھلنے والا ہے۔

گراہم کے ڈرامائی اعزاز نے وہاں ہر ایک کو  
شعور کر دیا تھا۔ میں نے دیکھا۔



# دماغی فتور علی عباس

شہرت اور عزت قسمت کی دین ہیں... کسی کسی کے حصے میں  
شہرت بھی آتی ہے... اور عزت بھی... مگر زندگی روٹھ جاتی  
ہے... ایسے ہی تین مشہور افراد کی گفتگو کا معاملہ... ہر جگہ  
ان کی تلاش جاری تھی... مگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ہر  
دفعہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا... مگر سراسر افسانہ لہن اس  
مسئلے کو حل کرنے کی جستجو میں الجھے ہوئے تھے...

دماغی فتور میں مبتلا ذہن کی بحرمانہ کارروائی کا عجیب ماجرا.....

میں آج کچھ نہ کر کے بھی چکا تھا، اور پوچھل ہیں  
محسوس کر رہا تھا جس کا اکتھار سب سے پہلے میری زوجہ نے کیا۔  
”میر صاحب، ساری رات گھوڑے بیچ کر سوتے  
رہے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بہت ست دکھائی دے رہے  
ہیں۔“ پھر چہرہ دوسری طرف کر کے گویا مجھے سنار ہی ہو۔  
”ایک مجھے دیکھیے صبح سات بجے سے ایک پاؤں پر کھڑی  
کام کر رہی ہوں۔“  
”کچھ نہیں۔“ میں نے اکتا ہٹ سے جواب دیا۔  
”کیا کچھ نہیں؟“ اس کے لہجے سے میں یہ جان گیا  
کہ اپنی صفائی میں کچھ کہا تو لائی بڑھے کی سوغا محسوس رہا۔  
”یوں لے کیوں نہیں؟“ ایک تو آپ سے بات کرنے کا  
کوئی فائدہ ہی نہیں۔ ایک دن پٹنی کا ہوتا ہے اور وہ آپ  
سوکر، یا اپنی مطالعہ گاہ میں اپنی آرام کرسی پر گہری سوچوں  
میں گم گزار دیتے ہیں۔“  
”یوں لے ہی جاؤ گی یا چائے بھی لاؤ گی؟“ میں نے  
اسی طرح بیزار لہجے میں کہا۔  
”آپ کو تو میرا کوئی خیال ہی نہیں۔ جانتے ہیں دن  
کا کیا وقت ہو رہا ہے؟“  
میں نے گہری کی طرف دیکھا تو اپنی زوجہ محترمہ کے  
غصے کی وجہ مجھ میں آگئی۔ دن کے گیارہ بج رہے تھے۔  
”جی، جی۔“ میں نے مندرت فرمانہ لہجے میں کہا تو  
وہ منہ بدورتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ میں جانتا تھا کہ میری  
جاسوسی ڈائجسٹ (170) - (جنوری 2025ء)

خاموشی نے ایک بار پھر مجھے سجالیا تھا۔  
میں نے اکتا ہٹ سے وائش روم کا رخ کیا۔ دایس  
لونا تو دیکھا، ساڑ بھیل پر چائے اور آج کا اخبار رکھا ہوا  
تھا۔ اخبار پر ایک اچھٹی سی نگاہ ڈالی اور چائے پینے لگا۔ چینی  
کے بچھر چائے ایسے ہی ہے جیسے اکتھار کے بغیر محبت کیے  
پائے۔ لیکن کیا نیچے دیا بیٹیس کے مرض میں مبتلا ہونے کے  
بعد بھی کبھی تو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ چائے کی طرح  
زندگی بھی چٹکی چٹکی سی ہوتی ہے۔ اسی کیفیت میں اخبار کی  
شرخیوں پر نظر ڈالی۔ صفحہ اول کی معمول کی خبریں۔ سیاسی  
بیانات، الزامات اور جوابی الزامات۔  
میں نے ہزار بار یہ سوچا تھا کہ مجھے کبھی ایڈیٹر شپ ملی  
تو صفحہ اول پر بیانات تو بھی نہیں چھاپوں گا مگر کیا کیجیے نہ  
ایڈیٹری لی نہ پڑھنا پڑا ہو گا۔  
میری دوپٹی ویسے بھی زیادہ کرائم کے صفے پر رہی  
ہے۔ میں نے کرائم کا صفحہ گھولا تو اس میں بھی کچھ خاص نہیں  
تھا۔ غرض یہ کہ پورا اخبار ہی ایک نظر میں پڑھ ڈالا۔  
”میر صاحب، ناشا لگا دوں یا آج روزہ ہی رکھ  
لوں؟“ میں چٹک کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ بیگم صاحبہ ہمیشہ  
میرے ساتھ ہی ناشا کرتی ہیں اور یہ بات میرے ذہن  
سے کھل گئی تھی۔ شاید بے وقت بڑھا یا کیا تھا یا میں واقعتاً  
بڑھا ہوا گیا تھا۔ کچھ بھی تھا۔ میں ناشے کی میز پر آ گیا۔ ناشا  
کرتے ہوئے ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ زوجہ

مختر نے ہمیشہ کی طرح مجھ سے یہ گلہ کیا کہ میری تھوڑی سی  
تجوا میں گھر چلانا مشکل اور ہے۔  
میں اب اس اللہ کی بندگی کو کیا سمجھاؤں کہ اخبار کی  
ذکر کی ایسے ہی جیسے جنرل میں کسی قیدی کو ڈی کلاس کی  
ہو۔ لی وہی پہنچنے کے آنے کے بعد تو اور بھی بُرا حال ہو گیا  
ہے۔ میں جانتا تھا کہ زوجہ مخترمہ جسے میں ہیں تو اسی میں  
عاقبت جانی کہ اپنی مطالعہ گاہ کا رخ کروں اور مارکیٹ کے  
بادل "تجائی کے سو سال" میں بونسدا خاندان کی سرگزشت کو  
کھل کروں۔  
"ہم بھی دائروں میں ہی ستر کر رہے ہیں۔" میں نے  
خود کلائی کی تو زوجہ مخترمہ حیرانی سے میری طرف دیکھنے لگیں  
گو یا مجھ پر کسی آسیب کا سایہ ہو۔  
میں آرام کر ہی پریشانی تھا کہ میری زوجہ مخترمہ  
نمودار ہو گئیں اور روز کی طرح ایک ہی بات دہرائی۔  
"میر صاحب، ہزار بار کہا ہے، ناشتے کے بعد چہل  
قدی کر لیا کریں لیکن مجال ہے جو آپ کسی کی سن لیں۔" اس  
نے جسے سے دروازہ بند کیا تو میرے چہرے پر پھینکی سی  
مسکراہٹ دوڑ گئی۔  
میں نہانے کتنی ہی دیر پڑھتا رہا۔ بونسدا خاندان کی  
کہانی نے مجھے اپنے سحر میں لے رکھا تھا۔ چند صفحات ہی رہے۔



”میر صاحب، ایک تو آپ کے موبائل کے مسائل کبھی حل نہیں ہوں گے۔ گھر پر کال کر رہا تھا تو ہر مصرف جا رہا تھا، ناچار حاضر ہونا پڑا۔“

”یاسر صاحب، بچہ بی دالے دن تو چند لمبے اپنے ساتھ گزار لینے دیا کیجیے۔“

”دیکھیے میر صاحب، سہانی کی تو کوئی چھٹی نہیں ہوتی۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔“

”اوہ، میں بھول گیا تھا۔“ میں نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے طنز اُکھا کہا کیونکہ میں جانتا تھا کہ یاسر صاحب بچہ مطلب کے تو بھئی اپنے گھر میں نہ جائیں۔

”آپ جانتے ہی ہوں گے سہیل خان کو انوکھا کر لیا گیا ہے؟“ انہوں نے میرے طنز پر لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”جی۔ میں نے خبر دیکھی تھی۔“ میں نے سرد مہری سے جواب دیا۔

”لیکن آپ غافل نہیں جانے کہ جواد حسن کا بھی کل رات سے کچھ اتنا پتا نہیں چل رہا۔“

”کون جواد حسن؟“ حیران ہونے کی باری اب میری تھی۔

”جواد حسن۔ جو ان سائنس داں۔“

میں مسوئے سے اچھل پڑا کو یا مجھے کرٹ لٹا ہو۔

”لیکن میں نے تو یہ خبر میڈیا ویژن پر نہیں دیکھی؟“ میں نے استفسار کیا۔

”یہ حساس معاملہ ہے اور مجھے میرے ذرائع سے کچھ دیر پہلے ہی یہ خبر ملی ہے۔“

”تو آپ کو آپ کے ذرائع نے یہ نہیں بتایا کہ جواد حسن کا انوکھا کس نے کیا ہے؟“ میں نے طنز پر لہجے میں کہا۔

”یہ خبر سرپرست ٹاپ سیکرٹ ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس خبر پر کام کریں۔“ یاسر صاحب نے ایک بار پھر میرے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدہ صورت بناتے ہوئے کہا۔

”آپ سپر حایہ کہیے کہ میں جواد حسن کو تلاش کرنے میں آپ کے ذرائع کی مدد کروں۔“

”میر صاحب، مجھے آپ ایسا ہی سمجھ لیجئے مگر آج سہیل خان کے انوکھے خبر تو آپ سن ہی چکے ہوں گے؟“

”جی سن چکا ہوں۔“ میں نے دکھائی سے جواب دیا مگر جب یہ دیکھا کہ اس گفتگو کی وجہ سے چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے تو آداب میزبانی کے پیش نظر یاسر صاحب کو مخاطب

بھی لے رہا تھا کہ ان کا چیتل سب سے پہلے یہ بڑی خبر بریک کر رہا ہے۔ میں نے چیتل تبدیل کیا تو اس پر بھی کبھی خبر چل رہی تھی اور ایسا ہی سے سر دیا دعویٰ کیا جا رہا تھا۔

سہیل خان نے چند برس قبل کا روبرو شروع کیا تو جلد ہی اس کا شمار ملک کے اہم ترین برنس میگزین ہونے لگا تھا۔ اس نے کچھ عرصے سے مونیٹریشل نیچرز بھی دینے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ کہنے کو وہ یہ کام خدمتِ وطن کے لیے کر رہا تھا مگر ایک بار مجھے ایک کوئیگ نے بتایا تھا کہ وہ ایک مونیٹریشل نیچرز کی اچھی خاصی بھاری فیس وصول کرتا ہے تو میں حیران اس کی بھی ہو رہا تھا کہ اس کے ایک نیچرز کی فیس میری سال بھر کی تنخواہ سے زیادہ تھی۔ تیس سال ہوئی اور مطابق، اس کی عمر زیادہ سے زیادہ تیس، پتیس سال ہوئی اور وہ غیر شاہی شہرہ تھا۔ میری اس خبر میں زیادہ دل چسپی اس لیے نہیں تھی کہ ان دنوں مونیٹریشل نیچرز ایسی حرکتیں کیا کرتے تھے۔ وہ کیا کہتے تھے، پاپو لیریٹی اسٹنٹ۔

میں دوبارہ اسی اکاؤنٹ سے اٹھا اور کتاب کھول کر پڑھنا ہی شروع کیا تھا کہ دروازے پر دنگ ہوئی۔

دروازے پر غیر متوجہ طور پر خان کھڑا تھا۔

”میر صاحب، یاسر صاحب دروازے پر کھڑے ہیں۔“

”کون یاسر۔“ میں نے چنکتے ہوئے پوچھا۔

”یاسر حبیب صاحب۔“ اس نے حیرانی سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”آج چھٹی کے دن۔ اس سے کہو میں گھر پر نہیں ہوں۔“

”وہ، وہ، ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ وہ کہتے ہیں، نہ کہ مشکل جاکر نہیں آئی تو یاسر حبیب کا معاملہ بھی یہی ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ موصوف میرے اخبار کے مدیر ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اتوار کے روز میں کسی سے ملاقات نہیں کرتا تو اس لیے ان کی اس بے وقت آمد نے مجھے اپنے پیٹ پر ڈال دیا تھا۔

میں نے خان محمد سے کہا کہ وہ یاسر حبیب کو چائے واٹے پوچھے۔ میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔ چند ہی لمحوں بعد جب میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو دیکھا کہ یاسر حبیب مضطرب اور بے چین تھے۔

”جی یاسر صاحب، آپ اور میرے غریب خانے پر؟“ میں نے معنوی حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے استفسار کیا۔

جاسوسی ڈائجسٹ 2025



”آپ کا خیال ہے کہ سبیل خان کے ذریعے جواد حسن کے انوکھی کٹی لٹھائی جاسکتی ہے؟“ میں نے استفسار کیا۔

”جی ہاں، آپ نے مدنی مدد دست کہا۔“ یاسر حبیب اب قدرے مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔

”مگر یہ تو پولیس کا کام ہے کہ وہ اس معاملے کی کھوج کرے۔“ میں نے جڑ بڑھوتے ہوئے کہا۔

”ہے تو پولیس کا ہی کام مگر آپ ہمیشہ پولیس کے معاملات میں ناگ اڑاتے ہیں تو ایک بار اور کہیں۔“ انہوں نے اس بار مجھ پر چوٹ کی تو میں کہاں چپ رہنے والا تھا، بردست کہا۔

”اور آپ ہمیشہ اپنے ذرائع کی مدد سے آدھکتے ہیں۔“

وہ میری اس بات پر زبردست مسکرا دے کیونکہ وہ میری بات کا عین اسطورہ معلوم جانتے تھے۔ ان کے ذرائع وہ غیر ادارے تھے جن کے لیے بہت سے صحافی بے لوث ہو کر کام کرتے ہیں۔

”دیکھئے، ذرائع کی مدد سے ہٹ کر یہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے۔ جواد حسن کا انوارات دس بیچے کے قریب ہوا تھا اور اس وقت درجن رہے ہیں۔ سولہ گھنٹے گزرنے کے باوجود ان کے انوکھے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔“

میرے تمام حواس بیدار ہو چکے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھ سے میں جو قبضل پن محسوس کر رہا تھا اب یکثرت ختم ہو گیا ہے اور میں ایک دم تازہ دم ہو گیا تھا کو کیا کسی سنسنی کے انتظار میں تھا۔

”میر صاحب، مجھے اجازت دیجیے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس خبر پر کام کریں گے اور سبیل خان کے انوکھے کی کٹی کو ضرور سلجھا دیں گے۔“ یہ کہتے ہوئے یاسر حبیب صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں ان کو دروازے تک چھوڑنے گیا تو ان دونوں واقعات کو مکمل ایک دوسرے سے شلک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سچ کہوں تو مجھے اپنی اہمیت کا اعزاز وہی ہو رہا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ اس سے کل مجھے ایسے معاملات میں نہیں گھسیٹا گیا تھا مگر یہ پہلی بار تھا جب براہ راست میری مدد طلب کی گئی تھی۔ یاسر حبیب ہمیشہ طاقت کے دھارے کے ساتھ رہے تھے، اور اس میں ابھی غلطی بھی نہیں تھا۔ وہ مجھ سے جونیئر ہوتے ہوئے اخبار کے مدیر بن چکے تھے، میں بہر حال ان کا ماتحت تھا۔ چوں چھا کرنے کے علاوہ اور کچھ بھی کیا سکتا تھا اور دوسرا اس ہی تو

کرتے ہوئے کہا۔

”چائے نوش فرمائیے۔“

وہ میری طرف ہونٹوں کی طرح دیکھ رہے تھے جیسے کسی گزرے زمانے کے انسان کو معنوی ذہانت کے بارے میں بتایا جا رہا ہو۔

”میں چاہتا ہوں کہ آپ سبیل خان کے انوکھے کی کٹی سلجھا لیں۔“ انہوں نے میری بات اُن سی کرتے ہوئے کہا۔

”جواد حسن کے انوکھے کی کٹی آپ سلجھا لیں گے کیا؟“ میں نے بردست کہا تو ان کے چہرے پر چھائی مردنی ایک بے ساختہ تہمت میں تبدیل ہو گئی۔

”بات یہ ہے کہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔“ جواب نہ دینا پاپا تو گیند میری طرف اچھال دی۔

”آپ بھائی فرما رہے ہیں، یہ معاملہ تو آپ کے ذرائع ہی دیکھ لیں گے۔“ میں کیا سبیل خان اور جواد حسن کے انوکھے کوئی ایک کڑی مشترک ہے بھی یا نہیں جواد مجھ سے یہ فرمائش کر رہے ہیں؟“ میں نے استفسار کیا مگر میرے چہرے سے یہ عیاں ہو رہا تھا کہ اس معاملے میں میری دل چسپی اب بڑھنے لگی تھی اور میرے اندر کے رپورٹر کی مزید جاننے کی حس بیدار ہو گئی تھی۔

”بہت کھرا نقل ہے۔ دونوں کی گاڑیاں تقریباً سوئیٹر کے فاصلے سے ملی ہیں اور سب سے اہم کہ دونوں کا انوکھا چوٹیں گھنٹوں سے بھی کم وقت میں ہوا ہے۔“

”سچ؟“ اس بار چوٹنے کی باری میری تھی۔

”جی۔“ سیکرٹ کے جانے والی سڑک سے دونوں کی گاڑیاں ملی ہیں۔“

”لیکن جواد حسن کو تو سرکاری سیکورٹی ملی ہوگی؟“

میں نے استفسار کیا۔

”جی۔ اور ان کی ہر نقل و حرکت کے بارے میں ادارے باخبر رہتے تھے مگر اس روز وہ سیکورٹی کے بغیر اور کسی کو پہنچانے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔“

میری حیرانی میں بدترج اضافہ ہو رہا تھا۔ ایک ساٹھس داں، جو ایک حاسن منصوبہ پر کام کر رہا ہو، وہ رات گئے ایک ایسے سیکٹر میں کیا کرتے کیا ہوگا جو ہر دن شہر ہے اور وہی سیکورٹی کے بغیر۔

”یقیناً یہی ہو سکتا ہے؟“ میں نے استفسار کیا۔

”یہ اتفاق نہیں ہے۔“ یاسر حبیب نے قطعیت سے کہا۔

جاسوس کی حریت نہیں ملی تھی۔

میں وہاں لی وی لاؤنچ میں آیا تو میری زندگی مختصر  
کے چہرے پر لاکھانہ نہ سگرا بھی۔

”کیا ہوا میر صاحب، گہری سوچ میں کم ہیں؟ شہر  
میں کچھ ہو گیا کیا؟“ اس کے اس سٹیل میں پوشیدہ نظر مجھ سے  
پنہاں نہ رو سکا۔ میں خاموش رہا تو وہ بولی۔

”میر صاحب، میں ایک کرائم رپورٹر کی شریک  
حیات ہوں۔ کچھ کچھ خبر رکھتی ہی پڑتی ہے۔“ میں جان کیا  
تھا کہ اس نے میری اور یاسر حبیب کی کچھ گفتگوں کی تھی۔  
میں نے اس کی جانب دھیان دے بغیر اپنی مطالعہ گاہ کا رخ  
کیا تاکہ اس پرے معاملے پر گہرائی سے توجہ دینے کے  
بعد اس خبر پر کام کرنے کے لیے اپنا لائیکل بنا سکوں۔

جواد حسن کے بارے میں مجھے کچھ خاص معلوم نہیں  
تھا۔ میں صرف یہ جانتا تھا کہ وہ کسی اہم منصوبے پر کام کر  
رہا تھا کہ وہ کیا تھا؟ میں اس بارے میں مکمل طور پر لاعلم تھا  
جبکہ سبیل خان کے بارے میں میری واقفیت بھی نہ ہونے  
کے برابر تھی اور صرف یہی جانتا تھا کہ وہ ایک کامیاب  
انٹرپرائیڈر اور موٹو سٹیشن اینکیر ہے۔ میں آرام کر رہی پر  
دوبارہ ڈیر ہو گیا کہ میرا دھیان اب مطالعے کی جانب نہیں  
تھا۔ میری چھٹی حس ایسے مواقع پر اکثر زیادہ بہتر کام کرتی  
ہے۔ مجھے یہ اشارہ مل گیا تھا کہ انہو کے ان دونوں معاملات  
میں نہیں نہ تھیں، کوئی ایک کڑی ہے جوئی الحال تاریکی میں  
ہے اور اس کو تلاش کرنے کے بعد ہی آگے بڑھا جا سکتا تھا۔  
میں نے اپنا موبائل فون آن کیا اور دارالحکومت کی  
پولیس کے سربراہ جبار علی کا نمبر ملا یا۔ میری ان سے اس  
وقت سے یاد آ رہی تھی جب وہ دارالحکومت میں اسسٹنٹ  
پیرشٹنٹ آف پولیس تعینات ہوئے تھے۔ انہوں نے  
دوسری ہی نکل پر میرا فون اٹھالیا۔

”میر صاحب“ لگتا ہے کسی بڑی خبر پر کام کر رہے  
ہیں؟“ انہوں نے چھوٹے ہی پوچھا۔  
”بڑی خبر ہے یا نہیں۔ یہ توئی الحال کہہ نہیں سکتا مگر  
ستارے دارالحکومت میں دن کی روشنی میں انہو کی واردات  
ہوئی ہے؟“ میں نے لگی پٹی رکنے بغیر پوچھا۔

”میر صاحب۔ دیکھیے سچ سے آپ کے صفائی دوست  
کسی طور چھین نہیں لینے دے رہے تو کسی تمہید کے بغیر  
دہرائے دیتا ہوں کہ فی الحال تو یہی واضح نہیں ہو سکا کہ  
موصوف انہو اہوئے ہیں یا نہیں۔“

”مطلب آپ یہ تعہد نہیں کر رہے کہ سبیل خان

کا انہو اہو ہے؟“ میں نے حیرانی سے پوچھا۔

”نہیں، نہیں۔ میرے کہنے کا مطلب دراصل یہ ہے  
کہ مجھے یہ سارا معاملہ اپنی ٹریپ کا لگ رہا ہے۔“ انہوں نے  
جزب زب ہوتے ہوئے کہا۔

”جبار صاحب، مطلب یہ تو آپ تعہد لی کر رہی رہے  
ہیں کہ موصوف لاپتا ہیں؟“ میرے اندر کارپورٹر جاگ چکا  
تھا۔

”جی، جی۔ ایسا ہی ہے۔“ دوسری جانب سے آواز  
آئی۔

”آپ کو ایسا کیوں محسوس ہوا کہ یہ بھٹی ٹریپ کا  
معاملہ ہے؟“ میں نے دوبارہ سوال کیا۔  
”بات یہ ہے میر صاحب، وہ گھر سے صبح کے چار  
بجے نکلے اور موبائل فون لیے بغیر۔“

”ہوسکتا ہے ورزش کرنے گئے ہوں۔“  
”ہم نے بھی پہلے ایسا ہی سوچا تھا مگر جب ہم نے سی  
سی لی وی فوج ویکس تو ہماری تفتیش کا رخ ہی بدل گیا۔“  
”سی سی لی وی فوجیہ میں ایسا کیا تھا؟“ میں نے  
استفسار کیا۔

”وہ بہت بن ضمن کر موبائل فون پر بات کر رہے  
تھے جبکہ ان کے اہل خانہ اور دفتر کے محلے کے مطابق، ان  
کے استعمال میں ایک ہی فون تھا۔“  
”یہ تو اقتضال چپ انکشاف ہے۔“

”جی، اس سے بھی دل چپ بات ہے کہ موصوف  
اگرچہ اپنی تقریروں میں بیچ جلدی اٹھنے کے فو انہو پر بات کیا  
کرتے تھے مگر خود شاڈ ہی بھی دفتر سے پہرے سے کل پہنچے ہوں  
گے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ وہ ورزش والا مفروضہ درست  
نہیں ہے۔“

”جی ایسا ہی ہے۔ اور صبح کے اس پہر ڈرائیڈر کے  
بغیر شہر سے ہٹ کر کسی ایسے علاقے میں جانا جو بہت زیادہ  
مہمجان آباد نہیں ہے، اس سے ان شکوک کو تقویت مل رہی  
ہے کہ دال میں کالائیں بلکہ پوری کی پوری دال ہی کالی  
ہے۔“

”جبار صاحب آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ  
دی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ صاحب انہو ای نہ ہوئے ہوں؟“  
میں نے بالآخر وہ بات کہہ دی جو مسلسل مجھے تنگ کر رہی تھی۔  
”دیکھیے میر صاحب۔ پہلی بات تو یہ کہ پولیس کسی بھی  
بالغض کے لاپتا ہونے کے بعد چوبیس گھنٹوں سے پہلے

ماضی فتور

پر ہیزی غذا جمیز کی ہوئی ہے۔ کھانے پر بڑے صاحب زادے بھی موجود تھے اور وہ مرے سے اپنی پلیٹ میں بریانی ڈال رہے تھے جو ان کی والدہ محترمہ یعنی میری زوجہ نے خاص ان کے لیے بنائی تھی۔  
”آپ بریانی کو کھاتے لگا دیں گا۔ آپ کے لیے یہ دال بنائی ہے۔“ اس نے مجھے زوردار کہا۔

میں منہ بند کر رہ گیا۔ کھانے کے دوران میں صاحب زادے سے گفتگو کرتا رہا جو ان دنوں چٹنوں پر مگر آئے ہوئے تھے اور اپنی ماں سے لاڈلوارا ہے تھے۔  
کھانے سے فراغت کے بعد وہ اب اس اپنی مطالعہ گاہ کا رخ کیا کیونکہ اب مجھے بھی اس پورے معاملے میں دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ میں نے اگلی کال فرائزنگ لپ کے اعلیٰ افسر ملک رضا حیات کو کی جو میرے پرانے شا ساتھی مگر دور کی جانب سے فون کاٹ دیا گیا۔ میں نے دوبارہ اس لیے کوشش نہیں کی کہ ملک صاحب مجھے کال ایک کر لیں گے۔ اس کے بعد ایک سول خفیہ ایجنسی کے اعلیٰ عہدے دار حسنا احمد کو کال کی جو اس سے قبل بھی کچھ اہم معاملات میں میرے مددگار ثابت ہوئے تھے مگر یہ امتیاز کرنا نہیں بھولا کہ ان کو اپنے اس نمبر سے کال کی جو میں عموماً اس نوعیت کے حساس معاملات پر کام کرتے ہوئے استعمال کرتا ہوں۔ وہ درجاتی اعزاز میں گویا ہوئے۔

”جی میر صاحب، اس خاکسار کو کیسے یاد کیا؟“  
”حسنا صاحب، سو جا بہت دن ہوئے آپ سے بات نہیں ہوئی۔“ میں نے مضموماً نہ لہجے میں کہا۔  
”آپ نے پتہ پتہ شاپ لگانے کے لیے تو مجھے کال نہیں کی۔ ضرور کچھ آٹھ پٹا معاملہ ہوگا؟“ انہوں نے کہیا ہے ہوئے کچھ میں کہا۔

”بات یہ ہے کہ آج دارالکرم سے ایک مشہور شخصیت کا اغوا ہوا ہے۔“  
”اوہ سمیل خان کی بات کر رہے ہیں آپ۔ میر صاحب، موصوف اغوا نہیں ہوئے۔“ انہوں نے پُر حین لہجے میں کہا۔

”آپ اس قدر قطعیت سے ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں؟“ میں نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔  
”کیونکہ میں نے موصوف کے دوسرے شہر کا موبائل لیا ہے جو تین ماہ سے ان کے زیر استعمال تھا مگر انہوں نے اس سے بھی کوئی فون کال نہیں کی۔“

”کیا مطلب؟“ میں نے چہکتے ہوئے پوچھا۔

”جیسا کہ جاسوسی ڈائجسٹ

ایف آئی آر درج نہیں کرتی۔ یہ تو آپ میڈیا والوں کے ہاؤ کی وجہ سے کی ہے۔“

”جی ساری کس میڈیا سے ہی تا پوری (اب آپ ساری دئے رادی میڈیا پر ہی نہ ڈال دیں)۔“ میں نے بے تکلفی سے تبصرہ لگاتے ہوئے کہا تو جبار صاحب کا بھی بے ساختہ تبصرہ بلند ہوا۔

”بات یہ ہے میر صاحب کہ ہم آپ میڈیا والوں کی طرح فی الحال کس قسم کا کوئی فون کال کر سکتے۔ کچھ پہلو ایسے تھے جو میں نے صرف آپ کے گوش گزار کیے ہیں۔ میرا خیال ہے اس سے آپ کو اپنی اس خبر پر کام کرنے میں مدد ملے گی اور ہو سکتا ہے آپ ہماری بھی کچھ مدد کر سکیں۔“

”وہ جملہ ہے جو میں اپنے طویل صحافتی کیریئر کے دوران انکسپریس پریس افسروں سے سن رہا ہوں کیونکہ ہم کرائم رپورٹرز کے ذرائع پریس کے علاوہ خفیہ اداروں اور نو اور جرائم پیشہ گروہوں میں بھی موجود ہوتے ہیں مگر صحافتی اخلاقیات کے تحت، ہم اس وقت تک اپنے ذریعے کو ظاہر نہیں کر سکتے جب تک اس کی جانب سے ایسا کرنے کی اجازت نہ ہو۔ آج کل کے صحافتی تو اخلاقیات کو اپنے مگر کی باغی خیال کرتے ہیں۔“

پوری کر لی ہے؟“ میں نے پوچھا کیونکہ اس سوال نے مجھے بے چین کر رکھا تھا۔

”میر صاحب، فی الحال تو فرائزنگ والوں نے اس حوالے سے کوئی خبر نہیں دی مگر ہماری اپنی تحقیق کے مطابق، گاڑی باقاعدہ لاک بھی اور کوئی زبردستی کے نشان نہیں تھے۔“

میں نے جبار صاحب کا ان معلومات کی فراہمی پر شکریہ ادا کیا۔ میں قدرے مطمئن تھا اور پھر دارالکرم ان کی کٹھالی اب میرے اعصاب پر سوار نہیں تھی اس وقت میں نظریہ تھا کہ سمیل خان کو اغوا کیا بھی یا نہیں؟

”میر صاحب، شام کے چار بج رہے ہیں۔ کھانا لگا دیا ہے۔ آجائے اب۔“ زوجہ محترمہ کی آواز مجھے داپس حقیقت کی دنیا میں لے آئی۔

ہم صحافیوں کو گھر میں کھانے کا کہی موقع ملتا ہے۔ اکثر دفتر یا پریس کلب کا بے حرج کھانا ہی نصیب ہوتا ہے اور وہ بھی بے وقت۔ مگر آج کم از کم میری پسند کی پیٹ بریانی تھی مگر میرے لیے تو سادہ دال اور روٹی ہی تھی کیونکہ کوئٹہ شہر کی سڑک بڑھ جانے کی وجہ سے ڈاکٹر نے

جنوری 2025ء



”انہوں نے یہ دوسرا نمبر رکھا ہی کیوں تھا؟“

”یہ تو میں نہیں جانتا تھا۔ وہ غالباً انہوں نے قبل بھی اسی فون سے انٹرنیٹ کال کر رہے تھے جسے ٹریک کرنا فی الحال ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔“ انہوں نے بوئیل لہجے میں جواب دیا۔

”سواہل کے ای ایم ای آئی نمبر سے تو کچھ معلوم ہوا ہوگا؟“ میری حیرانی بدقسمتی جاری تھی۔

”یہ کوشش بھی لا حاصل رہی کیونکہ موصوف نے اپنا فون اسی جگہ بند کر دیا تھا جہاں انہوں نے اپنی گاڑی پارک کی تھی جس کے باعث یہ معلوم کرنا فی الحال ممکن نہیں ہے کہ اس وقت ان کا فون ان کے پاس ہے یا نہیں۔“

”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ اپنی مرضی سے ہی کہیں گئے ہوں گے؟“ میں نے استفسار کیا۔

”فی الحال تو ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔“ دوسری جانب سے پرتھوین اعزاز میں جواب دیا گیا۔

ہم کچھ دیر اور رکی بات چیت کرتے رہے جس کے بعد مجھے بھی یہ ظاہر یہ گمان ہونے لگا کہ سکیل خان اپنی مرضی سے کہیں پر گئے ہیں یا دوسرا پہلو اپنی ٹریپ کا ہی ردہ جاتا تھا جس کی جانب جبار صاحب نے اشارہ کیا تھا۔ میں اسی شش و پنج میں مبتلا تھا جب میرے فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری جانب بلکہ رضاحیات تھے۔

”میر حسن میر صاحب، گاڑی سے ایسے کوئی شواہد نہیں ملے جس سے اشارہ ملتا ہو کہ سکیل خان کو انہوں نے کیا ہے۔“ انہوں نے سلام دعا کے بعد میرے پوچھتے پتھر ہی کہہ دیا۔

”مگر آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں اس بارے میں ہی آپ سے بات کرنے والا تھا؟“

”میر صاحب آپ ٹھہرے کرائم رپورٹر اور ہم ٹھہرے نقشبند کا رتو مطلب جس طرح آپ اپنی چھٹی حس پر بہت زیادہ بھروسہ کرتے ہیں تو ہم نے بھی آج اپنی چھٹی حس کے ذریعہ اثر کا لگا لگا ڈالا جو نتائج پر لگا۔“ انہوں نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

”آپ اس قدر پرتھوین کیسے ہیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”بات یہ ہے میر صاحب کہ کوئی انہوں نے والا کچھ نہ کچھ مزاحمت تو کرتا مگر گاڑی سے ایسے کوئی نشان نہیں ملے جو اس جانب اشارہ کرتے ہوں۔“

”کوئی نہ کوئی مگر پرنس ضرور ملے ہوں گے؟“

جاسوسی ڈائجسٹ: جی 2025ء

میں نے استفسار کیا۔

”جی ملے ہیں مگر وہ سکیل خان کے ہی ہیں۔“

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے انہوں نے فنگر پرنٹ ملا دیے ہوں؟“

”ہوئے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے میر حسن صاحب۔ مگر اس معاملے میں ایسا نہیں ہوا کیونکہ فنگر پرنٹس مٹائے گئے ہوتے تو سکیل خان کے فنگر پرنٹس بھی گاڑی سے نہ ملنے۔“

”یہ ایک اہم نکتہ ہے۔“ میں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

ملک رضاحیات کی بات میں وزن تھا جس سے یہ تو واضح ہو گیا تھا کہ گاڑی میں کوئی مزاحمت نہیں ہوئی تھی اور سکیل خان اپنی مرضی سے ہی کہیں چلے گئے تھے مگر کہاں؟ یہ سوال فی الحال تنق طلب تھا اور یہ حقیقت کہ اس علاقے سے ایک نہیں بلکہ دو انہوں نے ہیں، اس معاملے کو مزید پراسرار بنا رہے تھے۔ اس وقت میں نے اپنے ایک ایسے خیر خواہ سے رابطہ کرنے کا سوچا جو اس معاملے میں بہت مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ وہ کسی دور میں دارالحکومت میں جرائم کی دنیا کے آواز تار رہے تھے اور اب بھی ان کا رسوخ غیر معمولی تھا۔ وہ اگرچہ اب سیاست میں آچکے تھے اور فلائی سرکریوں میں بھی حصہ لیتے تھے مگر شہر میں ہونے والی بہت سی وارداتیں ان کی شہ کے بغیر نہیں ہوتی تھیں۔

انہوں نے پہلی ہی تیل پر میری کال انیڈ کر لی۔ ہم کچھ دیر حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے رہے۔ انہوں نے مجھے اپنی کچھ تازہ سرکریوں کے بارے میں باخبر کیا جس کے بعد میں اصل مدد کی طرف آیا اور پوچھا۔

”شاہ صاحب، یہ سکیل خان کے انہوں کی تاریخیں کون بلا رہا ہے؟“

”کون سکیل خان؟“ انہوں نے حیرانی سے استفسار کیا۔

میں یہ جان گیا کہ ان کی یہ حیرانی معنوی تھی کیونکہ وہ دو روز قبل ہی سکیل خان کے ایک پروگرام میں مہمان خصوصی کے طور پر گئے تھے اور یہ بات مجھے اس لیے یاد رہ گئی تھی کیونکہ اس کا ذکر مجھ سے میرے اسسٹنٹ نے کیا تھا جو اکثر ایسے ایسے سازشی نظریات قائم کرتا ہے کہ محل دنگ رہ جاتی ہے۔

”وہ سکیل خان جس کی تقریب میں آپ پر سون مہمان خصوصی کے طور پر شریک ہوئے تھے۔ کیا یادداشت کھونے لگے شاہ جی؟“ میں نے جوابی حملہ کیا تو دوسری

اکلی جس میں دقت سے قلمی بیدار ہو گیا اور خان محمد سے گاڑی نکالنے کے لیے کہا۔ ہاشا کر کے قارغ ہوا تو خان محمد گاڑی نکال چکا تھا۔ میں گھر سے سیدھا کھانا کھا کر جانے کے لیے روانہ ہوا جو میرے اندازے کے مطابق، گھر سے نصف گھنٹے کی مسافت پر تھا کہ یہ سفر میرے اندازے سے طویل ثابت ہوا اور مجھے اپنی منزل پر پہنچنے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔

مرکزی شاہراہ سے دائیں جانب بیکسٹریٹ تھا جس کی ایک ذیلی سڑک پر یہ واردات ہوئی تھی۔ میں نے بیکسٹریٹ کی مرکزی شاہراہ سے سڑک کاٹا تو مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی کہ وہاں ہتھیار داروں کے اہل کار ہر آتی جاتی گاڑی پر نظر رکھتے ہوئے تھے۔ چند میٹر آگے جا کر ایک چوک تھا جس کے دائیں جانب ساتھ فٹ چوڑی ایک سڑک تھی جہاں یہ واردات ہوئی تھی۔ اس چوک پر سی ٹی وی کیمرے نصب تھے جن میں آخری پارکسٹیل خان اور جواد حسن کی گاڑی کو دیکھا گیا تھا۔ میں سڑک پر مزید سڑک اگرچہ سسٹان تھی مگر یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ سڑک پر آنے جانے والی ہر گاڑی پر نظر رکھی جا رہی ہے۔ سڑک کے دونوں جانب بٹلے تھے جبکہ چند میٹر کے بعد ایک اور چوک آتا تھا جس سے کچھ ہی آگے جا کر سبیل خان اور اس کے کہیں آس پاس سے سی جواد حسن کی گاڑی گئی تھی۔

یہ سڑک بیکسٹریٹ کی جانب جاتی تھی۔ میں نے سڑک کا بغور جائزہ لیا اور گاڑی کی رفتار دیکھی کر دی اور بیکسٹریٹ مارکیٹ میں گاڑی پارک کرنے کے بعد چھل قدمی کے لیے انداز میں دوبارہ اس سڑک پر آکھلا گاڑیاں کا پرانا پارکسٹیل ہوں مگر مجھے کوئی ایسا سراغ نہیں ملا جو اس جانب اشارہ کرتا کہ اسی سڑک سے دوہالی پر قاتل شخصیات کا انخواب ہے۔ میں واپس مارکیٹ آ گیا اور وہاں سے دفتر کا رخ کیا جو تقریباً یہاں سے ایک گھنٹے کی مسافت پر تھا۔

میری چھٹی نہیں ہوئی تھی۔ اس روز صبح رپورٹرز کی میٹنگ کرنے کے بعد میں اپنے ڈیوٹی لاکسین میں آ گیا۔ میری کوشش چوبیس گھنٹوں کی کوشش کا حاصل یہ تھا کہ سبیل خان کو انور نہیں کیا گیا تھا مگر جواد حسن تو بہر حال انور ہوئے تھے اور وہ اگر انور نہیں ہوتے تو میرے لیے یہ معلوم کرنا آسان نہیں تھا۔ یہ دن معمول کے مطابق گزر گیا۔ شام کے چھ بجے جب میں دفتر سے چھٹی کرنے ہی والا تھا تو چھٹی بیٹھی کی طرف مڑا ہوا پتے ہوئے میرے کہیں میں داخل ہوا اور گویا ہوا۔

جانب سے بے سارے تہمت بلند ہوا۔

”آپ سے کیا بد میر صاحب۔ مکمل کربات کروں تو میر صاحب مجھے یہ سبیل خان کی منتقلی آدی معلوم نہیں ہوا۔ ٹھیک ہے، اس نے کم عمری میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی ہے مگر اس کی باتوں میں حلقہ راجن نمایاں تھا۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی کی بلیک مٹی کو داغ کر رہا تھا۔“

”ممکن ہے ایسا ہی ہو۔“ میں نے کہا۔ ”کیا شہر میں کوئی ایسا ہے جو اسے انور کر سکا ہو۔ میرا مطلب ہے تاوان کے لیے؟“

”سبیل خان کے انور کے فوراً بعد میں نے اس بارے میں اپنے لڑکوں سے پوچھا تھا۔ وہ سب بے خبر ہیں۔ میر صاحب، یہ سبیل خان خود کہیں غائب ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے اپنے انور کا ڈراما جا رہا ہو۔“

”شاہ جی۔ کیا شہر میں ان دونوں کوئی گردہ تو متحرک نہیں ہو رہا؟“ میں نے پوچھا۔

”ساڑے پندرہ سوئے ہوئے کسے دی خیال اسے (ہمارے ہوتے ہوئے کسی کی جرات ہے)۔“ ہم دونوں کا تہمت بلند ہوا۔

”ایسے تھے ٹھیک کہہ دے ادو شاہ جی (یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں شاہ جی)۔“ میں نے کہا۔

اس پورے معاملے میں مسئلہ اس لیے پیدا ہو رہا تھا کہ میں کسی کے سامنے یہ راز افشا نہیں کر سکتا تھا کہ میں جواد حسن کے انور کے بارے میں بھی آگاہ ہوں اور یہ کہ دارالحکومت سے چوبیس گھنٹوں سے بھی کم وقت میں ایک ہی علاقے سے انور کا دروازہ کھلی ہوئی ہیں۔

میرے ذہن میں کھلی پٹی ہوئی تھی مگر ایک سمجانی اور ایک کراہی رپورٹر کے طور پر میرا حریز آگے بڑھتا مجھے مشکلات سے دوچار کر سکتا تھا جس کے باعث میں نے فی الحال یہ معاملہ اگلے دن پر ڈالا تاکہ اپنا چھوٹا اپنے بیٹے اور زوجہ محترمہ کے ساتھ گزرا سکوں۔ چھوٹا بیٹا بھی جم سے واپس آ چکا تھا۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے تو میں ان کے ساتھ کپ شپ لگا رہا۔ رات کے کمانے کے بعد بھی یہ محفل خوب بھی رہی۔ میں نے رات کو ہی یہ سوچ لیا تھا کہ اگلی صبح جائے وقوعہ کا چکر لگا کر آؤں گا تاکہ پورا سحتر میرے سامنے راسخ ہو۔ انور کی یہ سیدھا واردات بیکسٹریٹ سے بیکسٹریٹ تان پر جانے والی سڑک پر ہوئی تھی۔ یہ سڑک ٹیٹا سسٹان رہتی ہے اور چھٹی والے دن اور انور میں تو اور بھی سسٹان ہو جاتی ہے۔

ایک مدبر کے طور پر وہ مجھے یہ ہدایت کر سکتے تھے مگر وہ مجھے پابند نہیں کر سکتے تھے کہ میں کوئی خیر دوں۔ میں نے معذرت کر لی تو انہوں نے اصرار نہیں کیا۔ لیکن مجھے ایک بار پھر کہا کہ میں اس خبر پر کام کرتا رہوں۔ وہ مجھ سے مختلف سوالات کے ذریعے یہ کر دیتے رہے کہ مجھے کیا معلومات حاصل ہوئی ہیں مگر میں جانتا تھا کہ ان کی اس ساری کوشش کا مقصد کیا تھا جس کے باعث میں ان کو فیس کرنا رہا اور بالآخر جب نصف گھنٹے کی ملاقات کے بعد ان کے دفتر سے نکلا تو ہم اس ایک کتے پر مشفق ہو چکے تھے کہ اس معاملے پر ہم سرکاری موقف کے ساتھ ہی آگے بڑھیں گے تاکہ ادارے کی ساکھ پر کوئی سوال نہ اٹھے۔

میں اپنا کمین بن کر رہا تھا اور پورٹریٹ روم میں ایک بار پھر پورٹریٹ کے ساتھ ملاقات کر رہا تھا تو یہ معلوم ہوا کہ وزیر داخلہ نے سرکاری طور پر یہ تصدیق کی ہے کہ سبیل خان کا اغوا نہیں ہوا بلکہ وہ اپنی مرضی سے کہیں چلے گئے ہیں یا ممکن طور پر یہ ہتی ٹریپ کا معاملہ ہو سکتا ہے تاہم اس کے ٹھوس شواہد نہیں ملے۔ یوں یہ معاملہ سبیل پر ختم ہو گیا اور میری بھی تحقیقی ہو گئی کہ میری کوشش رائج نہیں کی گئی۔

اگلے چند روز معمول کے مطابق گزار گئے۔ سبیل خان کے اغوا کو چند روز دن ہو چلے تھے، یہ بٹنے کا روز تھا۔ میں رپورٹرز کی میٹنگ کر کے فارغ ہوا اور اپنے کمین کا رخ کیا، فی دی کا سوچ آیا تو بریٹنگ میوزم چل رہی تھی۔ ملک کے ایک ابھرتے ہوئے ادیب اور شاعر مبینہ عزم کو دارالحکومت سے اغوا کر لیا گیا تھا۔ اس واقعے کی مزید تفصیلات تو فی الحال فی دی چینلز کو موصول نہیں ہوئی تھیں مگر میرا داغ فوراً دو جمعہ دو کرنے لگا تھا۔

سبیل خان کا سر دست کوئی سراغ ہاتھ نہیں لگا تھا، جواد حسن کے بارے میں بھی فی الحال کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا اور شہر سے اغوا کی اب یہ تیسری واردات۔ حیران کن بات یہ تھی کہ پہلی دونوں وارداتوں میں اغوا ہونے والوں کے خاندان کو تاوان کے لیے کوئی کال موصول ہوئی تھی اور نہ ہی ان کی تلاش ملی تھی جبکہ ان کی خاندانی ریش کی بھی کوئی تاریخ نہیں تھی۔ میں یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ میرے فون کی کھنٹی بجی۔

امید کے مطابق دوسری جانب یا سرحدات تھے۔

”میر صاحب، آپ یقیناً فی دی دیکھ رہے ہوں گے؟“ ان کے لہجے میں تجسس تھا۔

”جی دیکھ تو رہا ہوں۔“ میں نے اثبات میں جواب

”سر، وہ وہ۔“

”میر صاحب، اسٹریٹ لوگ بتاؤ۔“

”سر وہ یا سرحدات صاحب آپ کو پتا رہے ہیں۔“

”اچھا۔“ میں نے ٹھکانے سے کہا اور دوبارہ اپنے کمپیوٹر کی جانب متوجہ ہو گیا۔ مجھے جیسا اس بختہ میری جانب دیکھتا رہا حیرانی ہے۔ یا میں اس کی حکم عدولی کر رہا ہوں۔

”سر۔“

”نہیں لیا ہے۔ یا سرحدات صاحب پتا رہے ہیں۔“

”کچھ اور کہنا ہے تو بتاؤ۔“ میں نے سرسری سے لہجے میں کہا۔

وہ خاموشی اور حیرت سے باہر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد میرے کمین کے فون پر کال آئی۔ دوسری جانب یا سرحدات

تھے۔

”میر صاحب، کہاں معروف ہیں؟ میں آپ کا شہر

ہوں۔“

”یا سر صاحب، کچھ وقت دیجیے، میں آتا ہوں۔“

”ضرور ضرور۔“ یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

میں یا سر صاحب کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ اکیلے تھے۔

انہوں نے خود اٹھ کر اپنے دفتر کا دروازہ بند کیا اور مجھے

مقابلہ کرتے ہوئے کہا،

”میر صاحب، کوئی پیش رفت؟“

”کچھ نہیں یا سر صاحب، میرا خیال ہے وقت کے

زیاں کے سوا کچھ نہیں۔ یہ سرے سے اغوا کی واردات ہی

نہیں۔“

”آپ درست کہہ رہے ہیں۔ دونوں کو ہی ہتی

ٹریپ کیا گیا ہے۔“

میں یہ سن کر چمک گیا اور ان کا منہ کھٹکے لگا۔

”خیر ان مت ہوئے، آپ جانتے ہی ہیں میرے

بھی کچھ ذرائع ہیں۔“ انہوں نے زہر لب مسکراہٹ کے

ساتھ کہا تو میں بھی مسکرا دیا۔

”مگر یہ ہتی ٹریپ کیا کس نے ہے اور کیوں؟“ میں

نے استفسار کیا۔

”معلوم کیجیے۔“

”لیکن میرا کہیں خیال کہ اند میرے میں ٹاک

ٹوئیاں مارنے کا کوئی ٹاکہ ہوگا۔“ میں نے دو ٹوک الفاظ

میں کہا۔

”آپ بھلا فرما رہے ہیں تو ایسا کیجیے یہ خبر فائل کر

دیجیے کہ یہ ہتی ٹریپ کا معاملہ ہے۔“ انہوں نے مجھے ہدایت

کی۔



”میری صاحب، میں آپ کی کال کی توقع ہی کر رہا تھا۔ وہ کہتے تاکہ.....“  
 ”شیطان کو یاد کیا اور شیطان حاضر.....“ ہم دونوں کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا۔  
 ”میر صاحب، یہ گستاخی تو میں نہیں کر سکتا۔ علم کیجیے۔“  
 ”منا ہے شہر میں آج اغوا کی ایک اور واردات ہوئی ہے؟“ میں نے سوال کیا۔  
 ”جی، آپ نے درست بتا ہے مگر کچھ چمکا دینے والی باتیں آپ کے گوش گزار کرتی ہیں۔“  
 ”میں ہر تن کوئی ہوں۔“ میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”ان موصوف بھی کبھی اسی طرح اغوا کیا گیا ہے جس طرح سیکل خان کو اغوا کیا گیا تھا۔ آپ کہہ دیجئے کہ ایک ہی قلم ہے مگر مرکزی راز جدید مل ہو گیا ہے۔“  
 ”آپ کے کہنے کا کیا مطلب ہے؟“ میں نے چورکتے ہوئے پوچھا۔  
 ”یہ صاحب بھی صبح کے چار بجے کسی کو بتائے بغیر مگر سے لکھ، اپنا سوا پائل فون بھی مگر پھوڑا اور یہ بھی اسی جگہ سے اغوا ہوئے ہیں جہاں سے سیکل خان غائب ہوئے تھے۔“  
 ”کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“ میری حیرانی میں مزید اضافہ ہوا۔

”آپ کے لیے یہ خبر کسی دھچکے سے کم نہیں ہوگی کہ ہم نے سیکل خان کے اغوا کے بعد اسی علاقے میں ناکا بندی کی ہوئی تھی۔ اس رات بھی ہمارا کانسٹیبل ڈیوٹی پر تھا، یہ موصوف کیسی پرتے، کانسٹیبل نے انہیں روکا تو انہوں نے اپنا تعارف کر دیا اور کہا کہ وہ اپنے ایک دوست سے ملاقات کے لیے سیکرٹریٹ جا رہے ہیں تو کانسٹیبل نے جانے دیا۔ اور اب ان کے گھر والے یہ दाویا کر رہے ہیں کہ وہ اغوا ہو گئے ہیں۔“

”آپ کا لکھی ڈرائیور سے رابطہ ہوا؟“ میرے اندر کا جاسوس بیدار ہو گیا تھا۔ مجھے یہ پورا معاملہ شروع سے ہی اٹ پٹا لگ رہا تھا مگر یہ انکشاف حیران کن تھا کہ معین عزم کو آخری بار اسی سوک کی جانب جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا جہاں سے سیکل خان کا اغوا ہوا تھا۔

”رابطہ ہوا۔ وہ ہماری حراست میں ہے۔ اس کا یہ کہنا ہے کہ اس نے چمک سے بکھری فاصلے پر معین عزم کو اتار دیا۔“

جنوری 2025ء

”جواد حسن، سیکل خان اور اب معین عزم۔ کیا اب بھی آپ کو اس خبر پر کام کرنے کے لیے اصرار کرنا پڑے گا؟“ انہوں نے مجھ سے استفسار کیا۔  
 ”دیکھیے پائرس صاحب۔ میں خبر پر کام کر سکتا ہوں مگر مغربیوں کو تلاش کرنا پڑے گا اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا کام ہے اور ہر ادارہ اپنا کام کرتا ہو ہی اچھا لگتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ میں پولیس کی طرح لوگوں کے گھروں میں جھانکنے لگوں۔“ میں نے بے تکابر سنجیدہ لہجہ میں کہا۔

دوسری جانب سے بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا۔  
 ”میر صاحب، ہم نے کب کہا کہ آپ گھروں میں جھانکیے مگر بسا اوقات آپ خود ہی یہ ہماری بوجھ اپنے ہاتھوں میں لے کر رہا ہوتے ہیں تو ہم کر ہی سکتے ہیں۔“

”ہماری بوجھ اٹھا اٹھا کر ہی تو یہ شانے جبک گئے ہیں۔“ میں نے جوابی وار کیا تو بے اختیار قہقہہ بلند ہوا۔  
 ”ارے میر صاحب، کیا خیال ہے کوئی خبر نکال سکتے ہیں آپ؟“ انہوں نے سنجیدہ ہوتے ہوئے استفسار کیا۔  
 ”میں فی الوقت تو کچھ روٹق سے نہیں کہہ سکتا۔ جواد حسن کے اغوا کے حوالے سے آپ کے توسط سے ہی معلوم ہوتا رہا ہے۔ سیکل خان اغوا ہوا یا خود کیسے چلا گیا، یہ واضح نہیں ہو سکا اور آج یہ معین عزم کا اغوا۔ کچھ نہ کچھ کہیں نہ کہیں، دارالحکومت میں ضرور کوئی ایسا کردہ سرگرم ہوا ہے جو مشہور شخصیات کو نشانہ بنا رہا ہے۔“ میں نے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہا۔

”معلوم کیجیے ہمارے جاسوس چیف رپورٹر صاحب کہ کون سا گروہ یہ کام کر رہا ہے؟“  
 ”دیکھیے پائرس صاحب، وہ کام کیسے جو میرے دائرہ کار میں آتا ہو۔ میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے اور ایک بار پھر دہرائے دیتا ہوں کہ میرا کام خبر دینا ہے، جاسوسی کرنا نہیں۔“ میں نے زکعمائی سے جواب دیا۔

ہم کچھ دیر اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے مگر میرے ذہن میں بھی کبھی یہ خوف موجو نہ تھا کہ ہوتے ہو، اس اغوا کی کڑیابی میں بھی پچھلی روٹوں اور راتوں سے جڑی ہوئی ہیں جو بے جا نہیں تھا۔ میں نے چھوٹے ہی دارالحکومت کی پولیس کے سربراہ جبار علی کو کال ملائی۔ وہ گویا میری ہی کال کے منتظر تھے۔ پہلی ہی تپل پر میری کال انیڈ کر لی۔

”مطلب یہ کہ وہ اس کم عمری میں ایک حساس منصوبے پر کام کر رہے تھے؟“

”میر صاحب، یہی باتیں کرتے ہیں، سائنس کا عمر سے کیا تعلق؟“ انہوں نے ان ہی سوال کر ڈالائو میں جبرِز ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ان کی بات درست بھی تھی کہ سائنس میں آگے جانے کے لیے عمر کی نہیں بلکہ وہ صلاحیت و کار ہوتی ہے جو اس ملک کے بہت سے بزرگ سائنس دانوں میں بھی نہیں رہی جو چل پید کرنے کے لیے بھی ایسے ایسے منصوبے پیش کرتے رہے ہیں کہ دماغ چکر جاتا ہے۔

میرا ملک درست ثابت ہوا تھا۔ جواد حسن، سہیل خان اور معین عدم تقریباً عمر سمجھتے، اور یہ غالب امکان تھا کہ یہ تینوں ایک ہی ایسی ادارے سے فارغ التحصیل ہوئے ہوں یا ان کا کوئی ایک ہی دشمن ہو یا ان کی آپس میں دوستی بھی ہو سکتی تھی۔ ان تینوں کے درمیان کوئی نہ کوئی کڑی ایسی ضرورت تھی جس کے باعث یہ دار و اتس ہوئی تھیں۔

میں نے خیال سے غمزدہ کو بے لگام چھوڑنے کے بجائے سول خفیہ ایجنسی کے اعلیٰ عہدے دار حسنا احمد کو کال کی۔ انہوں نے بیشک کی طرح دوسری تیل پر فون اٹھا لیا۔

”ہیلو! وہ بھاری آواز میں بولے، اور پھر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”میری امی، امی جبار صاحب سے بات ہو رہی تھی۔ آپ کا ذکر خاص ہو رہا تھا۔ مجھے تو فکر ہونے لگی تھی کہ آپ نے امی جبار صاحب سے اس خادم کو کیوں یاد نہیں کیا؟“ انہوں نے معنوی ناراضی کا اظہار کیا۔

”جی، کام ہی کچھ ایسا ہے۔“ میں نے مصیبت سے کہا تو ہم دونوں کا قبضہ بلند ہوا۔

”کیا کوئی سرا جھٹکا؟“ میں نے براہِ راست اپنے مطلب کی بات کی۔

”نہیں، کوئی نہیں۔ یہ صاحب تو اپنا فون بھی ساتھ نہیں لائے تھے۔ وہ ان کے کمرے سے ہی ملا ہے۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”کچھ ایسا معلوم ہوا جو آپ کو عجیب لگا ہو؟“

”دیکھیے مجھے تو یہ بندہ ہی عجیب لگ رہا ہے۔ میرے ایک جونیئر نے امی جبار سے اعتراف کیا ہے کہ یہ موصوف خود نہیں لکھتے تھے بلکہ کسی اور معتمد سے لکھواتے تھے، وہ کیا کہتے ہیں، حکومت رائل سے۔“

”مشہور لوگوں کے بارے میں اکثر ایسی افواہیں اُڑتی رہتی ہیں۔ بہر حال یہ بتائیے کہ ان کے فون ریکارڈ

دیا تھا۔“

”مطلب کہاں؟“ میں نے پوچھا۔

”اس جگہ سے تقریباً پچاس کڑی دوری پر جہاں سے سہیل خان کی گاڑی لی گئی۔“

اس انکشاف نے میرے کان کھڑے کر دیے۔

”مطلب انوکھا کی زبان دونوں وارداتوں میں کسی ایک ہی گردہ کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟“

”میں فی الحال دعوے سے تو یہ نہیں کہہ سکتا مگر قرائن اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔“ انہوں نے چانگنا جواب دیا

تو میرے پوچھنے کے لیے مزید کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ میرا نہیں خیال تھا کہ مجھے اب حریف کی کوال کر کے اپنا وقت ضائع کرنا چاہیے تھا کیونکہ میں اپنے طویل سنی تجزیے کی بنیاد پر یہ جانتا تھا کہ مجھے اس سے شفق جواب نہیں ملے گا جو مجھے اس سے قبل چکا تھا۔

میں معین عدم کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ وہ ایک امیگر تھا ہوا مصنف اور شاعر تھا۔ حال ہی میں اس کی ایک کتاب میٹ میلر رہی تھی۔ میں نے اس کے بارے میں انٹرنیٹ پر سرچ کیا اور کچھ پتے پائے۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ زیادہ عمر کا نہیں تھا اور اس کی عمر زیادہ سے زیادہ تیس برس رہی ہوگی مگر وہ شہرت کی اس بلندی پر پہنچ چکا تھا جس پر لوگ پہنچنے کے خواب ہی دیکھتے تھے۔ ان دنوں بھی اس کا ایک ڈراما ٹیلی ویژن پر چل رہا تھا جسے بے پناہ پذیرائی مل رہی تھی۔ وہ ایک ادبی فیئیل میں شرکت کے لیے دارالحکومت آقا تھا اور اپنی بہن کے کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا جنہوں نے اس کی کشش کی اطلاع دی تھی۔ اس وقت میرے دماغ کی کھنٹی بج رہی تھی۔

میں نے یاسر حیات صاحب کا نمبر ڈائل کیا۔

”یاسر صاحب، آپ جواد حسن کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟“ میں نے کوئی لگی پٹی رکھے بغیر سوال کیا۔

”میر صاحب، بس یہی کہ وہ ان دنوں ایک حساس منصوبے پر کام کر رہے تھے۔ ان کے انوکھے ملک دشمن عناصر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔“

”آپ کے ذرائع کی تفتیش کہاں تک پہنچی؟“

”دیکھیے، میرے ذرائع تو آپ جیسے مہربان دوست ہی ہیں۔“ ہم دونوں کا قبضہ بلند ہوا۔

”یہ تو بتادیجئے کہ جواد حسن کی عمر کیا رہی ہوگی؟“

”میرا خیال ہے، وہ تیس برس کے لگ بھگ رہے ہوں گے۔“ یاسر حیات نے جواب دیا۔

چونکے کی اداکاری کرتے ہوئے پوجھا۔

”نہیں سرادو، وہ.....“

”ہاں یولو، پانی پو“ میں نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

”سرادو گندے نالے سے لاش ملی ہے۔“

”اچھا، روی نالے سے؟“ میں نے پوچھا کیونکہ یہ

ایک نالا ہی ایتھا جو شہر کے دارالحکومت کے نواح سے

گزر رہا تھا۔

”جی سر“

”مگر اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ روی نالے

سے تو چھ ماہ قبل بھی ایک لاش ملی تھی اور اس سے پہلے بھی

وہاں سے لاشیں ملتی رہی ہیں۔“

”ایسا ہے سر، مگر اس بار پوری لاش نہیں ملی بلکہ

صرف دھڑلا ہے، سر نہیں ملا۔“

میں چونک گیا کیونکہ جواد حسن اور سکیل خان کے

بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا اور یہ ممکن تھا کہ یہ ان

میں سے ہی کسی کی لاش ہوتی.....

”اچھا، تم نے کہاں سنی یہ خبر؟“ میں نے اپنی حیرت

پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

”سر، وہ ابھی ٹیلی ویژن پر بریکنگ نیوز چل رہی

تھی۔ لاش کی شناخت نہیں ہو سکی۔“

میں نے ٹیلی ویژن چینل آن کیا تو افتتاحی سب میٹرز

پر ہی یہ خبر چل رہی تھی۔ آج کل ٹیلی ویژن چینلز ریننگ

کی دوڑ میں بہت سی غیر مصدقہ خبریں بھی چلا دیتے ہیں اور

پھر ان میں ایسا مریج سلا شامل کرتے ہیں کہ کج رجحانور ہو

کو الگ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

میں نے جتنی کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے اسے ایک بار

پھر کہا کہ وہ اگر پور رننگ کی جانب آنا چاہتا ہے تو اپنے حواس

قابو میں رکھا کرے کیونکہ ایک اچھا پور رننگی اپنے تاثرات

ظاہر نہیں ہونے دیتا یا کم از کم ایسا کرنے کی کوشش ضرور کرتا

میں ان کے اور سکیل خان کے درمیان رابطے کا کوئی سراغ ملا؟

”کیا مطلب؟ ان دونوں میں کیوں رابطہ ہوگا؟“

انہوں نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا، ”محققین عدم تولا اور

سے تھا اور شاہی اسلام آباد آیا کرتا تھا اور سکیل خان شروع

سے ہی دارالحکومت میں رہتا رہا ہے۔“

”دیکھیے، ہو سکتا ہے وہ دونوں ایک ہی تعلیمی ادارے

میں پڑھے ہوں یا سکی ان کے درمیان رابطہ ہوا ہو اور یہ بھی

ممکن ہے ان کا کاران کے دوستوں میں سے ہی کوئی ہو؟“

میں نے کہا تو انہوں نے عداوت میرے لیے میں کہا۔

”اوہ، میرا دھیان اس طرف نہیں گیا۔ میں اس پہلو

پر بھی کام کرتا ہوں، ہو سکتا ہے کوئی سراغ مل ہی جائے۔“

میں نے شکر یہ ادا کیا اور شام کو دوبارہ رابطہ کرنے کا

وعدہ کرتے ہوئے کمپیوٹر اسکرین کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اس

وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ میں پورے معاملے پر غور

کر رہا تھا تو ایک اور اہم پہلو کی جانب میری توجہ مبذول ہو

گئی۔ یہ تینوں اگرچہ مختلف شعبوں سے تھے مگر ان تینوں نے

بہت جلد اپنے اپنے شعبوں میں مقام پیدا کیا تھا۔ ہو سکتا ہے

ان کا کوئی ایسا حامد رہا ہو جو ان کی ترقی سے خائف ہو مگر

بات پھر وہی تھی کہ وہ ایسا کون شخص ہو سکتا ہے جو ایک

سائنس دان ایک بزنس مین اور ایک مصنف کو انھوں کرے

اور سب سے اہم یہ کہ جواد حسن اور سکیل خان کے بارے

میں سر دست کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ وہ انھوں ہوتے

تو کچھ تو شاہد ملے اور اپنی مرضی سے بھی کہیں چلے گئے تھے

تو بھی ان بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہو چکا ہوتا۔ میں

اس معاملے پر جتنا زیادہ غور کر رہا تھا، اسی قدر اس معاملے

میں الجھتا جا رہا تھا۔ میرے لیے اب اس معاملے سے الگ

ہونا ممکن نہیں رہا تھا کہ اس سے میری برسوں کی عزت خاک

میں مل جاتی۔ لیکن مجھے معاملے کا کوئی سرا جھالی نہیں دے

رہا تھا۔ یہ درست ہے کہ گزرے برسوں میں، میں نے ایسی

بہت سی گفتگوں سنی تھیں جن سے قانون نافذ کرنے والے

اداروں کا کام آسان ہوا تھا مگر اس معاملے میں، میں خود کو

بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔

میں اس معاملے پر غور کر رہی رہا تھا کہ جتنی پیشگی

طرح باپتا ہوا میرے کمرے میں وارد ہوا۔ اس کا لباس

اکھڑا ہوا تھا۔

”سر، آپ نے خبر سنی؟“

”کون سی خبر؟ محسن عدم کے انوکھی خبر؟“ میں نے

جنوری 2025ء جاسوسی ڈائجسٹ



بچپن میں ہی طرح طرح سے دغہ دیا کہ وہ آئندہ ایسا ہی کرے گا مگر میں جانتا تھا کہ اس کی عادت میں تبدیلی لانا ممکن نہیں اور وہ ہمیشہ اسی طرح بولکھلایا بولکھلایا رہے گا۔ اس لیے میں دوبارہ اس معاملے کے بارے میں سوچنے لگا کیونکہ اگر یہ لاش افواہ ہونے والوں میں سے کسی ایک کی تھی تو پانی دو کی جان خطرے میں تھی یا اگر ان میں سے کسی کی لاش نہیں تھی تو وہ تینوں کہاں تھے؟ یہ سوال جانتا بہت اہم تھا۔

میں نے کرائم رپورٹ اختیار احمد کو کال کی جو اس وقت جائے وقوعہ پر ہی تھا۔ اس سے کہا کہ وہ مجھے اس بارے میں آگاہ کرنا رہے۔

مجھے آج ایک دعوت میں شرکت کرنی تھی جس کے باعث میں اپنے معمول سے جلد دفتر سے گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔ گھر پر دو بجے تھے میری ہی خاتون تھیں۔ ہم دونوں دعوت کے لیے روانہ ہوئے وہاں احباب اسی بارے میں سوال کرتے رہے مگر میں یہ ظاہر کرتا رہا کہ کیا مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں اور میری ناقص معلومات کے مطابق، یہ دونوں بندے کیونکہ بنیاد حسن کے افواہ کی خبر میڈیا پر اب تک لیک نہیں ہوئی تھی، اپنی مرضی سے کہیں چلے گئے تھے۔ میرے ایک ششما تو دور کی کوڑی لائے اور کہتے تھے۔

”یہ کالے ہنادو کے پکڑ میں پڑ کر ایسا ہی ہوتا ہے؟“ میں پکڑ گیا۔

”کیا مطلب؟“ میں نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”دیکھیے نا، آج ایک سرکی لاش لی ہے، مکمل دوسری ل لاش ملنے سے اور کیا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے؟“

میں ان کے اس استدلال کو خیر انداز کرتے ہوئے پارکنگ لٹ کی جانب بڑھا تا کہ اختصار احمد سے اس بارے میں مزید معلومات حاصل کر سکوں مگر اس کے پاس مجھے ستانے کو اس خبر کے سوا اور کوئی خبر نہیں تھی کہ لاش کا ڈی این اے سیکھ لے لیا گیا ہے جسے چنگی بنیادوں پر ٹیسٹ کیا جا رہا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ افواہ ہونے والوں میں سے کسی ایک کی لاش تو نہیں جس کے نتائج مکمل دوپہر سے پہلے موصول نہیں ہوں گے۔ اس سے مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیر میں خوف کی فضا پیدا ہوئی تھی اور حکومت پر پابند ہوا تھا۔ سوشل میڈیا پر تو خاص طور پر ایسی خبر کے چرچے تھے۔ ہم آٹھ رات دیر تک کمر واپس لوٹے تو دیکھا کہ شیر

میں پولیس کی ہماری نظری گشت کر رہی تھی۔ گھر پہنچا تو پتا چلا کہ حسات احمد کو کال کرنا تو بھول ہی گیا۔ اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔ میں نے یہ کام اگلے دن پہلا لئے ہوئے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور پولیس بک پر یوں ہی سرچ کرنے لگا۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک خیال نکلا۔ ہو سکتا ہے افواہ کرنے والوں میں بک پر موجود افراد میں سے اس کی دوستی سوشل میڈیا پر ہی ہوئی ہو۔ میں بے چین ہو گیا۔ میں جلد سے جلد اس معاملے کی جڑ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ یہ رات بے چینی میں گئی۔

اگلی صبح جا کا توجہ کے کوٹھڑی میں تھے۔ اتوار تھا مگر میں جلدی جلدی تیار ہوا اور خان احمد سے گاڑی ٹانے کے لیے کہا کیونکہ میں نے دن کے دس بجے رپورٹرز کی ہنگامی میٹنگ رکھی تھی۔ میں میٹنگ شروع ہونے سے پہلے پانچ منٹ قبل ہی دفتر پہنچا ہوں گا۔ چار بجوں پر پولیس نے نا کے پروکارم گرفتار کرانے پر جانے دیا۔ میڈیا میں ہونے کا واحد قاعدہ ان دنوں یہی ہے کہ آپ نا کے پر ڈکے سے بچ جاتے ہیں کیونکہ گاڑیوں کے چالان تو اب آن لائن کتے ہیں تو ٹریفک پولیس والوں کو دھوکا دینا بھی ممکن نہیں رہا۔

میٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے سب سے پہلے حسات احمد کو کال کی جو انہوں نے مصروف کر دی۔ میں چوڑے رائٹریٹ پر سرٹفک کر تا رہا مگر حسات احمد کی کال نہیں آئی۔ میں نے دوبارہ کال کی تو انہوں نے پھر مصروف کر دی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مصروف تھے۔ میں نے اختیار احمد کو کال کی جو آج رپورٹرز میٹنگ میں شریک نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ مختلف پولیس اسٹیشن میں موجود تھا جہاں سے یہ لاش ملی تھی اور لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

اسی دوران میرے فون کی گھنٹی بجی۔ حسات احمد کی کال آ رہی تھی۔ میں نے فوراً کال اینڈنگ کی تو سوچا کہ رات کو کال نہ کرنے پر معذرت کروں مگر یہ سن کر شفقی ہوئی کہ وہ خود معذرت خواہ تھے کہ وہ پہلے میری کال اینڈنگ نہیں کر سکے تھے۔

”میر صاحب، ہم نے ان دونوں افواہ ہونے والوں کے پچھلے ایک ماہ کے کال ریکارڈز کا جائزہ لیا ہے مگر ایسا کوئی سراغ نہیں مل سکا جس سے یہ معلوم ہو کہ ان کے درمیان کوئی رابطہ رہا ہے۔“

”اوہ اچھا۔“ میں نے سر دھو آہمیری مگر پھر ایک

انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو میں رو نہیں سکا اور دل کی بات زباں پر آ گئی۔

”آپ حاضر رہتے تو یمن عدم اغوا ہی نہ ہوتا۔“ میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

”میر صاحب، میں شرط لگانے پر تیار ہوں کہ یہ دو دنوں افراد اغوا نہیں ہوئے بلکہ اپنی مرضی سے کہیں چلے گئے ہیں۔“ وحید صاحب نے میرے قیمتی نظر امداد کرتے ہوئے کہا۔

”اغوا نہیں ہوئے تو کہاں چلے گئے ہیں؟“ میں نے معنوی جرأت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”ہوں گے اپنی محبوباؤں کی بغل میں اور کہاں جائیں گے؟“ وحید صاحب نے کندھے اچکاتے ہوئے پوچھا۔

”افسروں کے سے روایتی اعزاز ہیں۔“

”کیا دونوں ایک ہی محبوبہ کی بغل میں ہیں؟“ میں نے برجستہ کہا تو ساتھ ہی ہم دونوں کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا۔

وحید صاحب اس پر آگیاں باغیں شامیں کرنے لگا تو میں نے اس سے اجازت لی اور مزک پر چل قدمی کے بے انداز میں آگے بڑھ گیا۔ یہ شاہراہ ختم ہونے تک بڑے محل سے

طرف کا جائزہ دیتا رہا۔ دونوں جانب ایک اور دو کنال کے کمرختے۔ درمیان میں ایک چوک تھا جہاں سے راستہ دائیں اور بائیں جانب مڑ جاتا تھا۔ یہ تیس فٹ چوڑی گلی تھی اور اس کے اطراف میں بھی ایسے ہی عالی شان مکانات تھے۔

مکانات میں سکوت طاری تھا۔ اس وقت دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔ میں واپس چوک پر آگیا جہاں اب چند پولیس اہل کار نا کا لگائے کھڑے تھے اور ایک ڈیوڑی بوائے کو روکا ہوا تھا، میں قریب گیا تو ایک پولیس اہل کار میری جانب بڑھا اور کہنے لگا۔

”سر دیکھیے، یہ نوجوان سیکرٹریٹ کے کسی گھر میں ڈیوڑی کے لیے جانا چاہتا ہے مگر اس کے پاس شناختی کارڈ نہیں۔ حکام بالاکھم ہے کہ ہم کسی غیر باغی کو اس مزک پر نہ جانے دیں۔“

میں نے نوجوان کی جانب دیکھا جو ملتجیانہ نظروں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ میں نے اہل کار سے گزارش کی کہ وہ اس کا دفتر کی کارڈ رکھ لے اور اسے جانے دے۔

یہ بات شاید اس اہل کار کے لیے بندھ گئی اور اس نے اپنے ساتھی اہل کاروں کو اشارہ کیا کہ وہ اس ڈیوڑی بوائے کو جانے دے جو میری جانب ہنسنے کے اعزاز سے دیکھ رہا

تھا۔

میں نے نوجوان کی جانب دیکھا جو ملتجیانہ نظروں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ میں نے اہل کار سے گزارش کی کہ وہ اس کا دفتر کی کارڈ رکھ لے اور اسے جانے دے۔

یہ بات شاید اس اہل کار کے لیے بندھ گئی اور اس نے اپنے ساتھی اہل کاروں کو اشارہ کیا کہ وہ اس ڈیوڑی بوائے کو جانے دے جو میری جانب ہنسنے کے اعزاز سے دیکھ رہا

تھا۔

میں نے نوجوان کی جانب دیکھا جو ملتجیانہ نظروں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ میں نے اہل کار سے گزارش کی کہ وہ اس کا دفتر کی کارڈ رکھ لے اور اسے جانے دے۔

یہ بات شاید اس اہل کار کے لیے بندھ گئی اور اس نے اپنے ساتھی اہل کاروں کو اشارہ کیا کہ وہ اس ڈیوڑی بوائے کو جانے دے جو میری جانب ہنسنے کے اعزاز سے دیکھ رہا

تھا۔

خیال میرے ذہن میں بجلی کے کوندے کی طرح لپکا جس نے مجھے رات سے بے چین کر رکھا تھا۔

”حنات صاحب، آپ نے ان دونوں کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ چیک کیے۔ کیا یہ سوشل میڈیا پر تو ایک دوسرے سے منسلک نہیں تھے؟“ میں نے پوچھا۔

”میر صاحب، آپ واقعتاً معاملات کو بہت گہرائی سے دیکھتے ہیں۔ آپ کی کل کال آنے کے بعد میرا دھیان اس جانب گیا تھا۔ میری ٹیم نے اس پر کام کیا ہے مگر کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ ان کی سوشل میڈیا پر کسی دوستی نہیں تھی۔“

”لیکن فیس بک پر ان کے کچھ مشترکہ دوست تو ہو سکتے ہیں؟“ میں نے بے دھیانی میں سوال داغ دیا۔

”اودھ، یہ نکتہ اہم ہے۔ یہ ممکن ہے لیکن اس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟“ انہوں نے سوال کیا۔

میرا بے دھیانی میں کیا کیا سوال بہت سے رازوں سے پردہ اٹھا سکتا تھا لیکن اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ اند میرے میں چلایا گیا، یہ تیرنٹا نے پر لگتا۔

”ممکن ہے کہ ان دونوں کے اغوا میں ان کا کوئی مشترکہ دوست ہی ملوث ہو۔“ میں نے کہا تو حنات احمد صاحب نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے فون بند کر دیا اور میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے مجھ سے دوبارہ رابطہ کرنے کا وعدہ کیا اور ایک بار پھر میری کال انیڈینڈ نہ کر سکے پر مجھ سے معذرت کی۔

اس وقت میں کسی نادروائی طاقت کے زیر اثر دفتر سے نکلا اور سیکرٹریٹ پہنچ گیا جہاں اغوا کی یہ تینوں وارداتیں ہوئی تھیں۔ چوک کے علاوہ سیکرٹریٹ کی اس ساٹھ فٹ چوڑی

مزک پر بھی پولیس کی ہماری فوری موجودگی جہاں سے یہ تینوں افراد اغوا ہوئے تھے۔

مقامی پولیس سٹیشن کا ایس ایچ او وحید صاحبیہاں پرانا

شنا تھا۔ اس نے مجھے چوک میں گاڑی پارک کرتے ہوئے دیکھا تو فوراً میری جانب لپکا اور چھوٹے ہی بولا۔

”میر صاحب، میں سوچ رہا تھا، آپ سے ایسے ہی موقعوں پر ملاقات ہوتی ہے مگر اس بار آپ نظر ہی نہیں آئے؟“

”جی، ہم تو دو ہفتے قبل یہاں سے گزرے مگر کوئی بندہ بٹری نہیں تھا۔ اب آپ ہی کیجیے کہ آپ کو کہاں تلاش کرتے؟“

”میر صاحب، آپ حکم کرتے، ہم حاضر ہو جاتے۔“

میں نے نوجوان کی جانب دیکھا جو ملتجیانہ نظروں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ میں نے اہل کار سے گزارش کی کہ وہ اس کا دفتر کی کارڈ رکھ لے اور اسے جانے دے۔

یہ بات شاید اس اہل کار کے لیے بندھ گئی اور اس نے اپنے ساتھی اہل کاروں کو اشارہ کیا کہ وہ اس ڈیوڑی بوائے کو جانے دے جو میری جانب ہنسنے کے اعزاز سے دیکھ رہا

تھا۔

میں نے نوجوان کی جانب دیکھا جو ملتجیانہ نظروں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ میں نے اہل کار سے گزارش کی کہ وہ اس کا دفتر کی کارڈ رکھ لے اور اسے جانے دے۔

یہ بات شاید اس اہل کار کے لیے بندھ گئی اور اس نے اپنے ساتھی اہل کاروں کو اشارہ کیا کہ وہ اس ڈیوڑی بوائے کو جانے دے جو میری جانب ہنسنے کے اعزاز سے دیکھ رہا

تھا۔

میں نے نوجوان کی جانب دیکھا جو ملتجیانہ نظروں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ میں نے اہل کار سے گزارش کی کہ وہ اس کا دفتر کی کارڈ رکھ لے اور اسے جانے دے۔

یہ بات شاید اس اہل کار کے لیے بندھ گئی اور اس نے اپنے ساتھی اہل کاروں کو اشارہ کیا کہ وہ اس ڈیوڑی بوائے کو جانے دے جو میری جانب ہنسنے کے اعزاز سے دیکھ رہا

تھا۔

میں گاڑی کا لاک کھول رہی رہا تھا جب میرا فون بنگ  
اٹھا۔ اختیار احمد کال کر رہا تھا۔

”سر، پوسٹ مارٹم رپورٹ آگئی ہے۔ متوکل کو کسی  
تیز دھار آلے سے قتل کیا گیا ہے۔ بہت زیادہ امکان یہی  
ہے کہ لکڑی کاٹنے والے آلے کا استعمال ہوا ہے۔“

”اور ڈی این اے رپورٹ کا کیا ہوا؟“ میں نے  
استفسار کیا۔

”ڈی این اے رپورٹ فی الحال نہیں آئی مگر پولیس  
نے دونوں موقعوں کے درمیان کے پمپل بھی ڈی این اے  
ٹیسٹنگ کے لیے بھجوا دیے ہیں۔ امید ہے کہ شام تک  
صورت حال واضح ہو جائے گی۔“

یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ پاکستان میں اب بھی ڈی  
این اے ٹیسٹنگ میں کئی دن لگ جاتے ہیں اور شاؤد  
نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں ہنگامی بنیادوں پر  
ڈی این اے ٹیسٹنگ کا مکمل مکمل ہو۔ یہ معاملہ چونکہ حساس  
نوعیت کا تھا اور اسے میڈیا میں کوئی نہ بھی ل رہی تھی جس کے  
باعث ہنگامی بنیادوں پر ڈی این اے ٹیسٹنگ کی جارہی  
تھی۔

”پوسٹ مارٹم سے مرنے والے کی عمر تو واضح ہوئی  
ہوگی؟“ میں نے استفسار کیا۔

”جی سر، ڈاکٹر زک کا کہنا ہے کہ مرنے والے کی عمر تیس  
سے پینتیس سال کے درمیان رہی ہوگی۔“ مجھے اپنا شہر  
درست ہوتا ہوا معلوم ہوا کہ مرنے والا اگر خواہوں  
والوں میں سے کوئی ہوا تو یہ پورا معاملہ سر کے بل اُلٹ  
جائے گا۔

میں نے اختیار احمد کا شکر یہ ادا کیا اور واپس دفتر کی  
جانب روانہ ہو گیا۔ پورے راستے یہی سوچتا رہا کہ اس  
داروالت میں ایسا کون لوٹ ہو سکتا ہے جس نے اپنے پیچھے  
کوئی سراغ نہیں چھوڑا۔ یہ سوال مجھے بار بار یہ چین کر رہا  
تھا کہ خواہ کر کے بعد قتل ہی کرنا تھا تو دینے انتظار کیوں  
کیا؟ اس کیوں کا جواب پانے کے لیے فی الحال شام تک  
انتظار کرنا تھا۔

میں نے اس بار بہت گہرائی سے اس پورے علاقے  
کا جائزہ لیا تھا۔ ساٹھ فٹ چوڑی سڑک پر دونوں جانب  
چائیس مگرے تھے جبکہ تیس فٹ چوڑی گلی کے دونوں طرف  
پینتیس کے قریب مگرے تھے اور یہ ایک جانب سے بندھی جس  
کا مطلب یہ تھا کہ اس پورے رہائشی بلاک میں پچھتر مگر  
جاسوسی ڈائجسٹ 183 جنوری 2025ء

تھے۔ میرے لیے ہی نہیں بلکہ پولیس کے لیے بھی کسی بھی  
مگرے میں کسی شہوت کے بغیر چھاننا مشکلات کمزور کر سکتا تھا۔  
لیکن میری پچھلی حس کہہ رہی تھی کہ خواہوں والوں کو انہی  
مگرے میں سے کسی ایک میں رکھا گیا ہوگا مگر یہ جاننے کا  
میرے پاس کوئی طریقہ کار موجود نہیں تھا۔

میں ان سوچوں میں ہی مگن دفتر پہنچ گیا۔ کین میں  
داخل ہو ہی رہا تھا کہ چینی ٹپک پڑا اور چہرے پر مسکراہٹ  
سجائے مجھ سے کالی کا پوچھنے لگا۔ وہ میرے اشارات میں  
جواب دیتے پر فوراً آفس ہوائے کی جانب پکارتا کہ میرے  
لیے ایک کرک سی بلیک کافی لے آئے۔ میں دوبارہ نیٹ پر  
براؤزنگ کرنے لگا۔

یہ آسان نہیں ہے کہ آپ تبدیل ہوتے ہوئے  
رجحانات کے ساتھ خود کو کم آنکھ رکھ پائیں اور خاص طور  
پر جب آپ ایسے دور میں رہے ہوں جب ہل ہل دینا  
بدل ہو رہی ہو۔ میں انہی سوچوں میں غلطیاں تھا جب آفس  
ہوائے کالی کا کپ لیے میرے کمرے میں داخل ہوا۔

میرے ذہن کے نمایاں گوشوں میں اب بھی ڈیویری  
ہوائے کا ملبہ چہرہ گردش کر رہا تھا۔ اس بے چارے کو روز  
پچھلی ہی بار یوں شامی پڑنے سے گزرنا پڑتا ہوگا۔ ایک  
شامی کارڈم ہو جانے کی یہ سزا بہت زیادہ تھی۔ بانیہ شہر  
نظام کے ہوتے ہوئے پولیس اہل کاروں کو ایسی ڈیویری  
فرائیم کی جاسکتی ہیں جس سے اس جمعیت سے ہی جان  
چھوٹ سکتی ہے۔ اس وقت ایک خیال نے مجھے اپنی گرفت  
میں لے لیا جس کی وجہ چینی ہی تھا جو اپنی تمام ترکی، مٹی کے  
باوجود اکثر ایسے موقعوں پر میرے لیے بہت مفید ثابت ہوتا  
رہا ہے۔

سہ پہر کے چار بج رہے تھے اور اس نے میرے  
پوچھے پتائی میرے اور اپنے لیے برائی آرڈر کر دی تھی، یہ  
جانتے ہوئے بھی کہ میں ان دنوں پر ہیزی غذا پر تھا۔ مگر  
میں نے اسے اس لیے نہیں ٹوکا کیونکہ میں خود بھی آج کچھ  
بد پرہیزی کرنے کے موڈ میں تھا۔

”چینی، تم خود بھی تو برائی لا سکتے تھے۔ یہ آرڈر  
کرنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ برائی والے کی دکان سامنے  
ہی تو ہے؟“ میں نے حیرانی سے چینی سے پوچھا۔

”سر دیکھیے، ایک تو مجھے کام چھوڑ کر برائی لینے کے  
لیے جانا پڑتا، پھر وہاں قطار میں کھڑا ہوتا اور یوں بہت سا  
وقت ضائع ہو جاتا۔ ڈیویری پر کوئی اضافی پیسے بھی نہیں  
دیتے پڑتے تو کوئی اس جمعیت میں پڑے ہی کیوں؟“



میں نے یاسر حیات صاحب کا نمبر ڈال لیا۔ وہ دفتر میں ہی موجود تھے۔ میں نے فوراً ان کے دفتر کا رخ کیا۔ انہوں نے میرے کہے بغیر دروازہ اندر سے لاک کر دیا اور اپنی بیکری کو گھاس دیات کی کسا خیار کے چٹا لے کر صاحب بھی کال کر دیں تو انہیں یہ کہہ دیا جائے کہ میں اس وقت مصروف ہوں۔ وہ جہنم کو گئی تھے۔

”یاسر صاحب، مجھے یہ جانتا تھا کہ آپ جواد حسن صاحب کی ڈی این اے میٹنگ کی کئی سے یا نہیں تاکہ یہ کلیئر ہو جائے کہ یہ جو لادارت لاش ملی ہے، یہ ان کی نہیں ہے؟“

”جی، میرے ذرائع کے مطابق، ان کی ڈی این اے میٹنگ ہو چکی ہے اور ان کی موت کافی اہمال کوئی ثبوت نہیں ملا۔“ انہوں نے ذرائع پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”آپ کے ذرائع جب سب کام اپنے طور پر کر سکتے ہیں تو پھر میں کس کیمت کی مولیٰ ہوں؟“ میں نے طنز بولا۔ ”میر حسن صاحب، سچ کہوں تو جواد حسن کے اخوا نے خفیہ ادارے کے اہل کاروں کی رات کی نیندیں اڑا دی ہیں۔ وہ یوگلا کھتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ دارالحکومت میں اگر وہ کوئی سرچ آپریشن کرتے ہیں تو یہ خبر میڈیا پر آ جائے گی اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ملک دشمن قوتیں ایسے ہی مورخ کی تاک میں ہوتی ہیں۔“

”یاسر صاحب، میں اب بھی یہی کہوں گا کہ ایک، سوائی کے طور پر میں جو کر سکتا تھا، میں نے کیا ہے مگر اس سے آگے بڑھنا اداروں کے اختیار میں مداخلت کے مترادف ہوگا۔“ میں نے زور دیتے ہوئے کہا۔

”آپ اداروں کے اختیار میں مداخلت کی پروا نہ کیجیے، جو درست لگتا ہے وہ کیجیے مگر اپنی جان کے تحفظ پر کوئی کھردرانہ نہ کیجیے گا۔“ انہوں نے تاکید کرتے ہوئے کہا۔ میں نے گھڑی دیکھی تو آٹھ بج رہے تھے۔ ہم کچھ ادر ویراس معاملے کے مختلف پہلوؤں پر بات کرتے رہے جس کے بعد میں اپنے دڑے لڑا کین میں واپس لوٹا تو پہلا کام حیات احمد کو کال کرنے کا کیا۔ ان سے مجھے کچھ معلومات حاصل ہونے کی امید تھی۔ انہوں نے اس بار بجلی تل پر ہی فون اٹھالیا۔

”میر صاحب، میں آپ کو یہی کال کرنے والا تھا۔“

”کوئی سراہا تھا؟“

”دونوں کے سات دوست مشترک ہیں۔ ہم نے ان سب کے پس منظر کی جانچ کی ہے مگر کچھ ایسا اٹھ نہیں لگا جو

جنوری 2025ء

”ہاں تو درست ہے۔“ میں نے اثبات میں جواب

دیا اور پھر اس سے پوچھا۔ ”لیکن بہت سے لوگ گھر میں قاریخ ہوتے ہوئے بھی باہر جانے کی زحمت نہیں کرتے اور گھر پر ہی کھانا منگوا لیتے ہیں۔“

”جتنی اہمیت دیے جانے کے احساس میں گویا ہوں، سر کمان ہی نہیں، لوگ تو اب بہت سے کام ان ڈیوری والوں کے ذریعے کر دوانے لگے ہیں جیسا کہ آپ کو گھر سے کوئی چیز منگوانی ہے تو آپ یہ خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔“ ”اوہ!“ میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ میں نے ڈیوری بواز کو کئی بار دیکھا تھا مگر اس جانب میرا دھیان بھی نہیں کیا تھا۔ سیکر ایٹ کے اس رہائشی بلاک کے پتھر کردوں میں سے کچھ میں تو لازمی ڈیوری بواز جاتے ہوں گے اور ان کا اگر ایک ہے یا زیادہ لوگ ہیں تو وہ باہر آنے کا کسی طور پر خطر مول نہیں لیتا چاہیں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے گھر ڈیوری بواز کا آنا جانا زیادہ ہوگا۔ یہ ایک ایسا سراخ ہو سکتا تھا جو ان کا رہائشی کاروں تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہو سکتا تھا مگر ان کردوں پر نظر رکھنا آسان کام نہیں تھا کیونکہ میں اگرچہ جاسوس کے طور پر مشہور تھا مگر جاسوس تھا نہیں۔ میں انہی سوچوں میں غلطیاں تھا جب مجھے اختیار احمد کی کال موصول ہوئی جس کی بتائی ہوئی خبر نے اس پرے معاملے کا رخ ہی بدل دیا۔

”سر، ڈی این اے میٹنگ مکمل ہو گئی ہے۔ مرنے والا سیکل خان یا حسین عظیم میں سے کوئی بھی نہیں۔ وہ کوئی تیرا ہی ہے۔“

”تیرا مطلب؟“ میں نے چونکتے ہوئے پوچھا کیونکہ جواد حسن کے بارے میں میرے اور یاسر حیات کے سوا اور کوئی آگاہ نہیں تھا۔

”اس قتل کے دو قسے کا انوا کے معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔“

اختیار احمد ایسا سوچ سکتا تھا کیونکہ وہ جواد حسن کے انوا کے بارے میں آگاہ نہیں تھا۔ فارزک لیپ کے ملک دشنا حیات اور نول خیر انجمنی کے حیات احمد یقیناً جواد حسن کے انوا کے بارے میں آگاہ تھے مگر صحافی اخلاقیات مجھے یہ اجازت نہیں دیتی تھی کہ میں ان سے اس بارے میں کوئی جانکاری حاصل کروں۔ یاسر حیات ہی میرے لیے اس موقع پر ٹرپ کا پتا ثابت ہو سکتے تھے اور ایسا ہوا بھی۔

اس کیفیت کو آگے بڑھانے میں مددگار ہو۔ دو بندے ایسے ہیں جن کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکتیں جن میں سے ایک خاتون ہیں جو امریکا سے فارغ التحصیل ہیں اور بیورو سائنسٹ ہیں جبکہ دوسرے ایک صاحب ہیں جو انور ہونے والوں کے ہم عمر ہیں۔

”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم ایک باہر ہندگی میں کھڑے ہیں؟“ میں نے اپنی کے عالم میں کہا۔

”میر صاحب، معاملہ تو کچھ ایسا ہی ہے مگر ہندگی ہی تو بند نہیں رہے گی۔“

ان کی اس بات میں وزن تھا۔ اپنے لیے خود راستے وا کرنے کا وقت اسکی تھا۔ بہت عرصے بعد وہ کام کرنے کی سوچ رہا تھا جس سے ممکن ہے، میں ہندگی کے اس پار دیکھنے کے قابل ہو جاتا۔

مجھے ان پختہ کمروں کے برے جھانکنا جو آسان نہیں تھا۔ رہ پڑ کر کمروں کی گرائی کے لیے بیچتا تو مشکل ہوتا۔ پولیس میں اپنے ذرائع سے مدد طلب کرتا تو کارسز کار میں داخلت ہوتی جبکہ حقیقت میں وہ اس وقت خود میری مدد حاصل کرنا جا رہے تھے۔ ایک ہی راستہ تھا کہ میں خود اس گلی کا طواف کرتا جو ایک تو صحت کے مسائل کے باعث ممکن نہیں تھا اور بہت سے لوگ میرے چہرے شامساتے یا کسی نا کسی حوالے سے مجھ سے واقفیت رکھتے تھے تو اس لیے یہ بھی نارنج از اسکان خیال تھا۔

اس وقت شاہ صاحب کا نام میرے ذہن میں آیا، ان کے لڑکوں نے اگر یہ کام نہیں کیا تھا تو وہ اپنے لڑکوں کے ذریعے اس سعی کو سنبھالنے میں میرے لیے بہت زیادہ مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ بہت برس پہلے بھی، جب وہ ابھی ساست میں نہیں آئے تھے، وہ میری ایک ایسے ہی کام میں مدد کر چکے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اس بار بھی مجھے انکار نہیں کریں گے مگر پولیس کی اس علاقے میں موجودگی کے باعث فی الوقت یہ قدم اٹھانا مشکل ہو سکتا تھا لیکن میں پُر یقین تھا کہ یہ وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے کمروں میں جھانکے بغیر کسی کچھ ایسی معلومات حاصل کی جاسکتی تھیں جو انور کی بہت زیادہ دلچسپی اس سعی کو سنبھالنے میں مددگار ثابت ہو تیں۔

چنانچہ میں نے پستا کسی ناخبر کے شاہ صاحب کا نمبر ملایا مگر استیصال کا دامن اچھے سے نہیں چھوڑا اور اپنا وہ نمبر استعمال کیا جو میں ایسے مقاصد پر استعمال کیا کرتا ہوں۔ شاہ صاحب نے دوسری ہی تہل پر فون اٹھالیا۔

”جی میر صاحب، کیا ہوا؟ تھیل خان کے بارے میں جاسوسی ڈائجسٹ“

”ہاں سنا ہے۔ اس میں عرض کروں جو انور سے اکثر ایسی لٹلی ہو جاتی ہے کہ وہ بتائے کہیں چلے جاتے ہیں۔ خیر آپ بتائیے کیا حکم ہے؟“ انہوں نے جانتے بوجھ سے بندگی میں سوال کیا۔

”مجھے آپ کے کچھ لڑکوں کی ضرورت ہے۔“ میں نے کوئی گلی پٹری کے بغیر کہا۔

”میرے لڑکوں کی۔۔۔ خیر ت تو ہے، کسی کو نکل یا انور تو نہیں کروانا؟“

”اوہ، شاہ جی، ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے تین چار لڑکوں کی ضرورت ہے۔ ایک معاملہ اُلجھا ہوا ہے، وہ سنبھالنا ہے۔“

”کیا کسی کی پسپائی لگوانی ہے؟“

”اوہ، شاہ جی انہیں ایسی بات نہیں ہے۔ کچھ کمروں میں جھانکنا ہے بس۔“

”میر صاحب یہ تاک جھانک کا کام کب سے شروع کر دیا آپ نے؟“ اس پر ہم دونوں کا تہقہ بلند ہو گیا۔

”شاہ جی، یوں کہہ لیجئے کہ جاسوسی کرتی ہے۔“ میں نے اب مکمل کر بات کی۔

”اوہ، اچھا۔ میں اپنے مشن کے کو کہہ دیتا ہوں، وہ آپ سے کل صبح کو بچے رابطہ کر لے گا۔“ میں نے شاہ جی کا شکریہ ادا کیا کیونکہ مجھے اب یہ امید ہو چلی تھی کہ میں وہ گروہ کھولنے میں کام یاب رہوں گا جو اب تک کھولی نہیں جاسکتی تھی۔

اگلے روز صبح کو بچے ہی میرے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری جانب شاہ صاحب کا صوبہ راست جاوید عرف جبارا تھا جس میں نے ہندی بات سمجھا دی اور یوں وہ ہم شرار ہوئی جسے بالآخر سختی انجام تک پہنچنا تھا۔

دفتر کی میٹنگ سے فارغ ہوا تو اختیار احمد نے مجھے آگاہ کیا کہ روپی ٹالے سے ملنے والی لاش کا سر مل گیا ہے،

اس وقت شاہ صاحب کا نام میرے ذہن میں آیا، ان کے لڑکوں نے اگر یہ کام نہیں کیا تھا تو وہ اپنے لڑکوں کے ذریعے اس سعی کو سنبھالنے میں میرے لیے بہت زیادہ مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ بہت برس پہلے بھی، جب وہ ابھی ساست میں نہیں آئے تھے، وہ میری ایک ایسے ہی کام میں مدد کر چکے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اس بار بھی مجھے انکار نہیں کریں گے مگر پولیس کی اس علاقے میں موجودگی کے باعث فی الوقت یہ قدم اٹھانا مشکل ہو سکتا تھا لیکن میں پُر یقین تھا کہ یہ وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے کمروں میں جھانکے بغیر کسی کچھ ایسی معلومات حاصل کی جاسکتی تھیں جو انور کی بہت زیادہ دلچسپی اس سعی کو سنبھالنے میں مددگار ثابت ہو تیں۔

چنانچہ میں نے پستا کسی ناخبر کے شاہ صاحب کا نمبر ملایا مگر استیصال کا دامن اچھے سے نہیں چھوڑا اور اپنا وہ نمبر استعمال کیا جو میں ایسے مقاصد پر استعمال کیا کرتا ہوں۔ شاہ صاحب نے دوسری ہی تہل پر فون اٹھالیا۔

”جی میر صاحب، کیا ہوا؟ تھیل خان کے بارے میں جاسوسی ڈائجسٹ“

”ہاں سنا ہے۔ اس میں عرض کروں جو انور سے اکثر ایسی لٹلی ہو جاتی ہے کہ وہ بتائے کہیں چلے جاتے ہیں۔ خیر آپ بتائیے کیا حکم ہے؟“ انہوں نے جانتے بوجھ سے بندگی میں سوال کیا۔

”مجھے آپ کے کچھ لڑکوں کی ضرورت ہے۔“ میں نے کوئی گلی پٹری کے بغیر کہا۔

”میرے لڑکوں کی۔۔۔ خیر ت تو ہے، کسی کو نکل یا انور تو نہیں کروانا؟“

”اوہ، شاہ جی، ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے تین چار لڑکوں کی ضرورت ہے۔ ایک معاملہ اُلجھا ہوا ہے، وہ سنبھالنا ہے۔“

”کیا کسی کی پسپائی لگوانی ہے؟“

”اوہ، شاہ جی انہیں ایسی بات نہیں ہے۔ کچھ کمروں میں جھانکنا ہے بس۔“

”میر صاحب یہ تاک جھانک کا کام کب سے شروع کر دیا آپ نے؟“ اس پر ہم دونوں کا تہقہ بلند ہو گیا۔

”شاہ جی، یوں کہہ لیجئے کہ جاسوسی کرتی ہے۔“ میں نے اب مکمل کر بات کی۔

”اوہ، اچھا۔ میں اپنے مشن کے کو کہہ دیتا ہوں، وہ آپ سے کل صبح کو بچے رابطہ کر لے گا۔“ میں نے شاہ جی کا شکریہ ادا کیا کیونکہ مجھے اب یہ امید ہو چلی تھی کہ میں وہ گروہ کھولنے میں کام یاب رہوں گا جو اب تک کھولی نہیں جاسکتی تھی۔

اگلے روز صبح کو بچے ہی میرے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری جانب شاہ صاحب کا صوبہ راست جاوید عرف جبارا تھا جس میں نے ہندی بات سمجھا دی اور یوں وہ ہم شرار ہوئی جسے بالآخر سختی انجام تک پہنچنا تھا۔

دفتر کی میٹنگ سے فارغ ہوا تو اختیار احمد نے مجھے آگاہ کیا کہ روپی ٹالے سے ملنے والی لاش کا سر مل گیا ہے،

مجھے ان پختہ کمروں کے برے جھانکنا جو آسان نہیں تھا۔ رہ پڑ کر کمروں کی گرائی کے لیے بیچتا تو مشکل ہوتا۔ پولیس میں اپنے ذرائع سے مدد طلب کرتا تو کارسز کار میں داخلت ہوتی جبکہ حقیقت میں وہ اس وقت خود میری مدد حاصل کرنا جا رہے تھے۔ ایک ہی راستہ تھا کہ میں خود اس گلی کا طواف کرتا جو ایک تو صحت کے مسائل کے باعث ممکن نہیں تھا اور بہت سے لوگ میرے چہرے شامساتے یا کسی نا کسی حوالے سے مجھ سے واقفیت رکھتے تھے تو اس لیے یہ بھی نارنج از اسکان خیال تھا۔

اس وقت شاہ صاحب کا نام میرے ذہن میں آیا، ان کے لڑکوں نے اگر یہ کام نہیں کیا تھا تو وہ اپنے لڑکوں کے ذریعے اس سعی کو سنبھالنے میں میرے لیے بہت زیادہ مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ بہت برس پہلے بھی، جب وہ ابھی ساست میں نہیں آئے تھے، وہ میری ایک ایسے ہی کام میں مدد کر چکے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اس بار بھی مجھے انکار نہیں کریں گے مگر پولیس کی اس علاقے میں موجودگی کے باعث فی الوقت یہ قدم اٹھانا مشکل ہو سکتا تھا لیکن میں پُر یقین تھا کہ یہ وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے کمروں میں جھانکے بغیر کسی کچھ ایسی معلومات حاصل کی جاسکتی تھیں جو انور کی بہت زیادہ دلچسپی اس سعی کو سنبھالنے میں مددگار ثابت ہو تیں۔

چنانچہ میں نے پستا کسی ناخبر کے شاہ صاحب کا نمبر ملایا مگر استیصال کا دامن اچھے سے نہیں چھوڑا اور اپنا وہ نمبر استعمال کیا جو میں ایسے مقاصد پر استعمال کیا کرتا ہوں۔ شاہ صاحب نے دوسری ہی تہل پر فون اٹھالیا۔

”جی میر صاحب، کیا ہوا؟ تھیل خان کے بارے میں جاسوسی ڈائجسٹ“

”ہاں سنا ہے۔ اس میں عرض کروں جو انور سے اکثر ایسی لٹلی ہو جاتی ہے کہ وہ بتائے کہیں چلے جاتے ہیں۔ خیر آپ بتائیے کیا حکم ہے؟“ انہوں نے جانتے بوجھ سے بندگی میں سوال کیا۔

”مجھے آپ کے کچھ لڑکوں کی ضرورت ہے۔“ میں نے کوئی گلی پٹری کے بغیر کہا۔

”میرے لڑکوں کی۔۔۔ خیر ت تو ہے، کسی کو نکل یا انور تو نہیں کروانا؟“

”اوہ، شاہ جی، ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے تین چار لڑکوں کی ضرورت ہے۔ ایک معاملہ اُلجھا ہوا ہے، وہ سنبھالنا ہے۔“

”کیا کسی کی پسپائی لگوانی ہے؟“

”اوہ، شاہ جی انہیں ایسی بات نہیں ہے۔ کچھ کمروں میں جھانکنا ہے بس۔“

”میر صاحب یہ تاک جھانک کا کام کب سے شروع کر دیا آپ نے؟“ اس پر ہم دونوں کا تہقہ بلند ہو گیا۔

”شاہ جی، یوں کہہ لیجئے کہ جاسوسی کرتی ہے۔“ میں نے اب مکمل کر بات کی۔

”اوہ، اچھا۔ میں اپنے مشن کے کو کہہ دیتا ہوں، وہ آپ سے کل صبح کو بچے رابطہ کر لے گا۔“ میں نے شاہ جی کا شکریہ ادا کیا کیونکہ مجھے اب یہ امید ہو چلی تھی کہ میں وہ گروہ کھولنے میں کام یاب رہوں گا جو اب تک کھولی نہیں جاسکتی تھی۔

اگلے روز صبح کو بچے ہی میرے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری جانب شاہ صاحب کا صوبہ راست جاوید عرف جبارا تھا جس میں نے ہندی بات سمجھا دی اور یوں وہ ہم شرار ہوئی جسے بالآخر سختی انجام تک پہنچنا تھا۔

دفتر کی میٹنگ سے فارغ ہوا تو اختیار احمد نے مجھے آگاہ کیا کہ روپی ٹالے سے ملنے والی لاش کا سر مل گیا ہے،

اس وقت شاہ صاحب کا نام میرے ذہن میں آیا، ان کے لڑکوں نے اگر یہ کام نہیں کیا تھا تو وہ اپنے لڑکوں کے ذریعے اس سعی کو سنبھالنے میں میرے لیے بہت زیادہ مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ بہت برس پہلے بھی، جب وہ ابھی ساست میں نہیں آئے تھے، وہ میری ایک ایسے ہی کام میں مدد کر چکے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اس بار بھی مجھے انکار نہیں کریں گے مگر پولیس کی اس علاقے میں موجودگی کے باعث فی الوقت یہ قدم اٹھانا مشکل ہو سکتا تھا لیکن میں پُر یقین تھا کہ یہ وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے کمروں میں جھانکے بغیر کسی کچھ ایسی معلومات حاصل کی جاسکتی تھیں جو انور کی بہت زیادہ دلچسپی اس سعی کو سنبھالنے میں مددگار ثابت ہو تیں۔

چنانچہ میں نے پستا کسی ناخبر کے شاہ صاحب کا نمبر ملایا مگر استیصال کا دامن اچھے سے نہیں چھوڑا اور اپنا وہ نمبر استعمال کیا جو میں ایسے مقاصد پر استعمال کیا کرتا ہوں۔ شاہ صاحب نے دوسری ہی تہل پر فون اٹھالیا۔

”جی میر صاحب، کیا ہوا؟ تھیل خان کے بارے میں جاسوسی ڈائجسٹ“



کیونکہ اس عمر میں اب مہر جہانی کی ہی بھرتی کہاں کر دے کہتے ہیں ناکہ دماغ چلا کر ہے تو بڑا حایا آپ کا پکڑ نہیں پاؤں گا۔  
 جتنے کے روز میں ہو پوری طرح تیار تھا اور جیسے ہی اس کمر میں ڈیوری ہوائے کے گرمی کا سامان ڈیوری کیا تو میں اس کا تعاقب کرنے لگا، دو راستے میں رکنا شاید اس کی موٹر سائیکل کا بیٹرول فٹ ہو گیا تھا مگر میرا اعزاء لہذا۔ وہ سگریٹ پینے کے لیے رکا تھا۔ اس نے ہیلت اپنا رہا اور سگریٹ سلگایا۔

”لو جوان، کیا اچس ہو گی؟“ میں نے سگریٹ منہ میں دالے اس سے سوال پوچھا۔  
 ”جی ضرور“ میں نے اس کا ہنسی پر ادا کیا اور سگریٹ پینے لگا۔ میں نے اس سے اس کا نام پوچھا اور پھر چاکا اس کمر کے بارے میں پوچھا جہاں وہ گرمی کا سامان ڈیوری کر کے آ رہا تھا۔

وہ چونک گیا۔  
 ”آپ پولیس میں ہیں کیا؟“ اس نے استفسار کیا۔  
 ”ایسا ہی مجھ کو گاڑی میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“ میں نے بہم سا جواب دیا۔ وہ غالباً سہم کیا اور مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ میں کہیں سے بھی پولیس والا نہیں لگتا تھا مگر ایسے موقعوں پر اکثر اپنے بچے میں کھنگنی پیدا کر لیتا تھا جو پولیس والوں جیسی محسوس ہوتی ہے۔  
 ہم دونوں خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئے تو میں نے اپنا سوال کچھ مختلف انداز میں پوچھا۔  
 ”تم اس کمر میں کب سے گرمی ڈیوری کر رہے ہو؟“ میں نے استفسار کیا۔

”تین ماہ سے۔“ اس نے فوراً جواب دیا۔  
 ”تم روز وہاں سامان ڈیوری کرتے ہو یا کبھی کبھار کیونکہ کل میں نے تمہیں نہیں دیکھا تھا۔“ وہ میرے اندر میرے میں چلائے گئے اس تیر پر چونک گیا اور غالباً اسے یہ یقین ہو گیا کہ میں نے اپنے پولیس میں ہونے کے حوالے سے غلط نہیں کہا تھا۔

”میرا مانتے پندرہ دن میں ایک چکر لگتا ہے۔“  
 ”اس کمر میں کون کون رہتا ہے؟ کیا کمر والوں سے کبھی کوئی تعارف ہوا؟“ میں نے پوچھا۔  
 ”مہربت دیکھی کہانی ہے۔ ایک بزرگ جوڑا ہے۔ ان کا بیٹا ہمیں قریب ہی اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ رہتا ہے اور کئی کئی مہینے اپنے ماں باپ کی خبر نہیں لیتا۔“  
 ”کیا تم ان کی کہانیاں سننے رہتے ہو؟“ میں نے

جنوری 2025ء جاسوسی ڈائجسٹ

اور دو قریبی آبادی کے ہی ایک نوجوان کی لاش تھی جسے اس کے ایک قریبی عزیز نے جامداد کے تنازع پر اس سلاکت سے لٹی لیا تھا۔ میری روح تک کا پٹھی۔ کیا انسان زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے لیے اس حیوانیت پر بھی اتر سکتا ہے؟ میرے کیرئیر میں ایسے کئی واقعات آئے تھے جب معمولی دھچک پر بے رحمانہ طور پر انہوں نے ہی انہوں کا قتل کیا تھا۔ ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

اگلا ایک ہفتہ معمول کے مطابق گزر گیا۔ جاوید عرف ہمارا اور اس کے ساتھی ہمہ وقت سیکٹر میں موجود رہتے اور ہر آنے جانے والے پر گہری نظر رکھتے۔ جاوید عرف ہمارا مجھے اپنی روز کی کارگزاری سے آگاہ کرتا۔ ایک ہفتے بعد جاوید عرف ہمارا نے مجھے تفصیل سے آگاہ کیا جس کے بعد ہم نے تین گھر منتخب کیے جہاں ڈیوری ہوائے کا دوسرے گھروں کی نسبت زیادہ آنا جاتا تھا۔ جاوید عرف ہمارا کو میں نے کچھ روز حریان تین گھروں پر نظر رکھنے کے لیے کہا۔ ایک گھر اس جگہ سے ایک سوڑ کی دوری پر تھا جہاں سے سبیل خان کی گاڑی لٹی تھی جبکہ دوسرا گھر سیکٹر ایٹ کی اس سوڑ کے آخری سے پہلے والا گھر تھا جبکہ ایک گھر تیس فٹ چوڑی بندگلی میں تھا۔

جاوید عرف ہمارا تین روز بعد مزید تفصیل کے ساتھ مجھ سے ملا۔ یہ بدھ کا روز تھا اور جواد حسن کے خوا کو تقریباً یکسویں روز گزر چکے تھے جبکہ مین عظیم کو خوا ہوائے بھی دس روز ہونے کو آئے تھے۔ جاوید عرف ہمارا اصل معاملے کے بارے میں تو آگاہ نہیں تھا مگر چونکہ اس کا جرم کی دنیا سے تعلق رہا تھا تو وہ نام صرف زیادہ چوتنا رہا تھا بلکہ اس نے ذاتی طور پر اس معاملے میں دلچسپی لی تھی اور بالآخر دو گھر ہمارے سامنے تھے جن کے کمپنوں کا باہر کی دنیا سے صرف اور صرف ڈیوری ہوائے کے ذریعے ہی رابطہ تھا۔ میں نے جاوید عرف ہمارا کا اس مدد پر شکریہ ادا کیا اور یہ ہم بند کرنے کا پیام سنایا کیونکہ اب میرا میدان میں اترا ضروری ہو چکا تھا۔ میں نے شاہ جی کا بھی شکریہ ادا کیا۔

جاوید عرف ہمارا سے مجھے ان ڈیوری ہوائے کی کہانیوں کے بارے میں بھی معلوم ہو گیا تھا جن کے لیے وہ کام کرتے تھے۔ اس فہرست میں ایک گھر تو بن گئی تھی۔ جبکہ دوسرا گھر سبیل خان کے خوا کی جگہ سے ایک سوڑ کی دوری پر تھا۔ میں نے حضرت کے روز پورا دن اس گھر پر نظر رکھی اور اگلے روز صبح سویرے دوبارہ وہاں پہنچ گیا۔ میں نے دفتر سے تین روز کی پٹائی کی تھی اور اتوار کو دیے ہی چھٹی گئی تھی چار روز میں اپنی یہ ہم عمل کرتی تھی۔ یہ میرے لیے آسان نہیں تھا



میترا ابد لے ہوئے کہا۔

"نہیں سر، ایسی بات نہیں ہے۔" وہ گڑبڑا گیا۔

"پھر کیا بات ہے؟" میں نے اپنے لہجے میں موجود کڑنگی کو برقرار رکھا۔

"ہم ڈیوری ہمارے کو اپنے گھروں سے زیادہ ان گھروں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے جہاں ہم ڈیوری دیتے ہیں اور خاص طور پر جہاں ہمارا معمول سے زیادہ آنا جانا ہو۔"

"اچھا۔" میں نے اشارت میں سر ہلادیا۔

"کیا میٹریٹ میں کسی اور گھر میں بھی سامان ڈیور کرتے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا مگر اپنے ہی سوال کے استقناع پیمانہ پر مسکرا دیا۔

"جی سر، میں میٹریٹ کے اور بہت سے گھروں میں گھر دہری ڈیور کرتا ہوں۔"

"اس کی جگہ میں کوئی گھر؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں، اس جگہ میں صرف اسی ایک گھر میں سامان ڈیور کرتا ہوں۔" وہ دونوں کی بوچھاڑ سے پریشان ہو گیا تھا۔

"اچھا، لوگ تم سے رابطے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں؟ کوئی فون نمبر تو ہوگا تمہارے پاس ان کا؟" میں نے کہا تو اس نے فوراً اپنے موبائل سے مجھے اس بزرگ کا نمبر نکال دیا جو اس گھر میں رہائش پذیر تھے۔ میں اس سے کچھ دیر اور زحرف آخر کے سوال پر پتہ چار پاس کے بعد اسے یہ بتا دیکر کہ وہ اس بارے میں کسی سے ذکر نہ کرے۔

میں اب ایک بار گھر اپنے مہمن پر مصروف ہو چکا تھا۔ مجھے یہ بھی ذہن میں رکھنا تھا کہ میں کسی کی نظر میں آئے بغیر ان گھروں پر نظر نہ رکھ سکوں۔ میں نے اپنا حال کچھ تبدیل کر لیا تھا۔ دائیں بڑھی ہوئی کھجک انھوں پر نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا جس سے میری شخصیت کافی تبدیل ہو گئی تھی۔

مجھے اب بندھنی کے آخری کمر پر نظر رکھنی تھی۔ اتواری کی جگہ بالآخر مجھے وہ موقع مل گیا جب میں اس گھر اور اس کے مکین کے بارے میں کوئی اہم جان کاری حاصل کر پاتا۔

آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ان چار خٹوں سے جبکہ بارے رہے ہیں تو عرض کیے دونوں کہ پولیس ہو یا کوئی بھی خفیہ ادارہ، اس کو کاغذوں کے دائرے میں رہتے ہوئے کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے وہ خفیہ ادارے بھی جو بڑی یادہ وسفید مالک ہیں اور ہر جگہ کے بارے میں "علم" ہونے کا دعویٰ

جاسوسی ڈائجسٹ 482 جنوری 2025ء

کر رہے ہیں، وہ بھی بہت سے معاملات میں ہم صحافیوں پر ہی انحصار کر رہے ہوتے ہیں۔ یا سرحدات صاحب کی ہی مثال لے لیجئے جو ہمیشہ "ذرائع" کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو تیار رہتے ہیں۔

میں اتواری کی جگہ جگ سات بیچ ہی گھر سے نکلنے کے لیے روانہ ہوا تو میری زوجہ کچر و حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئیں، کیونکہ اتواری کے روزنشاہی میں گھر سے نکلتا تھا اور یہ دوسرا اتواری تھا جو مجھے گھر سے باہر گزارنا تھا۔ میں پورے آٹھ بیچ میٹریٹ کی بندگی کے قریب گاڑی ایک جانب لگا رہا تھا جب ایک ڈیوری ہوائے اس گھر میں ڈیوری دینے کے لیے آئی جس پر میں نظر رکھے ہوئے تھا۔ میں نے اس ڈیوری ہوائے کو پہلی نظر میں ہی پہچان لیا کیونکہ یہ وہ ڈیوری ہوائے ہی تھا جس کی میں نے پہلے اتواری پر پس والوں سے جان نکالی کر دانی کی۔

وہ ڈیوری دے کر فارغ ہوا تو میں اس کا تعاقب کرنے لگا اور کچھ ہی آگے جا کر میں نے گاڑی اس کے آگے لگا دی۔ وہ یہ مشکل بریک لگائے میں کامیاب ہو سکا اور اپنی موٹر سائیکل ایک جانب لگا کر کھلتا اور منہ میں بڑبڑاتا ہوا میری جانب بڑھا۔

"آپ یقیناً مجھے گالیاں دے رہے ہوں گے؟" میں نے زیر لب سکرائے ہوئے کہا۔

وہ ہونٹوں کی طرح میری جانب دیکھ رہا تھا گویا مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"سر آپ؟" وہ جوت سے میرا منہ کھینچنے لگا۔

"ناشا کیا ہے؟" میں نے اس سے استفسار کیا۔

"وہ، وہ....." وہ بڑبڑا گیا۔

"گھر آؤ نہیں۔" ناشا نہیں کیا تو آؤ ناشا کرتے ہیں اور کپ شپ لگاتے ہیں۔" وہ اب بھی میری جانب حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"میں جہیں کہاؤں گا نہیں، بس کچھ بات چیت کرنی ہے۔" وہ اب بھی کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔

"کہانا، آجائو۔" بائیک سیکل گھم گئی۔ دو۔ ستا بیسٹر ٹائن مارکیٹ سے طوفان پوری کا بہت اچھا ناشا ملا ہے۔"

"جی سر؟" یہ کہہ کر وہ جھنجھلائے ہوئے انعام میں بائیک کو ایک جانب پارک کرنے لگا۔

میں کچھ ہی دیر میں سیکٹر ٹائن کے ایک معروف ریسٹوران میں ناشا کر رہے تھے۔ وہ اب کچھ شانت محسوس ہو رہا تھا۔ ہم جب ناشا کر چکے تو میں نے دو کوڑک چائے کا

”نام تو پوچھا ہی ہوگا؟“ میں نے استفسار کیا۔  
 ”مگر راجا۔“ اس نے کہا۔  
 ”مگر کیا ہوگی؟“ میں نے پوچھا۔  
 ”سرا، میں صرف آرڈر ڈیو کر رہا ہوں۔ کیا میڈم نے  
 کوئی شکایت کی ہے؟“ اس نے گھبراتے ہوئے کہا۔  
 ”نہیں، نہیں۔“ کہا۔ ”معمول کی پوچھا ہے۔“  
 ”سرا، اس قدر فور سے نہیں کہی دیکھا کہ میڈم کی عمر بتا  
 سکوں۔“ اس نے چیخنے ہوئے کہا۔

”اچھا، انہوں نے رابطہ کرنے کے لیے کبھی تو مجھیں  
 کال کی ہوگی؟“ میں نے بات تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔  
 ”جی، ایک دو بار کی ہے۔“ اس نے گہرا سانس لیتے  
 ہوئے کہا، ”جب آرڈر ڈیو کر کے میں تاخیر ہوئی تو۔“ اس  
 نے کہا۔

”مگر میں کوئی پتہ تو دیکھ ہوں گے؟ کوئی مرد؟“  
 ”نہیں، ہمیشہ یہ میڈم ہی روزوار مکوٹی ہیں۔“  
 ”کوئی پلازم یا لارڈ کوئی نہیں دیکھا؟“  
 ”نہیں، کبھی نہیں۔“ اس نے پرجھن لہجے میں جواب  
 دیا۔

”کوئی ایسی بات جو عجیب لگی ہو؟“  
 ”نہیں، مجھے کچھ ایسا عجیب نہیں لگا۔“ اس نے چائے  
 ختم کرتے ہوئے مگزی کی جانب دیکھا اور کہا۔  
 ”سر مجھے دیر ہو رہی ہے۔ آپ کی تفتیش مکمل ہو گئی ہو  
 تو مجھے اجازت دیجیے۔“

”اجازت بھی مل جائے گی۔ پہلے یہ تو بتاؤ کہ ان میڈم  
 کے مگر کتنے لوگوں کا کھانا ڈیو کر رہے ہو؟“ یہ سوال اچانک  
 میرے ذہن میں ابھرا تھا۔  
 ”ایک..... ہاں ایک ہی۔“ اس نے کچھ سوچتے  
 ہوئے کہا۔

”تم مجھے ان میڈم کا نمبر دے دو۔“ اور ساتھ ہی میں  
 نے اسے یہ تاکید بھی کی کہ وہ اس بارے میں کسی سے کوئی ذکر  
 نہ کرے۔

جادو عرف ہمارا نے بھی پورے پتے کے دوران  
 اس مگر میں بھی گم ہو آتے جاتے نہیں دیکھا تھا۔ اس ڈیواری  
 پڑنے نے بھی اس مگر میں اس خانوں کے سوا کسی کو نہیں  
 دیکھا تھا۔ یہ بات مجھے شبہ میں ڈال رہی تھی مگر دوسری جانب  
 میں اس بزرگ جوڑے کو بھی انی احوال میں جھٹ نہیں دے سکتا  
 تھا۔ میں اس وقت تک یہ نہیں جانتا تھا کہ میں درست سمت  
 میں گامزن ہوں بھی یا نہیں۔ کیا میں ایک بار پھر بندگی میں تو

آرڈر دے ہوئے مزید وقت ضائع نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

”تم تو ڈیو کر کے کام کب سے کر رہے ہو؟“  
 ”کوئی چھ ماہ ہو گئے ہیں۔“ اس کے چہرے پر  
 اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔  
 ”یہ بتاؤ سیکورٹ میں ابھی ابھی جس مگر میں ڈیو کر  
 کر کے آئے ہو، وہاں پہلے بھی تم ہی تو ڈیو کر کرتے ہو؟“  
 میرا تیرنٹا نے پر لگا۔

”جی سر۔“ وہ بڑبڑا گیا۔  
 ”کیا بتا سکتے ہو وہاں کون رہتا ہے؟“ میں نے براہ  
 راست سوال کیا۔  
 ”جی سر، ایک میڈم رہتی ہیں۔ ہمیشہ ڈاکٹروں والے  
 سفید اور کوٹ میں ہوتی ہیں۔“

”تمہاری یہ میڈم دیکھنے میں کیسی ہیں؟“ میں نے انکا  
 سوال دانا۔  
 اس دوران چائے آچکی تھی۔

میرے اس سوال پر اسے غصے سے پیسے آنے لگے  
 تھے۔

”انہوں نے ہمیشہ فیس ماسک لگایا ہوتا ہے۔“ اس  
 نے جواب دیا، آواز میں لارڈش نمایاں تھی۔  
 ”مگر آؤ نہیں، روزمرہ کی تفتیش ہے مگر دھیان رہے  
 کسی اور سے دو مگر مت کرنا۔“ میں نے اس کی جانب  
 دھیان دینے پر غور کیا۔ پرانی بالائی ایک طرف کرتے ہوئے  
 کہا۔

”جی سر۔“ وہ اب قدرے مؤدب ہو گیا تھا۔  
 ”کبھی تو اپنی ان میڈم جی کا چہرہ دیکھا ہوگا؟“ میں  
 نے استفسار کیا۔

”نہیں، کبھی نہیں۔“ گزشتہ تین ماہ میں ایک بار بھی  
 نہیں۔“ اس نے قطعیت سے جواب دیا۔

”تم اس مگر میں تین ماہ سے تو ڈیو کر رہے ہو؟“  
 میں نے اپنی حریت پر کا پوچھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”جی تقریباً تین ماہ ہو گئے ہیں اور پتے میں دو تین بار  
 ناشام ہی ڈیو کر رہا ہوں۔“

”ان تین بار میں تم نے ایک بار بھی اُن کا چہرہ نہیں  
 دیکھا؟“ میں نے ایک اور سوال نہیں۔

”نہیں، ایک بار بھی نہیں۔“ اس نے کہا۔  
 ”کوئی بات چیت تو ہوئی ہوگی؟ کوئی ایسی بات جو یاد  
 رہ گئی ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں، سر، میری سلام دعا کے سوا کوئی بات نہیں ہوئی۔“

"دیکھو، اول تو چھان بین کرنا میرا کام نہیں ہے۔ دوسرا کوئی خبر ہوگی تو آپ اخبار کے مدیر ہیں، آپ کو جلد یا بدیر معلوم ہو ہی جائے گا۔"

یاسر صاحب کو اپنی دال مکتی نظر نہ آئی تو انہوں نے خاموشی سے اجازت چاہی مگر وہ اب بھی میری جانب مبذول نظر نہ دے سکے تھے۔

مجھے اب ایک کام کرنا تھا جس کے لیے حیات! احمد میری مدد کر سکتے تھے۔ میں حکارت محسوس کر رہا تھا کیونکہ گزشتہ چار روز سے میں ہوری نیند نہیں لے سکا تھا اور اپنے وقت سے پہلے بیدار ہو رہا تھا۔ میں نے حیات! احمد کو کال کرنے سے قبل کشمیں کال کر کے کوڑی کال لانی کے لیے کہا اور حیات! احمد کا نمبر ملایا۔

"السلام علیکم میر صاحب! کیسے یاد کیا؟"  
"وہیکم السلام حیات! صاحب۔ سو جاہت دن ہو گئے آپ سے بات نہیں ہوئی۔"

"میر صاحب! حکم کیسے کیا؟ سید اکرم کمال ہوں؟"  
"مجھے یہ بتائیے کوئی پیش رفت ہوئی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں، اب تو ایک ہفتہ گزر گیا۔ آپ جانتے ہی ہیں۔ دارالحکومت میں اور بہت سے معاملات ہوتے ہیں تو میری توجہ زیادہ اس جانب نہیں ہے۔"

"سمیل خان اور مبینہ عظیم کے مشترکہ دوستوں کے بارے میں کچھ مزید معلوم ہو سکا؟" میں نے پوچھا۔  
"آپ سے ذکر کیا تھا کہ دو مشترکہ دوستوں کے بارے میں فی الحال کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔"

"ان کے آئی ٹی ایڈریس سے کچھ معلوم ہوا؟"  
"ہم نے آئی ٹی ایڈریس سے بھی ان کا پتا لگانے کی کوشش کی ہے۔ وہ لاہور کا تو ہے ہی ہے۔ لڑکی کا آئی ٹی ایڈریس پاکستان کا نہیں ہے۔"

"تو کہاں کا ہے؟" میں نے پوچھا۔  
"یہ تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان کا نہیں ہے۔ میرا خیال ہے، امریکا کا ہے۔"

"اس کا نام کیا ہے؟"  
"میرا خیال ہے کہ۔۔۔"

"نہیں، راجا؟" میں نے اندھیرے میں حیر چلایا۔  
"نہیں، نہیں اس وقت میں ہے شاید۔"

"اوہ اچھا۔" میں نے اپنی ایس کی پر تاپو پاتے ہوئے کہا۔

پکڑ نہیں کاٹ رہا تھا؟ سوال بار بار مجھے پریشان کر رہا تھا۔ میں نے یہ سوچے ہوئے دفتر کا رخ کیا۔ دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔ میں اپنے کمین کا دروازہ کھول ہی رہا تھا کہ مجھے یاسر کی آواز سنائی دی۔

"میر صاحب، آج چھٹی والے دن دفتر میں۔ سب غیریت تو ہے؟" انہوں نے میری جانب کن انگیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"غیریت ہی تو نہیں ہے یاسر صاحب؟" میں نے پراسرار لہجے میں جواب دیا۔  
"کیا ہوا؟ کل بے کوئی بڑی خبر اچھل گئی ہے؟"

"میرے ذرا رخ بے چارے چھوٹی چھوٹی خبروں پر ہی فرغادیتے ہیں۔" میرے اس طرزا مذاق پر ہم دونوں کا قہقہہ بلند ہوا۔

یاسر صاحب میرے ساتھ میرے کمین میں ہی چلے آئے تھے۔  
"آپ کے فون پر کال کرتا رہا مگر آپ نے انیڈیٹ ہی نہیں کی۔ پھر آپ کے کمر لیڈ لائن نمبر پر کال کی تو بھائی سے بات ہوئی۔" انہوں نے غرور اور چھوڑتے ہوئے کہا۔

"آپ میری جاسوسی کر رہے تھے کیا؟" میں نے چمکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔  
"نہیں، نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ احتیاط کیا کیجیے"

فون ٹیپ ہو رہے ہوتے ہیں۔ میں جانتا تھا کہ وہ اندھیرے میں حیر چارے ہیں۔  
"ہوئے دیجیے، ہم کون سا کوئی لٹل کام کر رہے ہیں۔"

میں نے کاغذ اچھے چمکتے ہوئے کہا اور انٹرنیٹ پر براؤزنگ کرنے لگا۔  
"آپ آج صبح سویرے ہی مگر سے نکل گئے، اور دفتر بھی آگئے۔ معاملہ کچھ عجیب نہیں ہے؟" انہوں نے مصنوعی لگاؤ سے پوچھا۔

"عجیب کیوں؟ میں تو اکثر اتوار کو دفتر آ جایا کرتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں مگر جب آپ کسی خاص خبر پر کام کر رہے ہوں۔" انہوں نے پراسرار لہجے میں سرگوشی کی۔  
"میں فی الحال تو ایسی کسی خبر پر کام نہیں کر رہا۔"

میں نے جواب دیا۔  
"میر صاحب، میرا خیال ہے کہ آپ اب بھی سمیل خان اور مبینہ عظیم کے خواہ کے معاملے کی چھان بین کر رہے ہیں۔" انہوں نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

جاسوسی ڈائجسٹ

جنوری 2025ء



کمرہوں میں سے ہی کسی میں ہوں گے مگر کہاں؟ یہ سوال تھا جس کا جواب مجھے تلاش کرنا تھا۔ اس رات میں کچھ بڑھنے کی کوشش کرتا رہا مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔

اگلی صبح نو بجے حسانت احمد کی کال پر جاگ جنہوں نے ان بزرگ اور اس خاتون کے کال ریکارڈز واکس ایپ کر دیے تھے۔ یہ ریکارڈ ایک ماہ کے کال ریکارڈز تھے اور ساتھ ہی ان لوگوں کی تفصیل بھی تھی جنہیں کال کی گئی تھی یا جنہوں نے ان نمبر پر کال کی تھی۔ بزرگ کو زیادہ کالز ان کے صاحب ڈاؤن کے، نئے بچوں، کچھ پرانے دوستوں یا رینڈرز کی آئی تھیں مگر خاتون کے نمبر پر ریکارڈز تین ماہ کے دوران ایک ہی کال آئی تھی جبکہ اس نے نمبر کا کالز کی کس جس میں سے دو ای نوڈر رینڈرز کے نمبر پر تھیں جس سے میری اتوار کی صبح ملاقات ہوئی تھی جبکہ ایک پر اپنی ڈیلر کا نمبر تھا جس کا دفتر سیکرٹریٹ میں ہی تھا۔

میں خاتون کے اس پراسرار برتاؤ پر حیران ہوں بے پیر نہ رہ سکا۔ کوئی اس قدر عجیب پسند کس طرح ہو سکتا ہے؟ میں اضطرابی کیفیت میں اٹھ کھڑا ہوا اور آج بھی اٹھتا ہے بتائی کمرے سے نکل پڑا۔ میں پر اپنی ڈیلر سے ملاقات کرنا چاہ رہا تھا کیونکہ میرا خیال تھا کہ مجھے اس سے کچھ مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ میں صبح کے کیارہ بجے ہی سیکرٹریٹ پہنچ گیا مگر پر اپنی ڈیلر کا دفتر ابھی بند تھا۔ میں قریب ہی ایک ریسٹوران میں چلا گیا تاکہ کچھ میڈے بے احتیاجی کر سکوں اور طویل عرصے بعد لاہوری ناشتا کیا۔ میں جانتا تھا کہ یہ بے پردائی میرے لیے ابھی نہیں ہے مگر بھیجی، زندگی کی جس لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔

دو پہر بارہ بجے میں چھل تندی کرتے ہوئے پر اپنی ڈیلر کے دفتر پہنچا۔ دفتر اب کھل چکا تھا۔ میں دفتر میں داخل ہوا تو ایک نو جوان نے اٹھ کر میرا استقبال کیا اور مجھے دوا حکومت کی نئی ہاؤسنگ اسکیموں کے بارے میں بتانے لگا۔ میں نے اپنا تعارف کر دیا تو وہ بہت نرم گوش ہو گیا۔

”میر صاحب، آپ کا نام سنا تھا، آج ملاقات کر کے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے۔“

”یہ تو آپ کی ذمہ داری ہے۔ مجھے آپ سے ایک معاملے میں مدد درکار ہے۔“

”تھم کیجیے۔“ وہ بہت نرم گوش ہو گیا۔

”آپ شرمین راجا کو بتاتے ہوں گے؟“ میں نے

پوچھا۔

”جی، جانتا ہوں۔ میں نے ہی ان کو سیکرٹریٹ میں مگر

”حسنت صاحب، آپ سے بات ہو رہی ہے تو دانی لومیت کا ایک ضروری کام ان پڑا ہے۔ امید ہے آپ انکار نہیں کریں گے؟“

”جی کیوں نہیں میر صاحب۔ آپ کو کیسے انکار کر سکتا ہوں؟“

میں نے ان کو وہ دونوں موبائل نمبرز فراہم کیے جو مجھے ان رینڈرز سے ملے تھے۔ ان سے کہا کہ مجھے ان کا تمام کال ریکارڈ چاہیے ہوگا۔

”غیر متوقع میر صاحب۔ یہ کس جمنٹ میں بعض گئے آپ؟“ ان کے لیے میں تشویش تھی۔

”مجھ کیجیے کہ ایک ڈائی لومیت کا معاملہ ہے۔“

”اوکے، میں کل صبح تک آپ کو آپ ایٹ کرتا ہوں۔“

اس وقت ان دو نمبر زور کچھ ادھوری معلومات کے سوا میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ مجھے اب حسانت احمد صاحب کی کال کا انتظار کرنا تھا۔

میں دفتر سے کام مٹا کر گھر پہنچا تو زوجہ محترمہ میری ہی راہ تک رہی تھیں۔

”آپ یوں بتائے چلے گئے۔ میں پریشان ہو رہی تھی۔ یا سر حیات صاحب کی کال بھی آئی تھی، میں نے کہہ دیا کہ داک کرنے گئے ہیں۔“

”اچھا کھانا دو۔ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔“ میں نے بات تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

”آپ تو کمرے میں کھانا کھانے ہی آتے ہیں۔“

”بھلی بات، کھانا تو کھر کا ہی کھانا چاہیے۔“ میں نے لگا دے کہ۔

”گھر والوں کو وقت بھی تو دینا چاہیے۔“

”سارا وقت آپ کو لوگوں کے لیے ہی ہے۔ اب یہ گلے شکوے چھوڑو اور جلدی سے کھانا لگا دو۔“

میں فریش ہو کر آیا تو ہمیشہ کی طرح پھلکی دال اور بیزی میری منتظر تھی۔

”کبھی تو کچھ مختلف بنالیا کرو۔“

”کبھی آپ کی شکر بڑھ جاتی ہے تو کبھی کوئلہ شول۔ کھانا ہے تو کھائیے۔“ اس نے شے سے بڑھتے ہوئے کہا تو

ناچار کھانے پر ہاتھ صاف کرنے ہی پڑے۔

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا تو مطالعہ گاہ کا رخ کیا اور پورے معاملے کا از سر نو جائزہ لینے لگا۔ میں پڑھتین تھا کہ تینوں مفوی اب بھی ان پتھر

”میرا کوئی فیس بک فریڈ نہیں۔“ وہ ہڈ پالی لہجے میں چپچپے لگی تھی۔ اس نے فیس ماسک اتار دیا تھا۔ وہ چھبیس سانس برس کی ایک خوب رو دو شیر ہوئی۔ سر و قد آٹھ فٹ میں چمک، لمبے کھنکھے بال۔ اس کے چہرے میں غیر معمولی کشش تھی۔

”معین عدم کو بھی نہیں جانتا آپ؟“

”کون معین عدم؟“ وہ کھیکار ہی تھی۔

پولیس نے اس کے گھر کی مکمل اور گہرائی سے جانچ کی تو کچھ مردانہ لمبوسات جن پر خون کے سوکے دھبے تھے اور لیبارٹری سے تین انسانی کھوپڑیاں ملیں جنہیں فارنزک لیب کے ماہرین نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ خاتون جتنی پتلائی کہ وہ ایک سانس والی ہے اور اس نے کھوپڑیاں مردہ خانے سے حاصل کی ہیں مگر اس کے اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔

خاتون کو دارالحکومت کے دو دن پولیس اسٹیشن منتقل کر دیا گیا۔ یہ غیر فی الحال میڈیا میں جاری نہیں کی گئی تھی۔ پیرا موہاں سائنس موڈ پر تھا۔ میں نے موہاں پر دیکھا تو یا سیر حیات کی کال آ رہی تھی۔ ان کو یقیناً ان کے ”ذرائع“ سے اس پوری کارروائی کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا جنہوں نے خاتون کو اپنی حراست میں لے لیا اور اس سے گفتیں جاری رہی۔ خاتون نے زبان اور دانت کھولی جب کھوپڑیوں کی ڈی این اے ٹیسٹنگ ہوئی جس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ ان تینوں معویوں کی کھوپڑیاں نہیں مگر اب بھی یہ راز کھلتا پاتا تھا کہ اس خاتون نے یہ کون کیوں کیے اور لاش کی باقیات کہاں ہیں؟

خاتون نے جو اکتشافات کیے، وہ دل دہلا دینے والے تھے۔ اس نے ان تینوں سے فیس بک پر دوستی کرنے کے بعد اپنے گھر بلا یا اور پتول سے کوئی مار کر قتل کرنے کے بعد ان کے سر دھڑ سے الگ کرنے کے بعد لاش کو کھنکھنے کے لیے سلفیڈرک ایبل کا استعمال کیا تھا جس کے بعد ان کا نام و نشان تک نہیں رہا تھا۔ قتل کی وجہ اور بھی چھٹکا دینے والی تھی کیونکہ اس خاتون کا کہنا تھا کہ وہ یہ تحقیق کر رہی تھی کہ کم عمری میں کامیاب ہونے والوں کے دماغ میں کیا سماجت ہوتی ہے جس کے لیے اس نے ان تین لوگوں کو قتل کیا تھا۔ اس کی تحقیق سے تو کچھ ثابت نہ ہو سکا مگر تین بے گناہ لوگوں کی جان چلی گئی تھی۔

یہ میری زندگی کے مشکل ترین کیسز میں سے ایک تھا۔ آج برسوں گزر جانے کے باوجود جب بھی قتل کی وجہ کے بارے میں سوچتا ہوں تو کھپکھپاتا ہوں کہ وہائی خور انسان سے کیا کچھ نہیں کروا لیتا۔ اللہ آفت ذہن لوگوں سے بچائے رکھے۔

❖❖❖

کرائے پر لے کر دیا تھا۔“

”ان کے بارے میں کچھ اور جانتے ہیں؟“

”صرف یہ جانتا ہوں کہ جب وہ تین ماہ قتل بیرون ملک سے واپس آئیں تو میں نے ہی ان کو گھر کرائے پر لے کر دیا تھا۔“

”اودہ بیرون ملک کہاں سے؟“

”شاید امریکا سے۔“ اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ مجھے حیرت کا جھٹکا لگا لیکن میں نے فوراً ہی اپنے جذبات پر قابو پالیا۔

”وہ تھوڑا سا سلفٹ ہیں غالباً۔“

”دوست کہا آپ نے۔“ میرا تیرنٹا نے ہر لگا تھا۔ میں نے اسے تا کیڈ کی کہ وہ اس بارے میں کسی سے ذکر نہ کرے۔ میرے لیے دو صبح دو چار کار نامہ مشکل نہیں رہا تھا۔ سویت شین اور شریں راجا ایک ہی شخصیت تھی اور وہ انخوا ہونے والے دو لوگوں کی مشترکہ دوست تھی جو اسی علاقے سے انخوا ہوئے تھے جہاں اس کی رہائش تھی۔ یہ اتفاق تو نہیں ہو سکتا تھا مگر سوال اب بھی یہ تھا کہ اس نے ان کو انخوا کیا تو کیوں اور اس کے بعد اس نے ان کے ساتھ کیا کیا؟

میں اس کے گھر نہیں جاسکتا تھا مگر اس معاملے میں دارالحکومت کی پولیس کے سربراہ جبار علی میری مدد کر سکتے تھے۔ اس رات میں پولیس کے سادہ لباس میں لمبوس اہل کاروں کے ساتھ اسی بندگی میں شریں راجا کے گھر کے باہر کھڑا تھا۔ جبار علی صاحب نے گھر کی تلاشی کے لیے وارنٹ حاصل کر لیے تھے جس کے لیے ان کو مجسٹریٹ کو بہت مشکل سے قائل کرنا پڑا تھا۔

یہ پوری کارروائی خفیہ رہی مگر قریبی قریبی اور جبار علی خود اس کارروائی کی قیادت کر رہے تھے۔ دروازے پر دستک دی تو خاتون نے دروازہ کھولا۔ اس نے فیس ماسک پہن رکھا تھا۔ جبار علی صاحب نے اس کو وارنٹ دکھاتے ہوئے گھر کی تلاشی لینے کا کہا تو وہ مرا سیر دکھائی دینے لگی۔ اس نے ماسک اب بھی نہیں اتارا تھا۔

”فیس ماسک اتار دیجیے محترمہ۔ آپ کا مکمل ختم ہو چکا؟“

”کون سا مکمل؟“ اس کی آواز میں لرزش نمایاں تھی۔

”آپ سبیل خان کو کھجاتی ہوں گی؟“

”کون سبیل خان؟“

”آپ کے فیس بک فریڈ۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکے ہوئے کہا۔

❖❖❖

”کون سا مکمل؟“ اس کی آواز میں لرزش نمایاں تھی۔

”آپ سبیل خان کو کھجاتی ہوں گی؟“

”کون سبیل خان؟“

”آپ کے فیس بک فریڈ۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکے ہوئے کہا۔

❖❖❖



## سُرخ جال

اساتاری

زندگی کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں... آنکھوں میں بسے خواب سہانے ہوتے ہیں... ان خوابوں کی تعبیر کی چاہ میں وہ ان راستوں پر چل پڑتا ہے جو بڑے عجیب ہوتے ہیں... ان راہوں پر ایسے چہروں سے ٹکراتا ہے جن کے رنگ اور خدو خال نہ صرف مختلف بلکہ عجیب تر ہے... ایسے ہی دل دوز... ڈرائیو... پراسرار... خوف زدہ ماحول میں اس کے جسم و جان قید ہے... اس کے جسم سے نکلتا سیال لہو اسے کمزور اور لاغر بنا رہا تھا... مگر اس طلسم کدہ کا تخلیق کار شیطانی ذہن شبوت و سرور میں بڑی طرح دھت تھا...

فریب، دھوکا دہی اور گھٹاؤنی دنیا کے وہاں جواب یا عشق زوال تھے.....

”ہاں جگر ایسے..... میں پہنچ گیا کڑیوں کی ٹال  
 پر۔ اب بول، رادھر سے آگے کدھر جانا ہے؟“ کڑی کی ٹال  
 پر بیٹھے ہوئے شخص نے پیٹ ٹرٹ میں ملیں موٹر سائیکل  
 سوار کو ٹال سے کچھ فاصلے پر رکھتے اور ہیلمٹ اتار کر کسی سے  
 ”مواہل پر بات کرتے سنا۔  
 ”بہت شاندار“ دوسری طرف سے کال سننے والے  
 نے سراپنے والے اعزاز میں کہا۔  
 ”تم نے میرے اعزاز سے بہت زیادہ بخوری کا  
 ڈانٹا ہے۔“



کی دھڑکن بڑھا دی تھی۔

”یہ دیکھو مورے اللہ کا بیج آیا ہے۔ اس نے ہمیں اور سب کو سلام لکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی خیریت کی اطلاع دی ہے اور بتایا ہے کہ خرچے کے پیسے بچ رہا ہے، جاگہ چا غفور کی دکان سے لے لیں۔“

زرتاشہ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ گل جان پڑھنا نہیں جانتی موبائل کی اسکرین اس کے سامنے کی۔ گل جان نے بھی وہ چھوٹا سا بنوں والا موبائل دونوں اقصوں میں دو بج کر یوں اسکرین کو دیکھا جیسے وہاں الفاظ کے بجائے بچے کی تصویر دکھائی دے رہی ہو۔

”آئے کا کیا لکھا ہے مراد نے؟ بتایا کہ کب ملے آئے گا ہم سے؟“ گل جان کے لیے باقی بات کے مقابلے میں جو بات اہم تھی، اس نے اس کے سلسلے میں استفسار کیا۔

”ابھی آئے کا تو نہیں لکھا مورے۔ کہتا ہے کہ ابھی کام بہت سے دفتر والے بچتی ہیں دے سکے۔“ زرتاشہ نے بچھے ہوئے لہجے میں بتایا۔

”وہ جانے انکی کون سی نوکری ہے جہاں سے اسے چھٹی ہی نہیں ملتی۔ پورے آٹھ ماہ ہو گئے ہیں اس کی شکل نہیں دیکھی۔“ گل جان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ جوانی میں بیوہ ہونے والی گل جان کا کل اثاثہ مراد اور زرتاشہ ہی تھے۔ اس نے بڑی جدوجہد سے اپنی اولاد کو پروردان چڑھایا تھا۔ اس ساری جدوجہد میں اللہ کے بعد اس کا اکلوتا بھائی اس کا آسرا بن رہا تھا۔ وہ اپنی زمین کے ساتھ ساتھ اس کے مرحوم شوہر کے چھوڑے گئے زمین کے ٹکڑے کی بھی دیکھ بھال کرتا تھا لیکن اس علاقے کا سردار و نامہران موسم فصلوں کے لیے زیادہ موزوں نہیں تھا۔ لے دینے کا مشکل سے ہی گزارہ ہوتا تھا جبکہ گل جان اپنی اولاد کو تعلیم اور اچھی زندگی دینے کے خواب دیکھتی تھی۔ اسے خوابوں کو تعبیر دینے کے لیے اس نے بہت محنت کی۔ تعلیم تو تھی نہیں لیکن بھید کاری کا ہنر جانتی تھی۔ شہر کی اور زمین دھاکوں کی خدمت سے کپڑوں پر خوب صورت نقش و نگار اچھارتے اس نے اپنے خوابوں میں رنگ بھرنے کا کسی نہ کسی طور انتظام کر ہی لیا۔ اس کے گھر میں چاہے بہتوں کوشت نہ کپے خراو کے بستے میں آسمانیں کا بیاباں پوری ہوئی تھیں۔

مراد نے بھی بھی اسے مایوس نہیں کیا۔ گاؤں کے پرائمری اسکول سے پانچویں کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ اگلے پانچ سال تک سردی گری ہر موسم میں پابندی سے

مظاہرہ کیا ہے۔“

”تو روت مند آدمی کو سر کے بل بھی دوڑ کر آنا پڑے تو آتا ہے۔“ موثر سائیکل سوار کے لہجے میں ادا کی جھک تھی۔ ”بے فکر ہو جاؤ یا راجکو تمہارے بڑے دن قسم ہوئے۔ آج کے بعد تمہیں کسی کے طے سے سننے پڑیں گے نہ گھر والوں کے سامنے کچھ غوروں کے ساتھ جانا پڑے گا۔“ دوسری طرف سے فوراً اس کی دھجکی کی گئی۔

”سب تمہارا احسان ہے۔“

”کیوں مت کرو۔ دوستی میں احسان کیا؟“ دوسری طرف سے بڑے دوستانہ انداز میں اسے ڈپٹا گیا پھر فوراً بات بدل دی۔

”تمہا بات سنو اب تم تو ہم ملاقات ہونے پر بعد میں بھی دل بھر کر کرتے رہیں گے۔ نئی اہل تم اچھی طرح پتا سمجھ لو۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ کلوی کی اس نال سے آگے تمہیں کہیں مشکل نہیں ملیں گے اس لیے بہتر ہے کہ تم ابھی اچھی طرح پتا سمجھ لو۔“

”ہاں، ہاں، میں ان رہا ہوں تم بتاؤ۔“ وہ رتن گوش ہوا۔ ”یہاں سے آگے سیدھے چلتے چلے جاؤ کافی آگے جا کر دور رہا آئے گا۔ وہاں سے تم بائیں طرف والی پگھڑی پر سڑ جانا آگے جا کر وہ پگھڑی دائیں جانب سڑ جائے گی بس وہیں پر میں تمہیں ملوں گا۔ راستہ سمجھ آ گیا ہے، نا، بھولو گے تو نہیں؟“ ساری تفصیل بتا کر اس نے آخر میں استفسار کیا۔

”بالکل سمجھ آ گیا ہے، تمہاری سلی کے لیے ایک بار دہرا بھی دیتا ہوں۔“ موثر سائیکل سوار نے پتا دہرایا۔

”مگڑا تمہاری ذہانت کا تو میں پہلے ہی محترف ہوں۔ اب تمہواری داری کا بھی ثبوت دینا ہوگا۔ راستہ ذرا سننا ہے، آتے ہوئے گھبرا نہیں۔“

”تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے میں کوئی سولہ سال کی دوشیزہ ہوں۔ جسے سننا راستے پر کسی جن کے چٹ جانے کا ڈر ہو۔“ موثر سائیکل سوار نے ہنسی میں بات مڑائی۔ دوسری طرف سے بھی جامداتہ نگار گیا۔ موثر سائیکل سوار نے اس نتیجہ کا ساتھ دیتے ہوئے کھنگائی اور بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا۔ نال پر موجود بوڑھے نے اس کے پیچھے ڈوٹی وصول کو گھورا پھر سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

”مورے، مورے؟“ زرتاشہ بلند آواز میں چلائی تو ہڈیاں میں ڈوٹی گھمائی گل جان کی ساری حسیات جاگ اٹھیں۔ زرتاشہ کے لہجے کے جوش نے یکدم ہی اس کے دل

جاسوسی ڈائجسٹ 198 جلدوری 2025ء

سُخو خِجال

”ٹھیک ہے نہیں کرتی فون لیکن آپ وعدہ کرو کہ اب اس میں نہیں ہوں گی۔“ زرتاشہ کے لیے ماں کی تمنا لکھیں دیکھنا مشکل تھا۔

”نہیں ہوتی اور اس تم آکر یہ ہانڈی دیکھو ہم ذرا اپنا کام ختم کر لے گل جان گھنٹوں پر زور دیتے ہوئے چونکی سے اٹھ کر مڑی ہوئی۔

”بھر دی سوئی دھماکا موروے۔۔۔۔۔ لالہ کو چتا چلا تو ناراض ہو گا۔“ زرتاشہ نے ماں کو تھپی انداز میں ٹوکا۔

”بس یہ آخری آرڈر ہے۔ لالہ کہہ رہا تھا بیگم صاحبہ نے خاص اپنی نوایں کے جھنڈے کے لیے آرڈر کیا ہے۔ اب میں بیگم صاحبہ کو تو نہیں بول سکتی تھی نا۔ گل جان نے معصومانہ انداز میں صفائی پیش کی تھی۔ زرتاشہ بس پڑی اور اس کے دونوں ہاتھ تمام کر چم لے۔ اپنی ماں کے ان مختصر ہاتھوں سے جن کی انگلیوں کی پوریں کڑھائی کرتے کرتے سوئی کی ٹوک سے چم کر رہ گئی تھیں، اسے عقیدت کی حد تک محبت تھی۔

”میری پیاری بیٹی۔۔۔۔۔ اللہ تیرا نصیب اونچا کرے۔“ گل جان نے بھی جراب اس کا ہاتھ چم کر اپنی محبت کا اظہار کیا پھر آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ زرتاشہ جلدی جلدی کام نشتانے لگی۔ ہانڈی بھونکنے کے ساتھ ساتھ اس نے جلدی جلدی روٹیاں بھی پکالیں۔

”میں تھوڑی دیر کو دینے کے پاس جا رہی ہوں موروے۔ اسے تمہارے اچھے کا پھٹا گوشت پسند ہے نا بس وہی پہنچانے جا رہی ہوں۔“ کام نشتا کر اس نے ایک کنوری میں سالن ڈالا اور کٹیدہ و کاری میں مصروف گل جان کو اطلاع دیتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اس کے بنائے بھانے پر گل جان کے ہونٹوں پر خوب صورت سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے معلوم تھا کہ زرتاشہ کو زینہ کو سالن پہنچانے سے زیادہ مراد کے پیغام کے بارے میں بتانے کی جلدی ہے۔ گل جان کے بھائی کی بیٹی زینہ، مراد کی بیچن کی بھینتر تھی جبکہ زرتاشہ کی منگنی زینہ سے بڑے عبور خان سے ہوئی تھی۔ مڈل پاس عبور خان چند برس قبل روزگار کی خاطر بیرون ملک چلا گیا تھا اس لیے زرتاشہ ماموں کے گھر پر لگنے سے آئی جاتی تھی۔ عبور خان کے بیرون ملک جانے کے بعد سے گل جان کے بھائی کے گھر کے حالات کافی اچھے ہو گئے تھے۔ بھائی اور خود عبور خان نے بھی کئی بار مالی معاونت کی پیشکش کی تھی لیکن گل جان اور مراد دونوں کی غیرت نے اس پیشکش

پھیل اس واحد سینڈری اسکول چاتا رہا جو اس کے گاؤں کے بچوں سمیت آس پاس کے عزیز پانچ گاؤں کے بچوں کے لیے سرکاری طرف سے کافی سمجھا جاتا تھا اور کیوں نہ سمجھا جاتا کہ ہر سال اس اسکول سے بچوں کی بس ایک محدود تعداد ہی دسویں کا امتحان دیا کرتی تھی۔ یہ روایت کہ طلبہ کی اس محدود تعداد کے پیچھے مسائل اور وسائل کے وہ آسیب تھے جو ازل سے غریب بچوں کے خوابوں کو کھٹکتے رہے ہیں۔ مراد کے ساتھ گاؤں سے اس سینڈری اسکول میں داخلہ لینے والے چند لڑکوں میں سے بھی مڈل تک آتے آتے سب اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ صرف واحد مراد تھا جو میٹرک تک ڈھارہا تھا۔ اس نے بھی ایسا صرف گل جان کی حوصلہ افزائی پر کیا تھا۔

گل جان، زرتاشہ کو بھی بڑھانا چاہتی تھی لیکن گاؤں میں لڑکیوں کی تعلیم کا سرے سے کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس میں سرکاری عدم توجہی کے ساتھ ساتھ علاقائی روایات اور سوچ کا بھی دخل تھا۔ لڑکیوں کے لیے ناظرہ قرآن اور گھر پر امور میں مہارت کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ ایسے میں گل جان بیٹی کے لیے صرف اتنا کر سکتی تھی کہ اس نے مراد کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی کہ اپنے ساتھ ساتھ بہن کو بھی بڑھانا لگتا سکھائے۔ مراد کی کوشش کے نتیجے میں ہی زرتاشہ لگتا بڑھنا سیکھ گئی تھی اور اس کا یہ سیکھنا آگے چل کر بڑا کام آیا تھا۔ جب میٹرک کے بعد مراد شہر کے کالج پڑھنے گیا تو یہ زرتاشہ ہی تھی جو اس کی طرف سے بھائی کو طویل خط لکھ کر بھیجا کرتی تھی اور اس کی طرف سے آنے والے جوابی خطوں کو پڑھ کر سنا بیٹھی تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ گاؤں کے ماحول میں بس اتنی تبدیلی آئی تھی کہ جدید دنیا کی کچھ سہولیات کی آمد ہو گئی تھی۔ ان سہولیات میں سے ایک سہولت موبائل مروس کی بھی تھی جس کے آتے بڑے سنگت سے کسی نہ کسی طور کام چل ہی جاتا تھا۔

”میں لالہ کو بیچ کر دوں گی کہ دفتر والوں سے خد کر کے چند دن کی چٹیاں لیں تاکہ میری موروے کی اداسی دور ہو سکے۔“ زرتاشہ نے ماں کو بھلائی کے کوشش کی۔

”نہ نہ، ایسا نہ کرنا۔ ہمارا بچہ پریشان ہو جائے گا۔ نانا تو لڑکی ہے۔ اللہ جانے اس کا افسر کو کیا آدنی ہے۔ تمہیں ناراض ہو کر اسے تو لڑکی سے نکال دیا تو ہمارا بچہ خواہ ہو جائے گا۔ پہلے ہی اسے اتنا مشکل سے یہ لڑکی ملا ہے۔“ گل جان یوں جلدی جلدی بولی جیسے زرتاشہ ابھی مراد کو فون کرنے لگی ہو۔

جنوری 2025ء

جاسوسی ڈائجسٹ



”لون کی بیڑی فتم ہوگئی ہوگی مای۔ چائیں کس کھاڑے سے تو تون خریدے اس نے۔ چار گنے چارن کرتا ہے تو دو گنے چل کر بیڑی ساتھ چولہا جاتی ہے۔“  
سرد نے خاور کے موہاں کے بارے میں بہت زیادہ غلط فہمیاں کھاتی تھیں۔ اس کا سینہ ونڈ موہاں واقعی اکثر اسی طرح ساتھ چولہا جاتا تھا۔  
”رب خیر کرے۔ میرا تو جانے کیوں دل گھبرا رہا ہے۔“

”نہ نہ..... پریشان نہ ہو مای اللہ سائیں کے سقم سے خیر کی خبری آئے گی۔“ خاور نے اسے ایک بار پھر تسلی دی پھر بولا۔

”ابھی میں چلا ہوں۔ وہ جب بھی آئے تو اسے میری طرف بھیج دیتا۔ صبح ادا شمت کی رداگی سے پہلے موٹر سائیکل گھر پر پہنچ گئی تو میری بچت ہو جائے گی۔“ سرد امید بھرے لہجے میں کہہ کر روانہ ہو گیا تو زینب بی بی بھی دل ہی دل میں دنا میں باغی اندر کی طرف مڑ گئی۔  
”کیا ہوا، کون تھار واڑے پر؟“ اندر پہنچی تو خاور کا باپ اس سے پوچھنے لگا۔

”سرد تھا، خاور کا پوچھنے آیا تھا۔“  
”اس وقت؟ اس آوارہ کے دوست بھی آوارہ ہیں۔ بھائے اس کے کسکون سے سو جائے اس وقت لوگوں کے دروازے بھاتا پھر رہا ہے۔“ خاور بخش نے جواب سن کر ناراضی کا اظہار کیا۔

”وہ تو صرف اپنی موٹر سائیکل کا پوچھنے آیا تھا۔“  
سرد کی منافی پیش کرنے کے چکر میں زینب بی بی مزید پھنس گئی۔

”موٹر سائیکل.....؟ اس کا موٹر سائیکل یہاں کیسے آیا؟“ خاور بخش نے حیرت سے دریافت کیا۔

”خاور کو انٹرویو کے لیے کہیں دور جانا تھا تو سرد سے موٹر سائیکل ادھار مانگ کر لے گیا تھا۔“ چارونا پار زینب بی بی کو حقیقت بیان کرتی پڑی۔

”پھر انٹرویو..... پچھلے پورے سال سے تیار بیٹا انٹرویو دینے کے سوا کچھ کام نہیں کر رہا ہے۔ اب بھی تجھ سے بیٹروں کے نام پر پیسے ایشیہ کر لیا ہوگا۔“ خاور بخش کے لگاتار درست اعزازے پر زینب بی بی خاموش رہی اور یہ خاموشی ایک طرح سے امتزاج جرم ہی تھی۔

”کتنا سمجھا تھا تجھے کہ نہ ڈال اسے پڑھائیوں کے چکر میں پر تجھے سمجھ نہ آئی میری بات۔ اسے اتنے سال

کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ مراد اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے ساتھ ساتھ چھوٹی نوکریاں اور محنت مزدوری کرتا رہا پھر بھی کسی کے آگے ہاتھ پیلا نہ مناسب نہیں سمجھا تھا اور آخر کار آج وہ اس لائق ہو گیا تھا کہ رقم کما کر ماں کو بھجوانے لگا تھا۔ رقم..... جراتی ام ہوئی ہے کہ اس کے حصول کے لیے اپنے پیاروں کی ہمدانی قبول کر لی جاتی ہے۔ گل جان نے بھی اس ہمدانی کو قبول کر لیا تھا لیکن بیٹے کی یادیں دن میں کی بار پلکیں ضرور رہ گئیں گی۔

☆☆☆

”خاور ہے مای؟“  
”کہاں بیٹا صبح کا کیا یہ وقت ہو گیا ابھی تک وہاں نہیں لوٹا۔“ دستک کی آواز پر دروازہ کھولنے والی زینب بی نے قدرے پریشانی سے جواب دیا۔

”اب تک آتا جانا چاہیے تھا۔ مجھ سے تو یہی کہہ کر گیا تھا کہ شام تک لوٹ کر آ جاؤ گی گا۔ میں کب سے اس کا انتظار کر رہا ہوں۔ کئی بار فون بھی کیا ہے لیکن اس کا نمبر بند جا رہا ہے۔“ سرد کے لہجے میں بھی پریشانی تھی لیکن اس کی پریشانی کی نوعیت زینب بی بی سے مختلف تھی۔

”تو کیوں اتنا ڈلا ہو رہا ہے؟ تجھے کیا کام پڑ گیا ہے اس سے؟“ زینب بی بی نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔

”وہ میرا موٹر سائیکل لے کر گیا ہے مای! کہہ رہا تھا انٹرویو کے لیے بہت دور جا رہا ہوں تو سواری کی ضرورت ہے۔ شام تک وہاں کے وعدے پر لے کر گیا تھا۔ اب رات پڑ گئی ہے لیکن وہ ابھی تک وہاں نہیں آیا۔ میرا فکر سے دم کھل رہا ہے۔ صبح اندر میرے ادا شمت کو منڈی کے لیے لکھتا ہے۔ موٹر سائیکل فٹ فٹ حالت میں اسے وقت پر نہ ملا تو وہ میری گردن مروڑے گا۔“ سرد نے اپنی پریشانی کی وجہ بیان کی۔

”کہہ کر مجھ سے بھی یہی کہا تھا کہ نوکری کے لیے جا رہا ہے۔ شام تک وہاں آ کر خوش خبری سنائے گا۔ مجھے تو خبر ہی نہیں تھی کہ وہ تیرا موٹر سائیکل مانگ کر لے گیا ہے۔“ زینب بی بی کی پریشانی میں ایک اور فکر شامل ہو گئی۔

”رب خیر کرے گا مای۔ تو فکر نہ کر۔ بندہ کام کے لیے گھر سے لکھا ہے تو دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔“ سرد، زینب بی بی کی پریشانی دیکھ کر اپنا مسئلہ بھول گیا اور اسے تسلی دینے لگا۔

”دیر ہوگئی تھی تو تون کے کہے خبر تو دے دیتا۔ وہ تو اتنا تیرا فون بھی نہیں اٹھا رہا۔“

جاسوسی ڈائجسٹ 200 = جنوری 2025ء



ساری رات اس نے جلیے جھکی بلی کی طرح اندر باہر چلتے ہوئے گزار دی تھی لیکن خاور کو لوٹ کر آنا تھا نہ آیا تھا۔

☆☆☆

”کیا یارا! ہم دہم دہم سے آگیا ہے اور تمہارے پاس ادھر پاکستان میں رہتے ہوئے بھی گمراہیوں سے لٹے کا نام نہیں ہے۔ یہ کوئی انجمنات نہیں ہے بار! گمراہ والا اس ہو گیا ہے تمہارا واسطے۔ کل جان پھپھ کا تو ظہری سارا وقت ایسا لگتا ہے کہ درد داڑے پر لگا رہتا ہے۔ ایسا نر پٹا یا مارا ہے، جنہیں خبر ہے کہ اس نے جنہیں پالنے پونے کے لیے کتنا پڑ بھلا ہے۔“ عبور خان چٹکی کر اترنے دیتی ہے اپنے گاؤں آیا ہوا تھا اور یہ جان کر کہ تقریباً آٹھ ماہ کے عرصے سے مراد خان نے گمراہیوں کو اپنی شکل نہیں دکھائی تھی، فوراً اس کے کان کھینچنے کے لیے اس کا نمبر ملا ڈالا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ کال لگ بھی گئی تھی، مراد نے ریسیدو کر لی تھی اور آواز بھی صاف آ رہی تھی ورنہ ان کے علاقے میں جس قدر سنگل کے مسائل رہتے تھے۔ ان لوگوں کو کال کے بجائے میسج پر ہی اتکا کرنا پڑتا تھا۔ شاید عبور خان کے دہم دہم سے لائے جتنی موبائل نے کزور سنگٹو کو پکڑنے میں اپنا کردار ادا کیا تھا۔

”چھری تلے تو خوراد تو لولا! تم تو بس ایک سانس میں بولتے چلے جا رہے ہو۔“ مراد اس کے اعجاز پر ہنستے ہوئے اسے ٹوک بیٹھا۔

”ہم دم دم سب لے گا پر اس وقت جب ہمارا پھپھ کے دل کو چین لے گا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم ادھر آ کر اس سے مل کر جاؤ۔“ عبور خان اپنے مطالبے پر ڈٹا رہا۔

”میں کپنی کے شجر سے بات کروں گا چٹکی کی اور چٹکی تلے ہی آپ سب سے ملے آ جاؤں گا۔ آپ بتاؤ کہ آپ کتنے دن کی چٹکی پر آئے ہو؟“ مراد نے سبھاؤ سے بات کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”ہم تین تینے کی چٹکی پر آئے ہیں۔ اس میں سے دو دن تو گزر گیا ہیں تم جلدی چٹکی لے لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کو تم سے ملاقات کیے بتائی جانا پڑے۔“ عبور خان نے خدشہ ظاہر کیا پھر سوچتے ہوئے بولا۔ ”تم ایسا کرنا اپنی کپنی کا نام پتا بھجواد نہیں۔ خدا خوراد اگر تم خدا کو ہم دہم دہم دیتی جاتے ہو تم سے مل کر جائے گا۔ ہمارا دایسی کراچی اتر پورٹ سے کرنے کا ارادہ ہے۔“ عبور خان کی اس دوسری بات نے ساری گفتگو سنی کل جان کو بے چین کر دیا اور وہ اشارے میں، خوبصورتی سے بات کرنے کا مطالبہ کرنے لگی۔

”لو، پھپھ سے بات کرو۔“ اس نے موبائل کل جان

اسکول بھیجنے کے بجائے میرے ساتھ کام پر بھیجا ہوتا تو آج وہ میرا بازو ہوتا۔“ قادر بخش نے اپنا پرانا کھود ہرایا۔ ”تو میری بات سن لیتی تو آج ہم رالو کے ساتھ ساتھ اس کے سر پر بھی سہرا باندھ دیتے۔ اب بے روزگار لو کے کو بھلا کوں لڑی دیتا ہے۔“ قادر بخش بولتا جا رہا تھا اور زینب بی بی مٹی جی جی، اس میں واقعی کوئی شک نہیں تھا کہ وہ تین بیٹیوں کے بعد پیدا ہونے والے خاور کو انسر بنانے کے خواب دیکھتی تھی لیکن انسر بننا تو دور کی بات خاور کو ابھی تک کوئی معمولی نوکری بھی نہیں مل سکی تھی۔ بیٹے کی یہ بے روزگاری قادر بخش کو کھٹکتی تھی اور وہ خاور کے ساتھ ساتھ زینب بی بی کو بھی بائیں سادا کرنا تھا۔

”اس سے بڑی تین کو کیا ہوتا تھا محسوس نہیں ہوا کہ میرا بوجھ ہائے والا کوئی نہیں ہے لیکن رالو تو اس سے چھوٹی ہے۔ تو خود اپنے ایمان سے بتا کیا اس کا فرض نہیں بنتا تھا کہ چھوٹی بہن کو کیا ہے میں میرے ساتھ مل کر اپنا حصہ لیا؟“

”اب چھوڑ دینی دو اس غریب کا بچھا۔ رب سائیں کی مہربانی سے رالو کی شادی کا سارا انتظام ہو گیا ہے پر تم ایسے دن رات اس بے چارے کو طعنے دیتے ہو جیسے اس کے حصہ ڈالنے بغیر تمہارا کام ہی نہیں چل رہا۔“ زینب بی بی نے بیٹے کی حمایت میں لب کشائی کی۔

”بات میری نہیں اس کی ہے، اتنی عمر ہو گئی ابھی تک کام دھندے سے نہیں لگا، ہمیں کچھ دینا تو دور اپنا خرچ پانی بھی ہم ہی سے لیتا ہے۔“

”بس تمہاری کپنی تلے بازی ہے جس کی وجہ سے میرا بچہ رات گئے جانے کہاں بھٹکا پھر رہا ہے۔ جس خرچے پانی کا اتنا شور مچاتے ہو اس کے دم پر تو وہ اپنے لیے سواری تو کیا، ڈھنگ کا موبائل بھی نہیں لے سکا۔ ذمہ نے اس کے شہر جا کر آگے پڑنے کا انتظام کیا۔ پڑھنے کے لیے شہر بھجوا دیتے تو انسر لگ ہی جاتا میرا بیٹا۔“ زینب بی بی کی برداشت جواب دے گئی تو قادر بخش کو جوابی طعنے دینے لگی۔

”کہاں سے بھجوا دیتا ہے شجر۔ سارے حالات حیرے سامنے ہی ہیں۔ بیٹے کو پڑھنے کے لیے شہر بھجوا دیتا تو بیٹیاں میری ویلن پر بھی پڑھتی ہو جاتیں۔ بہن بیٹیاں بیٹیوں کا بوجھ سینے پر رکھ کر کس تو سکون سے مٹی نہیں سکنا تھا۔ اب کم از کم کبھی اکیٹان لے کر تو مردوں کا کہ اپنے فرض سے فارغ ہو کر مراموں۔“ قادر بخش کے پاس بھی بولنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ اس بازو زینب بی بی نے دوہرہ کوئی جواب نہیں دیا اور مٹی منہ میں بد بدائی ہوئی کرے سے باہر نکل گئی۔ وہ





صوفی خال

”میں ہوں چاچا سرد۔ جلدی سے آؤ، خاد کی کوئی خبر آئی ہے۔“ سرد کے جواب نے قادر بخش کی آنکھوں سے جان ہی نکال لی۔ وہ کھڑا ہوتے ہوئے چار پائی پر دو بارہ ڈھکے گیا۔ زیب بی بی نے بھی ہول کے سینے پر ہاتھ مارا۔ ایسے میں باور پئی خانے میں کام کرتی سدرہ نے ہی ہمت کی اور بھاگ کر دروازہ کھولا۔

”کیا خبر لائی؟ اور اس دروازہ پر کیا تو ہے؟“  
”مجھے خود بھی کوئی سمجھ نہیں آئی اولیٰ؟ کسی انجان بندے کا فون آیا تھا۔ مجھ سے بولا کہ خاد کے باپ سے بات کرواؤ۔ خاد کی زندگی کا معاملہ ہے۔“ سرد خود کی گھبراہٹ ہوا تھا۔

”تم اندر آ جاؤ ادا۔ بابا اندر ہی ہے۔“ سدرہ نے اس کے اندر آنے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ سرد کا سمجھنا سے ان کے گھر میں کھلا آنا جاننا تھا اس لیے وہ بلا جھجک اندر داخل ہو گیا۔

”وہ کہہ رہا تھا کہ چند منٹ بعد دوبارہ کال کروں گا، میری خاد کے باپ سے بات کروا دینا۔“ اندر داخل ہوتے ہی اس نے سدرہ کو گریہ آگاہ کیا۔ ہفتہ بھر سے قادر بخش کے زیرِ استمال رہنے والا موہاں خراب پڑا تھا اس لیے وہ سرد کے فون پر کال آنے کی وجہ سمجھ گیا۔

”سلام چاچا!“ سرد نے اندر داخل ہو کر قادر بخش کو سلام کیا اور جو کچھ سدرہ کو بتایا تھا، اسے بتانے لگا۔

”ہائے اللہ سامعین! یہ کیا ہو گیا۔ میرا خاد کس مصیبت میں پھنس گیا۔“ زیب بی بی جو قریب بیٹھی سب سن رہی تھی رو رو کر ڈھبائیاں دے رہی تھی۔

”تو تو چپ کر۔ پتا تو چلنے دے کہ کیا معاملہ ہے پھر شور ڈالنا۔“ قادر بخش نے اسے ڈھپٹا۔ سرد کی وہی اطلاع سے اسے کم از کم یہ قسلی تو ہوئی تھی کہ خاد جہاں بھی ہے، زندہ سلامت ہے۔

چند لمحوں میں ہی سرد کا موہاں بیٹے لگا۔ کال انجینیئر سے آ رہی تھی۔ سرد نے سبز بن کر کال ریسیو کی اور جیٹا اعزاز میں ”ہیلو“ کہہ کر دوسری طرف کی بات سننے لگا پھر بولا۔

”ہاں سامعین ہاں، میں خاد کے گھر پر ہی ہوں۔ آپ اس کے بابا سے بات کرلو۔“ اس نے موہاں قادر بخش کی طرف بڑھا دیا۔

”ہیلو، کون بات کر رہا ہے؟ میرا خاد کہاں ہے؟“ قادر بخش نے موہاں خاتون سے قریبی سوال کیا۔

[جنوری 2025ء] 2025ء جاسوسی ڈائجسٹ

”اس کی جب میں تمہاری کیا جس کے خالی ہونے کا انتظار ہے تمہیں۔“ زیب بی بی اس کی بات سن کر تھلا کر بولی۔

”تھیرے سامنے ہی الزام لگا کر گیا ہے بشری تلی کا بیٹا! میں نے تین تین بیٹیاں بیاہیں مگر کسی سے ایک روپیہ ادھار نہیں مانگا اور تیرا بیٹھا کم ظرف تیلیوں کے سامنے ہاتھ پھیلا بیٹھا۔ میں تو شرم کے مارے گھر سے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہیں کر پا رہا اور تو کہہ رہی ہے چاکر تیرے بیٹے کو ڈھونڈ کر لاؤں۔“ قادر بخش کے اپنے غم سے جو ایک ماں نہیں سمجھ سکتی تھی، بیٹے کے غیاب پر پریشان زیب بی بی بھی پھٹ پڑی۔

”خدا کی مار ہو جو نالزام لگانے والے پر اور تجھے بھی خدا پوچھے کہ غیروں کے کہنے پر اپنے سگے بیٹے پر چوری کا الزام قبول کر لیا ہے۔ پھر دسائیں ہے تجھے اپنے خون پر۔“  
”بیٹا بڑی بڑی چیز ہے خاد کی ماں۔ اس کے پیچھے تو بڑے بڑوں نے پرمکھوں کی عزت میں ملی ملا دی۔ میں اور تو تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔“ قادر بخش کا لہجہ اس بار شکستہ تھا۔

”اول تو میں مان نہیں سکتی کہ میرے بیٹے نے ایسی کوئی حرکت کی ہے لیکن فرض کرو ایسا ہوا بھی ہے تو اس کا سارا ذمہ تمہارے سر پر ہے۔ تم ہی اسے دن رات بے روزگاری کے طعنے دے دے کر چھپا کر رکھتے تھے۔ یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اس مسئلے کی جگہ خدا مجھے پانچویں بھی بیٹی ہی دے دیتا تو اچھا تھا۔“ زیب بی بی کو اس کا کہا ہر لفظ یاد رہا تھا۔ اندر باور پئی خانے میں چونکا صاف کرتی خاد کی بہن جس کی تھوڑے عرصے میں شادی ہونے والی تھی، ماں باپ کے درمیان جاری بحث کو سنتی چپکے چپکے آنسو بہا رہی تھی۔ آگے پیچھے کے بہن بھائی ہونے کی وجہ سے اس کی باقی بہنوں کی نسبت خاد سے زیادہ دوستی تھی اور وہ بھی زیب بی بی کی اس رائے سے متفق تھی کہ خاد پوری نہیں کر سکتا۔

”فیصل الزام نہ لگا۔ تجھ نے زیادہ پیار کرنا ہوں اپنے بیٹے سے یا وہ ہے کتنی خوشیاں منائی تھیں اس کے پیدا ہونے پر کہ اللہ سامعین نے میرا باڑو مشبوٹ کر دیا ہے۔ اسے اگر کسی دو چار بڑے بھلے لفظ بول دیتا تھا تو صرف اس لیے کہ وہ غیرت میں۔۔۔“ قادر بخش کا جملہ ادھورا رہ گیا اور کسی نے زور سے دروازہ دھڑکایا۔

”کون ہے بھئی، کیوں دروازہ توڑنے پر مٹے ہو؟“ قادر بخش جھنجھلا یا۔



زیب بلی بی نے بھی دوسری طرف کی بات سننے کے لیے اس کے سر سے سر جوڑ دیا۔

دوسری طرف سے سنائی دینے والی بھاری اور عرب دار آواز نے قادر بخش کو تنگ کر دیا۔

”تمہارا بیٹا خاور ہمارے قبے میں ہے، اگر تم اس کی زندگی چاہتے ہو تو فوری طور پر بیس لاکھ روپے کا انتظام کر لو۔“  
 ”بیس لاکھ.....“ دوسری طرف کا مطالبہ سن کر قادر بخش کا منہ کھل گیا۔

”ہاں، بیس لاکھ۔ اب یہ نہ کہتا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کی زعگی بچانے کے لیے تمہارے پاس بیس لاکھ روپے نہیں ہیں۔“ دوسری طرف سے اسے سخت لہجے میں ٹوکا گیا۔

”تمہیں ہیں سائیں، سچ مج نہیں ہیں۔ مجھے غریب کے پاس بھلا اتنی بڑی رقم کہاں سے آئی؟“ قادر بخش بلبلاتا تھا۔

”کیسے نہیں ہیں؟ بیٹی کی شادی کے لیے زور، کپڑا جوڑا ہوا ہے، برائیاں کو دعوت کھلا۔ تو کبھی رقم چوڑی ہوگی = سب مل کر اچھی خاصی رقم مل جائے گی باقی جو کم پڑے اس کے لیے زمین بیچ کر انتظام کر لیتا۔“ دوسری طرف سے مفت شور مچا رہا تھا۔

”ابا ظلم نہ کرو سائیں! بیٹی کا جہیز نہ دیا تو وہ میری جو کھٹ پریشانی رہ جائے گی اور زمین بیچ دی تو میں اور میرے گھر والے بھوکے مر جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے تو پھر بیٹے کو مرنے دو۔“ قادری بخش کی اپنی کے جواب میں جس سردمہری سے جواب دیا گیا۔ اس کے پاس سے بدلتا ہوا پھر یہی دوزخ کی لڑینب بی بی نے بھی رزک و دل تمام کیا۔

”تمہارے پاس چوبیس گھنٹے ہیں۔ فیصلہ کرو کہ کوکھ بیٹا بچانا ہے یا بچے؟ اب میں چوبیس گھنٹے بعد ہی تمہارا جواب ماننے کے لیے فون کروں گا۔“ ان کی حالت سے بے نیاز ان کرنے والے نے شان بے نیازی سے کہا اور ساتھ ہی ہنس پڑا۔

”اگر دل میں پولیس سے مدد لینے کا خیال آئے تو وہ کسی کر کے دیکھ لیتا۔ پولیس میں اتنا دم نہیں کہ ہمارے چکلے آئے ہندے کو چپا سکے۔ کسی سے معلوم کر لیتا۔ پہلے بھی جو پولیس کے پکڑ میں پڑا، اس نے اپنا ہندہ گنویا۔“ دمکلی

”جہیں، نہیں، ہم پولیس کے پاس نہیں جا سکتے۔“  
تم ہمارے خاور کو کچھ نہ کہنا۔“ قادر بخش چلا آیا لیکن کال

منقطع کی جا چکی تھی۔

”میری پوری بات بھی نہیں سنی اور اتنے کاٹ دی۔“  
تاکر بخش نے سب کی طرف دیکھ کر بچوں جیسی معصومیت سے  
نکدو کیا۔

"میں دوبارہ کال ملا دیتا ہوں۔" سرمد نے اسے تسلی دینے کے انداز میں کہا اور موبائل لے کر وہ قبر مایا جس سے کال آئی تھی لیکن دوسری طرف سے قبر بند کیا جانے لگا تھا۔

☆☆☆

”اس نے پولیس کے پاس جانے سے منع کیا تھا۔ مگر لیکن میں غریب مجبور ہو کر آ گیا ہوں۔ میں لاکھ تاجک ہاے دو خاورد کو چھوڑنے کے۔ مجھ غریب کے پاس انٹیلی جنٹی ریڈیو تم کہاں، اس کے کہنے پر بیٹی کا جینر اور زن بیچ کر اس کا انتقام کرنے کی کوشش کروں تو توجہ جلدی میں بھلا کیسے اب کے کہ؟ کیا تجویز دوںے ہونے دام علی گیس کے اور میں غریب خاندان سمیت آج مجھ کو مل سر دل گا۔“ ”مجھے پر دنیا کی مسکینیت اور یہی لیے تاجکوں کی آغوش کی آغوشوں سے ختم کرنے کرتے آنسو بہ لگے تھے۔“

”بیٹے! کانون خبر گھوڑا اور یہ بھی بتا کہ وہ جس دوست کے بلاوے پر بروکری کے لیے گیا تھا، اس کا نام چکا ہے۔“

”نہیادار جو اس کی ساری چستان چکا تھا، اسے کسے دلا سادینے تکلف میں پڑے بغیر معلومات طلب کرنے لگا۔

”غیر تو یہ رہا سہا کمن۔“ قادر بخش جو گھر سے خاور کا گھوڑا لایا تھا، کانڈ کا پرہ تھا نہ یاد کی طرف بڑھاتے گئے بولا۔

”ہم نے بہت بار اس کے نمبر پر فون کر کے دیکھا ہے  
میں۔ ہر بار نمبر بند ملتا ہے۔“

”دوست کا نام اور پتا؟“ قہانیدار نے ایک بار پھر  
بجرو اپنے مطلب کی بات کی۔

”وہ تو ہمیں پتا ساگین۔ موہیل (موہاگل) پر ہی سنا  
 روکتی تھی۔ مجھے تو کچھ خبر ہی نہیں بس اپنی ماں کو بتا کر گیا  
 ”۔ بے چارے کی قادر بخش کو بخنوں والا سارہ ساموہاگل بھی  
 کل سے ہی استعمال کرنا آتا تھا، وہ جبلا ان موہیل میڈیا  
 تئیں کے بارے میں کیا جانتا۔

"اچھا تو اس کے دوست سرمد کی موٹر سائیکل کا ٹرینڈیشن نمبر ہوتا۔" قنایدر بھی اگلے سوال پر آگیا۔ اسی بہت کے چند دوسرے سوالات کرنے کے بعد اس نے قادر کو کہاں سے جانے کی اجازت دے دی۔

”میرا خاور مل جائے گا سائیکس؟“ کا درجہ بخش نے نکلے

غلط بھی نہیں تھا۔ سرد آدھے گھنٹے کے اندر تھانے میں موجود تھا۔

”ہاں بھی بتا کیا چکر ہے یہ سارا؟“ قنایدار نے اس کے آتے کے ساتھ ہی اس پر ہلا ہوا۔  
”جج..... جی سائیں، میں سمجھا نہیں سائیں۔“ سرد الفاظ سے زیادہ قنایدار کے لہجے پر گزرا گیا۔

”زیادہ ٹانگ بایاں نہ کرو سیدھی طرح اس بات کا جواب دے جو تجھے ہے پوچھی جا رہی ہے۔“ اللہ ڈونے اسے ڈپٹ کر ہدایت دی تو وہ مزید ہونٹ ہو کر قنایدار کی شکل دیکھنے لگا کسے کس چکر کے بارے میں آگاہ کرے۔

”خاور کے اغوا کے بارے میں پوچھ رہا ہوں اوئے۔ تو جانتا ہے کس کے ہلانے پر اور کہاں کیا قادیانہ نوکری کے لیے؟“ قنایدار نے اس کی شکل آسان کی۔

”مجھے زیادہ خبر نہیں سائیں۔“ نصیبک پر اس کا لعل چمک کے نام سے کوئی دوست تھا جس کے بارے میں بھی کبھی مجھے بتا تھا۔ بہت تعریف کرتا تھا اس کی کہ اتنا بڑھا

کھلا اور قابل لڑاکا ہے لیکن ضرور نام نہیں ہے۔ خاور، بہن کی شادی کو لے کر پریشان تھا کہ بہن کی شادی ہو رہی ہے اور وہ اپنی بے روزگاری کی وجہ سے شادی کی تیاری میں کوئی حصہ

نہیں ڈال رہا ہے۔ چاچا کا درجنش الگ اسے طے دیتا رہتا تھا۔ میری طرح اس نے شاید اپنے نصیبک والے دوست سے بھی اس بات کا ذکر کیا ہو گا تو اس نے اسے نوکری کی امید

دلا کر بلا سمجھا۔ کہیں دور بلایا تھا اس نے تو خاور مجھ سے موٹر سائیکل مانگ کر لے گیا۔ اس کے آگے کی ساری کہانی تو آپ نے چاچا اللہ بخش کی زبانی سن ہی لی ہوگی۔“ سرد کا

اعتماد قنایدار کے نرم لہجے نے بحال کر دیا تھا۔ اس لیے وہ روانی سے سب کچھ بتاتا چلا گیا۔

”پوری بات بتاؤں۔ یہ مت بول کہ ہمیں کیا پہلے سے معلوم ہے اور کیا نہیں۔“ اللہ ڈونے یکدم ہی اس کی گدی پر زور دار چپت رسید کی تو وہ ایک بار پھر حواس باختہ ہو گیا۔

”وہ..... جی..... میں.....“ الفاظ اس کے منہ میں جھپٹنے لگے۔

”میاں! آکر بڑے بڑوں کی بیکری لکل جاتی ہے بچو، تو تو کس کیمت کی مولیٰ ہے۔ میں تو میرے منہ سے کج کج کر نکال لوں گا۔“ اس نے سرد کے سر کے بال بھی میں بکڑ کر

کہنے۔  
”اللہ پاک کی قسم سائیں! میں نے سب کچھ بالکل سچ بتایا ہے۔“ سرد اس صورت حال پر رونے والا ہو گیا۔

جنوری 2025ء جاسوسی ڈائجسٹ

لکے دونوں ہاتھ جو ذکر امید میرے لہجے میں پوچھا۔

”ہم اپنی کوشش کرتے ہیں، تم اللہ سائیں سے دعا کرو۔“ قنایدار کا لہجہ خود بخود ہی نرم ہو گیا۔ بے شک اپنی ملازمت کی نوعیت کے حساب سے اس کا دل خاص سخت ہو

چکا تھا لیکن وہ خود بھی ایک جوان بیٹے کا باپ تھا اور اسے قادیانہ بخش کی دلی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا۔  
”اللہ سائیں آپ کی مدد کرے سائیں۔“ وہ غریب

و عادیانہ ہوا ہاں سے چلا آیا۔  
”ہاں بھی اللہ ڈونے کہتا ہے تو؟“ اس کے جانے کے بعد قنایدار کمرے میں موجود ستری جے اس کا شیر خاص

ہونے کا اعزاز حاصل تھا، مطلب ہوا۔  
”معاملہ بڑا الجھا ہوا لگ رہا ہے سائیں۔ یہ آج کل کے چمکے بڑے گزبڑ گھونٹا ہوتے ہیں۔ اب اللہ

سائیں ہی جانے کس کا قادیانہ بخش کے چمکے کرے نے اپنے یار کے ساتھ مل کر کیا چکر چلا رکھا ہے کہ بے چارہ باپ بولا یا پھر

رہا ہے۔“  
”کیا مطلب؟“ تجھے کیا لگ رہا ہے کہ گزبڑ خود قادیانہ بخش کے چمکے کرے کی ہے؟“ قنایدار چوٹکا۔

”ناممکن تو نہیں سائیں! ہم ستنے ایسے کیسوں کے بارے میں جانتے ہیں کہ جس کے اغوا کی رپورٹ کھدائی گئی اور ہم جے مخوی سمجھ کر آزاد کرانے کی کوشش کرتے

رہے۔ بعد میں سارا ڈراما ای کار ہوا یا نکلا۔“  
”کہہ تو بالکل ٹھیک رہا ہے۔“ قنایدار فوراً قائل ہو گیا اور اللہ ڈونے فخر سے یوں اپنی چھاتی پھیلائی جیسے اس کی

وردی پر کسی اشار کا اضافہ ہونے جا رہا ہے۔  
”گزبڑ سامنے ہی دکھائی دے رہی ہے سائیں۔ خاور، اپنے یار سرد کی موٹر سائیکل پر گیا، اغوا کار کا نوں سرد

کے نمبر پر آیا۔ سرد کو سب خبر ہے کہ خاور کی بہن کی شادی ہونے جا رہی ہے اور اس کے گھر پر وہ پیا اور زور پڑا ہے۔

اب آپ مائیں یا مائیں یا تو یہ سارا دھر اسرد کا ہے یا اس نے خاور کے ساتھ مل کر قادیانہ بخش سے رقم لکھوانے کے لیے یہ ترکیب لڑائی ہے۔“

”تو پھر ڈال دے کارروائی! اٹھو! چمکے کرے کو۔“ قنایدار پرجوش ہو گیا۔

”اتنی زحمت کیا اٹھانی سائیں۔ ابھی پیغام بھیجا دیا ہوں اسے کہ کشتی میں مدد دینے کے لیے تھانے آجائے۔ خود کو قصور ظاہر کرنے کے لیے وہ سر کے بل چل کر آئے گا۔“ اللہ ڈونے کا اعتماد آسان کی بلندیوں کو چھو رہا تھا اور یہ ایسا

”ایسی چھوٹی قسمیں ہم روز سنتے ہیں اور روز دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرتے ہیں۔ تو جل اندر، تیرا بھی ایسی حساب کتاب برابر کرتا ہوں۔“ وہ اسے سر کے بالوں سے مٹھیت کر لے جانے لگا۔ دروازہ خوف کے بارے سرمد کے حلق سے جھپٹ لگنے لگیں لیکن اللہ ڈلو پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اسے اس طرح مٹھیتا ہوا وہاں سے لے گیا۔ قاتل کے محلے کے ساتھ ساتھ گیت سے اندر داخل ہوتے سفید پوش لو جو ان کے بھی یہ منظر دیکھا۔

”اؤنیر اشیر۔ تو کب آیا شہر سے؟“ آنے سے پہلے فون کر دیا ہوتا۔ میں تجھے لینے آئیں آجاتا۔“ قاتلدار کی نظر جیسے ہی اس لو جو ان پر پڑی خوشی سے سرشار لہجے میں بولتا ہوا اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا اور لو جو ان کے لیے دونوں ہاتھیں پھیلا دیں۔

”ایشن سے یہاں تک کا راستہ کچھ ایسا مشکل تو نہیں ہے۔ دینو چاچا کے تانگے میں بیٹھا اور سیدھا یہاں پہنچ گیا۔“ لو جو ان نے اس کے گلے لگتے ہوئے پھینکی اس مسکراہٹ سے جواب دیا۔ اس کا سارا موڈ قاتل کے کسی بندہ کرے سے آتی سرمد کی کھلی ہوئی چٹخوں سے تیار کر دیا تھا۔

”اب تو چنگیاں بھی چلنے لگی ہیں۔ تانگے کے مقابلے میں وہ جلدی پہنچا دیتی ہیں۔“ قاتلدار کو اپنی خوشی میں ابھی بیٹے کی کیفیت محسوس کرنے کی فرصت نہیں ملی۔

”دیکھی تھیں میں نے لیکن ان کے مقابلے میں مجھے تانگے کا سفر زیادہ پسند ہے۔ سکون سے گاؤں کا نظارہ بھی کر لیتا ہوں اور دینو چاچا کی زبانی ساری خاص خاص خبریں بھی مل جاتی ہیں۔“

”ہے نا اپنی ماں کے جیسا، وہ بھی ایسی کتابی باتیں کرتی ہے۔“ قاتلدار دڑ سے ہنسا لیکن لو جو ان مسکرا بھی نہیں سکا۔

”کیسی ہے تیری ماں، شوگر دوکر کنٹرول میں ہے اس کی؟“ قاتلدار نے اپنی بیڑ پر پڑی نائل کو بند کرتے ہوئے بظاہر سرسری لہجے میں پوچھا۔ ساتھ ہی کے بارے میں یہ معمولی سوالات کرتے ہوئے وہ کچھ جینپ جاتا تھا۔ بالکل یوں جیسے کوئی چھری کر رہا ہو۔ اس کی ساتھ یہ وہ لوشا پھر کی ماحول میں پرورش پانے والی ایک حساس حراج عورت تھی جو اس کے رف ایڈنٹ طرز زندگی سے سمجھتا نہیں کہ پائی تھی اور شادی کے چہر سال بعد ہی ان کے درمیان طے کی ہوئی تھی۔ اس نے لوشا پر کی اس شرط پر اپنے اکلوتے بیٹے عادل کو شہر ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی تھی کہ وہ اسے بھی

اس سے ملے نہیں روکے گی۔ لوشا نے اس شرط کو منظور کر لیا تھا۔ ابتدائی برسوں میں وہ خود عادل سے ملاقات کے لیے شہر جاتا تھا لیکن پچھلے چند برسوں سے عادل خود اس سے ملنے گاؤں آئے لگا تھا۔ قاتلدار کی دوسری بیوی جس سے اس کی کوئی اولاد نہیں ہو سکی تھی، بھی عادل کی آمد پر مستعزب نہیں ہوتی تھی اور اس کی آمد پر خاموشی سے اہتمام میں جت جاتی تھی جیسا کہ عموں ماہیوں کی آمد پر کیا جاتا ہے لیکن اس کے انداز میں کوئی جوش و خروش بھی نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایک عام عورت تھی جسے شوہر کی سادہ بیوی اسنے برسوں بعد بھی دل میں جیسی جھانسی کی طرح محسوس ہوتی تھی لیکن مصلحت اور اپنی کمزور پوزیشن اسے مکمل کر اس جھپٹ کا اعتبار کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اس کے برعکس لوشا نے آزاد ماحول میں رہنے والی خود بخود اور کھلے ذہن کی عورت تھی جو ہر بار عادل کی گاؤں آمد پر اس کے ہاتھوں اس کے لیے کوئی نہ کوئی حقد ضرور بھجواتی تھی۔

”وہ ٹھیک ہیں جب ہی تو میں یہاں آیا ہوں۔ ان کو بیار چھوڑ کر تو میں کہیں آئے جانے کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔“

”اولاد پاس ہو تو بیٹی فائدہ ہوتا ہے۔ آدی بیماری سے بے شک مر جائے کم از کم تھائی سے نہیں مرنا۔“

”آپ بھی تو تنہا نہیں ہیں۔ حلیمہ آئی ہیں آپ کا خیال رکھنے کے لیے۔ آس پڑوس بھی اچھا ہے پھر میں بھی آتا جاتا رہتا ہوں۔“ عادل نے باپ کے کچھ کی حسرت کو محسوس کر لیا۔

”تو آتا ہے تو ٹھیک لگتا ہے لیکن جاتا ہے تو میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ یوڑا ہونے لگا ہوں شاید اس لیے تیری دوری زیادہ محسوس ہونے لگی ہے۔“

”کوئی بوڑھے نہیں ہو رہے آپ، بالکل ٹھیک اور فٹ فائٹ ہو۔ میں تو می سے بھی کہتا ہوں کہ میرے پاپا آپ سے زیادہ بیک لگتے ہیں۔“ ایک ٹوٹے ہوئے گھرانے کا بچہ باپ کی دوجوئی کے لیے اس سے زیادہ کیا کر سکتا تھا۔ باپ کو بھی اس کی مجبوری سمجھی پڑی اور جان بوجھ کر ایک بلند آہنگ قہقہہ لگا دیا۔ اس قہقہے کی گونج میں بھی عادل کو سرمد کی چٹخ سنائی دی۔

”آپ لوگ ابھی تک تفتیش کے لیے اسی پرانے طریقے پر عمل رہے ہیں؟“ اس بار وہ خود کو منہ بنا کر تبصرہ کرنے سے مندرک سکا۔

”اس کے علاوہ کبھی کیا سکتے ہیں۔ ہمیں کون سا معیار نے جدید ٹیکنیک یا جدید سہولیات دے رکھی ہیں۔“





بیشے دیں تو ہر جاہل کے ہوئے..... غافل بیوی اور چالاک شوہر

”پلو کرتے ہیں یہ بھی، تو بتا کر کھانا کیا کھائے گا۔ میں گھر پر تیری پسند کا کھانا پکانے کا بیٹنام بھجوا دیتا ہوں۔“ شاہنواز نے موضوع بدلا۔

”کھانا میں کچھ بھی کھا لوں گا۔ آپ پیلسی ڈی آر نکلوائیں اور ساتھ خاوری اور سرد کا کال رکھا ڈیڑھی تا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں رہے ہیں یا نہیں۔“ وہ قدرے تیز لہجے میں بولا پھر احساس ہونے پر آواز نیچے کر کے نرمی سے بولا۔

”کسی مغوی کے پاس زیادہ مہلت نہیں ہوتی، یہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ افکار کا خود بھی ڈرا ہوا ہوتا ہے اس لیے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ جلد از جلد معاملات دھنا کر مغوی سے جان چھڑائے۔ معاملات اس کے حساب سے نہ چلیں تو وہ مغوی کو نکل کر کسی بھی اس سے اپنی جان چھڑوانے میں حرج نہیں سمجھتا۔“

”غور سے سن لے اللہ ڈور اور جو کچھ میرا بیٹا کہہ رہا ہے، دہرایا کر۔ آخر کو مقابلے کا امتحان دے کر آیا ہے میرا شیر اور ان شاء اللہ سیدھا لٹری بھرتی ہو کر آئے گا ہمارے گھرے میں۔“ شاہنواز کو علم تھا کہ عادل پرپس کے گھرے میں ملازمت کا خواہش مند ہے۔

جنوری 2025ء 27: جابو سی ڈائجسٹ

تائید اپنے گویا کان پر سے کسی آؤائی۔  
”یہ سرد ہے نا پچھل بار میں گاؤں آیا تھا تو آپ نے اسے گھر کے خراب گئے وغیرہ شیک کر دینے کے لیے بھجوا دیا تھا۔ میری کافی بات چیت ہوئی تھی اس سے۔ مجھے تو خاصا شیک خاک لاکھا لگا تھا۔ آپ لوگوں نے اسے کس الزام میں گرفتار کیا ہے؟“

”چار سو بیسیاں کر رہا ہے حرا.....“ شاہنواز نے بولتے ہوئے جلدی سے اپنی زبان دبائی۔ اس کے اور روشنی کے اختلافات میں سے ایک بڑا اختلاف زبان کو تابو میں نہ رکھ پالے کا بھی تھا۔ وہ اس کے لاکھ ٹوکنے پر بھی روائی میں گالی کا استعمال کر جاتا تھا اور یہ عادت اب بھی برقرار تھی۔

”کیا چار سو بیسی کی ہے اس نے؟“ عادل نے سنی آن سنی کر کے گفتگو کو سرد کی ذات پر مرکوز کیا۔

”فراڈ کر رہا ہے اپنے یاد کے ساتھ مل کر۔“ شاہنواز نے جوش و خروش کے ساتھ اسے سارا قصہ سنا ڈالا۔

”تو اس میں اتنی بار کتابی کی کیا ضرورت ہے؟ ثبوت جمع کریں ان کے فراڈ کے اور کیس عدالت کے سامنے پیش کریں۔ عدالت خود آپس مناسب سزا دے دے گی۔“ عادل نے سن کر تہرہ دیا۔

”ثبوت حاصل کرنے کے لیے ہی تو اس کی زبان کھلوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ تائیدار اپنی کارروائی سے پوری طرح مطمئن تھا۔

”ایسے نہیں پایا۔ ذرا ٹیکنیکل ٹیس پر کام کریں۔ ایسے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بے قصور بندہ بے چارہ خواہ مخواہ ظلم کا شکار ہو جائے۔“ اس نے باپ کو سمجھایا۔ اسی وقت اللہ ڈو لینے سے شرابور، استیضی چڑھائے منظر میں داخل ہوا۔

”بہت ڈھیٹ ہے سائیں۔ مستقل انکار کر رہا ہے لیکن آپ فگر نہ کریں، میں اس کے طلق سے بچ اٹھوا کر ہی رہوں گا۔“

”السلام علیکم چاہا۔“ عادل نے اسے سلام کیا۔  
”علیکم السلام۔ آپ کب آئے، میری نظر ہی نہیں پڑی آپ پر۔ کیسے مزاج ہیں؟“ اللہ ڈو کچھ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا اور خوش دلی سے اس سے ہاتھ ملا کر احوال پچھا۔

”اللہ شہد شیک ہے۔“ اس نے اللہ ڈو کو مختصر جواب دیا اور شاہنواز سے مخاطب ہوا۔

”آپ کے پاس خاوری کا موہا کل نمبر ہے نا۔ سب سے پہلے اس کی ہی ڈی آر نکلوائیں۔“

”ٹھیک ہے سر۔“ اللہ ڈنو نے فوراً یقین دہائی کر دئی۔

☆☆☆

”آخری بار اس ٹاور سے خاور کا موبائل کنکٹ ہوا تھا۔ یہاں سے آگے اس کا کوئی سراغ نہیں ہے۔“ شاہنواز، اللہ ڈنو اور ایک دوسرے سپاہی کے ساتھ اس مقام پر کھڑا تھا جس سے آگے عام انسانوں کے جانے کا درواج نہیں تھا۔ سی ڈی آر رپورٹ میں اس مقام کا پتا چلتے ہی وہ انتظار یادہ مگر مست ہوا تھا کہ پہلی فرصت میں یہاں پہنچ گیا تھا۔

”یہاں ہمیں کون اس کے بارے میں بتائے گا؟“ اللہ ڈنو نے ارد گرد کی ویرانی دیکھ کر قدرے ہزاروی سے کہا۔ ”وہ دیکھیں سر۔“ ساتھ آئے دوسرے سپاہی نے اہل سے اشارہ کیا تو ان کی توجہ کی جانبی دور موجود لکڑی کی ٹال کی طرف مبذول ہو گئی۔

”آؤ چل کر دیکھتے ہیں۔“ شاہنواز کو اندر سے میں روشنی کی کرن دکھائی دی تو اس نے جلدی سے کنگ بارک موٹر سائیکل اسٹارٹ کی۔ وہ تینوں بڑی مشکل سے اس کی ذاتی موٹر سائیکل پر سوار ہو کر یہاں تک پہنچے تھے۔ اس کی پرانی اور وفادار موٹر سائیکل جڑا چھٹا غاسا طویل سڑک کا میانی سے طے کر کے انہیں یہاں تک لے آئی تھی، ٹال تک بھی پہنچ ہی گئی۔ وہاں پہنچ کر شاہنواز نے زور سے ہارن بجایا تو لکڑیوں کے پیچھے سے ایک بوڑھا شخص برآمد ہوا۔ اپنے سامنے وردی والوں کو دیکھ کر وہ فوراً راہی سلام کے لیے ہاتھ کو ماتے تک لے گیا۔

”اس تصویر کو فورے دیکھو یا یاد آتاؤ کہ اس تصویر میں جو چھوکرانظر آ رہا ہے، تم نے اسے دیکھا ہے؟“ اللہ ڈنو موٹر سائیکل سے اتر کر بوڑھے کے قریب پہنچا اور خاور کے گھر والوں سے حاصل کردہ تصویر اس کی طرف بڑھائی۔

”لگتا ہے آپ لوگ بہت دور سے آئے ہو سائیں۔“ ممکن سے آپ کی حالت خراب دکھائی دے رہی ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو تھوڑا آرام سے بیچہ کر پانی دانی پانی پھر بات کرو۔“ بوڑھے نے تصویر کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے دھول مٹی میں اٹے ہوئے چروں کو آکھیں سیڑ کر دیکھا اور صلاح دی۔ جس پر اللہ ڈنو نے اپنے افسر شاہنواز کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”بابا ٹھیک کہہ رہا ہے اللہ ڈنو! بیٹھ توڑی دیہر سانس لیتے ہیں پھر بات کرتے ہیں۔“ ممکن دانگی ہو رہی تھی اور وہ تینوں ایک ہی موٹر سائیکل پر چمچ پمنا کر بیٹھنے کی وجہ سے

جاسوسی ڈائجسٹ 208 جنوری 2025ء

زیادہ ہی تنگ گئے تھے اس لیے تھانیدار شاہنواز نے فوراً راہی بوڑھے کی پیشکش قبول کر لی۔ بوڑھے نے بھی جھٹ امداد دینی سے ایک لکڑی کی بیچ اور دو موٹر سے نکال کر باہر رکھ دیے۔

”آپ لوگ بیٹھو، میں ابھی آیا۔ وہ اگرچہ کافی عمر رسیدہ دکھائی دیتا تھا لیکن اس کے انداز میں پھر بھی تھی۔ چند منٹ کے اندر ہی وہ سطر کی کیتلی میں دودھ پتی تیار کر لایا اور سرائک کے کپوں میں بھر کر ان تینوں کو پیش کی۔

”اس دیرانے میں ٹال لے کر بیٹھے ہو بابا، یہاں کون تم سے خریداری کے لیے آتا ہے؟“ تھانیدار نے گرامر گم چائے کا بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے بوڑھے سے سوال کیا۔

”ضرورت مند آتی جاتے ہیں سائیں۔ اس علاقے میں گیس نہیں ہے اور سلنڈر مہنگا پڑتا ہے اس لیے لوگوں کو سستی لکڑی کے لیے بابا ٹیوں کی ٹال کا رخ کرنا ہی پڑتا ہے۔“ بوڑھے کے لہجے میں بڑا اطمینان تھا۔

”لوگ جنگل سے خود بھی تو لکڑی کاٹ سکتے ہیں۔“ شاہنواز نے جان بوجھ کر تھیل سے کام لیا۔

”اتنی اہت کس میں ہے کہ لکڑی کاٹنے کے لیے جنگل کا رخ کر سکے۔“ بوڑھا دیر سے ہنسا اور شاہنواز کے خالی ہوجانے والے کب کو دوبارہ بھر دیا۔

”پھر تمہاری ٹال پر لکڑی کہاں سے آتی ہے؟“ شاہنواز کے لہجے میں گہرا الجھن تھا۔

”اللہ کا ایک بندہ سستے داموں بیچ جاتا ہے، میں اپنا جائز منافع رکھ کر آگے بیچ دیتا ہوں۔ لکڑیاں لانے والا کون ہے؟ کہاں سے آتا ہے اور کہاں جاتا ہے میں بھی اس پکر میں بڑا ہی نہیں۔“ بوڑھے کے جواب نے انہیں مطمئن تو نہیں کیا لیکن زیادہ گہرائی میں جانے کے بجائے اصل مدے پر آنا مناسب سمجھا۔ اس بار بوڑھے نے اللہ ڈنو کے ہاتھ سے تصویر لے لی اور اسے کچھ دیر تک غور سے دیکھنے کے بعد سر ہلا کر بولا۔

”میں اسے جانتا ہوں سائیں۔ میں نے اسے دیکھا ہے۔ یہ یہاں موٹر سائیکل پر آیا تھا اور یہاں میری دکان کے پاس ہی کھڑا ہو کر کسی سے فون پر بات بھی کرا تھا۔“ بوڑھے کی یادداشت کمال کی تھی۔

”اس کے بعد کہاں گیا تھا وہ؟“ شاہنواز نے بے چینی سے پوچھا۔

”اُدھر۔“ بوڑھے نے ہاتھ سے جنگل کی طرف جاتی پگڈنڈی کی نشاندہی کی۔



ظلمی میری ہے اس لیے مجھ پر ہی اسے سوار کرنے کی ڈرتے  
داوری ہے۔ ”مرا دے اپنی ملازمت کی مجبوریاں بتا رہا تھا۔  
”تم تھوڑا پہلے تو بتا سکتے تھے۔ اب جبکہ برات نکلے کو  
تیار کھڑی ہے تم مجھے کال کر رہے ہو؟“ مصبور خان نے تھوڑی  
سی برہمی کا اظہار کیا۔

”پہلے بتانا تو کیا ہوتا تھا؟ نکاح کا وقت تو نہیں بدلا جا  
سکتا تھا؟ خواہ مخواہ مورے اور زرتاش پہلے سے ردود کر اپنا  
حشر خراب کر لیتیں۔ اب آپ اور ماموں جان مل کر انہیں  
سنیال لیتا۔“ وہ جواب تک ماں اور بہن کو نکاح تک اپنے  
بچنے جانے کی تحین دہائی کر داتا رہا تھا سارا بوجھ اس کے  
شانوں پر ڈال چکا تھا۔ اس بوجھ کو مصبور خان نے یوں اتارا  
کہ باپ کو ساتھ شامل کر کے لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے  
راستے بند ہونے کی خبر چھوٹی اور زرتاش تک پہنچا دی۔ ان  
علاقوں میں خصوصاً اس موسم میں یہ ایک معمول کی بات تھی۔  
لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے بعض اوقات کئی کی دن تک راستے  
بند رہتے تھے۔ اس لیے مراد خان کا بہن کے نکاح پر شدید  
سکنا قسمت کے کھاتے میں ڈال دیا گیا اور زرتاش نے برقی  
آنکھوں کے ساتھ نکاح نامے پر دستخط کر دیے۔

☆☆☆

”یہ..... یہ نہیں ہو سکتا۔“ بڑی مونچھوں والے اس  
گہری رنگت والے شخص کی بات سن کر وہ اس بڑی طرح دہلا  
کر بنا سوچے سمجھے ہی ساتھ ہی اٹھا کر بیٹھا۔  
”کیوں؟ کیوں نہیں ہو سکتا؟ دنیا بھر میں ایک کام  
ہو رہا ہے تو بھر ہم کیوں نہیں کر سکتے۔“ مونچھوں والے کی  
آنکھیں فوراً غصے سے سرخ ہو گئیں۔

”یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ اس میں بہت دسک ہے۔  
ہم پکڑے بھی جاسکتے ہیں۔“ اس نے خشک ہوتے حلق کوثر  
کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس شخص کو سمجھانے کی کوشش  
کی جو اپنی بڑی بڑی مونچھوں کے علاوہ مراد باقی جسم پر بھی  
کافی گھنے بالوں کی وجہ سے اسے انسان سے زیادہ بن ماس  
دکھائی دیتا تھا۔

”کیسے پکڑے جاسکتے ہیں بابا؟ پکڑے جانے سے  
بچنے کے لیے تو میں تجھے اتنے پیسے دیتا ہوں۔ تو اچھا کام  
کر رہا ہے جب تو ابھی تک زندہ ہے۔“ مونچھوں والے  
کے لیے میں تعریف سے زیادہ دھمکی تھی جسے اس نے ٹھیک  
ٹھیک موصول کر لیا۔ نتیجتاً اس کے سارے جسم میں ایک سردی  
لہر دوڑ گئی۔

”میں اب تک جو کام کر رہا تھا اس کی بات الگ تھی  
جنوری ۲۰۲۵ء ۲۰۲۵ء جاسوسی ڈائجسٹ

”کیا اسے کوئی لینے آیا تھا؟ تم نے اسے واپسی میں  
بھی دیکھا ہوگا، کب اور کتنے بچے واپس آیا تھا؟“ بے چینی  
کے سبب اس نے بوڑھے سے ایک ساتھ کئی سوالات کر  
ڈالے۔

بوڑھے نے جواب میں نفی میں سر ہلایا اور بولا۔  
”نہیں سائیں، کوئی لینے نہیں آیا تھا۔ وہ خود موٹر سائیکل چلا کر  
گیا تھا اور پھر میرے سامنے لوٹ کر نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ  
میرے ٹال بند کرنے کے بعد لوٹا ہو۔“ بوڑھے کے اعزاز  
سے ظاہر تھا کہ اسے خود بھی اپنے کپے پر یقین نہیں ہے۔

”تم یقیناً جانتے ہو گے کہ یہاں سے آگے کس جگہ  
ہے جہاں خطرناک جانور تو بے شک نہیں لیکن ڈاکوؤں کا  
خطرہ ہے۔ تم نے نوجوان کو اس راستے پر جانے سے روکا  
کیوں نہیں؟“

”میں کیسے روکتا سائیں، مجھے یہیں رہ کر کاروبار کرنا  
ہے اور اپنے جسم پر پتائی کا پیٹ پالنا ہے۔“ بوڑھے کا مبہم  
جواب اپنی جگہ واضح تھا۔ خاور انجمنے میں جھپک کر اس  
چلنے پھرنے پر نہیں گیا تھا اسے یقیناً کہیں سے گناہ کیا جا رہا تھا۔  
ایسے میں اگر بوڑھا کسی قسم کی دخل اندازی کرتا تو خود  
زیرِ محاب آجاتا۔

”تھانے واپس پہنچ کر سرمد کو با کر دینا اللہ ڈنو۔“ جو  
حقائق سامنے آئے تھے، ان کی روشنی میں یہی حکم دینا بنا  
تھا۔

”ٹھیک ہے سر۔“ اللہ ڈنو کے غبارے سے بھی ہوا  
نکل چکی تھی۔ زردا دیر میں وہ سرمد کی پولیس پارٹی کسی بھی قسم  
کی کارروائی کے بغیر وہاں سے واپس لوٹ رہی تھی۔ ان کے  
پاس اس کے سوا کچھ کرنے کی گنجائش بھی نہیں تھی کہ معاملہ ان  
کے اختیار سے اوپر کا تھا۔

☆☆☆

”یہ تم کیا کہہ رہا ہے یارا!“ دھلکا ہٹا کھڑا مصبور خان،  
مراد کی بات سن کر دم بخور ہو گیا تھا۔  
”جو بچے سے وہی بتا رہا ہوں لالہ! مجھے معلوم ہے کہ اس  
جویشن کو صرف تم سنیال کتے ہو اس لیے تمہیں کال کی  
ہے۔“ مراد کے لیے میں بے بسی کی تھی۔

”تم نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے یارا!“ مصبور  
خان کی نظروں کے سامنے پہلے مراد کی مراد کتنی اپنی چھوٹی  
اور زرتاش کے چہرے کھم گئے۔

”آئی ایم سوری لالہ! میں ایسا نہیں چاہتا تھا لیکن میں  
ٹائم پر یہاں آیا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے کہ میں کس طرح حل نہیں کا۔“



جناب لیکن یہ تو آپ نے کوئی بڑا ہی دھوکا دیا ہے۔  
اس نے کئی آوازیں دوہرائی۔

”مجھے یاد ہے چورے، جب تو یہاں آیا تھا تو اس دن تیرے سامنے کیا آواز؟“ بڑی سوچوں والے نے اپنی سرخ انگلیاں اٹھائیں اس کی آنکھوں میں کاڑتے ہوئے سوال کیا تو کسی جتنا تازہ نفس کی طرح ہنسی کا ایک منظر اس کے ذہن میں جاگ اٹھا۔ وہ دو آنکھوں کے سامنے میں، کنبے درختوں کے درمیان کھڑا ایک ایسے اندر و باہر کا منظر تھا جو اس سے قبل نہ تو اس نے دیا تھا، نہ ہی کسی سے اس بارے میں سنا تھا۔ اندر و باہر لینے والا اس کی طرف ایک لگاؤ لگاؤ لگنے کی بھی رحمت کے بغیر شالی سمت گردن موڑے منظر نظروں سے راستے کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بھی غیر ارادی طور پر اپنی نظروں کو وہی سمت مرکوز کر لیا۔ جلد ہی تیز تپوں کی آواز کے ساتھ منظر میں چار گھوڑے داخل ہوئے۔ چاروں ایک سے بڑھ کر ایک شاندار تھے۔ ان کی شان دشوکت سے متاثر بھی وہ ان کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک گھوڑے کا پاؤں جانے کیسے پڑا اور وہ اپنے ہی زور میں بڑی طرح لڑکھڑا کر گر گیا۔ ابھی وہ گھوڑے کے ہونے پر حیرت کے لیے منہ ہی کھول رہا تھا کہ گولیاں چلنے کی تیز آواز کے ساتھ اس نے گھوڑے کے جسم سے نکلنے والے خون کے فواروں کو دیکھا۔

”گھوڑا دوڑتے ہوئے گر جائے تو پھر اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔“ سوچوں والے نے جو جملہ اس روڑا دیا تھا وہی آج بھی دہرایا تو اس کی طرح آج بھی اس کے جسم میں پھری رہی روڑ گئی۔

”ہم..... میں.....“ اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

”میں کرلوں گا سرور۔“  
اس کے اقرار پر سوچوں والے نے خوش ہو کر دانت نکوسے۔

☆☆☆

”میرے خاوند کا کیا بنا سامیں؟“ زینب بی بی پر جمائی ہوئی تنکین محل کے ساتھ شاہنواز کے ڈور و موجود تھی۔

”ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں مائی۔ رب نے چاہا تو تیرے بچے کو ڈھونڈ نکالیں گے۔“ مصروف سے شاہنواز نے اسے تسلی دی۔

”رب آپ کو خوش رکھے سامیں! آپ کا بڑا آسرا ہے ہم فریبوں کو لیکن پریشانی بھی بہت ہے۔ خاوند کے باپ

جاسوسی ڈائجسٹ: جنوری 2025ء

نے بڑی منت سماجت کر کے فون والے بندے سے مہلت بڑھوائی ہے۔ مہلت قلم ہونے سے پہلے اگر آپ خاوند کو نہ ڈھونڈ سکتے تو.....“ اندیشوں میں ڈوب لی ماں اپنی بات پوری نہ کر سکی۔

”رب پر بھروسہ کرنا ہی اہم پوری منت کر رہے ہیں، رب نے چاہا تو تیرے بچے کو ڈھونڈ نکالیں گے یہ تو ہمیں کام تو کرنے دے۔ سارا دن یہاں بیٹھ کر تیری تفتیش بھنتے رہیں گے تو تیرے بچے کو تلاش کرنے کا کام کب کریں گے۔“ شاہنواز نے جھنجھاکر جواب دیا تو زینب بی بی کی کھینچی ہوئی اور خاموشی سے وہاں سے ہٹ چکی۔

”آپ کو اس بے چاری کے ساتھ اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے گی۔ اس کا بیٹا غائب ہے اور وہ بہت امید لے کر آپ کے پاس آئی تھی۔“ قائد اعجاز کو زینب کے جانے سے بے نیاز سر جھکانے ایک فائل میں مصروف تھا، ان الفاظ پر چونک کر سر اٹھایا۔ سامنے ہی عادل کھڑا تھا۔

”یہاں سب ہی امیدیں لے کر آتے ہیں۔ چاہتے سلطان کی گھوڑی چوری ہو گئی ہے۔ اسے امید ہے ہم چور کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ ماسکیٹ کی بیٹی بھاگ گئی ہے، اسے امید ہے کہ ہم اس کی بیٹی کو واپس لانے والے کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ وڈیرے رحمت کے کھیتوں کا پانی کسی نے توڑ دیا ہے تو وہ بھی ہم سے ایسی حرکت کرنے والے کی کوٹھالی چاہتا ہے۔ یہاں نہ اسٹاف پورا ہے نہ نگہبیں۔ ایسے میں ہم کس کس کی امیدوں پر پورا اتریں۔“ اس نے منہ بنا کر بیٹے کو جواب دیا۔

”مجھے اندازہ ہے کہ آپ پر کام کا بہت بوجھ ہے لیکن کوئی نہ کوئی حل تو سوچنا پڑتا ہے۔ حل یہی ہے کہ جو کس فوراً توجہ کا مستحق ہے آپ سب سے پہلے اس پر دھیان دیں۔“

”اور وہ کیس ہے خاوند کا؟“  
”بالکل۔“ عادل نے باپ کے طنزیہ لہجے کا جواب دیا بغیر تائید کی اور سر ہلایا۔

”اس وقت خاوند کی زندگی خطرے میں ہے اس لیے سب سے زیادہ ضرورت اس کے کیس پر توجہ دینے کی ہے۔“

”تو پھر تازہ قلم نے اس مسئلے میں کیا کیا؟“ اس بار شاہنواز نے قلم ہاتھ سے رکھ کر سامنے موجود فائل بند کر دی اور کسی کی پشت سے ٹپک لگا کر سیدھے ہوتے ہوئے عادل کی آنکھوں میں دیکھا۔

## سورج خفا

خلاصہ گریڈ آرٹیشن کرنے کی تجویز پہلے ہی زیر بحث ہے لیکن یہ سب اتنی جلدی نہیں ہو سکتا۔ پہلے باقاعدہ بجٹ منظور کروانا ہوگا پھر منصوبہ بندی اور کم کے انتخاب وغیرہ کا مرحلہ آئے گا۔ اس بات سے تم اندازہ لگا لو کہ اس کام میں کتنا طویل وقت لگے گا اور یہاں وقت ہی نہیں ہے۔" شاہنواز نے اٹھ کر چل دیا۔

"جی، مجھے معلوم ہے کہ انخواروں نے خاور کے باپ کو نیو ایئر ٹائمز تک کی سہولت دی ہے۔" عادل کو باپ کی کیفیت اور حالات کی تکفین کا اندازہ اچھی طرح ہو رہا تھا۔

"میں تو سوچ رہا ہوں کہ تاؤر پش سے کہوں کہ بیٹا بیٹا ہے تو تادان کی تم کا بندوبست کر لے۔ بیٹی اگلے سال بھی بیوا ہو سکتی ہے لیکن بیٹا ایک بار ہاتھ سے نکل گیا تو پھر واپس نہیں مل سکتا۔" ہادی شاہنواز کو یہ سب کہنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اس سے قبل کہ عادل جواب میں کچھ کہتا، میز پر پڑے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ایس ایچ ار شاہنواز اسپیکر۔" اس نے ریسپونڈ اٹھا کر اپنے معمول کے انداز میں کہا لیکن کال کرنے والے کا نام سن کر بلا ارادہ ہی چونک کر سیدھا ہوا۔

"السلام علیکم چانڈیو صاحب! کیا حال ہے سائیں؟ میں آپ ہی کی کال کا انتظار کر رہا تھا۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا جوش اور آیا لیکن چانڈیو نے جو کچھ بتایا، اسے سن کر اس کا سارا جوش ماند پڑ گیا۔

"ٹھیک ہے سائیں! آپ کی بڑی مہربانی۔" آخر کار اس نے چدر کی جیلے کہہ کر فون بند کر دیا اور عادل کی سوالیہ نظروں کا مطلب سمجھتے ہوئے بتانے لگا۔

"حیدر آباد سے ایس ایچ او چانڈیو تھا، اسے ہی میں نے خاور کے کال پر پکاراؤ سے ملنے والے فون نمبر کے مالک کا پتا لگانے کا کام سونپا تھا۔ اس نے معلوم کر کے بتایا ہے کہ تعلقہ نمبر جس لڑکے کے استعمال میں تھا، اسے قوت ہوئے بھی چھ ماہ سے زیادہ کا عمر گزر گیا ہے۔ لڑکا ڈیوٹی کی ایک واردات میں مارا گیا تھا اور ڈاکو جاتے جاتے اس کا سوا بال فون چھین کر لے گئے تھے۔ اکتوتے بیٹے کی موت کے صدمے سے بڑا حال ماں باپ کو اس بات کا خیال تک نہیں آیا کہ نمبر بند کر دیا ہے۔"

"اوہ....." عادل نے افسوس سے بس اتنا کہا۔ اُسے اندازہ تھا کہ فون نمبر سے بڑی امیدوں کے بعد یہ ایس ایک باپ پھر بالکل بندگی میں آکھڑی ہوئی ہے۔

جنوری 2025ء جاسوسی ڈائجسٹ

"میں نے سارا محفل ہی اکاؤنٹ کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اکاؤنٹ ڈیلیٹ کیا جا چکا ہے اور میں باوجود کوشش کے اس تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام رہا ہوں۔" عادل کے انداز میں بھی کسی ہادی تھی۔

"مگر میں اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب رہا ہوں۔ تمہارے کہنے پر خاور کا جو کال پر پکاراؤ نکلا یا تھا اس میں سے ایک نمبر ایسا ملا ہے جس پر غائب ہونے سے قبل خاور نے کسی بار کال کی تھی۔ خصوصاً اس نے جو آخری کال کی تھی، وہ بھی اسی نمبر پر کی تھی۔ میں نے اس نمبر کی ساری تفصیل نکلائی ہے۔ مگر جس بندے کا ہے، وہ حیدر آباد کا رہا کئی ہے۔ میں نے متعلقہ تھانے کے ایس ایچ او سے رابطہ کر کے مدد کی درخواست کی ہے۔ اب دیکھو اس کی طرف سے کیا رپورٹ آتی ہے۔" شاہنواز کا فنی پرامید دکھائی دے رہا تھا لیکن عادل نے جواباً کوئی خاص رد عمل ظاہر نہیں کیا اور بات بدلتے ہوئے پوچھا۔

"سرد کا کیا ہوا؟ اسے چھوڑا آپ لوگوں نے یا نہیں؟"

"چھوڑ دیا ہے بار اسے تو سی دن چھوڑ دیا تھا جب ہم خاور کی آخری کال کی لوکیشن پر پہنچے تھے۔ پال والے باپ نے نہ صرف خاور کی تصویر پچان لی تھی بلکہ وہی لفظوں میں اس بات کا بھی اعتراف کیا تھا کہ پچھلے تین چار مہینوں میں اس نے خاور سمیت جتنے بھی لڑکوں کو اس طرف جانے ہوئے دیکھا، ان میں سے ایک بھی لوٹ کر واپس آنا دکھائی نہیں دیا۔"

"اسی لیے تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ یہ انخوارے تادان کا کیس ہے۔ مجھے پہلے بھی ایسے چند واقعات کا پتا چلا ہے جب ڈاکوؤں نے مختلف جیلے بہانوں سے سادہ لوح افراد کو گھیر کر اپنے پاس بلایا اور پھر پرغال بنا کر روٹھے تادان کے نام پر بڑی بڑی رقمیں اٹھ لیں۔" عادل جوش میں آ گیا۔

"حاصلہ میری ہڈی میں بھی آ رہا ہے یا مگر صرف سمجھنے سے کچھ نہیں ہوتا، تم بتاؤ ان لکٹی کے چند ساتھی اور پرانی ڈنگ آلود بندو قیس لڑکے میں جنگل میں چھپے ڈاکوؤں کا کیا پکا ڈسکا ہوں۔ میں کوئی فکری ہیر تو ہوں نہیں کہ ڈنڈا لہراتا ہوا جاؤں اور منٹوں میں کشتوں کے پٹے لگا کر خاور کو چھڑا دوں۔" اس نے بیٹے پر بھی اپنی جھجلاہٹ نکالی۔

"آپ اوپر بات کیوں نہیں کرتے؟" "کی تھی بات۔ اوپر والے کہتے ہیں ڈاکوؤں کے

دعا کے لیے فرصت نکالی۔ کھل نے اسے سردار کا پیغام پہنچایا۔

”بس آدھا گھنٹا اور لگے گا۔ تم جب تک تھوڑی دیر آرام کر لو۔“ بڑے سے چیلے میں کچھ بھونکتے ہوئے افضل نے اسے مشورہ دیا تو اس نے بے دھائی میں سر ہلا دیا۔ اصل میں اس کا دماغ کھیں اور الٹا ہوا تھا۔

”میں خاور سے ملنا چاہتا ہوں۔“ کھل اسے لے کر وہاں سے آگے بڑھا تو اس نے دھیمی آواز میں اس سے فرمائش کی۔

”ابھی ملنا دیتا ہوں۔“ کھل اسے لے کر جگہ ہی میں ایک خطہ صاف کر کے بنائے گئے کلاڑی کے کمرے کی طرف لے گیا۔ کمرے کی چابی کھل ہی کے پاس تھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور جیب میں سے ہتھکڑی نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ وہ اور کھل آگے پیچھے چلتے کمرے میں داخل ہوئے تو ایک کونے میں سر ہنڑاٹا اسے بیٹھے خاور نے جلدی سے سر اٹھایا۔ وہ ان چند لمحوں میں ہی خاصا کنزور ہو گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں دیرانی دکھائی دے رہی تھی۔

”کیسے ہو خاور؟“

”میں.....“ خاور کوئی جواب نہ دے سکا اور اُلجھ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس ماحول سے مطابقت نہیں رکھتا تھا اور اب تک جیتنے بھی افراد سے اس کا سامنا ہوا تھا، ان سے بالکل مختلف دکھائی دے رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں کی وجہ کوئی اور تھی۔

”کون ہو تم؟“ اس کی الجھن زبان پر آگئی۔

”طلحہ الجبل۔“ اس نے یوں جواب دیا جیسے کوئی اعتراف جرم کر رہا ہو۔

”تم..... تم نے مجھے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔“

خاور جذبہ بالی ہو کر ایک دم ہی کمزرا ہونے لگا تو کھل نے اس کے سینے پر ایک ہاتھ کا دباؤ ڈالنے ہوئے ہلکا سا دھکا دیا اور ہتھکڑی اُٹھا کر اسے پیٹھا دے۔

”اس شخص نے میری زندگی تباہ کر دی۔ دوست بن کر میری پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔“ خاور نے تلخ الجھل کے نام سے جتنے والے اپنے سوشل میڈیا کی دوست کی شکل تو بھی نہیں دیکھی تھی لیکن دانش کال پر کئی بار بات کر چکا تھا اور اب اسے سمجھ آگئی تھی کہ اسے اس شخص میں جو چیز شناسا محسوس ہو رہی تھی، وہ اس کی آواز تھی۔

”میں اعزاء وہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ہمدردی کی آڑ میں

”کھل ہے مجھے تا در بخش کو بلا کر کس سے بات کرنی ہی پڑے گی۔“ شاہنواز کے پاس بس ایک ہی محل رہ گیا تھا۔

”آپ مجھے کل تک کی مہلت دے دیں۔ میں کوشش کرتا ہوں خاور کے اس لٹل اے کھل نامی دوست تک پہنچنے کی۔ ہم اس تک پہنچ گئے تو تمہیں سارا کس ہی محل ہو جائے گا۔“ عادل نے شاہنواز کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

”نیمو ایئر ٹائٹ میں وقت ہی کتنا رہ گیا ہے۔ میں جہیں زیادہ سے زیادہ کل تک کی مہلت دے سکتا ہوں۔“

”اللہ نے چاہا تو کل تک کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔“

عادل پرامید تھا۔

☆☆☆

”تیاری ٹھیک جا رہی ہے؟ تم مطمئن ہو سارے سیٹ آپ سے؟“ بڑی مونچھوں والا ادھر سے ادھر چلتے ہوئے اس گورے جٹے لوکے سے مخاطب تھا جو اس سے نظر ملانے کے بجائے مسلک زمین کی طرف دیکھتا رہا تھا۔

”جی سر دار ب ٹھیک ہے بس اب آ بجیکٹ کو وہاں شفٹ کرنا ہے۔“ اس نے احترام سے جواب دیا۔

”آ بجیکٹ؟“

”میرا مطلب ہے نفوزی۔“ اس نے وضاحت دی۔

”ہاں، ہاں ٹھیک ہے اس کا تو مجھے پتا ہے کہ اسے وہاں شفٹ کرنا ہے۔ یہاں اس جگہ میں ساری سہولتیں اور سکون ہے لیکن بس یہ ایک بات بری ہے کہ یہاں انٹرنیٹ کام نہیں کرتا۔ اگر یہاں انٹرنیٹ چل رہا ہوتا تو ہمیں لڑکے کو یہاں سے نکالنے کا دمک بھی نہیں لینا پڑتا۔“ سردار نے منہ بنا کر تبصرہ کیا۔ چراگاہ خاموش رہا۔

”چھٹا تو ایسا کر بانی کر کر کے یہاں سے نکل جا۔ اب کام پورا ہونے تک تجھے وہاں رہنا ہی پڑاؤں گا۔“

سردار نے بھی اسے زیادہ زحمت نہیں دی اور ایک طرف پیٹھ کر دھاک کی صفائی کرتے بندے کو کھپکھپاتا۔

”کھل، اسے ساتھ لے جا جا اور دیکھ کہ آج افضل دوپہر کے کھانے پر کیا کھا رہا ہے۔ اس سے پوچھنا ذرا جلدی ہاتھ چلائے۔ چھو کر کے گودا میں شہر بھی جاتا ہے۔“

”جو حکم سردار۔“ کھل نامی شخص نے ادب سے جواب دیا پھر اس کا ہاتھ تمام کر جگہ کے اس حصے کی طرف لے گیا جہاں افضل اپنے ایک مددگار کے ساتھ مل کر کھانا پکانے میں مصروف تھا۔ اس نے مشکل سے سراسر اٹھا کر سلام

جاسوسی ڈائجسٹ : 2025ء



خاور کے لیے کی جھانجھاٹ بڑھ گئی تھی۔  
 "نہیں..... وہ کوئی عام سا بندہ نہیں ہے۔ وہ کوئی  
 بیکر، کوئی جینکس ہے جو مستقل مزاجی سے میرے پیچھے پڑا  
 ہوا ہے۔" اس نے سوچنے والے لیے جس خاور کے جواب کو  
 رد کیا۔

"میرے آئے دہانے کس کیپڑ جینکس نے ہونا  
 ہے۔ دوستوں اور پوری برادری میں مشکل سے ہی کوئی بندہ  
 بی اے پاس ہوگا۔" خاور نے متنا کر جواب دیا۔  
 "مجھے حکم کرو اس میں اس اہم دو جہاز تھکا کر اس  
 چھوکرے سے سب کچھ اٹھالیتا ہوں۔" چل جیسے خاور کے  
 ہاتھ باندھنے کے بعد اسو لا وہاں سے چلا جانا چاہیے تھا،  
 درمیان میں دل دیتے ہوئے بولا۔

"ابھی فی الحال مجھے بات کرنے دو۔" ضرورت  
 ہوئی تو میں تمہیں بلواؤں گا۔" اس نے نرم لہجے میں کل کو  
 یاد دہانی کروائی کہ اسے اب تک یہاں سے چلے جانا چاہیے  
 تھا۔ کل بھکر باہر کی طرف بڑھ گیا۔ باہر جاتے ہوئے اس  
 نے ساتھ خاور بڑی بلجست سے کہہ دیا تھا۔

"مجھے یہاں سے جانے دو یا امیر سے باپ کی اتنی  
 ہلکی نہیں ہے کہ مجھے پیچھے کھینے کو بھانسنے کے لیے اتنا ہمارا  
 تادان دے سکے۔" جواب اس نے کہا۔

"وہ راضی ہو چکا ہے خاور! جس اس نے رقم جمع  
 کرنے کے لیے تھوڑی سی مہلت مانگی ہے جو ہم نے اسے  
 دے دی ہے۔"

"کیا؟" حیرت سے خاور کا منہ کھل گیا۔

"ماں باپ ایسے ہی ہوتے ہیں دوست! اولاد کے  
 منہ پر چاہے اسے کتنا ہی سخت بول دیں لیکن وقت پڑنے پر  
 اپنا سب کچھ اس پر لٹانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ تمہارا  
 باپ بھی تمہیں چھڑوانے کے لیے اپنی پوری جان لگا رہا  
 ہے۔" اس نے نرمی سے خاور کو بھایا۔

"مجھے معلوم ہے اب کے پاس زیادہ بڑی رقم نہیں  
 ہے، اور جانے دہ بیسوں کے لیے کہاں کہاں خوار ہوتا پھر  
 رہا ہوگا۔" وہ پہلے باپ کی فکر میں جلا ہوا پھر اسے گھورتے  
 ہوئے بولا۔

"یہ سب تمہارا کیا دھار ہے۔"

"فی الحال تم میری اور اپنے باپ کی فکر چھوڑو اور  
 اپنی خیر متاؤ۔" جواب اس نے ایسے لہجے میں خاور کو لٹکا کر  
 اس کے جسم میں پھری کی دوڑ گئی اور اس نے سراپہ  
 نظروں سے اسے دیکھا۔

جنوری 2025ء

تم مجھ سے کیا کہیں، مکمل رو ہے۔ عالم انسان امیر باپ  
 کون سا میرا یہ دار ہے جو تم اس غریب کو سڑکوں سے چلے  
 ہو۔" اب خاور برا راست اس سے مخاطب تھا اور اپنے  
 تین اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہاں میری بہن کی شادی میرے گھریلو ہے اور تم لوگ  
 میرے باپ سے خبری رہائی کے بدلے تادان وصول کرنا  
 چاہتے ہو؟ شرم نہیں آتی تمہیں یہ سب کرتے ہوئے؟ تم تو  
 جانتے تھے کہ میں اپنے ابا کا ہاتھ بنانے کے لیے نوکری  
 ڈھونڈ رہا ہوں پھر بھی تم نے ایسا کیا۔" خندہ کرتے کرتے  
 خاور کی آواز میں بے بسی اثر آئی اور لہجہ بیگم کیا۔

"یہ چھوکرے تو بہت ہی بولتا ہے۔ ابھی اس کو چپ  
 کروا تا ہوں۔" شکل سے برداشت نہیں ہوا تو ڈرا جا رہا تھا  
 تھوڑے سے خاور کی طرف پیش قدمی کی۔

"رک جاؤ چل!" اس نے قدرے بلند آواز میں  
 کل کو روکا۔

"ایسا کرو کہ تم جاؤ، میں تھوڑی دیر اس سے بات کر  
 کے خود ہی آ جاؤں گا۔"

"لیکن....." کل اس کی بات ماننے میں متاثر  
 ہوا۔

"یہ اسکیل میں تمہیں نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔" اس  
 نے اپنے دہانے کے رہنے کا جواز پیش کر دیا۔

"پھر تو اس کے بندے ہوئے ہی ہیں، تم ہاتھ بھی  
 باندھ جاؤ پھر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے گا۔" اس نے مشورہ  
 دیا۔

"اچھا....." کل نے بے دلی سے ہامی بھری اور  
 سست روی سے خاور کی طرف بڑھا۔

"جلدی کرو کل۔" مجھے داپہن جانا ہے لیکن جانے  
 سے پہلے میں اس سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

کوئی ہے جو مسلسل تک مجھ کی کوشش کر رہا ہے۔ مجھے  
 اس سے اس شخص کا نام بتا معلوم کرنا ہے تاکہ اس کا بھی کوئی  
 انتقام ہو سکے۔" اس نے کل کو لٹکا تو وہ آگے بڑھا اور ری  
 کے اسی کچھے سے جس کی مدد سے خاور کے پاؤں باندھے  
 گئے تھے، ہاتھ بھی باندھنے لگا۔

"کس کس کو بتا رکھا ہے میرے متعلق؟" اس نے  
 خاور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

"مجھے کس کو بتانا تھا میں ایک آدھ یا دوست اور  
 ماں سے ذکر کیا تھا۔"

کل نے ہاتھ بہت سختی سے باندھے تھے اس لیے

جواب دینے کی فرصت نکالی۔

”اسنے کافی نہیں باداموں والا دودھ پلانا تھا علیہا دیکھ نہیں رہی ہو کتنی مغفاری کی کر رہا ہے میرا شہ۔“ شاہنواز کو لپٹاپ کی اسکرین دکھائی نہیں دے رہی تھی لیکن بیٹے کی توجہ کی طلب میں وہ وہیں ایک کرسی پر تنگ گیا تھا۔

”اس نے کافی کافی میں دودھ پلانا تھا تھیں ادا صاحب، باداموں والا دودھ مانگا تو وہ تو دودھ لا دیتی۔“ حلیہ نے سنجیدگی سے

شاہنواز کی بات کا جواب دیا اور کمرے سے باہر نکلتی۔ وہ ایسی ہی تھی۔ عادل سے کوئی بدسلوکی نہ کرنے کے باوجود اس کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ آج تک اس سے بے تکلف نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے لیے سو کن کا بیٹا ہمیشہ سو کن کا بیٹا ہی رہا تھا جو چاہتے نہ چاہتے دل میں جیتتا تھا۔

”رب سائیں عقل دے۔“ شاہنواز نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”میں نے آئی سے کافی بتانے کا کہا تھا، ایک تو موسم ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ دوسرے مسلسل لپٹاپ پر کام کرنے سے سر میں درد ہونے لگا تھا تو میں نے سوچا کرما کرما

اسٹراٹجی کافی پی لی جانے۔ آئی ابھی کافی بنا رہی ہیں۔“ اس بار عادل نے لپٹاپ سے اپنی توجہ ہٹائی اور وضاحت پیش کرنے کے بعد حلیہ کا لایا ہوا کافی کا کپ اٹھا

لیا۔ شاہنواز اس کے اس انداز پر ہنس دیا۔ اسے معلوم تھا کہ شکایت یا نفیٹ کرنا عادل کی تربیت ہی میں شامل نہیں ہے اس لیے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ حلیہ کے بارے میں کوئی منفی تبصرہ کر دے۔

”آئی جان لگا کر آخر کر گیا رہے تھے تم؟ کوئی اسائنمنٹ کر رہے تھے کیا؟“ شاہنواز نے بھی موضوع بدل دینا مناسب سمجھا۔

”خاور کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔“

”مطلب؟“ شاہنواز نے ابرو اچکا کر۔

”لعل! آجمل نامی آئی ڈی منظر سے غائب ہے لیکن میں کوشش کر رہا تھا کہ خاور کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ کی مدد سے کوئی اور ایسا فرد ڈھونڈ نکالوں جو لعل! آجمل کو جانتا ہو یا اس کی فریڈ لسٹ میں شامل رہا ہو۔“

”پھر کوئی نتیجہ نکلا؟“ شاہنواز نے اس بار دلچسپی لی۔

”جی۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”میں نے خاور کی فریڈ لسٹ میں شامل تمام افراد کو کچھ کول مول سے پیمائت بھیجے تھے۔ ان پیمائت میں لعل! آجمل کا ذکر تھا۔ کچھ لوگوں نے رپوزل میں حیرت کا

”میری حیثیت تم سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔“

یوں سمجھو کہ میں ان کا ایک ایسا ہمراہ ہوں جو اپنی کچھ مجبوروں کے باعث ان کے اشاروں پر چلنے کے لیے مجبور ہوں لیکن میں برا آدمی نہیں ہوں۔ میں نہیں اس سے بچانا چاہتا ہوں جو تمہارے ساتھ ہوئے جا رہا ہے۔“ اس کا لہجہ

ایسا تھا کہ خاور خاموشی سے اس کی بات سننے پر مجبور ہو گیا۔

”جیہیں خود کو بچانے کے لیے کچھ کرنا ہوگا خاور اور نہ تم بہت دردناک انجام سے دوچار ہو جاؤ گے۔“

”لعل! لعل! لیکن ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ میرا ابا مجھے چمڑا لے کے لیے نادان کا بندوبست کر رہا ہے۔“ خاور گہرا گیا۔

”سب دھوکا ہے، یہ لوگ تمہارے باپ کو بھی دھوکا دیں گے اور کہیں اور سے تمہارے دام کمرے کر لیں گے۔“ وہ دہلی ہوئی آواز میں اسے جو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا، خاور پر ہی طرح سمجھ نہیں پڑا تھا لیکن اسے اتنا سمجھ آ رہا تھا کہ اسے خود کو ان ڈاکوؤں کے چنگل سے نجات پانی ہوگی۔

”تم نے مجھے اس وبال میں ڈالا ہے، تم یہاں سے لٹکنے میں، میری مدد کرو۔“ اس نے بچوں کی طرح مطالبہ کیا۔

”میں نہیں ہوشیار کرنے اور مشورہ دینے سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ میرا مشورہ ہے کہ جس دن تمہیں یہاں سے نکل گیا جا رہا ہو، اس دن فرار ہونے کی کوشش کرنا۔ اس چنگل سے تم خود نہیں نکل سکتے، تم اس کے راستوں میں الجھ کر

رہ جاؤ گے۔“ اس نے مشورہ دیا اور خاور کے شانے کو شک کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔ اس نکل گئے دوران وہ اس کی ایک چھوٹی سی مدد کر گیا تھا۔

☆☆☆

”بڑے معروف گھر رہے ہو شہزادے!“ شاہنواز گھبراہٹ سے عادل کو لپٹاپ پر معروف پایا۔ کی بیڑ پر تیزی سے اٹکیاں چلاتا، چہرے پر بے حد سنجیدہ تاثرات لیے وہ اپنے کام میں اتنا منہمک تھا کہ اسے باپ کی آمد کا بھی علم نہیں ہوسکا تھا۔ شاہنواز نے مخاطب بھی کیا تو جواب دینے کے بجائے بس اشارے سے سلام کر کے پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

”یہ تمہاری کافی۔“ اسی اثنا میں حلیہ بڑا سا بچاپ اڑاتا نگ لے کر کمرے میں آئی اور اس کے قریب ہی سائز

نچل پر رکھا۔

”شکر۔ آئی۔“ عادل نے کام کرتے کرتے اسے

جاسوسی ڈائجسٹ: جی۔ایڈ۔ جنوری 2025ء

جاسوسی ڈائجسٹ: جی۔ایڈ۔ جنوری 2025ء

جاسوسی ڈائجسٹ: جی۔ایڈ۔ جنوری 2025ء

جاسوسی ڈائجسٹ: جی۔ایڈ۔ جنوری 2025ء

جاسوسی ڈائجسٹ: جی۔ایڈ۔ جنوری 2025ء

جاسوسی ڈائجسٹ: جی۔ایڈ۔ جنوری 2025ء

جاسوسی ڈائجسٹ: جی۔ایڈ۔ جنوری 2025ء

جاسوسی ڈائجسٹ: جی۔ایڈ۔ جنوری 2025ء

## سوء خفا

پریشان ہیں۔ کچھ دنوں میں اس کی بہن کی شادی بھی ہونے والی ہے لیکن غار کی گمشدگی کی وجہ سے سب کے ہوش اڑے ہوئے ہیں۔“ عادل نے اسے مختصراً حالات سے آگاہ کیا۔

”تم مجھے پوری بات نہیں بتا رہے ہو؟ مجھے یقین ہے کہ اب تک کسی نے غار کے گمراہوں سے رابطہ کر لیا ہوگا اور غار کی رہائی کے بدلے ہماری تاوان طلب کیا جا رہا ہو گا۔“ جینیہ پتہ چست پڑا تھا۔

”تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟“ عادل نے حیرت کا اظہار کیا۔

”مجھے یہ سب کیسے معلوم نہیں ہوگا۔ میں تو خود ہجرت کر بیٹھا ہوں۔“

”پلیز ذرا وضاحت سے بتاؤ۔“ عادل نے اصرار کیا۔

”اصل الجھل میرا نفس تک فریڈ تھا۔ ہماری اکثر ان بائس بات ہوتی رہتی تھی۔ انہی باتوں کے دوران میں نے کہیں اسے بتا دیا کہ آبا کی گھر بکنے پر مجھے چالیس لاکھ روپے ترکے میں ملے ہیں جس میں مزید کچھ رقم شامل کر کے میں ایک مناسب سا اپارٹمنٹ خریدنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں اسے یہ بات بتا کر ببول بھی کیا لیکن وہ بہت کچھ پلان کر چکا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اپنے گاؤں کے بارے میں ایسے ایسے قصے سنانے شروع کر دیے کہ میرے دل میں اس کا گاؤں دیکھنے کا شوق جاگ اٹھا۔ ایسے میں ایک دن جب اس نے مجھے اپنے گاؤں آنے کی دعوت دی تو میں انکار نہیں کر سکا اور اس جال میں جا پھنسا جو میرے لیے بچھایا گیا تھا۔“ جینیہ اب محل کر بول رہا تھا اور بولتے ہوئے اس کے لیے جیم ٹیم وٹسے کی جو پیش کش تھی، اسے دور بیٹھ کر بھی محسوس کیا جاسکتا تھا۔

”میں گاؤں دیکھنے کے شوق میں گیا تھا، مجھے پلازک جنگل کے ایک اندر میرے کمرے میں بند کر دیا گیا اور میری بیوی سے بچاس لاکھ تاوان طلب کیا گیا۔ اس بے جادری کو ایسی ایسی دھمکیاں دی گئی تھیں کہ وہ پولیس یا کسی بھی دوسرے ادارے کو بتانے کی ہمت نہیں کر سکی اور اپنے چھوٹے بھائی کو تاوان کی رقم دے کر مجھے چھڑوانے کے لیے بھیج دیا۔ دوران قید مجھے مسلسل کوئی نشہ آور دوا کھلائی جاتی رہی تھی اس لیے میں گمراہیوں کے انے کے بعد بھی کسی روز تک اپنے حواسوں میں داپن نہ آ سکا۔ ہوش آیا تو سوشل میڈیا پر نکل الجھل کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی

اظہار کیا، کچھ جسم سوال بن گئے لیکن ایک شخص نے بہت شدید توجہ کا اظہار کیا۔

”کیا رزٹل؟“ شاہنواز کی دلچسپی مزید بڑھی۔

”اس نے کہا کہ میرے سامنے نام بھی نہ لو اس لفظی شخص کا، مجھے لگتا ہے دوستی کے نام پر دھوکا دینے والے

”یہ تو واقعی بڑا شدید توجہ مل رہا ہے۔ تم رابطہ کرو، اس بندے سے۔“

”جی کا فی ختم کر کے یہی کرنے لگا ہوں۔“ عادل نے اسے اطمینان دلایا پھر چتر گھونٹ میں کافی ختم کر کے پیچھر پر کال ملائی۔ ابتدا میں بل جاتی رہی لیکن جواب نہیں ملا۔ عادل نے کوشش ترک نہیں کی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ جینیہ ٹائی وہ شخص آن لائن ہے لیکن جان بوجھ کر اس کی کال ریسپونڈ نہیں کر رہا۔ آخر کار مستعد کوششوں کے بعد کال ریسپونڈ کر گئی۔

”کیا بات ہے؟“ کیوں پیچھے پڑے ہو؟“ نہایت درشت لہجے میں سوال ہوا۔

”تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیسی معلومات؟ میں کچھ نہیں جانتا۔“ جینیہ کا انداز

”اکٹرا ہوا تھا۔“

”میں چاہتا چاہتا ہوں کہ تم لعل الجھل سے اسے خفا کیوں ہو؟“

”میں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔ دیے بھی اب تو اس کی آئی ڈی میٹر سے غائب ہو گئی ہے۔“

”پلیز جیندا اب مجھ سے تعاون کرو۔ یہ ایک انسان کی زندگی کا سوال ہے۔“ عادل نے لہجے میں لجاجت سموئے اس سے درخواست کی۔

”کس کی بات کر رہے ہو تم؟“ جینیہ کو ایک ہل کے لیے سانپ منگھکا پھر اس نے ویسی آواز میں پوچھا۔

”خادری۔“

”خادری کی؟“ کیا تم خادری بات نہیں کر رہے ہو؟“

”نہیں، میں غار کا دوست ہوں اور اسے تلاش کر رہا ہوں۔ وہ کچھ دن ہوئے اپنے گھر سے غائب ہے۔“

”مجھے پوری تفصیل بتاؤ گے تم؟“ جینیہ نے بے یقینی سے سوال کیا۔ یہ ساری گفتگو آپت پر کھول کر ہو رہی تھی اور

قرب بیٹھا شاہنواز تو جسے ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔

”کچھ دن ہوئے لعل الجھل نے غار کو نوکری کا جہان دے کر کہیں بلوایا تھا۔ خادری اس کا کیا گمراہیوں لوٹ کر نہیں آیا۔ اس کے والدین اس کے لیے بہت

جنوری 2025ء



آئی دی ہی سرے سے غائب تھی۔ ایسے میں تمہارا پیغام ملا تو مجھے خود بخود ہی ہنسا آ گیا۔" اس بار جنبہ نے پوری کھانکھہ سنائی۔

"تمہارے ساتھ جو کچھ گزری، مجھے اس پر بہت افسوس ہے۔ جبکہ اگر تم ہمارے ساتھ تھا تو کم از کم خاور کے ساتھ بڑا ہونے سے روک سکتے ہیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ خاور کی مین کی شادی ہونے والی ہے۔ اگر ہم نیو ایئر ٹائٹ سے پہلے خاور کو بازیاب نہ کروا سکتے تو خاور کے باپ کو بیٹی کی شادی کے لیے رکھی گئی رقم کے علاوہ زہر اور اپنی زمین بچ کر تادان کی رقم بھرنی پڑے گی۔"

"کیا تم پولیس والے ہو؟" جنبہ کو لفظ بازیاب کھٹکا۔

"نہیں، میں پولیس والا نہیں ہوں لیکن ضرورت پڑنے پر پولیس کی مدد لے سکتا ہوں۔" اس نے گول مول جواب دیا جس پر شاہنواز نے اس کا شانہ چمکا کہ بالکل صحیح جا رہے ہو۔

"اصل میں میری بیوی اب تک بہت خوف زدہ ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ہمیں ایسے خطرناک لوگوں سے دشمنی مول لینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لینی چاہیے۔ اس کے خوف کی وجہ سے میں چاہنے کے باوجود اس واردات کی رپورٹ بھی نہیں لکھوا سکا۔" جنبہ نے ہنسنے سے روک لیا۔

"تمہارا نام کہیں نہیں آئے گا جنبہ، بس تم ہماری تھوڑی سی مدد کرو اور یہ بتاؤ کہ کل اڑھیل نے ہمیں کون سے گاؤں بلوایا تھا؟" جنبہ اس کے اصل نام اور محل و صورت کے بارے میں جرمی معلوم ہے، وہ سب بتا دو۔"

"مجھے کچھ بھی نہیں معلوم، وہ بد بخت میرے سامنے ہی نہیں آیا۔ اس نے ہائی دے کر ایک جگہ مجھے انکار کرنے کو کہا تھا کہ اپنے دوست کو تمہیں لینے بھیج رہا ہوں۔ اس نے جو گاڑی مجھے بتائی، اس میں جیشنا تو مجھے یاد ہے لیکن یہ یاد نہیں کہ میں کیسے بے ہوش ہوا؟ راستے میں ایک بار بس مجھے ہوش آیا تھا اور میں صرف ایک گلو کی نال دیکھ سکا تھا جس پر ایک بہت بڑا حمار آڈی بیٹھا ہوا تھا۔" جنبہ نے بتایا تو عادل چونک گیا۔ ان معلومات سے ثابت ہو گیا تھا کہ جنبہ اور خاور کو خواہر کے ایک ہی مقام پر لے جایا گیا تھا۔

"تمہارا بہت شکریہ دوست! امید ہے ضرورت پڑنے پر تم حریہ تعاون کرو گے۔"

"نہان شاہ اللہ ایسا ہی ہوگا۔ میری دعا ہے کہ خاور کو تلاش کر سکو۔" جنبہ نے اسے یقین دہانی کروانے کے ساتھ

جاسوسی ڈائجسٹ 210 جنوری 2025ء

دعا بھی دی۔

"میرے خیال میں، آپ کے پاس آپریشن کلین آپ کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔" کال بند کر کے خاور نے شاہنواز سے کہا۔

"اس کے لیے وقت چاہیے اور ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔" شاہنواز کی نظریں دیوار پر پٹے فیلڈ پر جم گئیں۔ آج تیس دسمبر تھا۔

☆☆☆

"تم ام کو صاف صاف بتاؤ مراد خان کہ تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟ تم گاؤں کیوں نہیں آتا اسے؟ تم کو کچھ احساس ہے کہ تمہارا بدائی میں تمہارا ماں، بہن کا کیا حال ہے۔" بڑی کوششوں کے بعد صبور خان آج مشکل سے اس سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو سکا تھا اور اس کی آواز سننے ہی پھٹ پڑا تھا۔

"بس لالہ، وہ تو کوری۔۔۔۔۔" مراد خان نے وہی پرانی وجوہات بیان کرنے کی کوشش کی لیکن صبور خان نے اسے درمیان میں ہی روک دیا۔

"تم ام کو یہ تو کوری دو کوری کا بہانہ بنا کر بھلانے کا کوشش ہی کر دیا۔" فیمک امے ام تمہارے جتنا بڑھا کھٹا نہیں اسے پر ام نے دنیا دیکھا ہے۔ تو کوری میں بندے کا یہ حال نہیں ہوتا ہے جو تمہارا ہے۔ ام پر دوس میں ہے پھر مگر موقع ملنے ہی مگر دلوں سے لئے آجاتا ہے لیکن تم اپنے خسی ملک میں رہتے ہوئے ایک بار بھی گھر نہیں آیا ہے۔ تم کو نام ہے، تمہارے نہ آنے پر فلاح والے دن تمہارا ماں، بہن کتنا رو یا تھا۔ اللہ قسم کل ہی نہیں تھا کہ وہ خوشی کا مغل ہے۔ ایسا لگتا تھا ام کہیں پڑ سونے آیا ہے۔"

"آئی ایم سوری لالہ! مجھے احساس ہے کہ میری وجہ سے آپ کی خوشی خراب ہو گئی۔" اس نے صمت صبور خان سے معافی مانگی۔

"یہ سوری موری تم اپنے پاس رکھو اور ام کو کامل وجہ بتاؤ۔ امارا دل کہہ رہا ہے کہ تم کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے اور ہمیں بتائیں رہا۔" صبور خان نے جیسے اس کی دھکی دھکی بکڑی تھی۔ وہ ایسا تنگ ہوا کہ سارے بہانے بھول گیا۔

"ام کو بتاؤ مراد خان کہ کیا مسئلہ ہے؟ ام تمہارا بھائی ہے۔ ام سے جو ہو سکا تمہارے لیے کرے گا۔ کچھ نہیں تو کوئی اچھا مشورہ ہی دے دے گا۔" صبور خان نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا اور اس بار اسے نرمی سے بولنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

سورج جال

”یہ تو تم بڑا مشکل میں پھنس گیا اے مراد خان۔“  
 مراد خان خود پریشان ہو گیا۔  
 ”مسئلہ یہ ہے کہ میری یہ مشکل مسلسل بڑی ہوتی  
 جا رہی ہے۔ یہ عالم مجھ سے ایسے کام لیتے ہیں کہ میرا  
 صبر مجھے دن رات ملات کرتا رہتا ہے۔ یہ لوگ جتنے عالم  
 ہیں، تم اس کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔“ مراد خان رو ہنسا ہو  
 رہا تھا۔

”تم کمر پر غرپے کے لیے جو رقم بھیجتا ہے، وہ بھی  
 جنہیں وہی لوگ دیتا ہوگا۔“ مراد خان نے اس کی بات پر  
 تبصرہ کرنے کے بجائے ایک بالکل مختلف سوال کیا۔  
 ”کی لالہ.....“ اس نے مری مری آواز میں تصدیق  
 کی۔

”تم جانتا ہے مراد خان طلال روزی کتنا اہم ہوتا  
 ہے۔ حرام پر پلا ہوا جہیم تو جہیم کا اپنے من بننے کا لائق ہوتا  
 ہے۔ تمہارا غیرت کو کیا ہوا کہ تم ماں بہن کو حرام مال کھلاتا  
 ہے؟“ مراد خان کا لہجہ اچھا خاصا درشت ہو گیا۔  
 ”میں مجبور ہو گیا ہوں لالہ۔“ اس نے اپنی صفائی  
 دینے کی کوشش کی۔

”مرد بھی خود کو محالات کے ہاتھوں گرنے نہیں دیتا

”کیا بتاؤں لالہ میں بڑی مصیبت میں پھنس گیا  
 ہوں۔ میری تعلیم اور ہنر نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔  
 میں لوگروں کے نام پر ایسے لوگوں کے چال میں پھنس گیا ہوں  
 جو مجھے دھکی اور ہلک میٹنگ سے اپنے لالچکاموں کے لیے  
 استعمال کر رہے ہیں۔ میں اُن کی بات ماننے سے انکار  
 کروں گا تو ایک طرف جان سے جاؤں گا، دوسری طرف  
 بدنامی بھی ہوگی۔“ آخر کار مراد خان پھٹ پڑا۔

”ایسا کیسے؟“ مراد خان تن کر ہکا بکا رہ گیا۔

”ایسا ہی ہے لالہ میں اخبار میں اشتہار دیکھ کر  
 اندر دے کے لیے کیا تھا وہاں مجھے پینے کے لیے جو چائے پیش  
 کی گئی، اس میں جانے کیا ملا یا کیا تھا کہ میں اپنے ہوش و  
 حواس کھو بیٹھا۔ میری مدد ہوش سے فائدہ اٹھا کر ان لوگوں  
 نے میری ایسی ایسی ویڈیوز اور تصویروں بنالیں جو کسی کے  
 سامنے آ جائیں تو میں شرم سے خود کشی کر لوں پر خود کشی بھی  
 نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ صاف کہتے ہیں کہ اگر تم نے ہم سے  
 جان چھڑانے کی کوشش کی تو ہم سب کچھ تمہاری سوسے اور  
 بہن کو بھجوا دیں گے۔ اب آپ ہی بتاؤ لالہ میں سوسے اور  
 زرتاش کو اس گندہ کی میں تحسنت سکتا ہوں۔“ وہ بتانے پر آیا  
 تھا تو اپنے دل کا سارا غبار نکالتا چلا گیا۔

## بادوق نظر میں نہ کالیے

ان گنت، خوب صورت و متاثر کن تحسیروں کی خالق،  
 فٹارین کی سن پسند گھماری اور معسوف ناول نگار

## نگہت سیمیا

کے لیے ایک اور متاثر کن،  
 دلکش سلسلے دار ناول لے کر آ رہی ہیں۔

جسے پڑھ کر آپ مصنفہ کی بہترین تخلیقی صلاحیتوں  
 کے ایک دفعہ بھر سے متعرف ہو جائیں گے۔

مگر کے ہر دے لے  
 کر لی  
 پاکیزہ

جلدیں

عصری تقاضوں سے ہم آہنگ، انسانی جذبات و خیالات کا سمور کن انداز  
 میں بیان کر پڑھنے والے اک نئے انداز مفکر اور نئی امید سے ہمکنار ہونا جس

ایک نئے جوش اور ولولے سے آراستہ خوب صورت تصدیق، جلدیں آپ کن باتوں کن در

جنوری 2025ء جاسوسی ڈائجسٹ

لیکن خود کو سوال کرنے سے نہیں روک سکا۔  
 ”یہ تو مجھے ہمارا ہی پتا چلے گا۔“ اب انداز ڈالنے والا تھا۔  
 خاد کو چاروں چاروں ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے باہر آنا پڑا۔ باہر ڈاکوؤں کے سردار کے ساتھ کچھ ایسی چیزیں موجود تھیں۔

”بڑے بڑے مالوں میں رکھا ہوا ہے تم لوگوں نے اسے۔ اتنے بڑے حلیے میں یہ نیوایئر ٹائٹ میں کیسے شریک ہوگا؟“ ان اجنبیوں میں سے ایک نے اس کی حالت دیکھ کر ناک چڑھائی۔

”دعویٰ سمجھ کر چکا لیتا ہا یا پھر اچھے ہٹنے کا ہے نہا دعویٰ کر گھر جانے گا۔“ سردار نے اپنے آدمیوں کو جواب دینے کا موقع دینے بغیر آنے والوں کے اعتراض کو خود ہی دور کر دیا۔

”ٹھیک ہے سردار، ہم چلتے ہیں۔ تم بتاؤ، تم شریک ہو گے نیوایئر ٹائٹ میں؟“

”اڑے نہیں ہا یا اچھے ہٹا ہے، میں یہاں سے باہر نہیں نکلتا۔ میرا حندا خراب ہوتا ہے۔“ سردار کے جواب پر وہ صب بٹنے لگے۔

”تمہارا حندا ابھی خوب ہے سردار اکوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا کہ تم ڈاکوؤں کے سردار ہو۔“

”اسی لیے تو میں کامیاب ہوں۔“ سردار ہنسا تو خاد اس کی شکل دیکھا رہ گیا۔ واقعی اس نے جب پہلی بار سردار کو دیکھا تھا تو اسے گمان بھی نہیں گزر رہا تھا کہ وہ ڈاکوؤں کا سردار ہو سکتا ہے۔

”جتنی باندھ اس کی آنکھوں پر۔“ سردار نے حکم جاری کیا جس پر فوری عمل ہونے لگا۔ خاد نے بغیر کسی مزاحمت کے اپنی بندھو لیا لیکن اندر سے وہ الجھن کا شکار تھا اور اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے ساتھ آگے کیا ہونے چاہا ہے۔

☆☆☆

”ہو آر یو؟ (تم کون ہو؟)“ عادل نے اسکرین پر لکھے جیسے کو بڑا حادو آنکھیں پٹپٹا کر رہ گیا۔

”تم ہار ہا مجھے تک پہنچنے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟“ اس کی طرف سے پہلے سوال کا جواب نہ دیے جانے کے باوجود دوسرا سوال نمودار ہوا تھا اور حیرت انگیز طور پر یہ سوال کل انجیل کی آئی ڈی سے کیا جا رہا تھا۔

”اگر تمہارا تعلق پولیس یا قانون نافذ کرنے والے کسی ادارے سے ہے تو پچھلے مجھے جواب دو۔ اس وقت مجھے

مراد خان، ہر مشکل، ہر پریشانی کا کوئی حل ہوتا ہے۔ تم اپنا ایمان سے سوچ کے بتاؤ کہ تم نے ان حالات سے نکلنے کے لیے بھی کوئی بہتر پروپوزیشن کیا ہے؟“ صبور خان اس کا احتساب کر رہا تھا اور وہ جتنی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ سوچنے پر اسے احساس ہوا تھا کہ اب تک وہ محض ڈرتا رہا تھا اور ایک بار بھی خود کو ان حالات سے نکلنے کے لیے کوئی سفیدہ کوشش نہیں کی تھی۔

”ام زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے یا رابکین ام نے اپنا سارا زندگی ایمانداری اور نعت کے سہارا کر لیا ہے۔ تم بھی دیکھ لو کہ تمہارے پاس کون سا راستہ ہے جس پر چل کر تم اپنے ایمان کا حفاظت کر سکتا ہے اور اپنا ضمیر کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچ سکتا ہے۔“ صبور خان نے اسے بہت سادہ اور سیدھا مشورہ دیا تھا جو اس کے دل کو لگا تھا اور پہلی بار وہ ڈر اور خوف سے نکل کر مختلف انداز میں سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

”چل چھو کر نے اٹھ جا، تیرا دوسرے دن اپنا پانی ختم ہو گیا ہے۔“ قید خانے کا دروازہ کھلا تو مکمل اندھیرے میں رہتے خاد کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ابھی وہ خود کو اس کیفیت سے سنبھال رہا تھا کہ آگے والے کے جیلنے اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیا۔

”ٹھیک۔۔۔ کیا مطلب؟“ وہ پکلا یا۔

”حالت تو دیکھو ہا یا اس کی۔ ایسا لگ رہا ہے ہم اسے یہاں سے اٹھا کر سپرے چائے کی گھاٹ لے جانے گئے ہیں۔“ آگے والے کے مسخرے جواب میں ایک بلند ہتھہ گونجا تو اس نے نوٹ کیا کہ اس شخص کے پیچھے ایک دوسرا آدمی بھی موجود تھا۔

”تیرے کو مار نہیں رہے ہیں ہا یا تیرے کو یہاں سے بچ رہے ہیں۔ آدمی آگے پیٹھے ہیں نیچے لے جانے کو۔“ اس کی پریشان صورت کو دیکھتے ہوئے اسے تسلی دی گئی۔

”کیا میرے ابا نے تان کی رقم ادا کر دی؟“ اس نے بے چینی سے پوچھا۔

”تیرے ابا کو تیری زندگی سے چار نہیں ہے۔ وہ ہمارے منہ کرنے کے باوجود پولیس خاتون کے پکڑ میں پڑا ہوا ہے۔ خیر پڑا رہے ہیں کیا فرق پڑتا ہے۔“ اس نے شانے اچکاتے پھر سخت لہجے میں بولا۔

”اب یہ کھانا ختم کر اور کھانا ہو جا۔ تیرے جو برائی آئے پیٹھے ہیں، ان کے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔“ وہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟“ وہ کھانا ہو گیا

جاسوسی ڈائجسٹ: 2025



سٹو خجٹال

”میرا مشورہ ہے کہ اس آپریشن سے پہلے ایک شخص کو ضرور گرفتار کر دینا۔“  
”وہ کون؟“ عادل حیران ہوا۔ جہاں جہاں بتایا گیا، وہ مزید حیرت انگیز تھا۔

☆☆☆

”ہاں بھئی، تیار ہو گیا اپنا ہیرہ۔“ خاد کو پہلا دھلا کر نیا جوڑا پہتایا گیا تھا اور اس کے بال بھی نئے انداز سے ستوارے کئے تھے جس کی وجہ سے وہ بہت گھبراہٹا رہا تھا بلکہ آئینہ دیکھنے پر اسے اپنا آپ خاصا اچھی لگتا تھا۔ اسے جو لباس پہتایا گیا تھا وہ بھی عجیب سا تھا۔ یہ قدرے چمکدار کپڑے کا شب خروانی کا لباس جیسا کہ کلاسک جوڑا تھا جس کی گاؤں لڑکیوں پر کوئی شبن موجود نہیں تھا اور تیس کا گریبان بند کرنے کے لیے ڈوریاں باندھی گئی تھیں۔ ان ڈوروں کے سرے پر چھوٹے چھوٹے رنگین اور چمک دار پھندے لگے ہوئے تھے۔ خاد، جس نے ساری زندگی سادہ طرز کا لباس پہتا تھا، اس شرب لباس میں خود کو دیکھ کر کبھی شرماسا جاتا تھا اور کبھی اسے یہ لباس اچھا لگنے لگتا۔ اب بھی اس نے سرے کا دروازہ کھلنے کے ساتھ کئی نووارد کی آواز سنی تو اپنے لیے استعمال ہونے والے ہیرہ کے لفظ کو سن کر تھوڑا سا شرمایا۔

”ایک دم دولے کے موافق تیار ہو گیا ہے سائیں۔“ براتیوں سے کہیں ٹوشے کے استقبال کے لیے تیار ہو جائیں۔“ اس کے بالوں کو نیا اسٹائل دے کر چہرے پر کئی کریمیں خوب کر چکانے والے شخص نے نووارد کو خوش لہجے میں جواب دیا۔

”برائی تو کب سے آئیں گے بچھائے بیٹے ہیں بس ہم ہی ان کے شوق کو ہوا دینے کے لیے انتظار پر انتظار کر رہے ہیں۔ گھڑیاں بارہ کا گھنٹا بجائے گا۔ نغمہیں رنگ اور روشنی کی برسات ہوگی اور زمین دھماکوں کی آواز سے حیرائے کی جب ہی ہمارے دولہا کی رونمائی ہوگی۔“ اس کے الفاظ خاد کے لیے ناقابل فہم تھے۔ وہ اندر ہی اندر اُلجھ رہا تھا کہ جانے یہ لوگ اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔

”لیکن دولہا خاصا گھبراہٹا ہوا لگ رہا ہے، ایسا نہ ہو گھبراہٹ کے مارے کچھ پر قیام کرنے سے پہلے ہی بے ہوش ہو جائے۔“ نووارد کی کوچہ خاد کی حالت کی طرف مبذول کر دئی گئی تو وہ بے سائے خاد کے قریب آیا اور اس کا شانہ چھپاتے ہوئے بولا۔

جنوری 2025ء جاسوسی ڈائجسٹ

”میں کی مدد کی اشد ضرورت ہے۔“ یہ تیرا جملہ تو بالکل جھوٹا لگنے والا تھا۔ عادل نے غور کیا اور سوچا۔  
”کہیں یہ مجھے فریب کرنے کی تو کوئی کوشش نہیں ہے؟“

”جو بھی ہے اسے بند میں دیکھا جائے گا۔ فی الحال میں اس راجے کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔“ اس نے سوچا اور کئی پہلو پر انگلیاں چلانے لگا۔  
”میرا پرنس یا کسی قانون نافذ کرنے والے ادارے سے برادر راست کوئی قلع نہیں ہے۔ لیکن اگر تم کسی مشکل میں گرفتار ہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔“  
”مجھ سے زیادہ اس وقت کوئی اور مشکل میں گرفتار ہے اور اسے کبھی بہت ہی قابل ذہین اور بہادر شخص بلکہ نیم کی مدد کر رہے۔“

”تم کس کی بات کر رہے ہو؟“ عادل کا دل دھڑکا۔  
”خاد کی۔ کیا تم خاد کو جانتے ہو؟“ دوسری طرف سے کیے گئے سوال پر وہ تذبذب میں پڑ گیا کہ آیا ہاں بھرے یا انکار کر دے۔

”میں جانتا ہوں اور آج کل اسی کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ آخر کار اس نے صبح بولنے کا فیصلہ کیا۔  
”میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہے، میں تمہیں اس جگہ کا پتا دے سکتا ہوں لیکن اس کو بائیاب کر دینا اور پچاننا تمہاری اپنی ذمہ داری ہوگی۔ یہ میں نہیں پہلے ہی بتا دوں کہ وہ جہاں ہے وہاں تک پہنچنے کے لیے تمہیں خطرناک مسلح افراد سے ٹھٹھا پڑے گا۔“

”میں سارے انتظامات کر لوں گا۔ بس تم کل کر تفصیلات بتاؤ۔“ اس نے مطالبہ کیا۔ جواباً لالچ اسے چیدہ چیدہ معلومات فراہم کرنے لگا۔

”ویسے کیا میں تمہیں کر سکتا ہوں کہ یہ ہمیں پسندانہ کی کوئی کوشش نہیں ہے؟“ بہت کچھ بتائے جانے کے بعد بھی وہ بے چینی کا شکار تھا۔

”مجھے اس دنیا میں اپنی ماں سے پیارا کوئی نہیں ہے، میں تمہیں اس کی قسم کرتا ہوں۔“ سچائی کی اپنی ایک طاقت ہوتی ہے، اس بار عادل کو بھی یقین آئی آیا۔

”کیا تم ہمیں وہاں ملو گے؟“  
”میں خود کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ انسانیت کے نام میں خاد کو بچانے کے لیے ایک رسک لے رہا ہوں لیکن اگر تم لوگ کامیاب نہ ہو سکتے تو میں ہمیشہ بھی مسکا ہوں۔“ اس نے اپنی مجبوری بیان کی پھر کچھ یاد آنے پر چمک کر بولا۔

”ڈرنے کا نہیں ہے ہیرو۔ تجھے بس جیسا بولیں دیا  
پر قارم کرنا ہے بالکل دیرسا ہی جیسا ظلم کی شوٹنگ کے وقت  
ہیرو، ڈائریکٹر کے کہنے پر قارم کرتا ہے۔“  
”لیکن کیوں؟“ خاور نے بھی آخرت کر کے سوال  
اٹھانے کی جرات کر لی۔

”جیسا کہانے کے واسطے۔ تیرا پھوٹ باپ تو  
تیرے کو رہا کر کے لیے تاوان کے نام پر دمڑی دینے کو  
تیار نہیں ہے۔ اب ہم کو تیرے کو اغوا کر کے لانے اور پاس  
رکھ کر کھلانے پلانے میں جو رقم خرچ کرنی پڑی ہے، اس کا  
حساب تو بے باقی کرنا ہوگا نا۔“ اس شخص کی دلی کئی وضاحت  
خاور کے سر کے اوپر سے گزری لیکن اتنا سمجھ گیا کہ اب اس  
کی رہائی کے بدلے تاوان دینے کو تیار نہیں ہے۔

”وہ کیوں دے گا میرے بدلے تاوان، اس نے تو  
سوچا ہوگا کہ مجھ جیسے کھٹو سے جان چوٹ گئی۔“ نہایت غمی  
سے سوچے ہوئے اس کو بالکل یاد نہیں رہا تھا کہ بچی باپ تھا  
جس نے اس کی بیماری کے دنوں میں اس کے سر ہانے پیڑ کر  
آنکھوں میں راتیں کاٹی تھیں۔ جو اپنے کندھے پر بٹھا کر  
اسے اسکول لے جاتا رہا ہے، جو عید پر ہر بازار پرانا جوڑا پہن  
کراتے ہر سال نیا جوڑا دلاتا رہا ہے۔

”جل بھی ہیرو، آجا ہو کئی تیری تیاری۔“ اسے پکارا  
گیا تو وہ چونک کر اپنی سوچوں سے باہر آیا اور ان کے ساتھ  
جل پڑا۔ اس کا خیال تھا کہ اسے اس عمارت سے باہر نہیں  
لے جایا جائے گا لیکن وہ لوگ اسے چلائے ہوئے اسی  
عمارت کے زیر زمین حصے میں لے گئے۔ نیچے لے جانے  
والی میزیدوں نے سب سے پہلے زیر زمین عمارت کے جس  
حصے میں پہنچایا، وہ ایک بڑا سال تھا۔ اس ہال میں اس نے  
ایک شخص کو کپیڈٹر کے سامنے بیٹھے دیکھا۔ وہ بہت خوبیت سے  
کیورڈ پر انگلیاں چلا رہا تھا لیکن اس کے سامنے والی دیوار  
پر نصب بڑی سی اسکرین فی الحال تاریک تھی۔  
”دھڑل! دھڑل!“ اس شخص کو پچان کر وہ خشک کر کرک

گیا اور زیر برب بڑبڑایا۔

”رکنا نہیں ہے۔ سیدھے چلے دو۔“ اس کے ساتھ  
آئے افراد میں سے ایک نے اسے ٹھوکا دیا اور درشت لہجے  
میں حکم صادر کیا۔ ”یقیناً اس کی آواز نے ہی لٹل انٹیل کو متوجہ  
کیا تھا کہ وہ رخ موڑ کر خاور کو دیکھنے لگے۔ خاور کو اس کے  
چہرے پر دکھ اور بے بسی کے لئے جلے تاثرات دکھائی  
دیے۔ ایسی تاثرات کے ساتھ اس نے خاور کے ساتھ  
نظریں ملانے بغیر واپس بدل لیا۔ خاور بھی اسے کچھ

جاسوسی ڈائجسٹ 220 جنوری 2025ء

کہنے کی حسرت دل میں لیے آگے بڑھ گیا۔ اسے ہال ہی  
سے ملحقہ ایک کمرے تک لے جایا گیا۔

”اندر چلے جاؤ۔“ اسے لانے والوں نے ہدایت  
دینے کے ساتھ ہلکا سا دمکا دے کر دروازے کا بند پٹ  
کھول دیا۔ پٹ کھلتے ہی اندر سے خوشبو کی پھیں آئیں۔  
خاور جھپٹکا ہوا اندر داخل ہوا۔ اندر روشنی نہ ہونے کے برابر  
تھی۔ اس لیے اسے کچھ خوف سا محسوس ہوا اور کسی ہدایا  
واپس پلٹ جانے کے خیال سے وہ دروازے کی طرف گھوما  
لیکن دروازہ بہت تیزی سے بند ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی  
کمرے میں جو تھوڑی بہت روشنی تھی، وہ بھی بجھ گئی۔  
سراسیمہ خاور اپنی جگہ کھڑا کا کھڑا رہ گیا لیکن بس یہ بل بھر  
ہی کی بات تھی۔ اگلہ لمحہ اس کا دل دھلا دینے والا تھا۔ اس پر  
مرکوز اسپٹ لائٹ اور خوفناک آوازوں پر مشتعل ریکارڈ  
بیک وقت اتنی ایسا تک جا گئے تھے کہ وہ جو پہلے ہی سہا ہوا  
تھا، خوف زدہ ہی جھجھک اڑتا ہوا باقاعدہ اچھل پڑا تھا۔ ریکارڈ  
میں اس نے مختلف گوشوں سے مکالماتی اور لطف اُردوز ہوتی  
ہنسی کی آوازیں سنی۔

”شک..... کون ہے یہاں؟“ اس نے گھمبائی ہوئی  
آواز میں سوال کیا۔

”لو دیکھ لو۔“ کسی نے ڈراؤنی سی آواز میں کہا اور  
ایک دم ہی کراخیز روشنیوں سے گھرا گیا۔ خاور کی آنکھیں  
چند حیا کیں۔ چند ثانیوں بعد وہ اس روشنی کو برداشت  
کرنے کے قابل ہوا تو اس کی آنکھوں نے ہر طرف سرخی ہی  
سرخی دیکھی۔ وہ ایک بڑا خاصا وسیع کمرہ تھا۔ جس کی  
دیواریں اور چھت سرخ وال ہیرے سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ فرش  
پر بچھا قالین بھی سرخ تھا اور بستر پر بھی چادر بھی دیکھتے  
انگارے جیسی سرخ۔

”ڈیکم ٹورڈ روم۔“ ابھی اس کا جائزہ مکمل نہیں ہوا  
تھا کہ ایک سرخ پردے کے پیچھے سے دو گرائیڈل مرد نمودار  
ہوئے اور کورکوں بجا لاتے ہوئے اسے اپنی بیوی کی آواز  
میں خوش آمدید کہا۔ اس نے فوراً ہی ٹوٹ کر لیا کہ ان کے  
زیر جاے جو کہ ستر پوشی کے لیے استعمال کی جانے والی  
واحد تھی، وہ بھی سرخ تھے۔

”یہ سب کیا ہے؟ کون ہو تم لوگ؟“ وہ اور بیوی کئی  
شوٹنگ اور ریکارڈنگ وغیرہ والی برٹلنگ کو بھول چکا تھا اور  
اس پراسرار ماحول سے خوف زدہ ہو کر پوچھ رہا تھا۔  
”یہ سرخ جتنہ ہے اور ہم اس جتنہ کے ڈاروغہ۔ ہمیں  
یہاں تمہاری خاطر عداوت کے لیے منتھن کیا گیا ہے۔“



مذبح جلال

”اگر یہ بچے پر راضی نہ ہوتو یہ دائیں سرخ میں بھر کر اس کے جسم میں انجیکٹ کر دو۔“ کمرے کے کسی نامعلوم گوشے سے مرد لہجے میں حکم دیا گیا۔

خاور نے جلدی سے سر ہٹا کر آواز کی سمت دیکھا لیکن وہاں کوئی ہوتا تو نظر آتا۔

”میرے ساتھ یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ؟“ خاور نے سکیپاتی آواز میں پوچھا۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ حکم ملنے ہی اس کے سامنے کھڑا شخص ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ڈیڑھ میل سرخیں نکالنے لگا ہے۔

”جب تم ہماری بات نہیں مانو گے تو ہمیں وہ کرنا پڑے گا جو ہم سے کہا جائے گا۔“ وہ شخص ایک سرخ میں سرخ شراب کو بھر چکا تھا اور اب دوسری سرخ بھر رہا تھا۔

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ اب میں انکار نہیں کروں گا۔ لاؤ مجھے دو، میں لپی لیتا ہوں۔“ اس نے پیانے کی طرف ہاتھ پھیلا یا۔ پیانے میں موجود سرخ شراب کی ابھی خاصی مقدار سرخوں میں بھری جا چکی تھی اور اب ٹھوڑا سا ہی شراب باقی رہ گیا تھا۔

”جتنی ڈرنک بچی ہے اسے پینے کے لیے دے دو

اور جتنی سرخوں میں بھری جا چکی ہے، وہ اس کی ہاڈی میں انجیکٹ کر دو۔“ کسی دوسرے گوشے سے دیا جانے والا یہ حکم انگریزی میں تھا جو انگریزی کی معمولی شدہ بد رکھنے والے خاور کو کچھ آواز نہ ہی اس کے ساتھ کمرے میں موجود باقی دونوں کو۔ لیکن ان دونوں کے کانوں میں اڑے ہوئے بلیو ٹوٹھ کے ذریعے لپٹل انجیکٹ کی آواز میں ترجمہ کر دیا گیا۔ سرخ بھرنے والے شخص نے بات سمجھ کر سر ہلایا اور پیانہ خاور کی طرف بڑھا دیا۔ خاور نے آنکھیں کھانک کر کراہت کے ساتھ پیانہ ہونٹوں سے لگا لیا۔ اور پیانے میں موجود شراب اس کے قلعے سے نیچے اتر آ، اُدھر وہ تیز آواز میں چیخا کیونکہ اس کی بند آنکھوں کا قاعدہ اٹھاتے ہوئے اس سرخ جنم کے داروؤں نے بیک وقت اس کے دونوں بازوؤں میں سوئی گھونپ کر بڑی سرعت سے سرخ شراب اس کے جسم میں پھیل کر دیا تھا۔

”شاعرار۔“ کسی نے پٹھارا لے کر ان دونوں غالموں کو داد دی جبکہ قلعہ ستوں سے بلند ہونے والے قبہتہوں نے خاور کی جنٹوں کو ہاڈا ڈالا۔ ابھی یہ قہقہے ختم نہیں ہوئے تھے کہ کمرے کی روشیاں اچانک ہی بجھ گئیں اور کوئی بھاری آواز میں اٹنی نہی گئے گا۔

”قمری، نو، ون۔“ جیسے ہی گنتی کا اختتام ہوا تیز

جواب دینے والے کے لہجے میں تسخیر تھا اور اس کے ساتھی نے ہاتھ تھپتھپا کر اس کا ساتھ دیا تھا لیکن خاور کے لیے حیرت کا سبب وہ قہقہے بنے تھے جو اس کمرے کے نا دیدہ گوشوں سے ابھرے تھے ساتھ ہی اسے یہ احساس بھی ہوا تھا کہ کچھ نا دیدہ نگاہیں اس کے وجود پر گڑی ہوئی ہیں۔ اس نے ان نگاہوں کی تلاش میں بے ساختہ ہی گردن کھما کر کمرے کا بازو دیا۔ اسے کچھ دکھائی نہیں دیا۔

”پریشان کیوں ہے ہیرا؟ آرام سے بیٹھ اور ہمیں اپنی خدمت کا موقع دے۔“

اس کی حرکات و سکنات سے اس کی ذہنی کیفیت کا اعجاز کرتے ہوئے کمرے میں موجود دونوں افراد اس کے دائیں بائیں آکھڑے ہوئے اور اسے پچھارتے ہوئے اس کے دونوں بازو ہاتھ کر اسے بیڈ تک لے گئے۔

”یہاں بیٹھ۔ میں تیرے لیے کچھ لاتا ہوں۔“ اس کے شانے پر دباؤ ڈال کر اسے بیڈ پر بٹھانے کے بعد ان میں سے ایک کمرے کے ایک گوشے میں بے بار کی طرف بڑھ گیا جبکہ دوسرا اس طرح خاور کے ساتھ جڑ کر بیڈ پر بیٹھ گیا کہ اس کا بازو خاور کی کمرے کے دروازے کا تھا اور خاور اس کی مرضی کے بغیر حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔

”یہ، تیرا حلق خشک ہو رہا ہوگا۔ یہ پی لے۔“ چھ ۱۵ میں ہی پہلا والا شخص کرشل کے پیانے میں گہرے سرخ رنگ کا شراب بھر کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

”یہ کیا ہے؟“ خاور کو اگرچہ پیاس محسوس ہو رہی تھی اور وہ کچھ پی کر قلعے میں پڑنے والے کانٹوں سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن شراب کے متعلق ذہن میں موجود فکر و شبہات کی وجہ سے ہاتھ آگے بڑھانے سے ہجک رہا تھا۔

”یہ جنت کا شراب ہے پیارے اور جنت کی نعمتوں کو لکھتے تھوڑی ہیں۔“ اس نے جواب دیا اور خاور کے ہاتھ بڑھانے کا انتظار کیے بغیر زبردستی پیانہ اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ گھبرائے ہوئے خاور نے بے ساختہ ہی ایک بڑا سا گھونٹ لے لیا۔ شراب کی اجنبی بو اور تیز ذائقے نے فوراً ہی اسے بڑی طرح کھانسنے پر مجبور کر دیا۔

”آرام آرام سے ہو پیارے۔“

”نہیں، مجھے نہیں پتا۔“ خاور نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کی کمر کو بکڑ کر بیٹھے شخص کی گرفت بہت مضبوط تھی۔



موسیقی کی آواز کے ساتھ کمرے میں مختلف روشنائیاں جھلکائیں گئیں۔ غار بے چارہ اپنی تکلیف بھول کر منہ کھولے یہ تھا دیکھنے لگا۔ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا اور کیوں اور ہا ہے۔

”ریڈ روم کے خاص مہمانوں کو نیا سال مبارک۔“

لسل اٹھ کھڑا کی آواز موسیقی کو چرتی ہوئی کمرے میں گونجی۔ زبان ابھی انگریزی ہی استعمال کی تھی لیکن غار واقعی انگریزی تو جانتا تھا ”بیکہ میوز“ کا مطلب سمجھ سکتا۔ سن کر اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے سمجھ آئی تھی کہ رات کے بارہ بج گئے ہیں اور اس ریڈ روم میں کچھ آن دیکھے لوگ نئی طرح سے جشن سال کو منا رہے ہیں۔ اس جشن میں اس کی حیثیت شاید عادی کے اس بندر کی سی تھی جسے عادی اپنی ڈکنڈی پر بٹھاتا ہے اور قمار میں تالیاں پیٹ کر داد دیتے ہیں۔

☆☆☆

بابا طینو نے اپنی ٹال سے کچھ فاصلے پر رکھے والی جیب کو دیکھا۔ وہ پولیس جیب نہیں تھی لیکن اس میں سوار افراد پولیس والے ہی تھے۔ وہ پولیس والے جیب سے برآمد ہوئے تو اس نے اللہ ڈنو کو شناخت کر لیا۔ اس نے خود کار انداز میں چو لھے پر چڑھے برتن میں پانی اور چٹنی اپنی کاٹناؤں کر لیا۔ دھبر کا آخری دن خاص مہمانوں کا تھا اور سورج کی سرری سرری سی شعاعیں اس کا بت ہواؤں کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھیں۔ جن کی کاٹ سے بدن کھپکھپاتا تھا۔

”اور بابا طینو، کیا حال چال ہے؟“ اس نے ٹھنڈے موسم میں بھی تمہاری ٹال برابر رکھی ہوئی ہے؟“ اللہ ڈنو نے قریب پہنچ کر بے تکلف لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ شاید بابا طینو کی پچھلی بار کی میزبانی اسے یاد تھی اس لیے قصداً اس سے دوستانہ لہجے میں بات کر رہا تھا۔

”ٹھنڈی تو میرے دھندے کا اصل ٹیم ہے سرکار!

جاسوسی ڈائجسٹ: جنوری 2025ء

موسٹر سائیکل کے بجائے گاڑی پر آئے ہیں۔ وڈیرے رب نواز کی جیب ہے مائے؟“ آس پاس کے سارے گاؤں دیکھا تو اس میں اس قسم کی گاڑیاں تھیں کہ چند بار سونگ افراد کے پاس ہی نہیں اس کی بابا طینو ہی کیا ہر ایک جانتا تھا کہ کون سی گاڑی کس وڈیرے کی ہے۔

”بڑے صاحب نے روڈ گھوا لی ہے اس وقت۔ دو پہر سے قحانے میں آئے بیٹھے ہیں اور خود ہر کس کی فائل دیکھ رہے ہیں۔ غار کے انوکھی الیف آئی آد کچھ کر سخت ناراض ہوئے کہ لڑکا ابھی تک بازیاں کیں نہیں کروایا۔ ہم نے اپنی مجبوری بتائی تو حکم دے دیا کہ جاؤ جا کر بابا طینو کو لے کر آؤ۔ میں خود اس سے تفتیش کروں گا کہ اس نے غار کو آخری بار کب اور کہاں دیکھا تھا جس اسی حکم کی تعمیل کے لیے ہم نے بھانم بھانگ وڈیرے رب نواز کی جیب پکڑی اور تمہارے پاس پہنچ گئے۔ بس اب تم جلدی سے ہمارے ساتھ چلنے کی کرو۔“ اللہ ڈنو نے اس کی بات کا تھکلی جواب دیا۔

”تموڑا دھیرج سے سائیکل۔ پہلے آپ لوگ یہ چائے تولی لیں۔“ بابا طینو جواس دوران چائے تیار کر کے بنائیں میں کال چکا تھا، بیالیا ان دونوں کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

”تم نہیں جانتے بابا طینو اہاری نوکریاں واڈ پر لگی ہوئی ہیں۔ وڈیرہ کوئی تو صاحب گرم ہو کر کچھ بھی کر سکتا ہے۔“ اللہ ڈنو نے مسکین سی صورت بنا کے جواب دیا اور ساتھ ہی چائے کا ایک بڑا سا گھونٹ بھی مزک کیا۔ اس کے جو بیڑنے اس کی پیروی کی۔

”ایسی بات ہے تو بابا طینو آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہے۔ پرواہی کا کیا ہو گا سائیکل۔ قحانے پہنچ کر صاحب سے ملنے تک سورج ڈوب جائے گا اور اندر سے اور ٹھنڈ میں بغیر سواری کے واپس آنا مجھ بوڑھے کے لیے مشکل ہوگا۔“ بابا طینو نے اگرچہ اپنا سامان سینا شروع کر دیا تھا لیکن خود کو روک پیش مسئلہ بھی سامنے رکھنا نہیں بھولا تھا۔

”وہ ہمارا مسئلہ ہے یا آپ اقامت ڈاڑھی کی ٹگر نہ کرو اور بس ہمارے ساتھ چلنے کی تیاری کرو۔“ اگرچہ اللہ ڈنو عادی نہیں تھا مگر بھی بابا طینو سے بڑی نرمی سے پیش آرہا تھا۔

”آپ ڈتے داری لے رہے ہیں سائیکل تو پھر مجھے کیا ٹگر ہے۔ بس ابھی چلتا ہوں آپ کے ساتھ۔“ بابا طینو اگرچہ دیکھنے میں خاصا بوڑھا لگا تھا لیکن اس کی حرکات و سکنات میں پھرتی تھی۔ اس نے منٹوں میں سب سیٹ کر

ان کے ساتھ جانے کی تیاری پکڑی۔ قحط نے تک کا طویل سفر طے کیا۔ ہات چیت میں آسانی سے کٹ گیا۔  
 ”اسے ایسے کیسے لے آئے ہوا اللہ ڈلو انہیں معلوم نہیں ہے کیا قحط کے خصوصی مہانوں کو کلائیوں میں زہر پھینک کر لاتے ہیں۔“ بابا طینو، اللہ ڈلو کے ساتھ آرام سے چلا ہوا قحط میں داخل ہوا قحط کے سامنے سے آتے شانوناز سے ٹکرا ہوا۔ شانوناز نے اس پر نظر پڑتے ہی ٹھہرے لیچے میں جو کچھ کھا وہ اسے بچھ پاتا، اس سے کل ہی اللہ ڈلو نے شانوناز کو زوردار سٹیٹ بھارا اور پھر کئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بیٹک کے ساتھ لگی پھلکی نکال کر بابا طینو کی کلائی میں ڈال دی۔ اپنی کلائی میں پھلکی دیکھ کر بابا طینو کسی درد سے کی طرح ہوا لیکن اس سے آگے وہ کچھ نہیں کر سکا تھا کیڑی رائٹوں کی نال اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

☆☆☆

”گیم اسٹارٹ۔“ ریڈ روم میں گونجنے والی اس آواز کے ساتھ ہی خاور نے اپنے سامنے ایک چمک سی لہرائی دیکھی۔ اسے یہ سمجھنے میں ایک لمبا کہ وہ چمک ایک تیز دھماکہ جڑی ہے۔ اس کے کھٹے کھٹے تک اس کے گاؤں کی روشنی ڈور پائی کٹ جکی تھیں اور گاؤں پھسل کر اس کے قدموں میں آکر تھا۔  
 ”واٹ آ بیوٹی فل ڈای۔“ کسی نے اسے سراہا۔  
 انداز اسیا تھا کہ خاور مرد ہوئے ہوئے بھی بول سکتا تھا۔  
 ”بیوٹی فل بیٹ نامٹ ریڈ۔“ وہی واٹ ریڈ۔“ کوئی دوسرا چلا۔

”لیفٹ آرم۔“ شوخ آوازوں کے درمیان ایک سرد آواز گونجی۔ اگلا کل خاور کے لیے قیامت تھا۔ جنم کے داروغوں میں سے ایک نے اس کے بائیں بازو پر پھجری ٹوک سے ایک طویل گیر مسج دی تھی۔ کٹ خاصا گہرا تھا۔ چنانچہ خاور کے طعن سے نکلنے والی چیخ کے ساتھ ساتھ اس کی لکیر میں سے ڈھیروں خون بھی اٹھل پڑا تھا۔

”بس، اب یہ ریڈ ہونے لگا ہے۔“ کسی نے خوشی سے کلکاری ماری جبکہ خاور پوری جان سے کاب اٹھا۔ وہ جان چکا تھا کہ یہ جونی اسے کس اعزاز میں سرخ کرتا جاچے ہیں۔ اس انکشاف کے بعد اس کی سب سے پہلی ترجیح اپنا دفاع تھا۔ دفاع کا خیال آتے ہی اسے وہ خاصا چاقو یاد آیا جو کل اگلی نے اس کے حوالے کیا تھا۔ چاقو کا سارے جس اتنا ہی تھا جو عموماً ماتن تراش کے ساتھ منسلک بغیر دھار

والے نٹس سے چاقو کا ہوتا ہے لیکن خاور اس کی دھار کا جائزہ لے چکا تھا۔ دھار بہت تیز تھی۔ کل اگلی نے اسے چاقو دیتے ہوئے جھکنے سے پہلے کے وقت فرار کا مشورہ دیا تھا لیکن اسے ایک موقع نہیں ملا تھا دوسرے وہ بڑی بڑی خطرناک گھوڑی موجودگی میں بہت بھی نہیں کر سکا تھا لیکن اب اسے اپنی جان بچانے کے لیے کچھ کرنا تھا۔ خوش قسمتی سے اس نے لباس کی تبدیلی کے وقت وہ چاقو سرخ فراڈزور کی جیب میں چھپ کر لیا تھا اور اب اس کے استعمال کا وقت آ گیا تھا۔

”واٹ آئی۔“ بھی خاور دور کے پہلے جھکنے سے ہی سنہیل نہ پایا تھا کہ دوسرا حکم صادر ہوا۔ خود کو بچانے کی بجلی خواہش نے خاور کو جھنجھڑا اور وہ بھاگ کر بیڑ کی دوسری جانب چلا گیا۔ اس کے اس عمل نے بیٹینا کچھ ٹوکوں کو بہت لطف دیا تھا چنانچہ کرے میں بھی کی آواز گونجی لیکن خاور نے تو جھنجھڑی۔ اس وقت تو وہ اپنے بازو کی تکلیف اور زخم سے بہتے خون کو بھی بھول گیا تھا۔ کچھ یا د تھا تو بس یہ کہ کسی طرح خود کو ان خوبیوں سے بچا ہے۔ اپنے بچاؤ کی اس خواہش کے تحت ہی اس کا ہاتھ اپنے فراڈزور کی جیب میں گیا اور اٹھیں پر چاقو کا کس محسوس ہوتے ہی دل کو گھوڑی کی ڈھاروں کی۔ خود کو جنم کا داروغہ قرار دینے والے جب تک اس کے قریب پہنچے، وہ اسے چاقو کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ جیسے ہی ان میں سے ایک اس کے قریب آیا اس نے پھرتی سے اپنا ہاتھ بائیں کلائی میں لے کر وہ اس پر حملہ کرتا، اس نے خود وار کر دیا۔ وہ ٹھہرے، نفرت اور خوف کی ملی جلی کیفیت کے تحت اپنی آنکھ کو نشانہ بنانے کی نیت سے آگے بڑھنے والے کی آنکھیں چھوڑ دینا چاہتا تھا لیکن پوری طرح سے اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا اور تیز دھار چاقو کا تنھا سا چمکل مقابل کی ناک کو چیرتا چلا گیا۔ اس غیر متوقع حملے نے اسے چکھارنے پر مجبور کر دیا اور اس نے بے ساختہ ہی پھجڑ چھوڑ کر اپنی خون آلود ناک پر ہاتھ رکھ دیا۔ خاور نے موقع کا فائدہ اٹھا لیا اور پھر کئی سے خبر اپنے قبضے میں لے لیا۔

”واؤ۔“ یہ صورت حال اگر تشرینک حتیٰ تو صرف جنم کے ان داروغوں کے لیے جو خاور کو نشانہ بنانے کے لیے وہاں تھیں تھے۔ ان ناویہ وستیوں کے لیے تو اس صورت حال نے مزید مستفی اور لطف پیدا کر دیا تھا جو اس کھیل کا حصہ ہی صرف اس لیے تھے کہ زیادہ سے زیادہ لطف اٹھوڑ سکیں۔

جاسوسی ڈائجسٹ: جنوری 2025ء

چھڑا کر پولیس کی مدد کی اور اپنے ساتھ ساتھ بہت سے لوگوں کی نجات کا ذریعہ بن گئے۔ یہی تمہاری پردوش کرنے والی ماں بہت نیک عورت ہوئی کہ اسے خطرناک لوگوں میں بھنس جانے اور بے تحاشا ہے کی ترفیع کے باوجود تم نے خود کو اس دلدل سے نکالنے کی کوشش کی۔" شاہناز بہت خوش دلی سے اپنے سامنے بیٹھے مراد کو سراہ رہا تھا۔ مراد جو موٹل میڈیا پارک فکٹ فرمزی ماسوں سے اکاؤنٹ بنا کر ڈاکوؤں کے لیے فکار پھانسا تھا۔ اب وعدہ محاف گواہ بن چکا تھا اور جیتا ہے وہی تھا جس کی خبری کے نتیجے میں خاور کو زندہ سلامت بازیاب کروانا ممکن ہو سکا تھا۔

"بہت شکریہ سرا آپ نے واقعی ٹھیک کہا۔ یہ سب میری نیک ماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ میں اس جال کو کاٹ کر نکلنے کی ہمت کر سکا ہوں جس سے نکلنا مجھے ناممکن لگا کرتا تھا۔" بولتے ہوئے مراد کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آگئی۔ وہ یہ سب کہنا چاہتا تھا جس میں اسے لو کر کی کامیابی سے گرجاؤں لیا گیا تھا۔

"بے فکر ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کی ہے کہ اس کیس میں تمہاری بدنامی نہ ہو سکے۔" شاہناز نے اسے تسلی دی۔

"بہت شکریہ سر۔" مراد خان مسکرایا پھر قدرے چپکتے ہوئے پوچھا۔

"بابا میٹھو کہاں ہے؟ آپ نے اُسے گرفتار تو کر لیا تھا؟"

"نہ صرف گرفتار کر لیا تھا بلکہ اس کی زبان بھی کھلوانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔"

"واقعی..... پھر کیا بتایا اس نے آپ کو اپنے بارے میں؟"

"وہی روایتی داستان سناؤ اُس نے کہ معاشی ناہمواری اور نوجوان بچے کی بااثر شخصیت کے ہاتھوں ہونے والی موت نے اسے لطیف سے طیلا ڈاکو بنا دیا۔" شے اور انتقام نے اسے اتنا بے رحم بنادیا تھا کہ وہ اپنی کارکردگی کی بنیاد پر بہت جلد کروہ کا سرفراز بن گیا۔" دیکھتی ہے حاصل ہونے والی رقم کی اسے اپنی ذات کے لیے کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس رقم سے وہ شہر میں مقیم اپنی بیوہ بھوارہ تیم پوتا پوتی کی کفالت کرتا تھا۔ اس نے ان تینوں سے اپنے بچے کے بارے میں بھی کچھ نہیں چچایا تھا بلکہ انہیں قائل کر لیا تھا کہ جس ناانسانی کا وہ شکار ہوئے ہیں، اس کے بعد ان کا حق جتا ہے کہ وہ معاشرے سے سب کچھ چھین لیں۔"

جنوری 2025ء جاسوسی ڈائجسٹ

"خیر تو....." زخمی ہونے والے کا ساتھی چراغ پا ہو کر خاور پر حملہ آور ہوا لیکن ہاتھ میں بھجڑ آنے کے بعد خاور کا حملہ حریف بلند ہو چکا تھا۔ جان بچانے کی جیلی خواہش نے اس کے دیوانی ماحول میں بے پڑھے پھرتیلے جسم کو خوب چارج کر دیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے حملہ آور کا دار روکا اور دوسرے ہاتھ سے بھجڑ چلایا۔ بھجڑ کی دھار نے حملہ آور کا بازو اوپر اٹھ کر رکھ دیا۔ اس نے بلبل کر چیخ ماری اور دوبارہ خاور پر حملہ آور ہوا۔ اس لمبے ناک پر دھم کھانے والا بھی خود کو سنبال کر اپنے ساتھی کے ساتھ شامل ہو گیا۔ خاور نے خود کو اس دو طرفہ حملے سے بچانے کے لیے بھرپور مزاحمت کی اور کسی لٹو کی طرح محکم گرم کر بھجڑ کو دوبارہ وار چلانے لگا۔ اس کی اس حکمت عملی نے ان دونوں کو کوشش کے باوجود اس کے قریب نہیں آنے دیا۔ تین افراد کے درمیان جاری سرے اور بارودینے والی اس لڑائی کے تماشا کی اس صورت حال سے کسی قدر لطف اندوز ہو رہے ہیں، اس بات کا اعتراف زبان پر ناواقفین کے علاوہ سنیوں اور بتالیوں کی آوازوں سے بھی ہو رہا تھا۔ جیتکا حملہ ان کی توقع سے زیادہ دلچسپ ہو چکا تھا۔ اس دلچسپ صورت حال میں نیا ٹوکسٹ اس وقت آجایب حیرتی سے گھومتے خاور کا توازن ایسا یک ہی بکڑا اور وہ حزام سے زمین پر آ رہا تھا۔ اس کے گرتے ہی وہ دونوں جو موضوع کی ناک میں ہی تھے، اس پر چل پڑے۔ سب سے پہلے خاور کا بھجڑ اس کے ہاتھ سے نکلا پھر ناک پر دھم کھانے والے نے مین اس کی ناک پر مٹکا رسید کیا۔ مٹکا اتنی شدت سے مارا گیا تھا کہ خاور کی تکسیر پھوٹ چکی اور خون ناک سے نکل کر چہرے پر پھیلا چلا گیا۔ ریڈ روم کی ہر چیز پہلے ہی صفر تک اب اس میں موجود تینوں نفوس بھی اپنے اپنے خون میں نہاے سرخ ہو رہے تھے۔

"پولیس....." مین دو کوجہ ان میں سے ایک بھجڑ سے خاور پر حملہ کرنے لگا تھا، لڑا اٹھل کی تیز اور سراپہ آواز کمرے میں گونجی۔ اس آواز پر وہ دونوں خاور کو بھول کر تیزی طرح بڑبڑا کر سیدھے ہوئے اور فرار کی راہ اختیار کر لی جاسی لیکن پولیس ان کی توقع سے زیادہ تیزی سے وہاں پہنچی تھی۔

"بٹھڑا اب..... اگر کسی نے حرکت کی تو اسے گولی ماری جائے گی۔" تیز آواز میں دیے گئے اس حکم کے ساتھ ہی فرار کی ساری راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

"مجھے خوشی ہے جو ان کہ تم نے اپنے خوف سے بچھا



ہے۔ یہاں تک کہ پچھلے کچھ سالوں سے اس کے پوتا اور پوتی یورپ میں مقیم تھے اور وہاں کی مشہور یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

”لکنا ہے بڑی یونیورسٹی کے اخراجات بڑھ جانے کے باعث طے کو اپنا حصہ بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی جو اس نے مراد کو ہاتھ کر ڈالا۔“ عادل کا تبصرہ دلچسپ تھا۔

”تجسین سن کر حیرت ہوئی کہ اُسے یہ راہ اس کے پوتے نے دکھائی تھی۔ پوتا خود تو جہول طین کے اہل پڑھائی میں بہت مصروف تھا اس لیے اس نے اسے شورہ دیا کہ کسی ایسے پڑے پڑے لڑکے کی خدمات حاصل کرے جس کا پس منظر غریب ہو لیکن وہ خود قابل اور کپڑے سے حلقہ مفلوات میں ماہر ہو تو بس پھر لگ گیا مراد خان ان کے ہاتھ۔“ شاہنواز نے لنگھو کو سہٹ لیا۔

”کاش ہم ان لوگوں پر بھی ہاتھ ڈال سکتے جن کے دم سے ڈارک ویب کا کالا دھندلاہل رہا ہے اور جو اپنے پیسے کے زور پر یہ غیر انسانی کھیل کھیلتے ہیں۔“

”ان کا تو دماغی ہم کچھ نہیں کر سکتے لیکن میں نے آئی جی صاحب سے یہ وعدہ لے لیا ہے کہ ڈاکوؤں کے خلاف جلد از جلد ایک بڑا آپریشن کیا جائے گا۔ یوں بھی باطنیوی کی گرفتاری کے بعد گروہ انتشار کا شکار ہو گا اور انہیں میں سرداری کے لیے مکمل جیل دہی ہوگی تو ایسے میں آپریشن کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہیں۔“ شاہنواز خامسا پر امید تھا۔

”میری طرف سے نیک خواہشات۔“ عادل نے باپ کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کہا لیکن یہ بات ان میں سے ہر ایک جانتا تھا کہ برائی کا جڑ سے خاتمہ ممکن نہیں تھا۔ اب بھی اس کیس سے جڑے کتنے ہی کردار آرام سے بیٹھ گئے تھے۔ نہ تو ریڈ روم کے تمام شاہینوں میں سے کسی کو ایکپوز ہونا تھا، نہ ہی ڈاکو دادو ڈارک ویب کی طرف دھکیلے والا پوتا بلوٹ کر واپس آنے والا تھا۔ خیر کے کما کماؤں کی بس اتنی ڈیوٹی تھی کہ وہ اپنے جیسے کافر فیض انجام دیتے رہیں کیونکہ جب فرائض انجام دیے جاتے ہیں تو خاور پیسے مفلکوں کی دادوسی کے امکانات قائم رہتے ہیں اور ایسے امکانات قائم رکھنے والوں کا تاثر اعمال نیکیوں سے بھرتا چلا جاتا ہے۔ ازل سے ادبیک قائم رہنے والی بدی سے مقابلے کی واحد صورت بھی یہی تھی۔

❖❖❖

شاہنواز نے اس کے تجسس کے جواب میں بتانا شروع کیا۔ ”یہ عجیب ہی ذہینیت ہے کہ اگر خود پر ظلم ہو تو جواب میں اس سے بھی زیادہ ظالم بن جاؤ۔“ مراد نے منہ بتا کر تبصرہ کیا۔

”مجھے لگتا ہے ایسے لوگوں کے اندر جرم کی خواہش پہلے سے ہی کھلی دلی ہوتی ہے جو منوع کچھ کر باہر آ جاتی ہے۔“ عادل نے جوا بھی انہی دہاں پہنچا تھا اور اندر داخل ہوتے ہوئے مراد کا جلسہ سن چکا تھا۔ موضوع لنگھو کھینچے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

”یہ عادل ہے، میرا بیٹا۔ تم تک پہنچنے میں اس نے میرا سب سے زیادہ ساتھ دیا۔ کچھ کہوں تو اگر عادل نہ ہوتا تو میرے لیے یہ کیس حل کرنا بہت مشکل تھا۔“ شاہنواز نے ہر باپ کی طرح فخر سے بیٹے کی کارکردگی کا اظہار کیا۔

”تم سے مل کر خوشی ہوئی عادل خان۔“ مراد خان نے کھڑے ہو کر گرم جوشی سے عادل سے مصافحہ کیا۔

”خوش ہونا تو ٹھیک ہے لیکن تم نے مجھے خان کس خوشی میں بنا دیا۔“ عادل دوستانہ انداز میں ہنسا۔

”بس ویسے ہی جیسے آپ لوگ عزت دینے کے لیے ہر بندے کو کس کی بنا دیتے ہو۔“ مراد بھی جواب دیا۔

”گڈ آنسر۔“ عادل کو اس کے جواب نے لطف دیا۔

”اور کیا چل رہا تھا یہاں؟“ اس بار اس کا مخاطب مراد کے ساتھ شاہنواز بھی تھا۔

”میں مراد کو باطنیوی کی داستان سنا رہا تھا۔“

”تو پھر جاری رکھیں۔“ وہ خود بھی مراد کے ساتھ والی کرسی پر براجمان ہو چکا تھا۔

”بس میں یہ بتا رہا تھا کہ لطیف عرف طیفانا اتنا ہوشیار تھا کہ اس نے اپنی ذات پر کبھی شک ہی نہیں ہونے دیا۔ گاؤں والوں کے نزدیک وہ ایک نہایت شریف اور محنتی بوڑھا تھا جو ساری زندگی محنت مزدوری کر کے اپنی بیوہ بہو اور پوتے پوتی کی نکالت کرتا رہا ہے۔ (اس نے یہ بہروپ خود کو پولیس کی نظروں سے چھپانے کے لیے بھرا تھا۔ اس طرح اس کو ہر طرف کی خبریں ملتی رہتی تھیں) ان تینوں کو گاؤں میں نہ رکھنے کا اس نے جواز مقرر رکھا تھا کہ وہ نہیں چاہتا اس کے بیٹے کی طرح وہ لوگ بھی کسی طاقتور شخص کے ظلم کا نشانہ بن جائیں۔ گاؤں والوں کو اس سے ہمدردی تھی اور وہ یہی سمجھتے تھے کہ اس کے خاندان کے تینوں افراد انہیں پر کسی کی زندگی گزار رہے ہوں گے۔ انہیں اندازہ بھی نہیں تھا کہ باطنیوی نے انہیں کسی پریشانی زندگی دے رکھی

جاسوسی ڈائجسٹ 226 جنوری 2025ء